مقدس دیوداسی

اسلم راہی
ایم اے





پراسرار طریقے سے بہنے والے مٹیالے رنگ کے دریائے آمو کے کنارے کنارے دو سوار شکستہ پَر، کھوئی ہوئی پرواز کے متلاشی طیور، ابرِ گریزپا، شجر سے کٹے ہوئے سائے اور الفاظ سے جدا معانی کی طرح اپنے گھوڑوں کو شمال کی طرف سرپٹ دوڑاتے چلے جا رہے تھے۔

ان دونوں سواروں کی آنکھوں میں ہزاروں سوال، ہونٹوں پہ گہرا سکوت اور چہروں پر ہلکی ہلکی اداسی ہجر کے لمحوں کی طرح صاف اور عیاں طور پہ دیکھی جا سکتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کسی نے ان دونوں کی روح کو زخمی اور جسم کو گھائل کرتے کرتے ان کے دامن کو شعلوں اور شراروں سے بھر دیا ہو جن کے باعث گردِ کدورت سے ان کے چہرے دھندلا رہے تھے اور دلوں کے آئینے مکدر ہو رہے تھے۔

دونوں عمدہ نسل کے گھوڑوں پہ سوار تھے جبکہ ان میں سے ایک کے گھوڑے کے ساتھ چھوٹا سا ایک بچھیرا بھی بھاگتا چلا جا رہا تھا۔ یہ بچھیرا گھوڑوں کی تیز رفتاری کے باعث وقفے وقفے سے پیچھے رہ جاتا تھا، پر اپنی رفتار بار بار تیز کرتے ہوئے دوبارہ دونوں گھوڑوں تک پہنچ جاتا تھا۔

کہستانوں کی بلند چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ آسمان پہ گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی جس سے بچنے کے لیے ان دونوں سواروں نے اپنے آپ کو چرمی چادروں میں ڈھانپ رکھا تھا۔ اپنے دونوں گھوڑوں اور بچھیرے کو بھی بارش اور سردی سے بچانے کے لیے انھوں نے ان پہ چمڑے کی چادریں ڈال رکھی تھیں۔

بارش کی بوندیں چٹانوں پہ گرتے ہوئے ایک ہنسی اور پیڑوں پر گرتے ہوئے چھن چھن جیسی گونج کی آوازیں پیدا کر رہی تھیں۔ بے انتہا خلاؤں کے اندر سلگتے ہوئے صحرا کی سی خاموشی، ناگ پھنی

کے جنگل کی سی ویرانی اور پتھروں کے شہر میں بکھرے شمشانوں جیسی اداسیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ دونوں بھول بھلیوں کے مسافر اسی طرح اپنے گھوڑوں کو خاموشی سے بھگاتے رہے۔ کبھی کبھی راستے کا تعین کرنے کے لیے وہ سوالیہ انداز میں وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ لیتے تھے پر منہ سے ایکدوسرے سے کچھ نہ کہتے تھے۔

ان کے چہروں کے تاثرات بتاتے تھے کہ وہ غربت کے کڑے دنوں کی مار اور ستم کے عذاب سے ہو کر نکلے ہیں۔

دریائے آمو کے کنارے کنارے برف سے ڈھکے ہوئے کوہستانی سلسلے اور دروں میں سے گزرتے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسی وادی میں آداخل ہوئے جہاں سے تین راستے مختلف سمتوں کو جاتے تھے۔ ایک راستہ سیدھا آگے دریائے آمو کے کنارے کنارے شمال کو چلا گیا تھا۔ دوسرا راستہ قدرے بائیں طرف سرخ ریت کے ایک بے کنار ریگستان کی طرف نکل گیا تھا اور تیسرا راستہ کسی زہریلے سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا کوہستانی سلسلے کی اونچائی کی طرف جاتا تھا۔

ان تینوں راستوں کے سنگم پر کھڑے ہو کر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف غور سے دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں انہوں نے کوئی فیصلہ کیا۔ پھر اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر وہ اس راستے پر ہو لیے جو کوہستانی سلسلے کے اوپر جاتا تھا۔

اس پہاڑ کے اوپر آ کر انہوں نے دیکھا کہ پہاڑ کی بلندی کسی وسیع وادی کی طرح ہموار تھی اور اس کے اوپر چند مکانوں پر مشتمل چھوٹی سی ایک بستی آباد تھی۔

اس بستی کے بائیں طرف سے ہوتے ہوئے وہ دونوں سوار ایک ایسی جگہ آ رکے جہاں سیاہ رنگ کے بڑے بڑے پتھروں سے بنی ہوئی ایک قبر کے اردگرد کچھ لوگ جمع تھے۔ یہ دونوں سوار اس قبر کے پاس جمع شدہ لوگوں کے پاس آ رکے۔ پھر ان دونوں میں سے ایک نے ان لوگوں میں سے ایک کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا:

"کیا یہ زرتشت کی قبر ہے؟"

اس جوان کے لہجے میں بلا کا ٹھہراؤ اور آواز میں گونجتی جدائی تھی۔ جس شخص سے اس نے یہ سوال کیا تھا وہ اس کے قریب آیا اور کہنے لگا:

"تمہارا اندازہ درست ہے۔ یہ زرتشت ہی کی قبر ہے"۔

پھر وہ جوان حرکت میں آیا۔ اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ لٹکتی اپنی چرمی خرجین میں ہاتھ ڈال کر اس نے لوہے کا ایک خول نکالا۔ اس خول میں سے اس تے تہ کیا ہوا ایک کپڑا نکال کر کھولا۔ اس پر کچھ نام ترتیب وار لکھے ہوئے تھے۔

وہ کپڑا اس سوار نے اس شخص کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا:

"ذرا ان ناموں کو دیکھو۔ ان ناموں کا کوئی شخص اس بستی میں ٹھہرا ہوا ہے؟"

وہ شخص بڑے غور سے ان ناموں کو دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ اس اجنبی سوار کی طرف دیکھ کر بولا:

"اس کپڑے پر یہ جو دس نام لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک جوان ضرور یہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کا نام طولیس ہے"۔

سوار نے پوچھا:

"کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟"

اس پر وہ شخص کہنے لگا:

"تم میرے ساتھ بستی میں آؤ۔ میں اس سے تمہاری ملاقات کرواتا ہوں"۔

اس پہ وہ سوار بولا:

"نہیں زحمت تو ہوگی لیکن کیا تم میرے لیے اسے یہاں نہیں بلوا سکتے"۔

اس شخص نے کمال اپنائیت سے جواب دیا:

"اگر ایسا ہے تو تم تھوڑی دیر یہیں رکو۔ میں اسے بلا کر لاتا ہوں"۔

اس کے ساتھ ہی وہ شخص تیزی سے قبر کے قریب ہی چند مکانوں پر مشتمل بستی کی طرف چلا گیا جبکہ وہ دونوں سوار اس قبر کے قریب ہی اپنے گھوڑوں کو روک کر انتظار کرنے لگے تھے۔

ان کے چہروں پر اب کسی قدر اطمینان اور تسلی کے اثرات دیکھے جا سکتے تھے جیسے بے منظر عکس کے اندر انہیں اپنی منزل اور بکھرے لمحوں کی اوٹ سے کوئی نئی کرن دکھائی دی ہو۔ ان کے تاثرات سے کچھ یوں اندازہ لگایا جا سکتا تھا جیسے وہ کسی بہت بڑے ارادے اور کسی پرانی تمنا کی جستجو میں اس کوہستانی سلسلے

کی طرف آ رہے ہوں۔ تاہم وہ دونوں اپنے گھوڑوں پر بیٹھے ہی بیٹھے اس شخص کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد وہ شخص لوٹا۔ اس کے ساتھ تین بھاری بھرکم، خوب قد آور توانا اور صحت مند جوان تھے۔ قریب آکر وہ شخص ہاتھ کے اشارے سے ان تینوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا:

"یہی طولیس ہے جس سے تم دونوں ملنا چاہتے ہو اور اس کے ساتھ جو دو نوجوان ہیں یہ اس کے ساتھی ہیں۔ اب تم اس سے اپنے مطلب کی گفتگو کر سکتے ہو۔"

وہ شخص وہاں سے ہٹ گیا۔ ان دونوں سواروں میں سے وہی جس نے ابھی تک گفتگو کی تھی، اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے پوچھنے لگا:

"اگر تم طولیس ہو تو مجھے اور میرے ساتھی کو ضرور جانتے ہو گے۔ میرا نام ارسلان ہے۔ میرے اس ساتھی کا نام احمد ہے۔ یہ میرا چچازاد بھائی بھی ہے۔"

یہ دونوں نام سن کر طولیس نے فوراً اپنی تلوار کھینچ لی۔ اپنی پیٹھ پر لٹکتی ہوئی ڈھال بھی اس نے سنبھال لی۔ پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے دونوں ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کر لیا۔ پھر طولیس زہریلے انداز اور غضب ناک آواز میں ان دونوں سواروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"سنو خزاؤں کے ساتھیو! جنون کے نغمات کے امینو! اگر تم ارسلان اور احمد ہو تو پھر اس کوہستانی سلسلے کے اوپر زرتشت کی قبر کے قریب میں تم دونوں کے ارادوں کو جانگسل لمحوں، تمہارے آدرش کی بے کل ساعتوں میں تبدیل کر کے تمہارے افکار کی ہر رگ کاٹ کر رکھ دوں گا۔ وطن کی مانگ کے تاروں اور کوہساروں کے جوہروں کی قسم، لہلہاتے کھیتوں، گاتے چشموں کی سوگند، بہتے امرت، چمکتی بل کھاتی ندیوں کی قسم، خوابوں کے سبز موسم، گھرے اندھیرے کی ویران شب کی شوکت اور زندگی کی ساری گرمی اور زرتشت کی اس قبر کے پاس جلتی مقدس آگ کی فنا گاہوں سے تم دونوں اب یہاں سے بچ کر نہ جاؤ گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد طولیس رکا۔ پھر تھوڑی دیر بعد سر کو بڑی نخوت کے ساتھ اٹھاتے ہوئے اس نے ان دونوں سواروں کی طرف دیکھا ۔۔۔ اور پہلے سے بھی زیادہ غضب ناک آواز میں وہ ارسلان اور احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"ہم آتش پرستوں کو تم دونوں مسلمانوں کی ہی تلاش تھی۔ میں جب اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ایک

سیلِ بے پناہ کی طرح تم دونوں پر حملہ آور ہوں گا تو تم دونوں کی دیرینہ خواہش اور خیر و شر کے شعور کو کرب کے احساس میں بدل دوں گا۔ تمہارے نسلی پاگل پن کو تمہارے جسموں کے آشوب، تمہارے حسد کے نگار خانے کو زمانے بھر کی وحشتوں، تمہاری آوارہ مزاجی کو وقت کے بدترین افلاک میں، تمہارے تلخ لہجہ کو نوحے بانٹتی تاریکیوں میں اور تمہاری زبان کے جبر کو میں صحراؤں کی اندھی وحشت میں تبدیل کر کے رہوں گا۔

سنو! مجھے غور سے سنو۔ یہ بستی جس کے باہر اس وقت تم کھڑے ہو آتش پرستوں کی بستی ہے۔ اس بستی سے باہر اس کوہستانی سلسلے کے اوپر اور زرتشت کی اس قبر کے پاس کوئی بھی تم دونوں کو زندہ رہنے کی ضمانت دینے والا نہ ملے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد طولیس خاموش ہوا۔

ان دونوں نے بھی اپنی تلواریں اور ڈھالیں سنبھال لی تھیں۔ پھر ارسلان طولیس کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"سنو شیشے کے خواب دیکھنے والو! بارود کے سوداگرو! تم ہم دونوں پر حملہ آور ہو کر تو دیکھو۔ پھر تمہیں احساس ہو گا کہ کس طرح ہم جلتے بجھتے شعلوں کی طرح تمہاری عداوت کی سخت چٹانوں کو توڑتے ہیں۔ تمہارے آئینے ریزہ ریزہ اور تمہارے عکس پارہ پارہ کرتے ہیں۔"

یہاں تک کہہ کر ارسلان تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ پھر وہ دوبارہ اپنی حصاروں کو توڑتی ہوئی صدا میں کہنے لگا:

"تم لوگوں نے تو ہمیں وقت گزیدہ شخص اور خاک کے پیکر سے آگ کا شعلہ بنا دیا ہے۔ اب ہم دونوں اپنی ذات میں ایک دریا، اپنے تشخص میں ایک سمندر ہیں۔ ہم پر حملہ آور ہو کر دیکھو کہ ہم کس طرح تمہاری حالت کو سوکھے صحرا کی ریت، قید کے لمحات، چراغِ آخرِ شب میں تبدیل کرتے ہیں۔ کیا تم تینوں نے کبھی بے ہوا صحرا کی وسعتوں، قبر کی تنگی کے منظر، لہو میں رنگین صلیب اور زہر آلود شب کو دیکھا ہے؟ بس اس کوہستانی بلندی کے اوپر ہم دونوں تمہاری ایسی ہی حالت کریں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد ارسلان خاموش ہو گیا چونکہ وہ تینوں اپنی تلواریں سونتتے ہوئے ان دونوں پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھے تھے۔

ان تینوں کے یوں تلواریں لہرا کر آگے بڑھنے سے ارسلان کی کیفیت عجیب سی ہو کر رہ گئی تھی جیسے کہ وہ سمندر کے تلاطم اور موجۂ طوفان کی صورت اختیار کر جائے گا۔ اس کے ذہن کی ساری یکسوئی کے اندر دھوپ کی ابرق اور آنکھوں میں خار اور توت کد سے ناچ اٹھے تھے۔

وہ اپنی جسمانی کیفیت میں ٹوٹ پڑنے والے سیلاب اور زمین کو پھاڑ کر نکلنے والے طوفان کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی اچانک اس نے اپنا ہاتھ باری باری اپنی زین کے ساتھ لٹکتی ہوئی چرمی خرجینوں میں ڈالا۔ ان دونوں نے خرجینوں کے اندر سے باری باری لوہے کے چھوٹے چھوٹے گولے نکالے جن کے ایک طرف مضبوط سوراخ تھے۔ ان سوراخوں کے اندر باریک مگر خوب مضبوط اور بٹی ہوئی رسیاں بندھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر تک ارسلان ان تینوں کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر اچانک وہ برق کے کوندے کی طرح حرکت میں آیا۔

لوہے کے وہ گولے جن کے ساتھ رسیاں بندھی ہوئی تھیں اور جنہیں اس نے اپنی چرمی خرجین میں سے نکالا تھا، اس نے باری باری لوہے کے وہی گولے تاک کر طولیس کے دونوں ساتھیوں کو دے مارے۔ لوہے کے وہ گولے ان دونوں کو اس زور اور قوت کے ساتھ سر پر پڑے کہ وہ دونوں وہیں گر کر دم توڑ گئے۔

لوہے کے ان گولوں کے ساتھ رسیاں بندھی ہوئی تھیں لہٰذا بڑی تیزی سے ارسلان نے ان رسیوں کو اپنی طرف کھینچا اور دونوں لوہے کے گولے ہاتھ میں لے کر دوبارہ چرمی خرجین میں ڈال لیے۔ پھر اس نے ایک ہاتھ میں اپنی تلوار اور دوسرے میں ڈھال سنبھالتے ہوئے عجیب سے انداز میں طولیس کی طرف دیکھنا شروع کیا۔

اپنے دونوں ساتھیوں کے یوں اچانک موت کا شکار ہو جانے پر طولیس کی حالت پھٹے آنچل کی دھجیوں، مسکی ہوئی اوڑھنی جیسی ہو کر رہ گئی تھی اور وہ انتہائی بے بسی اور لاچاری میں اپنے مرنے والے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے ارسلان نے پھر اسے مخاطب کر کے کہنا شروع کیا:

"سن اے دہشت بونے والے صحرا کے مسافر! اس بزمِ ہستی میں، اس رزم گاہِ زیست میں، کذب اور بے لحاظی سے بھری اس دنیا میں تم لوگوں نے میرے گھر بار کو راکھ کیا۔ میرے گھر کے تقدس کو، میری

دہلیز کی عصمت کو، میرے خوابوں کی طہارت کو پامال کیا۔

سنو اور لکھ رکھو کہ میں صرف نابینا قانون بن کر تمہیں تمہارے قبیح جرائم کی سزا نہیں دوں گا بلکہ ایک قابلِ دست انداز حاکم اور ناظم کی طرح تم پر وار کروں گا اور تم سے ہر وہ انتقام لوں گا جس کے تم حقدار ہو۔

تم زندگی کو تلاش کرو گے جبکہ میں موت بن کر تمہارے تعاقب میں رہوں گا۔ تمہارے لوحِ آئینہ پر تمہارے دل کی قندیلوں پر، تمہاری امیدوں اور ارمانوں پر، تمہاری خوش گمانیوں پر، تمہارے نشۂ پندار پر اور تمہارے معیارِ شرف پر ذلت اور بدبختی بھری ضربیں لگاتا رہوں گا۔"

ارسلان کی اس گفتگو کے جواب میں طولیس نے کھا جانے والے انداز میں اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر طوفان ہی طوفان اور انتقام ہی انتقام رقص کر رہے تھے۔ پھر وہ ارسلان کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"اتنے خوش طالع اور بخت آور نہ بنو۔ ہم تمہارے سامنے ایسے بے بس اور اس قدر لاچار نہیں ہیں جس قدر تم خیال کر رہے ہو۔ ہم تو وہ لوگ ہیں کہ جو قاتل کو قتل کے آداب سکھانا بھی جانتے ہیں۔ ہم تمہیں آگ سے خاک کریں گے۔ تمہارے سر کو خمیدہ اور کشیدہ کرتے ہوئے تم سے تمہاری زندگی کی دھوپ اور زیست کا محور تک چھین لیں گے۔

سنو جاذب کے بیٹے! میرے دو ساتھیوں کا خاتمہ کرنے کے بعد یہ گمان نہ کرنا کہ تم ان کو ہٹانے کے اوپر اپنی مہم میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ میں تو ان ویرانوں کے اندر تمہارے تن کو ہر آزمائش میں ڈال دوں گا۔ تمہیں بدبختی کی بنیادوں میں چنوں گا اور اس کے بعد میں تمہاری حالت گردی رکھے خوابوں اور جلاوطنوں کی امیدوں سی بنا کر رکھ دوں گا۔"

طولیس جب خاموش ہوا تو ارسلان انتہائی غضب اور غصے میں کہنے لگا:

"تم بکتے ہو۔ تم لوگوں نے مل کر میرے ذمے اگر کوئی آنگن نہیں رہنے دیا تو لکھ رکھو میں تم سب کے سروں پر کوئی چھت نہیں رہنے دوں گا۔

سنو طولیس! میری تقویم میں کوئی فردا نہیں ہے۔ میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے وہ کر گزرتا ہوں۔ میں تمہیں ہی نہیں بلکہ تمہارے دوسرے نو ساتھیوں کو بھی آزماؤں گا اور تمہارے جسموں کے ساتھ ساتھ

میں تو تمہارے ماتھے تک کو بھی چھید ڈالوں گا۔

نعلق کے اس گھنے جنگل میں تم لوگ سرسراتے ہوئے بچھو ہو اور تمہارا خاتمہ انسانیت کی فلاح اور بہتری ہے"۔

جواب میں طولیس اپنے چہرے پر زہریلی سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہنے لگا:

"تم ایک اکیلے ہمیں اس طرح کی دھمکیاں دیتے ہو۔ میں سمجھتا ہوں تم تو کوہستانوں کی اس چوٹی پہ مجھ جیسے اکیلے کا مقابلہ بھی نہ کر سکو گے۔ پھر تم میرے نو ساتھیوں کا کیا بگاڑ لو گے؟"

اس پہ ارسلان بولا:

"دیکھ طولیس! ایک ہی دیا شب کی سیاہی کے خلاف حرکت میں آتا ہے اور اندھیروں کو پامال کرتا ہوا دور دور تک اپنی روشنی کی کرنیں پھیلا دیتا ہے۔ ایسے ہی میں بھی تم سب پہ وارد ہوں گا اور تمہاری ساری بدگمانیوں کے انگاروں پہ پانی پھیر دوں گا"۔

اس کے ساتھ ہی ارسلان اس شاہین کی طرح اپنے گھوڑے سے کود گیا جو بلندیوں سے اپنے دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے پستیوں کی طرف لپکتا ہے۔

طولیس نے جب اسے اپنے گھوڑے سے اتر کر اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ سنبھل گیا۔ گھوڑے پر بیٹھے ہوئے ارسلان کے عم زاد احمد نے بھی اس موقع پر اپنے گھوڑے سے اترنا چاہا لیکن ارسلان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے گھوڑے پہ ہی بیٹھے رہنے کو کہا۔ خود وہ اپنی تلوار اور ڈھال مضبوطی سے تھام کر انہیں اپنے دونوں ہاتھوں میں ہلاتا ہوا طولیس کی طرف بڑھا۔

دوسری طرف طولیس نے بھی اپنے مرنے والے دونوں ساتھیوں پہ ایک آخری نگاہ ڈالی۔ پھر وہ غصے اور قہر بھرے انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں میں تلوار اور ڈھال کو سنبھالتا اور ہلاتا ہوا ارسلان کی طرف بڑھا تھا۔

ارسلان بھی آگے بڑھا اور طولیس کو مخاطب کر کے بولا:

"سن موت کے متلاشی! میں تجھ پہ حملہ آور ہوتا ہوں۔ اگر تو میرے حملوں کو روک سکتا ہے تو روک کر دکھا"۔

اس کے ساتھ ہی ارسلان بے وارثی کی شام، بے چہرگی کے موسم اور اس خونخوار بھوکے وحشی کی طرح

حملہ آور ہوا جو اپنی شکارگاہ اور اپنی ہدف کی طرف لپکتا ہے۔

اس کے تیز حملوں سے لگتا تھا جیسے اس نے طولیس کے لباسِ رسوائی میں خزینۂ غم کے پیوند لگانے کا عزم کر لیا ہو۔

ارسلان شروع میں ایسی تیزی، خوف ناکی اور ایسی پرانی اجنبیت کی طرح طولیس پر حملہ آور ہوا تھا کہ تھوڑی دیر کے مقابلے کے بعد ہی طولیس کی حالت حبسِ بے جا میں رکھے خوابوں، جلے سپنوں کی خاک، بجھی روح کی راکھ جیسی ہونا شروع ہو گئی۔

تھوڑی دیر قبل تک جہاں وہ اہلِ جاہ و حشم اور اہلِ طبل و علم کی سی گفتگو کر رہا تھا وہاں اب ارسلان کے دستِ ہنر کے سامنے لہجوں اور آوازوں کی بے بسی جیسا مجبور اور دھوپ مانگتے ابر جیسا لاچار دکھائی دے رہا تھا۔

اس کی سانس دھونکنی کی طرح چلنا شروع ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے، اس کی آنکھوں اور اس کے مجموعی تاثرات سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ارسلان کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ ندامتوں کے مناظر اور قبائے خاک جیسا مایوس دکھائی دے رہا تھا۔

طولیس کے مقابلے میں ارسلان، رات کی آنکھ میں چمکتے جگنو جیسا تازہ دم دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے لہجے میں اب بھی تبر و تفنگ جیسی سختی چھپی ہوئی تھی۔

ایک موقع پہ اس نے طولیس پہ ایک خوفناک وار کیا۔ پھر خندۂ استہزاء اپنے چہرے پہ بکھیرتے ہوئے اس نے طولیس سے کہا:

"سن میرے خلاف بھونکنے والے بھیڑیوں کے ساتھی! محنت، نیکی اور سچائی میرا ورثہ ہے۔ تجھ جیسے لوگوں کے سامنے بجھ جانا میرا مقسوم نہیں ہے۔ تم لوگوں نے میری زمین کا ماتھا خون سے سرخ کیا، میں تمہارے اعضاء جوارح کو خون آلود کر دوں گا۔

دیکھ! میں اس مقابلے کو انجام تک پہنچانے لگا ہوں۔ اگر تو میرے اس نئے حملے کے سامنے اپنا دفاع کر سکتا ہے اور اپنے آپ کو بچا سکتا ہے تو اپنی سی کوشش کر دیکھ"۔

اس کے ساتھ ہی ارسلان نئے انداز میں طولیس پر حملہ آور ہوا تھا۔

اسی دوران کوہستانی سلسلے کے نشیب سے دو سوار اپنے گھوڑوں کو مارتے بھگاتے اندھا دھند سرپٹ

دوڑاتے ہوئے اس جگہ آئے جہاں ارسلان، طولیس کے ساتھ مقابلہ آزما تھا۔

طولیس پہ حملہ آور ہوتے ہوئے ارسلان نے ان دونوں سواروں کی طرف دیکھا۔ انہیں دیکھنے کے بعد اس کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اس نے نئے ولولے، نئے انداز میں سرمئی شام کے دھندلکے، ہلکورے لیتی شام، سنہری کرنوں کے الجھے گیسوؤں کی طرح طولیس پہ خوفناک وار کرنے شروع کر دیے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کوہستانی چوٹی پر ارسلان نے طولیس کی سرشاری، سرمستی اور اس کے جینے کے سارے وسائل اور اس کی فصیلِ ذات کو کاٹ دینے کا عزم کر لیا ہو۔

وہ اس پہ اس طرح چھاتا چلا جا رہا تھا جیسے کوئی سایہ، سائے کا تعاقب کرتا ہے۔ اس کی سحر کار آنکھیں طولیس کو کسی اور آسمان، کسی دور افتادہ زمین، کسی نئی بزمِ انجم، کسی انوکھی گم شدہ بستی کی دعوت دے رہی تھیں۔

اچانک ارسلان نے طولیس پہ شاید اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے فضاؤں کے اندر خوفناک انداز میں خداوندِ قدوس کی بڑائی اور کبریائی کا نعرہ بلند کیا۔

اس کا "اللہ اکبر" کا نعرہ سن کر طولیس چونک سا پڑا۔ عین اسی وقت ارسلان نے ایک ساتھ اپنی تلوار اور ڈھال طولیس پہ پوری قوت سے گرا ڈالی۔

طولیس نے ارسلان کی تلوار کو تو اپنی ڈھال پہ روکا لیکن اس کی ڈھال طولیس کے شانے پر لگی اور ایسے زور سے لگی کہ طولیس اپنا توازن کھو بیٹھا اور ڈگمگانے لگا۔

اسی وقت ارسلان نے اپنی تلوار علیحدہ کر کے پھر گرائی اور طولیس کے جسم کو اس نے کاٹ کر رکھ دیا۔ طولیس زندگی کی مسافت ہار کر خون میں لت پت زمین پہ گر پڑا۔

طولیس کا خاتمہ کرنے کے بعد ارسلان اُن دونوں سواروں کی طرف متوجہ ہوا جو تھوڑی دیر قبل کوہستانی چوٹی پر آئے تھے۔ پھر ان میں سے ایک کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کسی قدر نرمی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے پوچھا:

"اسمٰعیل! میرے بھائی!! تم خیریت سے تو ادھر آئے ہو اور یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟"

اس پر ڈھلتی ہوئی عمر کا وہ شخص جسے ارسلان نے اسمٰعیل کہہ کر مخاطب کیا تھا، بولا اور ارسلان سے کہنے لگا:

"مجھے سلطان نے ایک اہم پیغام دے کر آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔ سلطان کی طرف سے پیغام یہ ہے کہ آپ فی الفور اپنے عمزاد احمد کے ساتھ پشاور پہنچیں اس لیے کہ جس روز میں آپ کی طرف آنے کے لیے غزنی سے روانہ ہوا تھا اسی روز سلطان بھی اپنے لشکر کے ساتھ غزنی سے پشاور کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

سلطان، راجہ جے پال کے خلاف کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر انھوں نے آپ کو فی الفور لشکر میں طلب کیا ہے۔ یہ میرے ساتھ جو میرا ہم عمر شخص دیکھ رہے ہیں یہ میرا رشتہ دار ہے۔ اس کا نام جبیر ہے اور یہ یہاں سے قریب ہی دریائے آمو کے کنارے ایک بستی میں رہتا ہے۔ غزنی سے یہاں پہنچنے کے بعد میں نے اسی کے ہاں قیام کیا۔ پھر میں اسے لے کر اس طرف نکل آیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ آپ کچھ دن ٹھہر کر یہیں پہنچیں گے اس لیے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں زرتشت کی قبر کے قریب اسی بستی میں قیام کروں گا جس کی طرف آپ نے آنا تھا لیکن میرے اندازوں کے برعکس آپ مجھ سے پہلے پہنچ چکے ہیں۔ تاہم میں نے سلطان کا پیغام آپ تک پہنچا دیا ہے لہٰذا آپ وقت ضائع کیے بغیر احمد کو لے کر پشاور کی طرف روانہ ہو جائیں۔

میں یہاں سے اپنے عزیز جبیر کے ساتھ جاؤں گا اور چند روز تک اس کے ہاں قیام کروں گا۔ اس کے بعد میں یہاں سے کوچ کر کے پشاور میں لشکر میں آ ملوں گا۔"

اسمٰعیل خاموش ہو گیا۔

اس کی گفتگو کے جواب میں ارسلان کچھ کہنے ہی والا تھا کہ جس جگہ اس نے طولیس اور اس کے دونوں ساتھیوں کو قتل کیا تھا، اس کے پہلو میں زرتشت کی قبر کے اردگرد جو لوگ بیٹھے تھے ان میں سے ایک بوڑھا آہستہ آہستہ چلتا ہوا ارسلان کے قریب آیا اور کہنے لگا:



"اے اجنبی اور پردیسی نوجوان! میں نہیں جانتا کہ تُو کون ہے اور تیرا تعلق کن زمینوں سے ہے۔ پر میں تجھے زرتشت کی قبر کے قریب ان کوہستانی سلسلوں کے اوپر طولیس اور اس کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔ تم نے جس انداز میں طولیس کے دونوں ساتھیوں اور اس کے بعد خود

طولیس کا جو خاتمہ کیا ہے یہ یقیناً ایک انوکھا عمل اور ایک قابلِ ستائش کام تھا۔

پر اے اجنبی! شاید تو نہیں جانتا کہ یہ طولیس اور اس کے لواحقین کیسے خونخوار اور خطرناک لوگ ہیں۔ طولیس کے چار اور بھائی ہیں۔ گویا یہ خود پانچ بھائی ہیں۔ پانچ ہی ان کے چچا زاد ہیں اور یہ دس کے دس انتہائی خونخوار اور وحشی افراد ہیں اور طولیس کے باقی چار بھائیوں میں جو سب سے بڑا ہے اس کا نام توزون ہے۔ تم نے جو طولیس اور اس کے دو ساتھیوں کو قتل کیا تو یہ توزون تم سے انتقام ضرور لے گا۔ شاید تم اس توزون سے واقف نہیں ہو۔ میں تمہارے سامنے اس کی تفصیل کہتا ہوں۔

سنو اجنبی!

یہ توزون نفرتوں، فسادوں، شقاوتوں، عناد اور انتقام سے بنا ہوا ایک نوجوان ہے۔ یہ جوان ریت کا سمندر پانی کے صحرا میں ایک سراب ہے۔ بستیوں کو بے لباس کرنے، ساحلوں کو تشنہ ریت کو پیاسا کر دینے میں یہ شخص خوشی اور سکون محسوس کرتا ہے۔ یہ انتہائی خوگرِ آلام اور زہر بھرا جام ہونے کے ساتھ ساتھ وہموں کا پرستار اور نیکی کے خیالات سے مفر کرنے والا جوان ہے۔ یہ روپ کا اجلا، من کا کالا ہے۔ اپنے دشمنوں کے خلاف قدم قدم پہ اور نفس نفس پر عناد و انتقام، زخموں کی جلن، روح کی گھٹن، جبرِ مسلسل اور فریبِ وفا کا صحرا کھڑا کر دینے والا جوان ہے۔

اب جبکہ اے اجنبی! تو نے توزون کے بھائی طولیس کو قتل کر دیا ہے تو یہ توزون تیرا تعاقب ضرور کرے گا اور تجھ سے اپنے مرنے والے بھائی طولیس کا انتقام ضرور لے گا۔

توزون، طولیس کے بھائیوں میں سب سے بڑا ہے۔ انتہائی طاقتور اور انتہائی پُرقوت ہے۔ بلا کا تیز بلا کا خوفناک، حد سے بڑھا ہوا، خونخوار اور بیک وقت چھ چھ سات سات تیغ زنوں کو زیر اور مغضوب کرنے کا فن اور قوت رکھتا ہے۔

للہذا اے اجنبی! تم جو کچھ بھی ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تاہم میں تمہیں وصیت اور تنبیہ کرتا ہوں کہ اب تم توزون سے محتاط اور فکر مند رہنا۔ وہ تجھ سے انتقام ضرور لے گا اس لیے کہ توزون جس سے انتقام لینے کا ارادہ کرتا ہے اس کے لیے دنیا میں اس کی زندگی کے دن گنے جاتے ہیں۔

تو اے اجنبی! تو بھی اس سے بچ کے رہنا۔ اس لیے کہ خون سے کھیلنا اور اپنے دشمنوں کے سر قلم کرنا توزون ایک آسان کھیل سمجھتا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد جب بوڑھا خاموش ہوا تو ارسلان تھوڑی دیر تک بڑے غور سے دیکھتا رہا۔

پھر اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

اے اس کوہستانی سلسلے کی بستیوں کے بزرگ! میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے مجھے توزون کے متعلق تفصیل بتائی۔ دیکھ میرا نام ارسلان ہے۔

اے میرے بزرگ! تو نے دس جوانوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے پانچ توزون کے بھائی اور پانچ اس کے چچا زاد ہیں۔ یہ دس وہ بھیڑیے ہیں جن کی مجھے تلاش تھی۔

اے میرے بزرگ! ان ہی دس بھیڑیوں کی داستان اور ان ہی دس خونخوار کتوں کی کہانی کی تکمیل کے لیے میں بھی نکلا ہوں۔ عنقریب ان کوہستانی سلسلوں اور اس بستی کے اندر اے میرے بزرگ! تو سنے گا کہ ارسلان نام کا کوئی جوان ان دس خونخوار کتوں، ان دس خون کے پیاسے بھیڑیوں کے اندر کسی درندے اور تیندوے کی طرح داخل ہوا تھا اور ان سب کا کام تمام کر کے رکھ دیا ہے۔

اے میرے بزرگ! یہ دس کے دس ایک ہی کہانی، ایک ہی داستان کے کردار ہیں اور جب تک میں ان دس کا خاتمہ نہیں کر دیتا اس وقت تک اس داستان، اس کہانی کا انجام اور اختتام نہیں ہو سکتا جس کے پیچھے میں لگا ہوا ہوں۔

اے عمر رسیدہ انسان! اگر توزون مجھے تلاش کرے گا تو وہ دیکھے گا کہ میں بھی اس کی تلاش اور جستجو میں ہوں اور اس کے سگے اور اس کے چچا زاد بھائیوں، سب کی حالت ہانپتی کانپتی خاموشی کے بھیانک کھنڈرات میں زندگی کے اجڑے شمشان اور تاریک روحوں کے استھان جیسی بنا کر رکھوں گا۔

اگر یہ توزون مجھ سے ٹکرائے گا تو تُو سنے گا کہ اسے میں نے خونخوار خوابوں، گونگے سایوں اور سیاہ تاب اندھیروں کا شکار بنا کر رکھ دیا ہے اور تُو یہ بھی سنے گا کہ جب کبھی بھی وہ میرے سامنے آئے گا، میرے ساتھ مقابلہ کرے گا تو انجام کار اس کے رشتے کی عورتیں، اس کی ماں اور اس کی بہنیں ناچتی گاتی تاریکیوں میں پاگلوں کی طرح بال کھولے بین کرتی دکھائی دیں گی۔

جب تیرا سامنا توزون سے ہو تو اسے کہنا کہ ایک مسلمان، ایک گرد جس کا نام ارسلان ہے وہ ان سرزمینوں کی طرف آیا تھا اور اس کے بھائی اور اس کے دونوں ساتھیوں کا خاتمہ کر کے واپس چلا گیا ہے۔

اس پر یہ راز بھی کھولنا اے عمر رسیدہ انسان! کہ جس طرح میں نے طولیس کا خاتمہ کیا ہے ایسے ہی میں طولیس کے

باقی سگے چاروں بھائیوں اور پانچوں چچازاد بھائیوں کا بھی خاتمہ کر دوں گا۔ اس لیے کہ ان سب نے مل کر میرے گھر کی داستان کو حسرت زدہ، میرے گھر کے آنگن کو خون آلودہ کیا تھا۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار نیام میں کر لی۔ پھر وہ ایک جست کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا دی۔

احمد، اسمٰعیل اور جبیر نے بھی اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور اس کے پیچھے ہو لیے۔ چھوٹا سادہ بچھڑا جو ارسلان کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ رہتا تھا، وہ بھی اپنی دُم ہلاتا، گردن کو جھٹکا دیتا اور کنوتیاں بدلتا ہوا، ان کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا۔

○

سورج اب غروب ہو چکا تھا۔

اندھے سائے روپوشی کی چادر اوڑھ چکے تھے۔ سرد، اجاڑ، تنہا شام سفاک وسعتوں کے اندر بے نام جزیروں سے آتی خوشبو کی طرح پھیل گئی تھی۔

چاروں طرف عہدِ فراموشی کے سایوں کی بستی جیسی چپ اور سکوتِ بیکراں کی گود میں ناقدروں کے شہر جیسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ برف سے ڈھکی ہوئی قطار اندر قطار کوہستانوں کی نوکیلی چوٹیاں تیزی سے پھیلتی شام کی تاریکی میں گم ہونے لگی تھیں۔

اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے وہ چاروں کوہستانی سلسلے سے اتر کر دریائے آمو کے کنارے آ گئے تھے۔ اس خاموشی اور سکوت اور چپ میں انہوں نے دیکھا کہ دریائے آمو کے گدلے پانی کی چھوٹی بڑی لہریں دریا کے اندر کھڑی چٹانوں اور پتھروں سے ٹکراتی ہوئی دھیرے دھیرے جھانجھر بجاتی اور ٹھمک ٹھمک کسی الھڑ دوشیزہ کی طرح گاتی ہوئی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھیں۔

چاروں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے دریائے آمو کے کنارے کنارے اس راستے پر جا رہے تھے جس راستے پر سفر کرتے ہوئے ارسلان اور احمد تھوڑی دیر قبل سفر کرتے ہوئے اس کوہستانی سلسلے کی طرف گئے تھے جہاں ارسلان اور طولیس کا آمنا سامنا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر تک دریائے آمو کے کنارے کنارے سفر کرنے کے بعد اسمٰعیل نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ پھر وہ ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا:

"میں اور میرا دوست جبیر یہیں تک آپ کا ساتھ دے سکے اس لیے کہ میں اپنے دوست جبیر کے ساتھ بائیں طرف اس کی بستی کی سمت مڑ جاؤں گا جو یہاں سے چند میل کے فاصلے پہ ہے۔ اگر آپ بھی پسند کریں تو ہمارے ہاں اسی بستی میں قیام کریں۔ رات یہیں بسر کریں اور صبح سویرے یہاں سے پشاور کی طرف کوچ کر جائیں۔"

اس پر ارسلان اپنے گھوڑے کو اسمٰعیل کے قریب لایا اور اس کا شانہ تھپ تھپاتے ہوئے اس نے محبت سے کہا،

"اے اسمٰعیل! تیرا شکریہ۔ تُو دیکھتا ہے کہ اب برف باری تھم چکی ہے۔ رات کی تاریکی میں دریائے آمو کے کنارے کنارے سفر کرنا ہمارے لیے کوئی تکلیف دہ اور دشوار کن نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ راستے میرے اور میرے عم زاد احمد کے خوب دیکھے بھالے ہیں لہٰذا ہم آسانی سے اپنی منزل کی طرف سفر کر سکیں گے۔ اب تم اپنے ساتھی جبیر کے ساتھ اس کی بستی کی جانب روانہ ہو جاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ کر ارسلان اور احمد نے باری باری اسمٰعیل اور جبیر سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد وہ دونوں اپنے گھوڑوں کو موڑتے ہوئے اور انہیں ایڑ لگاتے ہوئے دریائے آمو کے کنارے سرپٹ دوڑانے لگے تھے!

○

اسمٰعیل اور جبیر دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر اسی جگہ کھڑے رہے جہاں وہ ارسلان اور احمد سے جدا ہوئے تھے۔ جب تک اندھیرے کے اندر وہ دونوں انہیں دریائے آمو کے کنارے کنارے جاتے ہوئے دکھائی دیتے رہے تب تک وہ کھڑے رہے۔

جب وہ تاریکی میں ان کی نگاہوں سے روپوش ہو گئے تب ان دونوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور انہیں بائیں طرف ہانک دیا۔

تھوڑی دور جانے کے بعد اچانک جبیر نے اسمٰعیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"سنو اسمٰعیل! میرے بھائی تم نے مجھے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ یہ ارسلان اور اس کا عم زاد احمد کون ہیں اور جن تینوں کو ارسلان نے قتل کیا ہے اور اس کے دیگر بھائی بندوں کے ساتھ ان کی کیا دشمنی ہے۔ جس وقت تم میرے گھر آئے تھے اس وقت بھی میں نے تم سے یہ التجا کی تھی کہ تم مجھے اپنے سلطان یعنی سلطان محمود اور اپنے اس جرنیل ارسلان کے متعلق کچھ تفصیل سے بتاؤ لیکن تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ یہ سارے حالات تو تم مجھے بعد میں بتاؤ گے۔

اب میں تم سے پھر گذارش کرتا ہوں کہ ان دونوں کے حالات تم مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ اس طرح میری بستی تک ہم دونوں کا سفر بھی آسانی سے کٹ جائے گا۔"

اس پر اسمٰعیل کہنے لگا:

"تم سے کیا ہوا اپنا وعدہ میں ضرور پورا کروں گا پر تم یہ کہو کہ پہلے میں تمہیں سلطان محمود کے حالات سنانا شروع کروں یا ان واقعات کی ابتدا خود ارسلان کے حالات بتانے سے کروں۔"

اس پر جبیر نے کہا:

"جو تمہارا جی چاہے کرو۔ بس تم مجھے ان دونوں کے متعلق تفصیل سے بتاؤ۔"

اس پر اسمٰعیل کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا:

"اچھا سنو۔ میں تمہیں پہلے سلطان محمود کے متعلق تفصیل سے بتاتا ہوں۔ اس کے بعد میں تمہیں اپنے اس جرنیل ارسلان کے متعلق تفصیل سے بتاؤں گا ــــ اور مجھے امید ہے کہ دونوں کے واقعات سن کر تم ضرور خوش ہو گے۔"

اس پر جبیر نے کہا:

"اچھا اب وقت ضائع نہ کرو اور بات شروع کرو۔"

اس پر اسمٰعیل اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہنے لگا:

(۱)

سلطان محمود کا باپ سبکتگین جو ذات کا ترک تھا، ترکستان کے ایک چھوٹے سے علاقے کے سردار کا بیٹا تھا۔ سبکتگین ابھی بارہ برس کا ہی تھا کہ ایک رات دشمن قبیلے نے اچانک اس کے باپ پر حملہ آور ہو کر سبکتگین کو اپنا قیدی بنا لیا۔ چار سال تک محمود کا باپ سبکتگین اپنے دشمن قبیلے کے ہاں ایک غلام قیدی کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا رہا۔ پھر اس قبیلے نے سبکتگین کو ایک سوداگر کہ نام جس کا حاجی نصر تھا، کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

حاجی نصر، محمود کے باپ سبکتگین کو خراسان لایا۔ خراسان میں ان دنوں آلِ سامان کی حکومت تھی جن کا مرکزی شہر بخارا تھا۔ ان دنوں آلِ سامان میں سے بخارا کا بادشاہ عبدالملک تھا اور عبدالملک کی طرف سے نیشاپور پر جو اس کا حاکم تھا اس کا نام الپتگین تھا۔ پس یہ سوداگر حاجی نصر، محمود کے باپ سبکتگین کو نیشاپور میں الپتگین کے پاس لایا اور اس کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

الپتگین نے سبکتگین کے چہرے پر عقل و دانش اور شوکت کے آثار دیکھ کر اسے اپنے خاص لوگوں کے حلقے میں شامل کر لیا۔ لہٰذا سبکتگین اب اپنے آقا الپتگین کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنے لگا۔ نیشاپور میں اس کی حیثیت ایک غلام شخص کی تھی جو الپتگین کا منظورِ نظر تھا۔

نیشاپور میں دن گزارتے ہوئے سبکتگین اکثر شکار کے لیے نکل جایا کرتا تھا۔ الپ تگین کی ملازمت کے ابتدائی دنوں میں سبکتگین کے پاس صرف ایک گھوڑا ہی تھا جس پر وہ سوار ہو کر نیشاپور کے نواح میں شکار کے لیے نکل جایا کرتا تھا۔

ایک روز سبکتگین اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جب جنگل میں شکار کے لیے گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ جنگل میں ایک ہرنی اپنے بچے کے ساتھ چر رہی ہے۔ سبکتگین کو دیکھتے ہی ہرنی اپنے بچے سمیت بھاگ کھڑی ہوئی۔ سبکتگین نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اسے ہرنی اور اس کے بچے کے تعاقب میں ڈال دیا۔

جلد ہی سبکتگین نے ہرنی کے بچے کو جا لیا۔ اسے پکڑا۔ اس کے پاؤں باندھ کر اپنے سامنے گھوڑے کی زین پر لٹکا دیا اور گھر کی جانب روانہ ہوا۔

کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد جب اس نے مڑ کر دیکھا تو ہرنی اس کے تعاقب میں چلی آ رہی تھی۔ سبکتگین نے دیکھا کہ ہرنی بے حد پریشان تھی اور بڑی غمزدہ سی چال چلتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر سبکتگین کو احساس ہوا جیسے وہ ہرنی کے بچے کے پکڑے جانے پر اس کی طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھتی چلی آ رہی ہو۔

سبکتگین کو بے زبان جانور پر بڑا رحم آیا۔ ہرنی کی حالت دیکھتے ہوئے اور اسے اپنے تعاقب میں آتے دیکھ کر اس کا دل دہل گیا۔ اس کے دل میں ہرنی کے لیے ہمدردی اور دردمندی پیدا ہوئی۔ پھر اس نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ ہرنی کا بچہ جس کی ٹانگیں باندھ کر اس نے اپنے گھوڑے کی زین سے لٹکا رکھا تھا، اسے اس نے نیچے اتارا۔ اس کی ٹانگیں کھول دیں اور اس کا رخ اس کی ماں کی طرف کرتے ہوئے اس نے اسے آزاد کر دیا۔

بچہ جب کلانچیں بھرتا ہوا اپنی ماں کے پاس گیا تو ہرنی تھوڑی دیر تک وہاں کھڑی رہ کر سبکتگین کی طرف کچھ اس انداز سے دیکھتی رہی جیسے وہ اس کا شکریہ ادا کر رہی ہو۔

سبکتگین نے یہ بھی دیکھا کہ ہرنی اپنے بچے کو لے کر جنگل کی طرف چل دی لیکن وقفے وقفے سے وہ مڑ مڑ کر سبکتگین کی طرف دیکھ لیتی تھی جیسے وہ اس کے اس کام پر ممنونیت کا اظہار کر رہی ہو۔

اس واقعہ سے سبکتگین بڑا متاثر ہوا۔ تاہم جب ہرنی اپنے بچے کو لے کر جنگل میں داخل ہو گئی تو وہ بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور نیشاپور کی طرف روانہ ہو گیا۔

اسی رات سبکتگین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ سبکتگین سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے:

"سبکتگین! تو نے ایک بے زبان جانور پر رحم کیا ہے۔ تیرا یہ فعل خداوند قدوس کی درگاہ میں مقبول ہوا۔ لہٰذا اس کے صلے میں تجھے سلطنت عطا کی جاتی ہے۔ جب تو خلق خدا پر حکمرانی کرے تو کبھی بھی رحم کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔"

اس واقعہ کے چند ہی روز بعد نیشاپور کے حاکم الپ تگین نے سبکتگین کی عقل و دانش اور جنگی قابلیت سے متاثر ہو کر اسے اپنا امیر الامرا مقرر کر دیا۔ اسی دوران سبکتگین نے ایک زابلی سردار کی بیٹی سے شادی بھی کر لی۔

⊙

کچھ عرصے بعد ہی بخارا میں آل سامان کا بادشاہ عبدالملک انتقال کر گیا۔ الپ تگین چونکہ عبدالملک کی طرف سے نیشاپور کا حاکم تھا اور انتہائی جرأت مند اور دانش مند سردار خیال کیا جاتا تھا لہٰذا عبدالملک کے انتقال کے بعد بخارا کے امرا نے ایک قاصد الپ تگین کے پاس نیشاپور روانہ کیا اور اس سے مشورہ طلب کیا کہ اب آل سامان میں سے کس کو حکمران مقرر کیا جانا چاہیے۔

ان دنوں عبدالملک کا بیٹا منصور بن عبدالملک ابھی نوجوان ہی تھا لہٰذا الپ تگین نے اس قاصد کے ہاتھ بخارا کے امرا کو یہ پیغام بھجوایا کہ عبدالملک کا بیٹا منصور ابھی ناتجربہ کار ہے لہٰذا اسے حکمران نہیں بنانا چاہیے بلکہ اس کا چچا جو سلطنت کے امور میں کافی تجربہ رکھتا ہے، ہمت و جرأت بھی رکھتا ہے اسے حکمران مقرر کر دیا جائے۔

یہ قاصد ابھی بخارا پہنچا بھی نہ تھا کہ بخارا کے کچھ امرا نے آپس میں سازباز کر کے منصور بن عبدالملک کو حکمران مقرر کر دیا۔

بخارا کے تخت پر بیٹھتے ہی منصور بن عبدالملک نے الپ تگین کو بخارا طلب کیا۔ الپ تگین نے چونکہ منصور کی

بجائے اس کے چچا کو حکمران بنانے کا مشورہ دیا تھا لہٰذا منصور، الپتگین کے خلاف دشمنی اور عناد برتنے لگا۔ الپتگین کو یقین تھا کہ منصور نے جو اسے بخارا طلب کیا ہے تو اس میں اس کی خیریت نہیں۔ منصور ضرور اس کے خلاف کارروائی کرے گا اور اس کا سر قلم کرا دے گا یا اسے زندگی بھر کے لیے زندان میں ڈال دے گا۔

ان دونوں سزاؤں سے بچنے کے لیے الپتگین نے ایک تیسرا راستہ اختیار کیا۔ نیشاپور میں جو الپتگین کے پاس لشکر تھا وہ اس کا انتہائی وفادار اور مخلص تھا۔ الپتگین نے محمود کے باپ سبکتگین کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا اور اس لشکر کے ساتھ وہ نیشاپور سے نکل کھڑا ہوا۔

وہ جانتا تھا کہ اگر وہ بخارا جا کر منصور کی خدمت میں حاضر نہ ہوا اور نیشاپور میں ہی پڑا رہا تو منصور ضرور اس کے خلاف لشکر کشی کرے گا اور اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑے گا لہٰذا وہ اپنے لشکر کے ساتھ نیشاپور سے نکلا اور غزنی کی طرف روانہ ہوا۔

بڑے ہولناک انداز میں الپتگین اور سبکتگین اپنے لشکر کے ساتھ غزنی پر حملہ آور ہوئے۔ غزنی کو انہوں نے فتح کر لیا اور یہاں الپتگین نے اپنی حکومت قائم کر لی۔

دوسری طرف منصور کو جب خبر ہوئی کہ الپتگین نے نیشاپور خالی کر دیا ہے تو اس نے وہاں الپتگین کی جگہ اپنے ایک منظورِ نظر سردار ابوالحسن ہجوری کو حاکم مقرر کر دیا۔ اس کے بعد منصور نے کئی بار کوشش کی کہ الپتگین کو زیر اور ختم کرے۔ اس نے کئی بار اپنے لشکر غزنی کی طرف روانہ کیے تاکہ الپتگین کو اپنا فرمانبردار بنا کر رہے لیکن ہر بار منصور کو اور اس کے لشکر کو شکست ہوئی اور الپتگین اور سبکتگین کامیاب اور کامران رہے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے منصور بھی خاموش ہو گیا۔ اسے خطرہ پیدا ہوا کہ اگر غزنی میں رہتے ہوئے الپتگین اور سبکتگین طاقت پکڑ گئے تو خود اس کی حکومت کے لیے بھی خطرات پیدا ہو سکتے ہیں لہٰذا اس نے ایک طرح سے الپتگین کو غزنی کا حاکم اور سبکتگین کو اس کا سپہ سالار تسلیم کر لیا تھا۔

یہاں تک کہنے کے بعد اسمٰعیل تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ پھر اپنے پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے اپنے گھوڑے پر سوار جبیر کو مخاطب کر کے پوچھا:

"اے جبیر! جو کچھ میں بتا رہا ہوں تمہاری سمجھ میں آ رہا ہے نا؟"

اس پر جبیر نے چونکتے ہوئے کہا:

"تم رک کیوں گئے۔ جو کچھ تم بتا رہے ہو میں بڑی دلچسپی سے سن رہا ہوں۔ تم اپنے ان واقعات کے بتانے کا سلسلہ جاری رکھو۔"

اس پر اسمٰعیل نے دوبارہ کہنا شروع کیا:

الپتگین بڑی کامیابی سے پندرہ سال تک غزنی اور اس کے نواحی علاقوں پر حکومت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی طبعی موت مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ابوالحارث غزنی کا حکمران بنا۔

دوسری طرف منصور نے بھی ابوالحارث کو غزنی کا حکمران تسلیم کر لیا اور اس کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کر لیے۔

بظاہر ابوالحارث ہی غزنی کا حکمران تھا لیکن سلطنت کے تمام امور سبکتگین کی ہدایت ہی سے انجام پاتے تھے۔ درحقیقت سلطنت کی باگ ڈور سبکتگین ہی کے ہاتھ میں تھی۔ اسی دوران ابوالحارث کا انتقال ہو گیا جس پر غزنی کے امیروں اور ارکینِ سلطنت نے سبکتگین کے چہرے پر کمال مندی کے آثار دیکھ کر اسے اپنا مستقل سلطان تسلیم کر لیا۔ اور الپتگین کی بیٹی اور ابوالحارث کی بہن سے اس کی شادی کر دی۔ اس طرح محمود کا باپ سبکتگین بلا شرکتِ غیرے غزنی کا سلطان بن گیا۔

O

جب سبکتگین نے عنانِ حکومت سنبھالی تو مشرقی خراسان کے ایک شہر، کہ نام جس کا بست ہے، پر ایک باغی سردار نے قبضہ کر لیا۔ اس سردار کا نام طغا تھا۔

سبکتگین طغا نام کے اس باغی سردار کے خلاف حرکت میں آنا ہی چاہتا تھا کہ طغا کا ایک دشمن اٹھا۔ اس نے اپنے ساتھ کافی لاؤ لشکر لیا اور بست شہر میں طغا پر حملہ کر دیا۔ طغا کے اس دشمن کا نام پاتور تھا۔ طغا نے سبکتگین کے پاس ایک قاصد روانہ کیا اور اس سے درخواست کی کہ پاتور کے خلاف اس کی مدد کی جائے اور اگر بست پر پاتور کے بجائے اس کی حکمرانی رہی تو وہ ہمیشہ کے لیے سبکتگین کا فرمانبردار بن کر رہے گا اور معقول خراج بھی ادا کرتا رہے گا۔

سبکتگین اس پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے پاتور کے خلاف لشکر کشی کی اور اسے شکست دے کر بست شہر

کی حکمرانی طغا کو دلا دی۔

لیکن ـــ طغا نے احسان فراموشی کی اور اپنے وعدے کے وفا کرنے میں ٹال مٹول کرتا رہا۔ جب سبکتگین نے دیکھا کہ طغا کی ہر بات میں، ہر عمل میں مکر اور فریب کاری ہے تو اس نے ایک دن جبکہ وہ دونوں اپنے چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کے ساتھ جنگل میں اکٹھے شکار کر رہے تھے تو اس دوران سبکتگین نے طغا سے اس کی وعدہ خلافی کے متعلق باز پرس کی تو طغا نے اس کے جواب میں کچھ ناشائستہ کلمات کہے اور تلوار کھینچ کر امیر سبکتگین کے ہاتھ پر ایک کاری زخم لگا دیا۔

سبکتگین نے اسی زخمی ہاتھ سے اس پر تلوار کا وار کیا اور چاہتا تھا کہ اس بدمعاش اور فریب پیشہ انسان کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے کہ دونوں کے لشکروں کو اس حادثے کا علم ہو گیا لہٰذا دونوں کے فوجیوں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔

اس حملہ سے دونوں طرف ایک شور اور ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس افراتفری کے عالم میں طغا کو بھاگ کر اپنی جان بچانے کا موقع مل گیا۔

طغا جانتا تھا کہ اس کی حیثیت سبکتگین کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے اور یہ کہ سبکتگین ضرور اسے اپنے سامنے مغلوب کر کے رہے گا لہٰذا وہ کرماچ شہر کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بھاگنے کے بعد بست کا قلعہ سبکتگین کے ہاتھ آ گیا۔

اس قلعہ کی دستیابی سے سبکتگین کو جہاں اور بہت سے فائدے ہوئے وہاں ایک یہ فائدہ بھی ہوا کہ اس کے ہاتھ ابوالفتح جیسا دانشمند انسان لگا جو مختلف فنون کا ماہر کامل، خصوصاً فنِ انشاپردازی اور کتابت میں اپنی مثال آپ تھا۔

ابوالفتح کبھی باتور کا امیر منشی تھا اور اس کے اخراج کے بعد بست میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ امیر سبکتگین کو جب اس فاضل شخص کے حالات کا علم ہوا، اس باکمال اور قابلِ قدر اہلِ فن کو اپنی باریابی سے نوازا اور اس کی لیاقت اور اہلیت کے مطابق اسے طرح طرح کی عنایتوں، مہربانیوں سے سرفراز کیا۔ نیز اسے عہدۂ انشاپردازی پر متمکن کیا۔ ابوالفتح اب بھی زندہ ہے۔ گو یہ بوڑھا ہو چکا ہے تاہم محمود کے لیے بھی

خدمات انجام دے رہا ہے۔

اس کے بعد سبکتگین بڑی تیزی سے حرکت میں آیا غزنی کے نواح میں دور دور تک اس نے اپنی فتوحات کا جال پھیلایا اور حکومت کو اس نے کافی حد تک مضبوط اور مستحکم بنا دیا۔



اس عرصہ میں امیر سبکتگین نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ اس کے مکان کے آتشدان سے ایک بہت بڑا درخت پیدا ہوا جس کے سائے تلے ساری دنیا آ گئی ہے۔

اس خواب کے بعد امیر سبکتگین کی آنکھ کھلی تو اس نے سوچا کہ کسی کو بلا کر اس خواب کی تعبیر معلوم کرے کہ اسی وقت اس کے محافظوں میں سے ایک بھاگا بھاگا اس کے پاس آیا اور اسے اس کے بیٹے محمود کی پیدائش کی اطلاع دی۔

جس روز امیر سبکتگین نے یہ خواب دیکھا اور جس روز اس کے ہاں محمود جیسا فرزند پیدا ہوا، وہ روزِ سعید حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش کا دن تھا۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش پر خانہ کعبہ کے بت سرنگوں ہو گئے تھے اور ایران کا آتش کدہ، جہاں ہزاروں سال سے مسلسل پرستش کی آگ جل رہی تھی، اچانک بجھ گیا تھا اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کفر اور باطل کے خلاف تمام زندگی جنگ کی تھی اور بتوں کو برباد کیا تھا اس لیے یہ خواب دیکھنے اور اپنے بیٹے محمود کی پیدائش کی اطلاع پانے کے بعد سبکتگین نے یہ دعا کی:

"اے اللہ!

تو میرے بیٹے کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشِ پا پر چلتے ہوئے بت شکن بنانا"

محمود کی پیدائش کے بعد سبکتگین نے اس کی تربیت اور دیکھ بھال پر بڑی توجہ دی۔ اپنی نگرانی میں اس کی پرورش کے علاوہ اس کے جنگی فنون کی تربیت پر بھی دھیان دیا۔ یہاں تک کہ محمود پل کر جوان ہوا اور امیر سبکتگین جنگوں میں اپنے اس بیٹے کو اپنے ساتھ رکھنے لگا۔

امیر سبکتگین کے دو اور بیٹے بھی تھے۔ ایک نصیر الدین جو محمود کا چھوٹا بھائی اور سگا بھائی تھا اور دوسرا

اسمٰعیل جو امیر سبکتگین کی اس بیوی سے تھا جو الپ تگین کی بیٹی تھی۔

شاید امیر سبکتگین کی یہ دعا قبول ہوئی تھی اس لیے کہ اب ہم دیکھتے ہیں کہ محمود بت شکنی کے اپنے کام کی ابتدا کر چکا ہے۔



جن دنوں امیر سبکتگین غزنی اور اس کے نواح میں اپنی حکومت کو اپنے بیٹے محمود کے ساتھ مل کر خوب مضبوط اور مستحکم کر چکا تھا، انہی دنوں شمالی ہند میں سب سے بڑا راجہ جے پال تھا۔ اس کی سلطنت صوبہ لغمان اور پاراچنار وغیرہ کے علاقے سے دریائے چناب تک اور کشمیر کے جنوبی پہاڑی سلسلوں سے لے کر ملتان کی سرحد تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس راجہ جے پال کا دارالحکومت ہنڈ[1] کا مشہور شہر تھا اور اب بھی ہے۔

راجہ جے پال کے علاوہ ہندوستان کا دوسرا بڑا راجہ بھارت تھا جس کا مرکزی شہر ہندوستان کا عظیم اور بڑا شہر لاہور تھا۔ راجہ جے پال کے بیٹے انند پال نے راجہ بھارت کو شکست دے کر دریائے بیاس تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح راجہ بھارت کی جگہ جے پال کا بیٹا انند پال لاہور کا راجہ بن گیا۔

اس طرح جے پال کی عسکری اور فوجی قوت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ اس کی سلطنت اب جلال آباد سے لے کر لاہور تک پھیل گئی ہے۔ دوسری طرف کشمیر سے لے کر ملتان تک وہ ایک عظیم سلطنت کا فرماں روا بن بیٹھا ہے۔

راجہ جے پال نے جب دیکھا کہ امیر سبکتگین بڑی تیزی سے اپنی عسکری قوت میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی سلطنت کو بھی وسعت دیتا جا رہا ہے تو اسے بڑا خدشہ اور خطرہ لاحق ہوا۔ اس وقت محمود کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ ان خطرات سے نمٹنے کے لیے راجہ جے پال نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ امیر سبکتگین کے خلاف لشکر کشی کرے گا اور اسے شکست دے کر یا تو اس کے

1. یہ شہر موجودہ صوابی کے قریب تھا۔ سکندر اعظم نے ہندوستان پر حملہ آور ہوتے ہوئے یہیں سے دریائے سندھ کو عبور کیا تھا۔ اُس دور میں ہنڈ ایک عظیم شہر تھا۔ آج بھی اس علاقے میں اکثر مقامات کے نام ہندوانہ ہیں۔

علاقوں پر قبضہ کرے گا یا اسے اتنا کمزور کر دے گا کہ اسے اپنا ماتحت بن کر رہنے پر مجبور کر دے گا۔

امیر سبکتگین کو جب راجہ جے پال کی اس پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے پندرہ سالہ بیٹے محمود کے ساتھ ایک لشکر تیار کیا۔ ان کے مقابلے میں جے پال کے لشکر کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی لہٰذا دونوں باپ بیٹے نے مل کر مشورہ کیا کہ کسی گھات میں بیٹھ جانا چاہیے جہاں سے نکل کر راجہ جے پال کے لشکر کا مقابلہ کیا جائے۔

یہ مشورہ کرنے کے بعد امیر سبکتگین نے دفاعی حیثیت اختیار کرنے کے لیے گنڈا مک اور درہ غور بند کا علاقہ چُنا۔ اسی علاقے میں دونوں باپ بیٹا اپنے لشکر کے ساتھ گھات میں بیٹھ گئے۔

راجہ جے پال کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ سبکتگین اور اس کا بیٹا محمود گنڈا مک اور درہ غور بند کے درمیان بیٹھ چکے ہیں لہٰذا اس نے بھی اسی علاقے کی طرف پیش قدمی کی۔ دونوں لشکروں میں جھڑپیں ہونا شروع ہوئیں جو مسلسل کئی روز جاری رہیں مگر کوئی فیصلہ نہ ہونے پایا۔

ایک طرف راجہ جے پال یہ طے کیے ہوئے تھا کہ ہر صورت میں سبکتگین کو اپنے سامنے مغلوب کرنے کے بعد ہی واپس جائے گا۔ دوسری طرف سبکتگین بھی یہ عہد کیے ہوئے تھا کہ وہ ہر صورت میں راجہ جے پال کو اپنے سامنے شکست دے کر رہے گا۔ اسی طرح جنگ طول پکڑنے لگی۔

دن گزرتے چلے گئے۔

ایک روز ان علاقوں کے اندر ایک زبردست طوفان اور آندھیوں کے جھکڑ اٹھ کھڑے ہوئے جس نے راجہ جے پال کے لشکر کو بری طرح گھیر لیا اور اس کے لشکر میں ایک طرح کی افراتفری پھیل گئی۔ ہاتھی گھوڑے اور دیگر کئی جانور اور فوجی، طوفان کے باعث کارروائی نہ کر سکے۔ اسی دوران امیر سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود نے راجہ جے پال کے لشکر پر جان لیوا حملہ کر دیا۔

پہلے ہی سردی کا موسم تھا۔ طوفان اور آندھی کی وجہ سے سردی میں اور اضافہ ہو گیا اور جے پال کے لشکر کے ہاتھی اور گھوڑے اور دوسرے مویشی سرد ہواؤں کے باعث مرنے لگے۔ جس کے باعث اس کی فوج میں ابتری پھیل گئی۔

ادھر سبکتگین کے حملوں میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا گیا اور دونوں باپ بیٹے سر پہ کفن باندھ کر جے پال کے لشکر کا قتلِ عام کرنے لگے۔

امیر سبکتگین اور محمود کے ان جان لیوا حملوں کے باعث راجہ جے پال کے لشکر کی اکثریت موت کے گھاٹ اتر گئی۔ خود راجہ جے پال کو بھی قیدی بنا لیا گیا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے جے پال نے امیر سبکتگین سے صلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔

جے پال کو ڈھائی لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی تاوان اور سالانہ خراج اور جزیہ ادا کرنے کے وعدہ پہ امیر سبکتگین نے قید سے رہا کر دیا۔ جے پال نے تاوان اور جزیہ وغیرہ کی ادائیگی تک اپنے چند سالاروں کو بطور ضمانت سبکتگین کے پاس چھوڑ دیا اور خود وہ بچے کھچے لشکر کے ساتھ واپس اپنے مرکزی شہر ہنڈ کی طرف روانہ ہوا۔ سبکتگین نے اپنے چند سالار بھی اس کے ہمراہ کر دیے تاکہ اس سے تاوان اور جزیہ وغیرہ وصول کر سکیں۔

مگر ــــ جے پال نے سبکتگین کے سالاروں کو قید کر لیا۔ تاوان اور جزیہ بھی دینے سے اس نے انکار کر دیا۔

سبکتگین کو جب یہ اطلاع ہوئی تو برق رفتاری سے وہ اپنے لشکر کے ساتھ راجہ جے پال کے علاقوں پر حملہ آور ہوا۔ اس نے صوبہ لغمان کے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا۔

ادھر جے پال نے ہندوستان کے کئی راجوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور تقریباً ایک لاکھ سواروں کا لشکر لے کر وہ امیر سبکتگین کی سرکوبی کے لیے بڑھا۔

دونوں فوجیں جلال آباد کے کوہستانی سلسلے کے جنوب مشرق میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئیں۔ سبکتگین کی فوج کی تعداد بہت کم تھی مگر اس نے دشمن کے خلاف اپنی عقل مندی اور دانش مندی کو استعمال کیا۔

اس نے یوں کیا کہ اپنے سارے لشکر کو پانچ پانچ سو سواروں کے دستوں میں تقسیم کر دیا اور چند سو سوار لے کر وہ خود دشمن پر حملہ آور ہوا اور باقی پانچ پانچ سو کے دستوں پر مشتمل جو اس نے ٹولیاں مقرر کی تھیں انہیں اس نے حکم دیا کہ یکے بعد دیگرے اس کی پشت کی طرف سے کوہستانی سلسلوں کے اندر سے اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کرتے ہوئے وقفے وقفے سے نکل کر اس کے ساتھ شامل ہوتے رہیں اور دشمن کے بازوؤں پر ٹوٹ کر حملے کرتے رہیں۔

جب یہ جنگ شروع ہوئی تو جے پال بڑا بے فکر تھا کہ اس کے مقابلے میں سبکتگین کے پاس جو

لشکر تھا وہ نہ ہونے کے برابر تھا لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو تھوڑی دیر کے بعد وقفے وقفے سے مسلمانوں کے پانچ پانچ سو سواروں کے دستے اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہوئے کوہستانی سلسلے سے نمودار ہو کر جے پال کے لشکر کے بازوؤں پر حملہ آور ہونا شروع ہو گئے تو راجہ جے پال نے دل چھوڑ دیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ امیر سبکتگین کو کمک پہنچنی شروع ہو گئی ہے اور اس کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو اس کے لشکر کو سبکتگین مکمل طور پہ نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔

راجہ جے پال ابھی صلح کرنے کی گفتگو کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اس کا لشکر اپنے پیچھے ہزاروں لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

امیر سبکتگین نے اپنے بیٹے محمود کے ساتھ راجہ جے پال اور اس کے لشکر کا تعاقب دریائے سندھ تک کیا اور جب جے پال اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر بھاگ گیا تو امیر سبکتگین پلٹا اور پشاور تک کے علاقے کو اس نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

اس دوران بخارا میں بنو سامان کی سلطنت کمزور ہوتی چلی جا رہی تھی اور اکثر علاقوں کے امیر اور حاکم مرکز سے بغاوت کرنے لگے تھے۔

ان بغاوتوں کی دیکھا دیکھی خراسان کے حاکمِ اعلیٰ امیر علی ہمجوری، جسے الپتگین کی جگہ خراسان کا حاکم مقرر کیا گیا تھا اور جس کا مرکزی شہر نیشاپور تھا، اس نے بھی بنو سامان کے خلاف بغاوت کر دی۔ بنو سامان کے حکمران چونکہ کمزور تھے اور انہیں اندیشہ تھا کہ اگر انہوں نے امیر علی ہمجوری کے خلاف لشکر کشی کی تو شاید ہمجوری انہیں میدانِ جنگ میں شکست دے دے لہٰذا انہوں نے محمود کے باپ سبکتگین سے امیر علی ہمجوری کے خلاف مدد طلب کی۔

سبکتگین فوراً اس مدد پر تیار ہو گیا اور بنو سامان کے حکمرانوں کے حق میں وہ ہمجوری کے خلاف جنگ کرنے کے لیے غزنی سے روانہ ہوا۔

دوسری طرف بنو سامان کے حکمران بھی اپنے لشکر کے ساتھ بخارا سے نکلے اور ہمجوری کی طرف بڑھے۔ ایک خوفناک لڑائی ہوئی جس میں ہمجوری کو شکستِ فاش ہوئی اور وہ اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ نیشاپور

کی طرف بھاگ گیا۔ ساتھ ہی بنو سامان کے حکمران نے محمود کو خراسان کا حاکم مقرر کیا اور نیشاپور کو اس کا دارالحکومت قرار دے دیا۔

یہ کام کرنے کے بعد بنو سامان کا حکمران تو بخارا کی طرف لوٹ گیا جبکہ سبکتگین اور محمود دونوں باپ بیٹے نیشاپور کی طرف بڑھے۔

⊙

سبکتگین کا خیال تھا کہ وہ اپنے بیٹے محمود کے ساتھ نیشاپور کی طرف جائے گا اور وہاں محمود کو خراسان کے حاکم کی حیثیت سے تخت نشین کرانے کے بعد واپس غزنی جائے گا لیکن یہ دونوں ابھی راستے ہی میں تھے کہ انہیں پتہ چلا کہ ابوعلی ہجوری، جسے انہوں نے چند دن پہلے بدترین شکست دی تھی، نیشاپور سے زابلی حکمران فخر الدولہ دیلمی کی طرف بھاگ گیا ہے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے سبکتگین نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود اپنے لشکر کے ساتھ غزنی چلا جائے گا۔ محمود اپنے مختصر لشکر کے ساتھ نیشاپور روانہ ہو جائے۔

چنانچہ سبکتگین، لشکر کے بڑے حصے کے ساتھ غزنی چلا گیا جبکہ محمود چند دستوں کے ساتھ نیشاپور میں داخل ہوا اور وہاں حکمرانی کرنے لگا۔

⊙

ابوالحسن ہجوری کو جب یہ خبر ہوئی کہ بنو سامان کا حکمران تو بخارا جا چکا ہے۔ سبکتگین اپنے لشکر کے ساتھ غزنی پہنچ چکا ہے اور اکیلا اس کا بیٹا محمود، خراسان کے مرکزی شہر نیشاپور پر حکمرانی کر رہا ہے تو اس نے پھر قسمت آزمائی کرنے کا ارادہ کر لیا۔

ابوالحسن ہجوری جانتا تھا کہ محمود کے ساتھ کوئی بڑا لشکر نہیں ہے اور یہ کہ ابھی وہ نیشاپور میں اپنے قدم جمانے کی کوشش کر رہا ہے اور اپنے دفاع کے لیے لشکر تیار کرنے کی کوشش میں ہے لہٰذا اس نے اپنے سارے بھاگ جانے والے ساتھیوں کو جمع کر کے ایک بہت بڑا لشکر جرار تیار کیا اور نیشاپور پر حملہ کر دیا۔

محمود کے پاس نیشاپور کی حفاظت کرنے کے لیے چند دستے تھے جن کے ساتھ وہ ابوالحسن ہجوری کے جرار لشکر کا مقابلہ نہ کر سکا اور نیشاپور سے نکل آیا۔

ابوالحسن ہجوری نے آگے بڑھ کر نیشاپور پر حملہ کیا اور تمام مال و اسباب اپنے قبضہ میں کر لیا۔

یہ خبر جب غزنی میں محمود کے باپ سبکتگین کو ہوئی تو وہ بڑا حیران ہوا۔ فوراً ایک جرار لشکر اس نے تیار کیا اور اپنے بیٹے کی مدد کے لیے نیشاپور کی طرف روانہ ہوا۔

اس دوران خود محمود بھی بیکار نہ بیٹھا بلکہ وہ نیشاپور کے نواح میں پھیل گیا۔ اس نے اپنے ہمدردوں کو اپنے ساتھ ملایا اور بڑی تیزی سے ابوالحسن ہجوری کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک لشکر تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔

ابوالحسن ہجوری کو جب خبر ہوئی کہ سبکتگین ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ نیشاپور کا رخ کر رہا ہے تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ نیشاپور سے نکلا۔ طوس کے مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور جب دونوں لشکروں کے درمیان جنگ اپنے عروج پر تھی تو محمود بھی نیشاپور کے نواح میں ایک بہت بڑا لشکر ترتیب دینے کے بعد میدانِ جنگ کی طرف بڑھا۔

اسے جب خبر ہوئی کہ ابوالحسن ہجوری طوس کے مقام پر اس کے باپ سبکتگین کے خلاف جنگ میں مصروف ہے تو اس نے برق رفتاری سے میدانِ جنگ کی طرف پیشقدمی کی اور ابوالحسن کے لشکر کی پشت پر ایسا حملہ کیا کہ صفوں کی صفیں اس نے لہو کے اندھیروں میں ڈبو کر رکھ دیں۔

سامنے کی طرف سے سبکتگین کو بھی خبر ہو گئی کہ اس کا بیٹا ایک لشکر تیار کرنے کے بعد دشمن کی پشت پر حملہ آور ہو چکا ہے لہٰذا اس نے بھی اپنے حملوں میں زور پیدا کر دیا۔ اس طرح ابوالحسن ہجوری کے لشکر کو دونوں طرف سے سبکتگین اور محمود نے پیس کر رکھ دیا۔ اس کے لشکر کا اکثر حصہ تہ تیغ کر دیا۔ جبکہ خود ابوالحسن بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا اور اپنی بقایا زندگی گمنامی میں بسر کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

⊙

ان واقعات کے بعد محمود خراسان میں نیشاپور کے حاکم کی حیثیت سے کام کرنے لگا جبکہ اس کا

باپ سبکتگین اپنے دوسرے بیٹے اسمٰعیل کے ساتھ غزنی میں ایک عظیم حکمران کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔

سبکتگین کی عمر ۵۶ برس کی تھی کہ بخارا کے قریب ایک مقام پر اس کا انتقال ہو گیا اور اس کے جسم کو تابوت میں رکھ کر غزنی لایا گیا — اور وہیں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

سبکتگین نے ۲۰ سال تک فرمانروائی کی۔ اس کی وفات کے وقت اس کا بڑا بیٹا سیف الدولہ محمود نیشاپور میں تھا اور سبکتگین کی دوسری بیوی سے اس کا بیٹا اسمٰعیل اس کے پاس تھا لہٰذا سبکتگین کی وصیت کے مطابق اسمٰعیل ہی اس کے بعد غزنی میں حکومت کرنے لگا۔

اسمٰعیل نے اپنے باپ سبکتگین کا جانشین ہونے کے بعد لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے کی بے حد کوشش کی۔ باپ کے جمع کردہ خزائن کو اہلِ شہر میں بڑی فراخدلی سے تقسیم کیا اور اپنے لشکریوں کی دلجوئی اور خاطر داری کی پوری پوری کوشش کی — لیکن باوجود ان عنایتوں، مہربانیوں اور انعامات کے، اہلِ لشکر میں خودغرضوں اور حرص و لالچ کے بندوں کا اضافہ ہوتا چلا گیا اور وہ آئے دن طرح طرح کے مطالبات اسمٰعیل سے کرنے لگے۔ یہ امیر اور امراء کسی طرح بھی اس کے قابو میں نہ آتے تھے۔

⊙

سلطان محمود کو جب نیشاپور میں ان معاملات کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی کو اس بارے میں انسوں کا ایک خط لکھا۔ اس نے اسمٰعیل کو اس خط میں لکھا کہ:

"ہمارے باپ سبکتگین جو ہم سب کے پشت پناہ تھے اب وہ اس دنیا سے کوچ کر چکے ہیں اور ان کے بعد تم مجھے سب سے عزیز ہو۔ تم میری جان کا حصہ ہو۔ جو تمہاری خواہش ہو میں پورا کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن سلطنت کے قیام اور حکومت کے انتظامات کے لیے سن رسیدہ اور پختہ کار ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ حاکم اچھا معاملہ فہم ہو۔ اگر تم میں یہ صفات ہوتیں تو میں تم سے زیادہ کسی کو ترجیح نہ دیتا۔ باپ نے جو تم کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا تو اس کا سبب صرف مصلحتِ وقت تھا اور سلطنت کی حفاظت تھا۔ میری دوری کی وجہ سے ایسا کرنا ان کے لیے ناگزیر تھا۔

اب وقت کی مصلحت یہ ہے کہ تم اچھائی اور برائی کے فرق کو سمجھو اور اس معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرو اور انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو اور جو کچھ باپ کا ورثہ ہے اسے شریعت کے مطابق تقسیم کر دو۔ غزنی، جو ہماری حکومت ہے اور رعب و داب کا سرچشمہ ہے تم مجھے دے دو تاکہ میں خراسان کو دشمنوں سے پاک صاف کر کے تمہارے حوالے کر دوں۔"

اسمٰعیل نے بھائی کی اس نصیحت کی کوئی پروا نہ کی اور مخالفت پر ڈٹا رہا۔ سلطان محمود نے جب یہ دیکھا کہ اسمٰعیل پر زبانی نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوا تو اس نے دوسرا راستہ اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا اور اپنا لشکر لے کر غزنی کی طرف روانہ ہوا تاکہ اسمٰعیل کو سمجھائے۔

دونوں بھائیوں کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے۔ سلطان محمود نے پھر کوشش کی کہ اسمٰعیل اس کی بات مان لے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا اس لیے کہ اسمٰعیل اپنی ضد پر قائم رہا۔ ناچار سلطان محمود نے صف آرائی کی اور دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔

بظاہر اسمٰعیل کا پلہ بھاری دکھائی دیتا تھا کیونکہ اس کے لشکر کی تعداد بھی زیادہ تھی اور اس کے لشکر میں غزنی سے آئے ہوئے کوہ پیکر ہاتھی بھی تھے لیکن جب سلطان محمود نے اپنے قلب سے نکل کر اپنے بھائی کے لشکر پر خوفناک حملہ کیا تو اس کے لشکریوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

اسمٰعیل کے لشکر کو اس جنگ میں مکمل طور پر شکست ہوئی اور اسمٰعیل بچے کھچے لشکر کے ساتھ بھاگ کر غزنی کے قلعہ میں محصور ہو گیا۔ سلطان محمود نے اس کا تعاقب کیا۔

اسمٰعیل کو جب پتہ چلا کہ محمود پیچھا چھوڑنے والا نہیں تو اس نے صلح کی درخواست کی اور دونوں بھائیوں میں صلح ہو گئی۔

اسمٰعیل جب سلطان محمود کے پاس آیا تو اسے سلطان نے اپنے پاس عزت و احترام سے بٹھایا پھر اس نے اس سے پوچھا:

"اگر تمہاری قسمت ساتھ دیتی اور اس جنگ میں میری بجائے تم جیت جاتے تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے اسمٰعیل؟"

اسمٰعیل نے جواب دیا:

"میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اگر اس جنگ میں مجھے فتح نصیب ہوئی تو تمہیں میں ایک قلعہ میں نظر بند کر دیتا اور وہاں تمہیں ہر راحت و آرام کا سامان بہم پہنچاتا"۔

سلطان محمود کو اپنے بھائی اسمٰعیل کے دل کی بات جب معلوم ہوئی تو اس نے اسمٰعیل کو جرجان کے قلعہ میں نظر بند کر دیا اور اس کے لیے راحت و آرام کا تمام سامان فراہم کر دیا ــــ اس طرح اسمٰعیل کا اپنے بھائی کے لیے جو خیال تھا وہ خود اس کی حالت پر صادق آ گیا۔

سلطان محمود کے حالات یہاں تک کہنے کے بعد اسمٰعیل پھر تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہا۔ دم لینے کے بعد وہ پھر اپنے ساتھی جبیر سے کہنے لگا:

"سنو جبیر! اس سے آگے حالات کچھ یوں ہیں کہ امیر سبکتگین نے چونکہ اپنے بیٹے محمود کی پیدائش کے وقت بڑی عاجزی اور بڑی انکساری کے ساتھ خداوندِ قدوس سے یہ دعا مانگی تھی کہ اے خدا! تو میرے بیٹے کو بُت شکن بنا ــــ امیر سبکتگین کی یہ دعا قبول ہوئی اور اب سلطان محمود اس کام کی ابتدا کر چکے ہیں۔ غزنی کے تاج و تخت کا وارث بننے کے بعد انہوں نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ یہ کہ وہ راجہ جے پال کے خلاف حرکت میں آئے۔ وہ اس لیے کہ امیر سبکتگین کی وفات کے بعد جب امیر اسمٰعیل غزنی کے تخت و تاج کا مالک بنا تو راجہ جے پال کو اس کی موت کی بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آتے ہوئے دوبارہ اپنے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا جو کبھی سبکتگین نے اس سے چھین لیے تھے۔ یہاں تک کہ پشاور جیسا بڑا اور اہم شہر بھی جے پال نے حملہ کر کے دوبارہ امیر اسمٰعیل سے چھین لیا اور اس پر قبضہ کر لیا تھا۔

محمود جب غزنی کے تاج و تخت پر بیٹھا اور سلطان بنا تو اس نے راجہ جے پال کے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اپنے لشکر کے ساتھ سلطان غزنی سے نکلا اور برق رفتاری سے راجہ جے پال کے علاقوں میں ترکتاز کی اور اس کے کئی شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر لیا اور درۂ خیبر کے مغرب میں جلال آباد کے وسیع علاقوں کو بھی سلطان محمود نے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ راجہ جے پال کے مقامی دستوں نے محمود کی راہ روکنے کی کوشش کی لیکن انہیں ناکامی ہوئی۔ راجہ جے پال فوری طور پر محمود کے حملوں کا جواب نہ دے سکا۔ چونکہ سلطان محمود نے یہ حملے بڑی برق رفتاری اور برف باری اور سرد موسم کی آڑ میں کیے تھے لہٰذا راجہ جے پال کچھ بھی نہ کر سکا۔

اس حملے میں جلال آباد کے وسیع علاقوں کے علاوہ سلطان محمود نے ٹل اور بنوں تک کا علاقہ فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا تاکہ آئندہ اقدام کرنے کے لیے وہ بغیر کسی مزاحمت کے دریائے سندھ تک راجہ جے پال کے خلاف کارروائی کرے تاہم پشاور کا عظیم شہر ابھی تک راجہ جے پال ہی کے قبضہ میں تھا۔

سلطان محمود کا ہندوستان کی سرزمین پر بحیثیت سلطان کے پہلا حملہ تھا اور اب وہ اپنے دوسرے حملے کی ابتدا کر چکا ہے۔ غزنی سے وہ اپنے لشکر کے ساتھ پشاور کی طرف کوچ کر چکا ہے۔

مجھے اس نے غزنی سے ان علاقوں کی طرف بھجوایا تاکہ میں اس کے سب سے بڑے اور ہر دلعزیز سپہ سالار اور جرنیل ارسلان بن جاذب کو یہ اطلاع دوں کہ وہ جس مہم پر نکلا ہے اس مہم کو ترک کر کے فوراً پشاور کے قریب اپنے لشکر میں شامل ہو جائے۔

سلطان اب راجہ جے پال کے خلاف بڑی کارروائی کر کے پشاور جیسے عظیم اور معتبر شہر کو دوبارہ اپنے قبضے میں کرنا چاہتے ہیں"۔

یہاں تک کہنے کے بعد اسمٰعیل رک گیا۔ پھر وہ جبیر سے بولا:

"سنو جبیر۔ میرے بھائی! میں نے تمہیں سلطان محمود کے حالات سے تفصیل کے ساتھ آگاہ کر دیا ہے"۔

اس پر جبیر فوراً بولا:

"میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے میری بات مانتے ہوئے سلطان محمود غزنوی کے حالات مجھے تفصیل سے کہے۔ اب تم سلطان کے اس جرنیل ارسلان کے متعلق بھی مجھے تفصیل سے کچھ بتاؤ تاکہ میں سلطان کے اس ہر دلعزیز سالار کے متعلق بھی کچھ جان سکوں"۔

اس پر اسمٰعیل نے حامی بھر لی اور تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد وہ پھر کہنے لگا:

سلطان محمود کا ہر دلعزیز سپہ سالار ارسلان جرجان شہر کا رہنے والا ہے۔ اس کا باپ جس کا نام جاذب تھا، جرجان کے ممتاز امرا اور رؤسا میں شمار کیا جاتا تھا۔ جس وقت ارسلان کے باپ جاذب کی شادی نہ ہوئی تھی اسی وقت سے ایک پارسی لڑکی جاذب کو پسند کرتی تھی اور اس سے شادی کرنے کی خواہشمند تھی۔ اس کے لیے وہ اپنا آبائی دین ترک کر کے مسلمان ہونے کے لیے بھی تیار ہو گئی تھی۔

پھر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ ارسلان کا باپ جاذب اس آتش پرست لڑکی کے ساتھ شادی نہ کر سکا اور اس کی شادی ارسلان کی ماں سے ہو گئی۔

ارسلان کے دو اور بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑا ارسلان، اس سے چھوٹا ایک بھائی اور سب سے چھوٹی ان کی ایک بہن تھی۔

ابھی یہ تینوں بہن بھائی چھوٹے چھوٹے ہی تھے کہ ان کی ماں فوت ہو گئی۔ اس کے بعد وہ آتش پرست لڑکی پھر ارسلان کے باپ جاذب کی طرف متوجہ ہوئی اور اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ جاذب بھی چاہتا تھا کہ کوئی عورت ایسی ہو جو اس کے تینوں بچوں کی پرورش کر سکے۔ لہٰذا اس نے اس آتش پرست لڑکی کو مسلمان کر کے اس سے شادی کر لی۔

شادی کے بعد وہ آتش پرست عورت جو اب مسلمان ہو کر ارسلان کی ماں بن چکی تھی ان تینوں بہن بھائیوں پر ظلم و ستم کرنے لگی، خصوصاً وہ ارسلان پر بے حد مظالم ڈھاتی تھی اس لیے کہ ایک تو وہ بڑا تھا۔ دوسرے یہ اپنے چھوٹے بہن بھائی کی حمایت میں اکثر اپنی سوتیلی ماں سے جھگڑا کرتا رہتا تھا۔ اس آتش پرست عورت

کو ارسلان کے باپ جاذب سے کوئی محبت اور رغبت نہ تھی بلکہ اس نے ایک مقصد کے تحت جاذب سے شادی کی تھی۔

جاذب چونکہ جرجان کے امرا اور رؤسا میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور شہر سے باہر اس کی وسیع زمین اور باغات تھے، پس وہ آتش پرست عورت جاذب کی ان زمینوں اور باغات کو ہتھیانا چاہتی تھی۔

اس عورت سے جاذب کی صرف ایک ہی لڑکی پیدا ہوئی۔ جب اس عورت اور ارسلان کے درمیان لڑائی جھگڑے طول پکڑنے لگے تو جاذب ان روز روز کے جھگڑوں سے تنگ پڑنے لگا لہٰذا اپنے گھر کے سکون کو بچانے کے لیے اس نے ارادہ کیا کہ اپنے بڑے بیٹے ارسلان کو وہ نیشاپور میں سلطان محمود کے پاس بھجوا دے گا جہاں رہ کر وہ بہترین جنگی تربیت حاصل کر سکے۔

جرجان کا حاکم ابو حارث، سلطان محمود کا خسر تھا۔ ابو حارث کی بیٹی کی شادی سلطان محمود سے ہوئی تھی اس حوالے سے جاذب کی سلطان محمود کے ساتھ راہ و رسم ہو گئی تھی اور اکثر و بیشتر وہ سلطان محمود سے ملنے نیشاپور آتا رہتا تھا۔

اُن دنوں غزنی پر سلطان محمود کا باپ سبکتگین حکمرانی کر رہا تھا اور نیشاپور میں اس کی طرف سے اس کا بڑا بیٹا محمود حکمران تھا۔ پس جاذب اپنے بیٹے ارسلان کو لے کر نیشاپور میں سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا اور ارسلان کو اچھی تربیت کے لیے اس کی تحویل میں دے دیا۔

نیشاپور میں ہی سلطان محمود کی خدمت میں رہتے ہوئے ارسلان نے بہترین جنگی تربیت حاصل کی۔ یہیں پہ پل کر وہ جوان ہوا۔

دوسری طرف جاذب نے جب دیکھا کہ نیشاپور میں اس کا بیٹا اپنی جنگی تربیت مکمل کر چکا ہے اور یہ کہ اب وہ جوان ہو چکا ہے تو اس نے اپنی ساری جائداد اور اپنے سارے باغات اپنے بڑے بیٹے یعنی ارسلان کے نام کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

O

حال ہی میں جاذب کی بیوی حرکت میں آئی، جو بظاہر اسلام قبول کر چکی تھی لیکن اندر ہی اندر وہ آتش پرستوں کے ساتھ ملی ہوئی تھی اور اب بھی وہ اپنے آبائی دین کے لیے ہمدردی رکھتی تھی۔ انہی دنوں جاذب نے

یہ فیصلہ کیا کہ پہلے وہ اپنی بیٹی کی شادی کر دے۔ اس کے بعد وہ ارسلان اور اس کے چھوٹے بھائی کی شادی کا انتظام کر دے گا۔

اپنی بیٹی کی شادی کی بات ایک جگہ پکی کرنے کے بعد اس نے اپنے بھائی کے بیٹے احمد کو، جسے تم نے ارسلان کے ساتھ بھی دیکھا ہے، نیشاپور روانہ کیا تاکہ وہ ارسلان کو وہاں سے بلا کر لائے تاکہ وہ اپنی بہن کی شادی میں شرکت کر سکے۔

اس دوران وہ آتش پرست عورت جو ارسلان کی سوتیلی ماں تھی، حرکت میں آئی۔ اس نے اپنے عزیز اور رشتے دار آتش پرستوں کو بلایا جنھوں نے عین شادی سے چند روز پہلے ارسلان کی بہن، بھائی اس کے باپ اور ساتھ ہی احمد کے ماں باپ کے علاوہ اس کے بھائی بہنوں کو بھی قتل کر دیا۔ خود یہ آتش پرست عورت یعنی ارسلان کی سوتیلی ماں اپنی اکلوتی بیٹی کو لے کر کہیں غائب ہو گئی۔

احمد جب ارسلان کو لے کر نیشاپور سے جرجان پہنچا تو ان کے گھر تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ لوگوں نے دونوں گھروں کی لاشوں کو دفن کر دیا تھا۔ اس حادثے کے بعد ارسلان اور احمد نے قاتلوں کو تلاش کرنا شروع کیا اور تب انہیں پتہ چلا کہ ان دونوں گھرانوں کے قتل میں دس پارسی ملوث ہیں۔ ارسلان کی پارسی اور سوتیلی ماں کو یہ خدشہ تھا کہ اگر ارسلان کے نام جائداد کر دی گئی تو اسے کچھ نہیں ملے گا لہٰذا اس نے اپنے شوہر یعنی ارسلان کے باپ اور اس کے چچازاد بھائی دونوں کے خاندانوں کو تہ تیغ کرا دیا۔

ارسلان اور احمد نے مل کر اپنے قبیلے کے چند جوانوں کو ان دس قاتلوں کی تلاش میں روانہ کیا اور ان کے ذمے یہ کام لگایا کہ ان میں سے جب بھی وہ کسی کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ ان دونوں کو اطلاع کر دیں تاکہ وہ ان سے انتقام لے سکیں۔

اب جس پارسی کو ارسلان نے کوہستانی سلسلے کی چوٹی پر قتل کیا تھا اس کی اطلاع بھی ارسلان کے جوانوں نے دی تھی۔ اب ان دس جوانوں میں سے ایک کا خاتمہ تو ارسلان بن جاذب نے کر دیا ہے۔ باقی نو ایسے ہیں جن سے انتقام لینا باقی ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد اسمٰعیل تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے اپنے دوست جبیر سے کہنے لگا:

"سنو میرے دوست! میں تمہیں یہاں یہ بھی بتلاتا چلوں کہ ارسلان بن جاذب جہاں سلطان محمود کے سب سے زیادہ قابلِ احترام اور ذی عزت سپہ سالاروں میں شامل ہے وہیں یہ ہرات کا مستقل حاکم بھی ہے۔ اکثر یہ غزنی ہی میں رہتا ہے اس لیے کہ سلطان محمود اس سے بیٹوں ہی کی طرح محبت کرتے ہیں اور اس کی غیر موجودگی میں ہرات کے امرا کی ایک کونسل نظم و نسق سنبھالتی ہے۔ کبھی کبھار ارسلان ہرات جاتا ہے اور وہاں کے حالات درست کرنے اور ضروری احکامات جاری کرنے کے بعد واپس غزنی آ جاتا ہے۔"

ارسلان کے حالات یہاں تک سنانے کے بعد اسمٰعیل پھر تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ اس کے بعد وہ جبیر سے کہنے لگا:

"سن جبیر۔ میرے دوست! میں نے تمہیں سلطان محمود غزنوی اور اس کے سب سے بہترین جرنیل ارسلان کے حالات تمہاری فرمائش پر تفصیل سے سنا دیے ہیں۔"

جواب میں جبیر اسمٰعیل کو مخاطب کر کے بولا:

"اے اسمٰعیل! میرے بھائی! میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے ان دونوں کے حالات مجھے تفصیل سے سنائے۔ اب میں تجھے ایک اور زحمت دیتا ہوں۔ سلطان محمود کے حالات سناتے ہوئے تم نے بتایا تھا کہ اس کا باپ سبکتگین خاندانِ سامان کے ایک حاکم الپتگین کا غلام تھا اور یہیں سے ترقی کرتے کرتے وہ پہلے نیشاپور اور پھر غزنی کا حکمران بنا۔ اے میرے بھائی! کیا تم مجھے خاندانِ سامان کے متعلق بھی کچھ تفصیل بتاؤ گے؟"

اس پر اسمٰعیل نے کچھ سوچا۔ پھر گفتگو کی ابتدا کرتے ہوئے کہنے لگا:



"جبیر! میرے بھائی! سن! خاندانِ سامان یا آلِ سامان کے جدِ امجد کا نام سامان تھا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس کا اصل نام تو کچھ اور تھا لیکن سامان مشہور ہو گیا۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ سمرقند کے نواح میں ایک شہر ہے جس کا نام سامان ہے، یہ اسی شہر کا رئیس تھا اس لیے اسے سامان خداہ کہا جانے لگا یعنی سامان کا رئیس لیکن اختصار پسند سامانیوں نے جب اسے پکارنا

شروع کیا تو وہ اسے پیار و محبت سے سامان ہی پکارنے لگے۔ آخر یہی نام اس کی ذات کا ایک حصہ بن کر رہ گیا۔

سامان کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام اسد تھا۔ وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد اس کی وراثت کا مالک ہوا اور اس نے سمرقند اور اس کے نواح کو خوب ترقی دی بلکہ دور دور تک کے علاقوں میں اس نے فتوحات حاصل کیں اور اپنی سلطنت کو وسعت دی۔

اسد کے چار بیٹے تھے۔ ایک کا نام نوح، دوسرے کا احمد، تیسرے کا الیاس اور چوتھے کا نام یحییٰ تھا۔ وفات سے پہلے اس نے اپنے چاروں بیٹوں میں اپنی سلطنت کو تقسیم کر دیا۔ ایک کو سمرقند کا، دوسرے کو کاشغر کا، تیسرے کو ہرات کا اور چوتھے کو تاشقند کا حکمران مقرر کیا۔

ان لوگوں نے بھی فتوحات حاصل کیں اور خاندانِ سامان کو خوب شہرت اور عروج عطا کیا لیکن ان کے بعد ان کی اولاد کمزور پڑتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ تم نے مجھ سے سنا کہ امیر الپ تگین اور امیر سبکتگین کے دور تک یہ آلِ سامان کے حکمران کافی کمزور ہو چکے تھے اور اپنے اندر اس قدر عسکری قوت نہیں رکھتے تھے کہ ارد گرد کی ہمسایہ سلطنتوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا سکیں۔"

یہاں تک کہہ کر اسمٰعیل خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر رکا۔ پھر دوبارہ اپنا سلسلۂ کلام جاری کرتے ہوئے وہ جبیر سے کہنے لگا:

"سنو جبیر! میرے رفیق!! ارسلان بن جاذب سے متعلق میں تمہیں دو باتیں بتانا تو بھول ہی گیا اوّل یہ کہ اس کے باپ نے جس پارسی عورت سے شادی کی تھی اس کے بطن سے اس کی ایک بیٹی یعنی ارسلان کی بہن بھی تھی۔ وہ عورت جاتے ہوئے اپنی اس بیٹی کو بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ اب جہاں ارسلان اپنے اہلِ خانہ کے قاتلوں کو تلاش کر رہا ہے وہاں وہ اپنی اس بہن کے لیے بھی سرگرداں ہے اور اس کی وہ بہن شروع ہی سے اس کو دیوانگی کی حد تک پیار کرتی تھی۔

دوسری بات جو میں تم سے کہنا بھول گیا ہوں یہ ہے کہ ارسلان جب اپنے کسی دشمن کے خلاف صف آرا ہوتا ہے یا اس سے معرکہ آرائی کرتا ہے تو صرف اپنے گھوڑے کی زین سے لوہے کے گول اور بھاری ٹکڑے سے نکال کر اس پر حملہ آور نہیں ہوتا بلکہ ضرورت کے وقت اس کا گھوڑا اور ساتھ ہی اس نے جو بھیڑیا پال رکھا ہے، دونوں اس کی پوری پوری مدد کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ارسلان نے اپنے گھوڑے کو تو پہلے ہی

تربیت دے رکھی ہے لیکن ساتھ ہی وہ اس بھیڑیے کو بھی زیرِ تربیت رکھتا ہے۔ دشمن کے ساتھ جنگ کے دوران جب وہ اپنے خاص انداز میں اپنے گھوڑے یا اس بھیڑیے کی گردن تھپتھپاتا ہے تو وہ حرکت میں آ کر دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اسے دانتوں سے کاٹنے کے ساتھ دولتیوں سے بھی اس کے دشمن کی خوب تواضع کرتے ہیں"۔

یہاں تک کہہ کر اسمٰعیل خاموش ہو گیا کیونکہ اب وہ جبیر کی بستی میں داخل ہو رہے تھے۔ اس بستی میں اسمٰعیل نے جبیر کے ہاں دو دن قیام کیا اور تیسرے دن وہ وہاں سے پشاور کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



ارسلان اور احمد رات کی تاریکی میں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے افشین، گرجستان، مرغب اور کابل کے راستے پشاور کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سلجھی الجھی وحشتوں میں ٹھٹھری طویل اور اندھیاری رات صبح سے شام کی طرف بھاگ رہی تھی۔ بے تعلق جذبوں میں قربتوں کی شباہتیں، دوریوں کی متلاشی بھیگی بھیگی رتوں کی طلب سے دور بھاگتی جا رہی تھیں۔

بارش کے بعد تھوڑی دیر کے وقفے سے برف باری شروع ہو گئی تھی اور زمین کا سینہ چونا پھری دیوار کی طرح سفید ہونے لگا تھا۔

لگاتار سفر کرتے ہوئے ایک روز صبح ہی صبح ارسلان اور احمد، پشاور کے نواح میں سلطان محمود غزنوی کے پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ جس طرف سے یہ دونوں بھائی گزرتے تھے، لشکری بڑی چاہت آمیز آوازوں میں ارسلان بن جاذب کو سلام کرتے ہوئے اس کا استقبال کر رہے تھے۔

جب دونوں سلطان کے خیمے کے پاس آئے تو ایک پہرے دار بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا اور ان دونوں کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں۔ پھر اس پہرے دار نے ارسلان سے کہا:

"سلطان گزشتہ کئی روز سے برابر آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ سلطان کے بائیں پہلو میں آپ اور آپ کے عم زاد احمد کا خیمہ نصب کیا جا چکا ہے۔ تھوڑی دیر رکیے۔ میں سلطان کو آپ دونوں کی آمد سے آگاہ کرتا ہوں!"

اس کے ساتھ ہی وہ پہرے دار بھاگتا ہوا سلطان کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ جلد ہی وہ واپس آیا اور ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"سلطان اس وقت اپنے دوسرے سپہ سالاروں کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہیں اور انہوں نے ابھی اور اسی وقت آپ کو بلایا ہے۔"

اس موقع پر احمد نے ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"سنو میرے بھائی۔ میں اپنے خیمے کی طرف جاتا ہوں۔ تم سلطان کے پاس جاؤ اور دیکھو کہ کیا فیصلہ ہونے والا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی احمد اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بائیں طرف چلا گیا جبکہ ارسلان اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔

سلطان کے خیمے کے پاس آکر اس نے اپنے گھوڑے کو باندھ دیا۔ پھر وہ سلطان کے خیمے کا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔



خیمے میں اس وقت سلطان کے علاوہ اس کے سپہ سالار عبداللہ طائی، امیر نصر اور التون تاش بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جونہی ارسلان خیمے میں داخل ہوا اسے دیکھ کر سلطان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اپنی جگہ سے سلطان اٹھ کھڑا ہوا اور ارسلان کے لیے آگے بڑھا۔ عبداللہ طائی، امیر نصر اور التون تاش نے بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ارسلان کا استقبال کیا۔ سلطان نے آگے بڑھ کر ارسلان کو لپٹایا اور پھر بڑی چاہت اور شفقت سے سلطان نے اسے مخاطب کر کے کہا:

"اے جاذب کے بیٹے! مجھے امید ہے کہ جس مہم کی طرف تم گئے تھے اس میں تم ضرور کامیاب لوٹے ہو گے۔"

ارسلان نے کمال ادب سے جواب دیا:

"سلطانِ محترم! میں جانتا ہوں کہ آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں لہٰذا جس مہم پہ میں گیا تھا اس میں کامیاب لوٹا ہوں۔ میں اپنے ان دس مجرموں میں سے ایک کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوا ہوں اور اسے میں

نے موت سے ہمکنار کر دیا ہے۔"

سلطان کے بعد ارسلان بڑے جوش اور محبت سے عبداللہ طائی، امیر نصر اور التون تاش سے بغل گیر ہو کر ملا۔ پھر سلطان نے ارسلان کو بیٹھنے کے لیے اپنے پہلو میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی اس لیے کہ سلطان کے جرنیلوں اور سالاروں اور کمانداروں میں ارسلان ہی اس کا سب سے زیادہ چہیتا اور پسندیدہ سالار تھا۔

جب سب اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تب سلطان نے ارسلان کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا:

"سنو جاذب کے بیٹے! تمہارے آنے سے پہلے میں تمہارے ان رفقا سے جنگی امور پر ہی بحث کر رہا تھا۔ اس وقت تک کی صورتِ حال یہ ہے کہ ہندوستان کا راجہ جے پال اپنے لشکر کے ساتھ ہمارے مقابلے کے لیے پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی بتاتا چلوں کہ جے پال شمالی ہند کا سب سے طاقتور حکمران ہے اور کئی دیگر ہندو راجہ اس کے باجگزار ہیں۔

اب تک ہمارے مخبروں نے جو اطلاع فراہم کی ہے اس کے مطابق جے پال کے پاس اس وقت بارہ ہزار سوار، تیس ہزار پیدل اور تین سو جنگی ہاتھی ہیں۔ یہ جے پال کا اپنا لشکر ہے۔ دوسرے راجاؤں کے چھوٹے چھوٹے لشکر بھی اس کے ساتھ ہیں۔

دوسرے راجاؤں میں سب سے بڑھ چڑھ کر راجا بھاٹیا اس جنگ میں حصہ لے رہا ہے۔ اس راجا کا پورا نام بجی رائے بھاٹیا ہے اور بھیرہ، خوشاب اور پنڈی بھٹیاں کا حکمران ہے۔ یہ بھی اطلاعات ملی ہیں کہ جے پال جنگ کو تاخیر سے شروع کرنا چاہتا ہے اس لیے کہ اسے اندرونِ ہند سے لگاتار رسد اور کمک فراہم ہو رہی ہے اور اس کا خیال ہے کہ جس قدر دیر سے ہمارے ساتھ جنگ ہو گی اسی قدر اس کی قوت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا لیکن یہ بات ہمارے مفاد کے سراسر خلاف ہے۔

سنو جاذب کے بیٹے! میں تم پر مزید انکشاف کروں کہ راجہ جے پال کا مرکزی شہر ہنڈ ہے جو دریائے سندھ کے کنارے ایک مشہور شہر ہے۔ اس کا ایک بیٹا ہے انند پال۔ وہ وسطی پنجاب کا حکمران ہے اور لاہور اس کا مرکزی شہر ہے۔ اس علاقے کا راجہ پہلے بھارت تھا پر انند پال کے باپ جے پال نے اسے شکست دینے کے بعد اس کا علاقہ اس سے چھین لیا اور اپنے بیٹے انند پال کو وہاں حکمران مقرر کر دیا۔ اب انند پال بھی اس وقت بہت بڑے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کے جنوبی حصے میں پڑاؤ کیے ہوئے ہے اور اس کا

ارادہ یہ ہے کہ جنگ نے اگر طول پکڑا یا راجہ جے پال کو ہمارے خلاف کامیابی نہ ہوئی تو انند پال لشکر کے ساتھ اپنے باپ سے آملے گا۔ یوں انہیں ہر وقت اندرونِ ہند سے رسد اور کمک برابر فراہم ہو سکتی ہے۔

سلطان جب خاموش ہوا تب ارسلان نے بڑے جوش اور ولولے سے سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا:

"سلطانِ محترم! دشمن خواہ کتنا ہی بڑا لشکر ہمارے مقابل کیوں نہ لے آئے۔ ہم اسے میدانِ جنگ میں ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔ راجہ جے پال چاہے اپنے بیٹے انند پال کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے دیگر سب راجاؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لے تب بھی انشاء اللہ ان سب کی متحدہ قوت کو ہم شیشے کی کرچیوں کی طرح بکھیر کر رکھ دیں گے۔"

ارسلان کی یہ گفتگو سن کر سلطان کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر ارسلان کی پیٹھ تھپ تھپاتے ہوئے کہا:

"جاذب کے بیٹے! تمہاری یہی گفتگو تو میرے اطمینان اور میرے حوصلے اور تسلی کا باعث بنتی ہے۔ یقیناً تم میرے وہ سالار اور میرے وہ کماندار ہو جس پر میں بد سے بدترین حالت میں بھی پورا اعتماد اور بھروسہ کر سکتا ہوں۔"

سلطان جب خاموش ہوئے تو ارسلان نے پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"سلطانِ محترم! اگر ہند کا راجہ جے پال اپنے ان گنت ساتھی اور حواری رکھنے کے باوجود بھی اندرونِ ہند سے ملنے والی رسد اور کمک کے انتظار میں اس جنگ کو تاخیر سے شروع کرنا چاہتا ہے تو ایک تدبیر میرے ذہن میں ایسی ہے جسے استعمال کرتے ہوئے ہم راجہ جے پال کو فی الفور جنگ شروع کرنے پر آمادہ کر سکتے ہیں۔"

ارسلان کی یہ بات سن کر سلطان کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی اور انتہائی پُر امید انداز میں انہوں نے ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"ارسلان میرے بیٹے! وہ کون سی تدبیر ہے جسے ہم جے پال کو جنگ کی ابتدا کرنے پر مجبور کرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟"

اس پر ارسلان نے کچھ سوچا۔ پھر وہ سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"سلطانِ محترم! جیسا کہ آپ نے انکشاف کیا ہے کہ اندرونِ ہند سے راجہ جے پال کو برابر رسد کا سامان اور کمک فراہم ہو رہی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں کہ چند چھاپہ مار دستے ترتیب دیں اور مختلف سمتوں سے ان دستوں پر حملہ آور ہوں جو راجہ جے پال کے لیے رسد اور کمک کا سامان لے کر آتے ہیں۔ ان پر حملہ آور ہو کر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ جو دستے کمک کے طور پر آتے ہیں ان کا قتلِ عام شروع کر دیں اور ان کے ساتھ جو سامان ہوتا ہے وہ سامان چھین کر ہم اپنے لشکر میں لا کر جمع کرتے رہیں۔ اس طرح ہماری قوت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور راجہ جے پال کی جب رسد اور کمک کٹ جائے گی تو اس کی طاقت ویسے ہی منجمد ہو کر رہ جائے گی۔"

ارسلان کی یہ تدبیر سن کر سلطان تھوڑی دیر تک مسکراتے رہے اور ارسلان کی طرف تحسین آمیز انداز میں دیکھتے رہے۔ پھر کہنے لگے:

"اے فرزندِ نیک خو! تیری یہ تدبیر نہ صرف یہ کہ قابلِ عمل ہے بلکہ اس سے ہم اپنی عسکری قوت میں اضافے کے ساتھ ساتھ راجہ جے پال کو خاطر خواہ گزند بھی پہنچا سکتے ہیں لہٰذا لشکر کا وہ حصہ جو ہمیشہ سے تمہارے ساتھ رہ کر کام کرتا رہا ہے اس لشکر کے ہمراہ میں تمہارے سپرد یہ کام کرتا ہوں کہ تم جے پال کے رسد اور کمک کے دستوں پر شب خون مارنا شروع کر دو۔"

سلطان جب خاموش ہوئے تو ارسلان نے پھر کہا:

"سلطانِ محترم۔ اس سلسلے میں ایک اور التماس اور خواہش ہے۔"

سلطان نے مشفقانہ و مہربانہ انداز میں پوچھا:

"کہو۔ تم اس سلسلے میں مزید کیا کہنا چاہتے ہو۔"

اس پر ارسلان نے کہا:

"سلطانِ محترم: میں اپنا پورا لشکر جو میرے ماتحت کام کرتا ہے، اس کام میں نہیں لگانا چاہتا، بلکہ اس لشکر کے آدھے حصے کو میں اپنے ساتھ رکھتا ہوں اور لشکر کا وہ حصہ جو عبداللہ طائی کے تحت کام کرتا ہے اس کا آدھا حصہ عبداللہ طائی کے تحت کرنے کے بعد میرے اس کام میں شریک کیا جائے ——— وہ اس طرح کہ میں راجہ جے پال کے دائیں طرف سے لمبا کاٹ کر اس کی طرف جاؤں گا اور اپنا سپاہی عبداللہ

بائیں طرف سے کرے گا۔

راجہ جے پال کے لشکر کے بہت پیچھے جا کر میں رسد اور کمک کے قافلوں پر دائیں جانب سے اور عبداللہ طائی بائیں طرف سے حملہ آور ہوا کرے گا۔ اس طرح کمک لے کر آنے والے دستوں کو ہم دو طرفہ حملے سے نہ صرف ختم کر دیں گے اور ان کو کسی بھی سمت بھاگنے کا موقع نہیں دیں گے بلکہ ان کے ذریعے سے جو رسد راجہ جے پال کو مل رہی ہے اس رسد کو بھی ہم آسانی سے سمیٹ کر اپنے لشکر میں لا سکیں گے۔"

سلطان یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور ارسلان سے بولے:

"تمہاری اس تدبیر پر بھی عمل کیا جائے گا اور یہ کام تم اور عبداللہ طائی دونوں آج ہی سے شروع کر دو۔ مجھے امید ہے کہ تم دونوں مل کر اپنا ہدف اپنی منزل اور اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب رہو گے۔"

اس کے بعد یہ مجلس ختم کر دی گئی۔

○

دوسرے روز سے سلطان کے حکم کے مطابق ارسلان اور دوسرے جرنیل عبداللہ طائی کی سرکردگی میں راجہ جے پال کی پشت پر ان دستوں پر شب خون مارنا شروع کر دیا گیا جو راجہ کے لیے رسد اور کمک لے کر اندرونِ ہند سے آ رہے تھے۔

عبداللہ طائی بائیں طرف سے اور ارسلان دائیں طرف سے حملہ آور ہوتا۔ وہ کمک لے کر آنے والے دستوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے اور رسد کا وہ سامان جو یہ دستے اپنے ساتھ لے کر آتے تھے اس پر قبضہ کر کے یہ دونوں جرنیل اپنے لشکر میں پہنچا دیتے تھے۔

یہ صورت حال چند روز تک جاری رہی۔ اس لیے کہ راجہ جے پال کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں نے اس کی پشت پر لمبے کاوے کاٹتے ہوئے اس کی رسد اور کمک کو تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا ہے تو اس نے جنگ میں تاخیر کرنے کے بجائے فی الفور جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا اور یہی مسلمانوں کا مقصد اور مدعا تھا۔

راجہ جے پال کو یہ فکر ہو گئی تھی کہ اگر اسی طرح مسلمان شب خون مار مار کر اس کی رسد اور کمک پر حملہ کرتے رہے تو آہستہ آہستہ مسلمانوں کی طاقت بڑھتی چلی جائے گی جبکہ اس کی اپنی قوت منجمد ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ راجہ فی الفور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

○

۸ محرم ۳۹۲ ہجری کی صبح، راجہ جے پال لڑائی کے لیے تیار ہوا اور اپنے بہت بڑے پڑاؤ کے سامنے اس نے اپنے لشکر کو ترتیب دینا شروع کیا۔

اس کے لشکر میں اب چاروں طرف ڈھول بجنے لگے تھے۔ لشکر کے سامنے تین سو ہاتھیوں کو رکھا گیا تھا تاکہ انہی ہاتھیوں سے جنگ کی ابتدا کی جائے۔ درمیان میں پیدل فوج کو رکھا گیا تھا اور اس پیدل فوج کے دونوں بازوؤں پر اور اس کے پیچھے اَن گنت سوار تھے۔

ان سواروں میں راجہ جے پال کے علاوہ دوسرے راجاؤں کی طرف سے آنے والی کمک کے سوار بھی شامل تھے۔

دوسری طرف سلطان نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کیں۔ اس نے لشکر کا درمیانی حصہ اپنے پاس رکھا اور اپنے لشکر کے دائیں بائیں اور پیچھے اس نے اپنے خونخوار سواروں کو متعین کیا تھا۔ دائیں طرف والے سوار ارسلان کی سرکردگی میں تھے۔ بائیں طرف والے عبداللہ طائی اور عقب میں کام کرنے والے سوار امیر نصر کی کمانداری میں رکھے گئے تھے جبکہ چوتھے جرنیل التون تاشں کو سلطان نے اپنے ساتھ قلب میں اپنے نائب کے طور پر رکھ لیا تھا۔ دشمن کے ہاتھیوں سے نمٹنے کی ذمہ داری سلطان نے ارسلان کو سونپ دی تھی۔

جنگ کی ابتدا کرنے کے لیے جب راجہ جے پال نے آہستہ آہستہ اپنے ہاتھیوں کو آگے بڑھانا شروع کیا تب سلطان کے لشکر کے دائیں پہلو میں ارسلان حرکت میں آیا۔ وہ ایک قدرے بلند جگہ پر کھڑا ہوا اور اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے وہ انہیں مخاطب کرتے ہوئے بولا:

"میرے بھائیو، میرے رفیقو!

دشمن تمہارے سامنے کاروانِ رہزناں اور گروہِ قاتلاں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

اس کے خلاف تیغ خوفِ دشمناں کی طرح آگے بڑھو۔ ان کی راحتوں اور حلاوتوں کو کسیلے اور کڑوے پن میں ان کے دل کے آبگینوں پر غم کے پیراہن اور ان کے عزم و استقلال کی وابستگی پر موت کے کفن چڑھا دو۔

سنو میرے ساتھیو!

یہ ان گنت دشمن خون چاٹتی خواہشوں کی طرح تمہاری طرف بڑھنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہشوں کو قربِ جاں کے مضمرات، ان کی تندتوں، ان کی قہرمانیوں کے طوفانوں کو موت کی عمیق اور گہری گھاٹیوں میں اتار کر رکھ دینا۔

یہ دشمن تمہارے لیے نفرت، نفاق اور اختلافات کا ایک طوفان لے کر آئے ہیں۔۔۔ چپکے چپکے اٹھنے والے حادثات، قیامت کی گھڑیوں اور نمود کی موت کے مناظر بن کر دشمن کے خلاف اٹھنا اور لہو کے تازہ چمکتے اجالوں کی طرح انہیں شکار کر کے انہیں غبارِ راہ بنا کر رکھنا۔

ان کے جسد کے نگار خانوں کو شیشے کے تراشے میں تبدیل کرنے اور شیشے کے ان تراشوں کو تاریک کرچیوں میں تبدیل کرنے کے لیے اپنے عہد کا بے غبار موسم بن کر ان کی وسعت اور ہوس کو سمیٹ اور لپیٹ کر رکھ دینا۔

سنو میرے بھائیو!

وطن کا رشتہ مٹی سے محبت پہ مبنی ہوتا ہے اور مٹی نے ایک روز فنا ہو کر رہ جانا ہے قریبی رشتہ دین کا روحانی رشتہ ہے اور روح باقی رہتی ہے لہٰذا ہمارے درمیان یہ وطن کی نسبت دین کا روحانی رشتہ ہی برتر اور عظیم ہے۔ تمہاری طرف بڑھنے والے یہ انگنت دشمن تمہارے لیے قتل گاہوں کے الاؤ روشن کرنا چاہتے ہیں، انہیں اپنے سامنے حبس کے لمحوں کا صید بنا کے رکھنا۔

سنو میرے ساتھیو، میرے بھائیو!

جنگ کے دوران اللہ اکبر کے عظیم نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن پر حملہ آور ہونا کہ یہی نعرہ جنگ کے دوران ہمارے دلوں کو جوڑنے والا اسمِ اعظم ہے

زیست کے بند صفحات کھولنے والے میرے ہمسفرو!

موسموں کے رازدانو!!

خود کو اوڑھ کر سو جانے والے مجاہدو!

حصارِ شب میں محبت کا پرتو اور چاہتوں کا عکس بن کر نمودار ہونے والے لشکریو!

اپنے تیز اور خون خوار حملوں سے اپنے سامنے دشمن کی حالت خوابوں کی دہلیز، خزاں کے سایوں، وہم و گمان کے ساحلوں اور کانچ کے ٹکڑوں جیسی اداس اور افسردہ بنا کر رکھنا ان کی زندگی کے سارے پیچ و خم کھول دینا۔

ان کی بدگمانی کے حصار پر آسیبوں کے سائے، ان کی ستم کاری پر مجبوری کے کھیل، ان کی شجاعت کے تار کول میں بے بسی کے بھنور کھڑے کر دینا۔

سنو میرے انتہا صفت ساتھیو!

دشمن کی طرف دیکھو۔ اس نے اپنے پیدل دستوں کو بیچ میں رکھا ہے۔ اپنے سامنے ہاتھیوں کو، دائیں بائیں اور پیچھے سواروں کو رکھا ہے۔ پہلے ہمیں ان ہاتھیوں ہی سے نمٹنا ہے۔ جونہی یہ ہاتھی آگے بڑھیں تم میری سرکردگی میں دائیں طرف سے ان ہاتھیوں پر جھپٹنا پہلے ان پر انتہائی جانثاری اور خونخواری کے ساتھ تیر اندازی کرتے ہوئے ان کے اندر ایک افراتفری اور کھلبلی مچا دینا۔ اور جب یہ ہاتھی ہمارے نزدیک آئیں تو پھر اپنے گھوڑوں پر بیٹھے ہی بیٹھے اپنی تلواریں کھینچ لینا اور اپنے ڈھالوں کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے ان ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹنی شروع کر دینا۔

اس کے بعد اپنا فرض کما حقہٗ ادا کرتے ہوئے توکل کے طور پر لڑائی کے انجام کو اپنے اللہ پر چھوڑ دینا جو ہر شے کا خالق اور رازق ہے۔ ہر چیز کے دل کا بھید جاننے والا ہے۔

یہاں تک کہہ کر ارسلان خاموش ہو گیا۔ اس لیے کہ راجہ جے پال کے ہاتھی اب آگے بڑھتے ہوئے قریب آ گئے تھے۔

ارسلان کے الفاظ نے اس کے لشکریوں پر خاطر خواہ اثر کیا تھا اور وہ دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے فطرت کی برہم شعلہ مزاجی، آفاق پہ پھیلتی کرنوں اور کرن کرن متلاشی لہروں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ ارسلان

کی سرکردگی میں وہ دشمن کے ہاتھیوں کی طرف بڑھے اور الفاظ بناتی خواہشوں، جنگ کے پھیلتے ہوئے دامن، پیمانۂ شب و روز، تلازموں کے مدّوجزر اور ماہ و سال کی تقویم کی پابندی سے آزاد ہو کر دشمن کے ہاتھیوں پر حملہ آور ہو گئے۔

پہلے ذرا فاصلے پر رہتے ہوئے ارسلان اور اس کے ساتھیوں نے راجہ جے پال کے ہاتھیوں پر تیز اور موسلا دھار بارش کی طرح تیر اندازی کی جس کی وجہ سے راجہ جے پال کے اکثر ہاتھی اس طوفانی تیر اندازی سے چھد کر رہ گئے۔ اس وقت تک راجہ جے پال کا لشکر حرکت میں نہیں آیا تھا جس کی وجہ سے سلطان کے لشکر کے بھی سارے حصے بڑی توجہ اور بڑے غور کے ساتھ راجہ جے پال کے ہاتھیوں اور ارسلان کے لشکر کے درمیان ہونے والی جنگ دیکھ رہے تھے۔

راجہ جے پال کے ہاتھیوں کو اپنے تیروں سے چھیدنے کے بعد ارسلان اور اس کے ساتھی جب اپنے گھوڑے بھگاتے ہوئے ہاتھیوں کے قریب آئے تو انھوں نے اپنے تیر اپنے ترکشوں میں ڈال لیے اور اپنی کمانیں کندھوں سے لٹکا کر اپنی تلواریں اور ڈھالیں سنبھال کر ارسلان کی سرکردگی میں خرام دفا، جان طلب لمحات، طلسماتِ گمان اور خواہشوں کی دھوپ کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے انہیں آگ اور موت کے خونی کھیل اور نسلوں کی نفرت میں مبتلا کر کے رکھ دیا۔

راجہ جے پال کا خیال تھا کہ اس نے جو ہاتھیوں کو آگے بڑھانے سے جنگ کی ابتدا کی ہے تو اس سے وہ بہت کچھ فوائد اپنے لیے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اس کا یہ گمان تھا کہ ہاتھی دشمن کے ایک حصے کو روند کر رکھ دیں گے اور جب وہ دشمن کے لشکر کے اندر افراتفری اور بدنظمی پھیلا دیں گے تو وہ یک لخت اپنے لشکر کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہو گا اور ان کی ساری صفوں کو ادھیڑ کر رکھ دے گا اور انہیں عبرت خیز شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔

لیکن ـــ معاملہ اب سارے کا سارا اس کے خیالات اور گمان کے الٹ ہو رہا تھا اس لیے کہ ارسلان نے راجہ جے پال کی ساری خواہشوں پر پانی پھیر دیا تھا پہلے اس نے اپنے لشکریوں کے ساتھ تیر اندازی کر کے اکثر ہاتھیوں کو چھید ڈالا۔ اب وہ اپنے لشکر کے ساتھ جو تلواریں سونت کر آگے بڑھا تو اس نے پہلے ہی ہلّے میں پہلی صفوں کے اندر جس قدر ہاتھی تھے ان کی سونڈیں کاٹ کر رکھ دیں۔

اس حملے کا خاطر خواہ ردِ عمل ہوا۔ کیونکہ جن ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ دی گئی تھیں وہ چیختے چلاتے ہوئے

پلٹے۔ ان کی اس وحشت سے پچھلی صفوں کے ہاتھی بھی چیخنے اور پھر چلاتے ہوئے واپس بھاگتے ہوئے وہ اپنے ہی لشکر کے ایک حصے کو روندتے چلے گئے۔

اس موقع پر جبکہ ارسلان نے بڑی خونخواری سے حملہ آور ہوتے ہوئے ان تاجرانِ ظلمت کے ہاتھیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا، سلطان نے بڑی دانشمندی اور فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے بروقت ایک قدم اٹھایا اور وہ یہ کہ جونہی دشمن کے ہاتھی واپس بھاگے، سلطان نے اپنے لشکر کو دشمن پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا۔

سلطان اپنے لشکر کو بڑی تیزی سے آگے بڑھاتے ہوئے ہاتھیوں کے پیچھے ہی پیچھے دشمن کی طرف بڑھے اور ہاتھیوں کی اوٹ ہی میں انھوں نے راجہ جے پال کے قلب پر حملہ کر دیا۔

سلطان اپنے لشکر کے ساتھ راجہ جے پال کے قلب پر اپنا نے جذبوں، جنگ کی بھڑکتی ہوئی حدت اور کروٹیں بدلتی ہوئی زندگی کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔ دشمن کی سپاہ کو بُری طرح کاٹتے ہوئے ان کی عادتوں کی کرچیوں، خاموشیوں کی تہوں، جھوٹے خوابوں اور کالے آنگنوں جیسی کرنی شروع کر دی تھی۔ سلطان کے لشکری صف شکن مجاہدوں اور مردانِ جری کی طرح جذبۂ حب الوطنی کی شمع روشن کیے قوتِ باطل کی صف آرائیوں کو ادھیڑتے ہوئے خنجر کی طرح دشمن کے سینوں میں پیوست ہونے لگے تھے۔ سلطان کے ان جان لیوا حملوں نے راجہ جے پال جیسے آمادۂ جنگ و جدل کے سامنے مسائلِ حادثات و عذابات کھڑے کر کے رکھ دیے تھے۔

سلطان کے بائیں پہلو کے کماندار عبداللہ طائی نے جب دیکھا کہ سلطان نے راجہ جے پال کے قلب کے لشکر پر حملہ کر کے دشمن کو ادھیڑنا شروع کر دیا ہے تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ جے پال کے دائیں پہلو پر حملہ آور ہو گیا۔

عبداللہ طائی بھی دشمن پر تپتی بجرِ دھرتی، نفرتوں کے تصرف اور تاریکیوں کی چادر کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ اس نے لمحوں کے اندر دشمن کی جرأت مندی کے تعاقب میں یادوں کے نوحے اور ان کی ہنرمندی کے ایوانوں میں سوختہ مگر خوفناک تنہائیاں بھرنی شروع کر دی تھیں۔

عبداللہ طائی نے بھی نہ کٹنے والی رات کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے دشمن کی جانثاری کے سارے لمحوں کو خیالات کی وحشت اور ان کی ساری نامورری کو خواہشات کا شکار ہوتے گمنام شکستہ خیال میں تبدیل کر کے

رکھ دیا تھا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ راجہ جے پال کے قلب پر خود سلطان ضربیں لگا رہے تھے۔ دائیں حصے پر عبداللہ طائی چھایا ہوا تھا اور بائیں حصے پر ارسلان نے حملہ آور ہوتے ہوئے دشمن کا قتلِ عام شروع کر دیا تھا۔ راجہ جے پال کا عقبی لشکر ابھی تک اس انتظار میں تھا کہ اسے راجہ جے پال کی طرف سے جنگ میں کودنے کا حکم ملے یا یہ کہ اپنے جس لشکر کے اندر بھی وہ کمزوری اور فرار کے آثار دیکھیں تو فوراً اس کی مدد کو پہنچ جائیں۔ راجہ جے پال کا عقبی لشکر ابھی اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ سلطان کے عقبی لشکر کے کماندار امیر نصر نے بڑا عمدہ اور بروقت فیصلہ کیا۔

امیر نصر نے اپنے لشکر کو حرکت میں لاتے ہوئے میدانِ جنگ سے دور ہٹتے ہوئے ایک لمبا چکر کاٹا اور پھر وہ راجہ جے پال کے لشکر کی پشت پر نمودار ہوا اور راجہ جے پال کے عقبی لشکر پر عکسِ شبِ غم کی طرح حملہ آور ہوا اور اپنے تیز اور جان لیوا حملوں سے اس نے لمحوں کے اندر راجہ جے پال کے عقبی لشکر کو ادھیڑ کر رکھ دیا۔

سلطان کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے راجہ جے پال کے لشکریوں نے جب دیکھا کہ اس کے عقبی لشکر میں بھی شور اور حالات کی سنگینی کا آغاز برپا ہو گیا ہے تو وہ فکر مند ہوا اور جب جنگ کے حشرات الارض کی طرح گھومنے والے مخبر یہ خبریں لائے کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے عقب سے بھی حملہ کر دیا ہے تو پھر راجہ جے پال کے لشکری جی چھوڑنے لگے۔ انہیں یہ گمان ہو گیا کہ شاید مسلمانوں نے اپنا کوئی لشکر پہلے سے گھات میں بٹھا رکھا تھا جو عین جنگ کے عروج کے موقع پر نکل کر ہمارے عقبی حصے پر حملہ آور ہو گیا ہے۔ اس اقدام کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور جے پال کے لشکری بددل ہو گئے۔ لہٰذا وہ ایک طرف سے مڑتے ہوئے اپنی جانیں بچانے کی کوشش کرنے لگے۔

اس موقع پر خود سلطان محمود، ارسلان، عبداللہ طائی اور امیر نصر نے بلند آوازوں میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے دشمن پر اپنے حملوں کی رفتار تیز کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن میں لمحوں کے اندر افراتفری اور بدنظمی کا عالم برپا ہو گیا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ تھوڑی دور تک راجہ جے پال کے لشکر کا تعاقب کر کے اس کا قتلِ عام کیا اور پھر اپنے لشکر کے ساتھ میدانِ جنگ میں لوٹ آئے۔

اس جنگ میں راجہ جے پال اپنے کئی رشتے داروں، ذاتی حفاظتی دستوں، ان گنت حسین عورتوں اور خوبصورت غلاموں کے ساتھ گرفتار ہوا۔ اس کے علاوہ اس جنگ کے نتیجے میں سلطان کو بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔

دشمن کا تعاقب اور اس کا قتلِ عام کرنے کے بعد جب سلطان دوبارہ میدانِ جنگ میں لوٹے تو راجہ جے پال کو اس کے رشتہ داروں کے ساتھ سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔

راجہ جے پال نے سلطان کا فرمانبردار اور مطیع بن کر رہنے کا عہد کرنے کے ساتھ ساتھ جنگی تاوان بھی ادا کرنے کی پیش کش کی۔ اس نے عہد کیا کہ وہ سلطان کو پچاس جنگی ہاتھی، ان گنت گھوڑے، مویشی اور بھاری رقم تاوان میں ادا کرے گا — اور ان کے بدلے میں سلطان اس کی گلو خلاصی کر دیں۔

راجہ جے پال کی طرف سے تاوان کی جو رقم اور اشیا مقرر ہوئی تھیں جب وہ سلطان کو ادا کر دی گئیں تو سلطان نے راجہ جے پال اور اس کے عزیز و اقارب کو رہا کر دیا۔

راجہ جے پال کی آئندہ شورشوں کو روکنے کے لیے سلطان نے اس کا صرف ایک نواسا اور ایک بیٹا یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھ لیے۔

راجہ جے پال کی رہائی کے بعد سلطان خود بھی اپنے لشکر کے ہمراہ جے پال کے مرکزی شہر ہنڈ میں تشریف لائے۔ ہنڈ ان دنوں ایک عظیم شہر تھا۔ آج بھی اس کے قرب و جوار میں کئی مقامات کے نام ہندوانہ ہیں۔ سلطان نے پشاور سے لے کر ہنڈ تک تمام مندروں اور بت کدوں کو مسمار کر دیا تھا۔ اس جنگ کے بعد سلطان نے دریائے سندھ کو عبور نہیں کیا تھا بلکہ یہاں پر چند حفاظتی چوکیاں مقرر کر کے وہ اپنے لشکر کو لے کر اور مالِ غنیمت سمیٹتے ہوئے واپس غزنی چلے گئے۔



سلطان کے ہاتھوں اس بدترین شکست کے بعد راجہ جے پال نے اپنا سر منڈوا لیا اور خود کو اس نے آگ لگا کر خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ اس لیے کہ ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ جو ہندو راجہ دوبار کسی مسلمان سے شکست کھائے یا اس کی قید میں رہ چکا ہو وہ اس قابل نہیں رہتا کہ ہندوؤں پر فرمانروائی کرے اور یہ چیز ایک ایسا گناہ تھا کہ جس کو سوائے آگ کے کوئی دوسری چیز پاک نہیں کر سکتی لہٰذا راجہ جے پال نے خود کو

آگ لگا کر خودکشی کر لی۔

جے پال کی موت کے بعد اس کا بیٹا انند پال لاہور کے ساتھ ساتھ اپنے باپ کی سلطنت کا بھی حکمران ہو گیا تھا۔

⊙

غزنی میں اپنے لشکر کو کچھ عرصہ سستانے کا موقع فراہم کرنے کے بعد سلطان محمود اپنے لشکر کو ساتھ لے کر پھر غزنی سے نکلے۔

اس بار ان کا رخ بھیرا شہر کی طرف تھا۔ یہ شہر راجہ بجی رائے بھاٹیہ کا مرکزی شہر تھا اور اس شہر کے علاوہ خوشاب اور پنڈی بھٹیاں جیسے بڑے شہر بھی اسی راجہ بجی رائے بھاٹیہ کی عملداری میں شامل تھے۔ راجہ بجی رائے بھاٹیہ کے خلاف سلطان کے حرکت میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ بجی رائے نے سلطان کے خلاف راجہ جے پال کی مدد کرتے ہوئے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ بجی رائے نے اپنے لشکر کا ایک حصہ جے پال کی مدد کے لیے پشاور روانہ کیا تھا جہاں جے پال نے سلطان کے خلاف جنگ کی تھی۔

گو جے پال کو سلطان کے ہاتھوں بدترین شکست ہوئی تھی لیکن پھر بھی راجہ بجی رائے کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اس نے مسلمانوں کو کوئی اہمیت نہ دی اور سلطان کے خلاف ایک نیا محاذ کھڑا کرنے کے لیے وہ اردگرد کے راجاؤں سے گفت و شنید کرنے لگا تھا۔

سلطان اپنے لشکر کے ساتھ بڑی برق رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہوئے بنوں، عیسیٰ خیل اور ماڑی انڈس کے مقام پر سلطان نے اپنے لشکر کا پڑاؤ کیا۔ یہاں انہوں نے لشکریوں کو سستانے کا موقع فراہم کیا اور لشکر کا ایک حصہ سلطان نے ارسلان کی سرکردگی میں دیتے ہوئے بھیرہ کی طرف روانہ کیا۔

سلطان نے ارسلان کے ذمے روانگی سے پہلے دو کام سونپے تھے۔ اول یہ کہ بھیرہ کے راجہ بجی رائے کی عسکری قوت کا اندازہ لگایا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا جائے کہ بجی رائے نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے اپنے شہروں کے گرد کیا استحکامات کر رکھے ہیں۔

ارسلان کو یہ بھی اجازت دے دی گئی تھی کہ بھیرہ اور اس کے گردونواح میں اگر بجی رائے کے حفاظتی دستوں کے ساتھ ٹکراؤ ہو تو ارسلان بلاجھجک ان پر حملہ کر کے اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ سلطان

کی طرف سے یہ حکم ملنے کے بعد ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ بھیرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

⊙

بھیرہ شہر، جو اس وقت اپنی عظمت اور وسعت کے لحاظ سے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں شمار کیا جاتا تھا، ان دنوں دریائے جہلم کے کنارے تھا۔ ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ دریائے جہلم کے کنارے کنارے جب جنوب کی طرف بڑھا تو ایک جگہ اچانک دریا کے کنارے جہاں دور دور تک سرکنڈوں، نرسل، کانی، پلچھا اور شیشم کے جنگلات پھیلے ہوئے تھے وہاں چند لڑکیاں ایک طرف سے نمودار ہوئیں اور شور کرتی، پوری قوت کے ساتھ چیختی چلاتی ہوئی ارسلان کو روکنے اور مدد کرنے کی التجائیں کرنے لگیں۔

ان آہ و فغاں کرتی لڑکیوں کو دیکھ کر ارسلان نے اپنے لشکر کو رک جانے کا حکم دیا۔ اتنی دیر میں وہ لڑکیاں جن کی تعداد پندرہ بیس کے قریب ہو گئی تھی، ارسلان کے قریب آئیں اور پھر سہمے سہمے سے انداز میں رک گئیں۔

ارسلان کے پہلو میں اپنے گھوڑے پر سوار احمد نے اس موقع پر ارسلان سے کہا:

'میرے بھائی! ان لڑکیوں کی حالت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی نالش، کوئی فریاد لے کر آئی ہیں لیکن تم ان کے متعلق محتاط رہنا اس لیے کہ ان لڑکیوں کی صورت میں راجا بجی رائے بھاٹیہ کی طرف سے ہمارے خلاف کوئی سازش بھی ہو سکتی ہے۔'

احمد کی اس گفتگو پر ارسلان نے تھوڑی دیر کے لیے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے کہا:

'یہ لڑکیاں ہمارے خلاف کیا سازش کریں گی۔ اگر انہوں نے ہمارے خلاف کوئی جال پھیلانے ہوتے ہمیں کسی سمت لے جانے کی کوشش کی تو ہم دیکھ بھال کر قدم اٹھائیں گے اور ان کے جال میں نہیں پھنسیں گے۔'

اتنی دیر میں ان لڑکیوں میں سے ایک ارسلان کی طرف بڑھی۔ شاید اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ ارسلان ہی اس لشکر کا سالار ہے لہٰذا کچھ کہنے کے لیے وہ اسی کی طرف بڑھی۔

جب وہ لڑکی ارسلان کے قریب آئی تو اس نے دیکھا اس لڑکی کا حسن گلابوں پہ پڑی لرزتی شبنم، چاند کی ٹھنڈی کرنوں اور دریاؤں کی خنک لہروں جیسا تھا۔ اس کے اعضاء و جوارح کی ساخت روشنی کی رنگین کرنوں، گنجِ صبح و شام میں درخشاں مہتاب، دائمی تبسم اور حیات کے ان گنت رنگوں کی طرح تھا۔ اپنی ادائیں، اپنے حسن میں، اپنی کشش میں وہ لڑکی اپنے عہد کا بے غبار موسم، اجلی چمکیلی رت، نئی رتوں کا خواب دھانی کرنوں کی چنگاریوں جیسی دکھائی دے رہی تھی۔

اس کے روشن چہرے پہ لال گلابی رنگ اور خوابوں کے آئینے نمایاں تھے۔ اس کی آنکھوں کے اندر اس وقت رس میں بھیگی بھیگی نکہتیں، نشاط آفریں ساعتوں میں حلقۂ رنگ و بو کا ایک پرکشش رقص تھا۔

وہ مہتاب چہرہ لڑکی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ارسلان کے قریب آئی۔ پھر وہ انتہائی التجا آمیز لہجے اور عاجزانہ انداز میں ارسلان کو مخاطب کر کے کہنے لگی:

"اے غزنی کے سلطان محمود کے سپہ سالار! میں آپ کے سامنے ایک نالش، ایک فریاد لے کر آئی ہوں۔ اگر آپ ہماری مدد پر آمادہ ہوں تو میں کچھ کہوں؟"

اس پر ارسلان نے کہا:

"اے لڑکی! میں نہیں جانتا تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو۔ بہر حال جو کچھ تم کہنا چاہتی ہو کہو۔ اگر تمہاری مدد کرنا ہمارے بس میں ہوا تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔"

اس پہ وہ لڑکی بولی:

"میرا نام مادھوری اور میرے باپ کا نام روپ نرائن ہے۔ کچھ برہمن اور ان کے مسلح لوگ میرے باپ اور ہمارے قبیلے کے کچھ دوسرے لوگوں کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔ وہ انہیں پھانسی پر چڑھانا چاہتے ہیں۔ میں آپ کے پاس یہی نالش اور فریاد لے کر آئی ہوں کہ ان برہمنوں کے ہاتھ سے میرے باپ اور ہمارے قبیلے کے دوسرے افراد کی جان بچائیے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد مادھوری خاموش ہو گئی۔

ارسلان نے تھوڑی دیر تک سوچا۔ پھر مادھوری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

"تم لوگ کون ہو۔ کہاں کے رہنے والے ہو۔ کیوں ان برہمنوں اور ان کے مسلح جوانوں نے تمہارے

باپ اور تمہارے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو پکڑا ہے اور کس لیے وہ انہیں پھانسی یا سولی پہ چڑھانا چاہتے ہیں؟"

اس پہ مادھوری پھر کہنے لگی:

"ہمارا کوئی گھر، کوئی ٹھکانا نہیں۔ ہم تو بنواس اور جنگل کی زندگی بسر کرنے والے خانہ بدوش ہیں ہم اسی دریائے جہلم کے کنارے کنارے کبھی شمال سے جنوب اور کبھی جنوب سے شمال کی طرف سفر کرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ اس دریا کے کنارے مونجھ، ڈھب اور نڑ کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ڈھب سے ہم گھر میں استعمال ہونے والی چٹائیوں کے علاوہ پھل رکھنے کی ٹوکریاں بناتے ہیں۔ نڑ کو کاٹ صاف کر کے اور اس کے سرے جلا کر ہم اس کے پھرکنے بنا کر بیچتے ہیں جو گھروں میں سوت کاتنے والی عورتوں کے کام آتے ہیں جبکہ مونجھ کی ہم ٹوکریاں، جھاڑو اور اڑکے بنا کر بستی بستی نگر نگر بیچ کر اپنی گزر بسر کا سامان حاصل کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہم خانہ بدوش بھیڑ بکریاں بھی پالتے ہیں جو ہماری ضروریات کا بہت بڑا حصہ پورا کرتی ہیں۔"

جب مادھوری خاموش ہوئی تو ارسلان نے اس سے پوچھا:

"اگر تم لوگ خانہ بدوش ہو تو پھر ان برہمنوں اور ان کے مسلح جوانوں نے کیوں تمہارے باپ اور دیگر افراد کو پکڑا؟"

اس پہ مادھوری نے کہا:

"اس وقت ہم دریائے جہلم کے کنارے کنارے جنوب سے شمال کی طرف سفر کر رہے تھے۔ بدقسمتی سے دریا ان دنوں سیلابی حالت میں ہے اور اس کا پانی گدلا ہو چکا ہے اور پینے کے قابل نہیں ورنہ اکثر موسم سرما میں ہم دریا کے کنارے سفر کرتے ہوئے اسی دریا کا پانی پی کر گزر بسر کر لیتے ہیں کیونکہ وہ پانی صاف و شفاف ہوتا ہے۔ اس جگہ سفر کرتے ہوئے ہمارے پاس پانی ختم ہو گیا۔ قریب ہی ایک مندر تھا وہاں سے ہمارے لوگ پانی بھرنے کے لیے گئے۔

میرا باپ جو کہ اس خانہ بدوش قبیلے کا سردار ہے وہ بھی ساتھ تھا۔ وہ سب اس مندر میں پانی بھرنے

کی غرض سے گئے تھے۔ اس مندر کا پانی تو بہت شیتل اور ٹھنڈا تھا پر اس مندر کے لوگ بڑے بے رحم
اندت اور ابھگتی اور برے ہیں۔

جونہی ہمارے لوگ وہاں پانی بھرنے کے لیے گئے برہمنوں نے انہیں پکڑ لیا۔ پھر اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ وہ انہیں پکڑ کر مندر کی پشت پہ درختوں کی طرف لے گئے۔ اب وہ انہیں باندھ کر وہاں سولی پر لٹکا دیں گے لہٰذا میری آپ سے التماس ہے کہ آپ ہمارے ان آدمیوں کی مدد کے لیے کچھ کیجیے۔ اگر آپ دھمکی آمیز لہجے میں ان برہمنوں سے بات کریں گے تو وہ ضرور ہی ہمارے آدمیوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور ہمیں ان کے اس انتقام اور ظلم سے نجات مل جائے گی۔"

ارسلان نے پھر مادھوری سے پوچھا:

"ان برہمنوں نے کیوں مندر سے پانی بھرنے کے جرم میں تمہارے آدمیوں کو پکڑا؟"

مادھوری پھر بولی:

"ہم اچھوت اور نیچ ذات کے لوگ ہیں۔ باقی لوگ اپنے آپ کو اعلیٰ اور اچھی ذات کے لوگ کہتے ہیں۔ ہم اچھوتوں سے گھٹیا اور ناپسندیدہ کام لیے جاتے ہیں۔ مندر میں ہمارا داخلہ ممنوع ہے اگر ہم میں سے کوئی مندر میں داخل ہو جائے تو ان کا خیال ہے کہ مندر اپوتر اور ناپاک ہو جاتا ہے۔ اب جب ہمارے لوگ مندر سے پانی بھرنے کے لیے مندر میں داخل ہوئے تو ان برہمنوں نے یہ خیال کیا کہ اچھوتوں کے مندر میں داخلے کے باعث ان کا مندر اپوتر اور ناپاک ہو چکا ہے لہٰذا انہوں نے ہمارے لوگوں کو پکڑ لیا۔ اب وہ انہیں اس جرم کی سزا دینا چاہتے ہیں۔"

جونہی مادھوری خاموش ہوئی تو ارسلان نے کہا:

"سنو مادھوری۔ تم ان لڑکیوں کے ساتھ ہمارے آگے آگے چلو اور اس جگہ کی نشاندہی کرو جہاں برہمن تمہارے باپ اور دوسرے افراد کو لے گئے ہیں۔"

ارسلان کا یہ جواب سن کر مادھوری کے چہرے پر دبدبہ آور فضائیں اور رقص کرتی ہوائیں جیسا تبسم کھل گیا۔ مزید کچھ کہے بغیر وہ ساتھی لڑکیوں کے ساتھ بڑی تیزی سے ایک طرف چل دی جبکہ ارسلان نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پھر اپنے لشکر کو حرکت میں آنے کا اشارہ دیتے ہوئے وہ مادھوری اور دوسری لڑکیوں کے پیچھے ہو لیا۔

O

ان لڑکیوں کے پیچھے پیچھے جاتے ہوئے ارسلان کا چچا زاد بھائی احمد اچانک اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا ارسلان کے قریب آیا اور حفظِ ماتقدم کے طور پر اس نے اپنے اندیشوں اور اپنی فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے ارسلان سے کہا:

"سنو ارسلان: میرے بھائی! کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سب لڑکیاں ہمیں کسی جال، دھوکے اور فریب میں پھانسنے کو لے جا رہی ہوں۔ یہ بصرہ کے راجہ بجی رائے کی جاسوس لڑکیاں نہ ہوں اور کسی مناسب جگہ پر ہمیں لے جانا چاہتی ہوں جہاں پہ بجی رائے ہمیں گھیر کر ہمارا آسانی سے خاتمہ کر سکے۔"

اپنے بھائی احمد کی یہ گفتگو سن کر ارسلان نے ایک بار پھر اسے چھبتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا پھر اس سے کہنے لگا:

"سنو احمد میرے بھائی! تمہارے اندیشے، تمہاری فکر مندی اپنی جگہ درست اور برحق ہے لیکن میں نے مادھوری نام کی اس لڑکی کا بغور جائزہ لیا ہے۔ اس کی آنکھوں کے اندر میں نے الفت نغمہ طرازی دیکھی ہے۔ اس کے ہونٹوں کے بھنور میں عہدِ وفا جیسا خلوص میں نے پایا ہے۔ اس کی قدم ردگی خواہشوں کے اندر خوف و ہیجان کے بجائے سکون اور خوش آئندگی تھی۔ وقت کے بہتے لمحوں میں اس لڑکی کے چہرے پر میں نے نفرتوں کے تعرف اور کالی شر پسندی کے بجائے آنسوؤں کی داستانیں اور کرب کی چیپ دیکھی ہے۔ میرا تجربہ، میرے خیالات، میرے دل اور میرے ضمیر کی آواز مجھے بتاتی ہے کہ یہ لڑکی ہمیں دھوکا نہیں دے گی بلکہ صحیح معنوں میں یہ ضرورت مند ہے اور ہماری مدد چاہتی ہے۔"

ارسلان کی گفتگو سن کر احمد مطمئن ہو کر خاموش ہو گیا۔ پھر وہ چپ چاپ ان لڑکیوں کے پیچھے پیچھے آگے بڑھنے لگے۔

ان لڑکیوں کی راہبری اور راہنمائی میں ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ ایک مندر کے قریب پہنچا اور پھر اس کے دائیں پہلو سے گزرتے ہوئے وہ مندر کی پشت پہ درختوں کے ایک بہت بڑے جھنڈ میں داخل ہوئے۔

انہوں نے اپنے سامنے دیکھا کہ کچھ برہمن صف در صف کھڑے تھے اور ان کے سامنے ذرا دائیں ہاتھ

بہت سے مسلح جوان درختوں کے ساتھ رسے باندھ کر پھانسی کے پھندے تیار کر رہے تھے اور ان دونوں کے درمیان انتہائی بے بسی کے عالم میں کچھ افراد بے بس مجرموں کی طرح اپنی گردنیں جھکائے کھڑے تھے۔

اس موقع پہ ماد صوری پھر ارسلان کی طرف مڑی اور کہنے لگی:

"اے سلطان محمود کے نیک خو سالار۔ یہ بائیں طرف مندر کے برہمن کھڑے ہیں جبکہ ان کے عین سامنے جو مسلح جوان درختوں کے ساتھ رسے باندھ کر پھانسی کے پھندے تیار کر رہے ہیں یہ انہیں برہمنوں کے مسلح آدمی ہیں اور ان دونوں کے بیچ میں ہمارے آدمی انتہائی بے بسی میں کھڑے ہوئے ہیں۔"

اس صورت حال پر ارسلان نے اپنے لشکر کو وہاں روک لیا۔ پھر وہ اپنا گھوڑا بائیں جانب کو کھڑے برہمنوں کے پاس لے گیا اور انہیں مخاطب کر کے بولا:

"یہ تم لوگ ان درختوں کے ساتھ رسے باندھ کر ان بے گناہ لوگوں کے لیے کیوں پھانسی کے پھندے تیار کر رہے ہو؟"

اس پر ایک برہمن اپنے ساتھیوں سے نکل کر آگے بڑھتے ہوئے ارسلان کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا:

"ہم اس مندر کے برہمن ہیں جس کے پاس سے گزر کر آپ آئے ہیں اور میں ان سب برہمنوں کا پردھان ہوں۔ یہ جو لوگ ہمارے سامنے گردنیں جھکائے کھڑے ہیں اور جن کے لیے ہم پھانسی کے یہ پھندے تیار کر رہے ہیں ان کا تعلق اچھوتوں سے ہے۔ انہوں نے ہمارے مندر میں داخل ہو کر ہمارے مندر، ہمارے دھرم کا اپمان کیا ہے اور اسی کی سزا میں ہم انہیں مندر کی پشت پر پھانسی دینے کی تیاری کر رہے ہیں۔"

اس برہمن کی باتیں سن کر ارسلان کی حالت بارود و سیلاب، فضاؤں کے اندر چیختی صداؤں اور بجھتے دیوں کے دھوئیں جیسی ہو کر رہ گئی۔ اس کے چہرے پہ سراب دشتِ گمان اور عذاب بے نوائی رقص کناں ہو گئے..... جبکہ اس کی آنکھوں میں دور دور تک دھوپ سایوں کی ستیزہ کاری اور محبت و نفرت کی کشمکش شروع ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر تک اس حالت میں رہ کر وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر وہ ان برہمنوں کو مخاطب کر کے بولا:

"سنو ظلمت کے تاجرو۔ تم آنسوؤں کی داستانوں پہ قہقہے لگانے والے اور زیست کی ضرورتوں پہ بارشِ دشنام کرنے والے لوگ ہو۔ تم لوگ دوسروں کی آنکھوں کے آنسوؤں کو دکھ کے تاروں میں تبدیل کرتے ہو۔ تمہارے گھور اندھیرے دامن مٹیالے گندے اور غلیظ ہیں۔ تم دین یا دھرم کے رنگ ہو کر چاندنی اوڑھنے والے نہیں بلکہ دھوپ میں کھیل کر سرمستیاں اور شرارتیں کرنے والے پلید برہمن ہو۔

سنو لفظوں کی دھرتی کے گونگے رہزنو! نہ جانے کتنے زمانے بیت گئے۔ کتنے مستقبل ماضی ہو گئے لیکن تمہاری رسومات وہی بوسیدہ اور فرسودہ رہیں۔ تم نے وہی ذات پات کے امتیاز کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔

سنو یتیمی کے زخم پر نمک رکھنے والے برہمنو! یہ زندگی، موت کی ایک علامت ہے۔ یہ گونگی گلیاں یہ اونچے رنگ محل، یہ نیلو نیل افق، یہ نیلی پیلی سرخ روشنیاں، یہ چھوٹی بڑی خواہشیں، یہ مسائل، یہ عذاب، یہ حادثات ایک روز فنا ہو جاتے ہیں اور انسان کو اپنے ہر چھوٹے بڑے اعمال کے ساتھ اپنے خالق کے سامنے اپنے افعال کی جواب دہی کے لیے حاضر ہو جانا ہے۔

ظالمو! اس وقت سے ڈرو۔ میری باتوں کو اپنے دل، اپنے ضمیر اور اپنے ذہن کے پردوں پر لکھ لو اور اپنی قدیم فرسودہ رسومات کو صحراؤں میں بکھیر دو۔ اس دنیا کے اندر ظلمت کے تاجر، بے رحم بھیڑیے اور موت کے سوداگر بن کر زندگی بسر نہ کرو بلکہ اوروں کے لیے امن کا سایہ دار شجر بن کر رہو۔ یہ خانہ بدروش لوگ جنہیں تم نے اپنے مندر سے پانی بھرنے پر پکڑ لیا ہے انہیں رہا کر دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر سن رکھو یہ سب مسلح جوان جو ان بے گناہوں کے لیے پھانسی کے پھندے تیار کر رہے ہیں یہ بھی اور تم سب برہمنوں کا بھی خاتمہ کر کے میں ان بے گناہوں کی رہائی کا سامان کروں گا۔

سنو اس مندر کے برہمنو! ہوا، پانی، روشنی، یہ فضا، یہ دھرتی ــــ ان پہ کسی کی اجارہ داری نہیں ہے بلکہ یہ ساری چیزیں اس ہستی کی پیدا کردہ ہیں جسے ہم اللہ اور تم ایشور کہہ کر پکارتے ہو ان سے ہر کوئی اپنی اپنی ضرورت کے مطابق مستفید ہو سکتا ہے لہٰذا قبل اس کے کہ میں تمہارے خلاف کوئی سخت اور وحشت خیز قدم اٹھاؤں تم ان بے گناہ اور مظلوم لوگوں کو بخوشی یہاں سے جانے کی اجازت دے دو۔"

ارسلان کی یہ گفتگو سن کر ان برہمنوں کا سربراہ حرکت میں آیا۔ ایک بار گہری نگاہوں سے اس نے اپنے ساتھی برہمنوں اور پھانسی کے پھندے تیار کرنے والے مسلح جوانوں کی طرف دیکھا۔ پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی فیصلہ کرنے کے بعد اس نے جس قدر بھی خانہ بدوش لوگ وہاں کھڑے تھے، سب کو مخاطب کر کے کہا:

"تم سب لوگ آزاد ہو اور تمہاری سزا معاف کی جاتی ہے لہٰذا تم واپس اپنے قبیلے کی طرف جا سکتے ہو۔ تم چونکہ اچھوت ہو اس لیے آئندہ ہمارے مندروں سے پانی لینے سے گریز کرنا۔"

اس بڑے برہمن کا یہ فیصلہ سننے کے بعد وہ مسلح جوان جو درختوں کے ساتھ رسیاں باندھ رہے تھے انہوں نے رسیاں کھول دیں۔ پھر وہ برہمنوں کے ساتھ مندر کی طرف چلے گئے جبکہ خانہ بدوشوں کے سب افراد ارسلان کے گرد جمع ہو گئے۔

اس دوران حسین اور پرکشش مادھوری بھاگتی ہوئی ایک بوڑھے کی طرف بڑھی اور اس کے کانوں میں رازداری سے کچھ کہنے لگی۔ شاید وہ بوڑھا اس کا باپ روپ نرائن تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ رازداری کے ساتھ بوڑھے سے گفتگو کرتی رہی۔ اس دوران بوڑھے کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ارسلان کے قریب آیا اور بڑی عاجزی اور انکساری سے اسے مخاطب کر کے بولا:

"اے مسلمانوں کے سلطان کے سالار! میرا نام روپ نرائن ہے۔ میں مادھوری کا باپ اور ایک خانہ بدوش قبیلے کا سردار ہوں۔ میری بیٹی مادھوری اس سے پہلے پورے حالات آپ سے کہہ چکی ہے اور اس نے آپ سے متعلق بھی تفصیل بتا دی ہے۔ ہم بھاگوان اور خوش قسمت ہیں کہ اس زمین، اس دھرتی اس پرتھوی میں آپ ہمارے لیے امن کا سندیس اور ہمارے لیے آزادی کا آنند اور خوشی لے کر آئے ہیں۔ آپ جیسے ہی اپکاری، مددگار اور مہربان کو ہم کبھی بھی فراموش نہ کر سکیں گے۔ آپ کے اس کاج کے سلسلے میں ایشور نہ صرف آپ کی آتما کو مطمئن رکھے گا بلکہ میری پرارتھنا ہے کہ جس یدھ اور جنگ میں، جس رن اور میدان میں بھی آپ اتریں آپ ہی کی وجے اور جیت ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں آپ جیسا کوئی یدھا، بہادر، ابھیت اور نڈر نہیں دیکھا۔ کاش! میں اس قابل ہوتا کہ اس احسان کا کوئی بدلہ دے سکتا۔"

اس موقع پر مادھوری بڑی بے باکی اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ارسلان کے قریب آئی اور اپنی آواز کی پوری مٹھاس اور اپنے لہجے کی پوری شیرینی کو مجتمع کرتے ہوئے اس نے ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

"کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے قبیلے میں چلیں اور ہم آپ کی کوئی خدمت اور سیوا کر سکیں؟"

جواب میں ارسلان کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک گھڑسوار اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا وہاں آیا۔ اسے دیکھتے ہی ارسلان چونک سا پڑا اور چوکنا ہو گیا۔

ارسلان کے قریب آ کر وہ سوار اپنے گھوڑے سے کود گیا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے ارسلان کی طرف بڑھا۔ اس دوران ارسلان بھی اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ نووارد ارسلان کے پاس آیا اور پھر سرگوشی کے لہجے میں بولا:

"اے امیر! میں آپ کے لیے ایک اہم خبر لے کر آیا ہوں۔ راجہ بجی رائے کو یہ خبر ہو گئی ہے کہ سلطان کا ایک ہراول دستہ اس کی طاقت اور اس کے حفاظتی انتظامات کا جائزہ لینے کے لیے اس کے علاقے میں داخل ہوا ہے لہٰذا آپ کے لشکر سے نمٹنے کے لیے اس نے ایک لشکر آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔ وہ لشکر اس وقت یہاں سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔

بجی رائے چاہتا ہے کہ آپ پر حملہ آور ہو کر آپ کے لشکر کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ آئندہ اگر سلطان کے ساتھ اس کی جنگ ہو تو آپ کے لشکر کے خاتمے کے اثرات اس کے اپنے لشکر پر اچھے مرتب ہوں۔"

وہ آنے والا شاید ارسلان یا سلطان کا کوئی مخبر تھا جو یہ اطلاع لے کر آیا تھا۔ اس سے یہ خبر سننے کے بعد ارسلان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ اپنے سامنے کھڑی مادھوری اور اس کے باپ روپ نرائن کو مخاطب کر کے بولا:

"میں ضرور تم دونوں کے ساتھ تمہارے قبیلے میں جاتا لیکن میرا یہ مخبر میرے لیے ایک اہم خبر لایا ہے اور وہ یہ کہ بھیرہ کا راجہ بجی رائے بھاٹیہ میرے خلاف ایک مہم ترتیب دے چکا ہے اور اس کا ایک لشکر بڑی تیزی سے میری طرف بڑھ رہا ہے۔ ان کا ارادہ یہ ہے کہ مجھ پر حملہ آور ہو کر میرا

اور میرے ساتھیوں کا خاتمہ کر دے لہٰذا میں پہلے راجہ بجی رائے کے لشکر کی طرف جاتا ہوں۔ اس کے بعد میں ضرور تمہارے قبیلے میں آؤں گا۔"

ارسلان کا جواب سن کر مادھوری کے چہرے پر خوشیاں اور سکون بکھر گئے۔ پھر اس نے ارسلان کو مخاطب کر کے کہا،

"جب راجہ بجی رائے بھاٹیہ کے لشکر سے نمٹ کر آپ واپس لوٹیں تو اس مندر کی سیدھ میں دریا کے کنارے ہمارا قبیلہ خیمہ زن ہے۔ ہم اپنے قبیلے میں آپ کا استقبال اور آپ جیسے محسن کو خوش آمدید کہیں گے۔"

ارسلان نے مادھوری اور روپ نرائن دونوں کا شکریہ ادا کیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گیا۔

(۶)

ارسلان کے اس مخبر کی اطلاع کے مطابق چونکہ راجہ بجی رائے بھاٹیہ کا لشکر دریائے جہلم کے کنارے کنارے شمال کی طرف بڑھ رہا تھا لہٰذا ارسلان نے اس کے استقبال اور اس لشکر سے نمٹنے کے لیے دریا کا کنارہ چھوڑ دیا۔

وہ دائیں جانب ہٹتا ہوا سرکنڈے، نڑا، کانی اور پلچھ کے جنگلات میں سے ایک لمبا کاوا کاٹتا ہوا جنوب کی طرف بڑھا اور راجہ بجی رائے کے لشکر کے عقب میں جا نمودار ہوا۔

اپنے لشکر کو مناسب طور پر ترتیب دینے اور اس کی صفیں درست کرنے کے بعد ارسلان اچانک کالی آندھی اور خوفناک طوفانوں کی طرح حرکت میں آیا اور کسی بھوکے اور زخمی درندے کی طرح اس نے پشت سے راجہ بجی رائے کے لشکر پر حملہ کر دیا۔

راجہ بجی رائے کے لشکر پر نزول کرتے ہوئے ارسلان نوخیز سویرے، موسموں کے راز، سوختہ تنہائیوں اور صحراؤں کے سراب کی طرح اس پر حملہ آور ہوا۔ دشمن کا بے دریغ اور تیزی سے قتل عام کرتے ہوئے ارسلان نے راجہ بجی رائے کے لشکر کے دلوں کی کلیوں میں ہلچل مچاتے ہوئے ان کی گویائی کو خاموشی اور ان کے احساس کو معطل کر کے رکھ دیا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سربکف اور صف بہ صف دکھ

کے سایوں کی طرح حملہ آور ہوا اور دشمن پر اپنی خون آشام تلواریں برساتے ہوئے ارسلان اور اس کے ساتھیوں نے راجہ بجی رائے کے لشکریوں کی حالت کچھ اس قدر ہولناک بنا کر رکھ دی تھی جیسے بیکراں خلاؤں میں ہوا کی تال پر شجر کے پتے آپس میں ٹکرا کر اپنی ذات کا احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں، بالکل اسی طرح راجہ بجی رائے کے لشکر پر حملہ آور ہو کر اور ان پر تلواریں برساتے ہوئے ان کی تعداد لمحہ بہ لمحہ کم کرتے ہوئے ارسلان نے انہیں اپنی ذات اور اپنے لشکر کی موجودگی کا احساس دلا دیا تھا۔

دریائے جہلم کے کنارے ارسلان اور راجہ بجی رائے کے لشکر کے درمیان جنگ کچھ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی، ارسلان نے راجہ کے لشکر کو گھیر کر مکمل طور پر بے بس کر دیا تھا۔ راجہ کے لشکر کے ایک طرف دریائے جہلم اپنی پوری طغیانی کے ساتھ بہہ رہا تھا اور اس طرف سے دریا میں کود کر بھاگنا خود اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ سامنے کی طرف سے اور بائیں جانب سے خونخوار حملے کرتے ہوئے ارسلان نے دشمن کی مزید دو راہیں مسدود کر دی تھیں۔ اب دشمن کے سامنے یہی راستہ تھا کہ وہ شمال کی طرف بھاگتے ہوئے اپنی جانیں بچانے کی آخری کوشش کریں اور انہوں نے واقعی یہی کیا۔

راجہ کے لشکر کے کماندار نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر لمحہ بہ لمحہ اس کے لشکریوں کا قتل عام کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اس کی لشکری تعداد کو کم کرتا جا رہا ہے بلکہ مکمل طور پر اس کے لشکر پر حاوی ہو رہا ہے تو اس نے اپنے لشکریوں کو شمال کی طرف بھاگ کر اپنی جانیں بچانے کا حکم دے دیا۔

لیکن ــــ ارسلان نے راجہ بجی رائے بھاٹیہ کے لشکر کو بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے کچھ اس انداز میں اس کے لشکر کا تعاقب کیا کہ جیسے ویرانوں کے اندر بھوکے بھیڑیے بے زور گورخر کا تعاقب اور شکار کرتے ہیں۔ یہ تعاقب بھی کوئی زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا اس لیے کہ راجہ کے لشکر کا پیچھا کرتے ہوئے ارسلان بڑی خوں خواری سے انہیں کاٹتا اور ان کی تعداد کم کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ پانچ میل آگے جاتے کے بعد ارسلان نے راجہ کے لشکر کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا تھا۔

اس کے بعد ارسلان اور اس کے لشکریوں نے راجہ کے لشکر کے پاس جس قدر ساز و سامان تھا وہ جمع کر کے ایک جگہ پر ڈھیر کر دیا۔

اس سامان میں خوراک کے ذخیروں کے علاوہ ہتھیاروں اور اسلحے کے ڈھیر اور انبار بھی شامل تھے۔

جس وقت راجہ بجی راۓ بھاٹیہ کے لشکر کو شکست دینے کے بعد ارسلان مالِ غنیمت کو سمیٹنے اور سنبھالنے میں مشغول تھا، اس وقت وہی مخبر جو راجہ بجی راۓ کے لشکر کی آمد کی اطلاع دے چکا تھا وہ ارسلان کے قریب آیا اور بولا:

"اے امیر۔ آپ کو اب بھیرہ کی طرف مزید پیش قدمی کر کے معلومات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھیرہ شہر کے گرداگرد ایک مکمل چکر لگا کر اس کے استحکام اور فصیلوں کا جائزہ لے چکا ہوں جس کی کیفیت کچھ یوں ہے۔

شہر کے اردگرد مضبوط فصیل ہے۔ اس فصیل کے باہر گہری اور چوڑی کھائی ہے جسے آسانی سے پار نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم شہر کی حالت کوئی ایسی مستحکم بھی نہیں ہے کہ اسے ہم فتح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

اس کے علاوہ دیگر معلومات یہ ہیں کہ راجہ بجی راۓ کو اپنے لشکر کی تعداد اور اپنی عسکری قوت پر بڑا بھروسہ، گھمنڈ اور فخر ہے اور جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ بجی راۓ ہمارے لشکر کے سامنے شہر کے اندر محصور رہ کر مقابلہ کرنے کے بجائے کھلے میدانوں میں جنگ کرنے کو ترجیح دے گا۔"

ارسلان نے اپنے اس مخبر کی گفتگو کو بڑے غور سے سنا۔ پھر سارا مالِ غنیمت سمیٹنے کے بعد اس نے اپنے لشکر کو وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

وہ بڑی احتیاط کے ساتھ آگے پیچھے اور دائیں بائیں ہر چیز پر کڑی نگاہ رکھتے ہوئے شمال کی طرف پیش قدمی کرنے لگا تھا یہاں تک کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ مندر کی سیدھ میں خانہ بدوشوں کے پڑاؤ کے قریب آ رکا۔

وہ سارے خانہ بدوش، کیا مرد کیا عورتیں، کیا بچے کیا بوڑھے سب اپنے خیموں سے نکل کر پہلے سے ہی باہر کھڑے تھے۔ شاید انہیں ارسلان اور اس کے لشکر کی آمد کی اطلاع ہو گئی تھی اور ان کا استقبال کرنے کے لیے وہ اپنے خیموں سے باہر نکل آئے تھے۔

اس موقع پر حسین مادھوری بھاگتی ہوئی ارسلان کے قریب آئی اور بڑی ہی اپنائیت کے ساتھ اس نے ارسلان کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا:

"اے مسلمانوں کے امیر! مجھ سے عجیب حماقت سرزد ہوئی ہے کہ میں نے اب تک اپنے محسن کا نام تک نہیں پوچھا۔"

ارسلان مسکراتے ہوئے بولا:

"میرا نام ارسلان ہے اور میں سلطان محمود کے لشکر کا ایک سالار ہوں۔ میں بھیرہ کی طرف آیا تھا تاکہ یہاں کے راجہ بجی راۓ بھاٹیہ کے لشکر کی قوت اور اس کے شہر کے استحکامات کا جائزہ لوں۔ میں چونکہ اپنے اس کام کی تکمیل کر چکا ہوں لہٰذا اب میں واپس جاؤں گا۔ شمال میں زیادہ دور تک مجھے سفر نہیں کرنا پڑے گا اس لیے کہ میرے سلطان بھی باقی لشکر کے ساتھ جنوب ہی کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں اور میں ان کے لشکر میں شامل ہو جاؤں گا اور ہمارا متحدہ لشکر بھیرہ شہر پر حملہ آور راجہ بجی راۓ بھاٹیہ کو اپنے سامنے زیر کرنے کی کوشش کرے گا۔"

ارسلان جب خاموش ہوا تو مادھوری نے بڑی امیدوں اور خواہشوں کو اپنی آنکھوں میں سمیٹتے ہوئے شیریں لہجے میں کہا:

"کیا آپ ہماری ان خیموں کی بستی میں تھوڑی دیر بھی قیام نہیں کریں گے تاکہ ہم آپ کی سیوا اور خدمت کر سکیں؟"

اس پر ارسلان نے معذرت طلب انداز میں مادھوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"کبھی موقع ملا تو میں ضرور تمہارے ان خیموں کی بستی میں قیام کرنے کی کوشش کروں گا لیکن فی الوقت مجھے وقت ضائع کیے بغیر شمال کی طرف کوچ کرتے ہوئے اپنے سلطان کے لشکر میں شامل ہونا ہے لہٰذا میں تمہارے ہاں قیام نہ کر سکوں گا۔"

ارسلان کے جواب پر مادھوری چنچل دھارے کی طرح حرکت میں آئی اور بولی:

"آپ تھوڑی دیر یہاں رکیے۔ میں آپ کے لیے ایک سوغات لاتی ہوں۔ اس کے بعد آپ بھلے شمال کی طرف کوچ کر جائیں ہماری طرف سے کوئی شکوہ شکایت نہ ہو گی۔"

اس کے ساتھ ہی مادھوری تقریباً بھاگتی ہوئی خیموں میں روپوش ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوٹی تو اس کے ہاتھ میں سرکنڈوں کے پتوں سے بنی ہوئی ایک انتہائی خوبصورت اور صاف ستھری ٹوکری تھی جس میں دھلے ہوئے موٹے موٹے صاف شفاف بالکل سیاہ اور خوب پکے اور

بھرے بھرے جامن تھے۔

جامنوں سے بھری ہوئی وہ سرکنڈوں کی ٹوکری مادھوری نے ارسلان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"اگر آپ ہماری بستی میں قیام نہیں کر سکتے تو کم از کم ہماری یہ سوغات ہی قبول کیجیے۔ اس میں ہماری خوشی اور سکون ہو گا۔ یہ جامن ہم نے دریائے جہلم کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے دو تین میل پیچھے ایک باغ سے خریدے تھے"۔

جامنوں کی وہ ٹوکری ارسلان کی طرف بڑھاتے بڑھاتے اچانک مادھوری کی آنکھوں میں حیرتوں کا ایک سلسلہ بپا ہو گیا۔ لگتا تھا اچانک کسی خیال سے وہ نوخیز پانیوں میں بازرد موسموں کی شکار ہو کر رہ گئی ہو۔ اس کے رس میں بھیگے ہونٹوں پر مچلتی باتیں لطیف گویائی کی تہوں میں ڈوب گئی تھیں اور اس کی مجموعی حالت سے یہ اندازہ ہونے لگا تھا جیسے وقت حسین ربط میں وہ بکھر اور پھیل گئی ہو اور نئے حشر کی کیفیت کا شکار ہو کر رہ گئی ہو۔

ارسلان نے مادھوری کی اس کیفیت اور ماہیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ اس سلسلے میں کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ جامن بھری وہ ٹوکری اپنی طرف سمیٹتے ہوئے مادھوری دکھ بھرے انداز اور تکلیف دہ اذیت سے کہنے لگی:

"میں نے بلاسوچے سمجھے حماقت پر مبنی ایک حرکت کر دی ہے اور آپ کو یہ جامن پیش کر دیے ہیں جبکہ میں جانتی ہوں کہ ہم اچھوت ہیں اور ہمارے ہاتھوں کی چیز کوئی بھی کھانا پسند نہیں کرتا۔ میں نے آپ کو یہ جامن پیش کرتے ہوئے جو جرأت اور جسارت کی ہے اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں"۔

مادھوری کی یہ گفتگو سن کر ارسلان فوراً بولا:

"تمہیں مجھ سے کسی طرح کی معذرت طلب کرنے یا اپنی حماقت پر تاسف ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذات پات کی یہ تقسیم انسانوں کے درمیان امتیاز صرف ہندو معاشرے میں ہی پایا جاتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے ہاں سب طبقات کے لوگ برابر ہیں۔ ہمارے معاشرے میں زیادہ صاحبِ عزت اور قابلِ احترام وہی ہے جو اپنے اعمال اور اخلاق میں اوروں کی نسبت بہتر اور بھلا ہو"۔

اس کے ساتھ ہی ارسلان نے ہاتھ بڑھا کر مادھوری کی اس ٹوکری سے جامن اٹھا کر اپنے ساتھیوں میں بانٹنے شروع کر دیے اور خود بھی کھانے لگا۔

ارسلان کی اس پیش قدمی پر مادھوری نشاط آفریں سعادتوں اور انوکھے سے میٹھے احساس کا شکار ہو گئی۔ اس کی کالی آنکھوں کے گرم کاجل میں فلک جیسے جھومر ستارے روشن ہو گئے تھے۔ اس کا چہرہ یوں چمک دمک اٹھا تھا جیسے مہتاب کے رنگ بکھرنے سے زمین کی پائل چاندی سے بغل گیر ہو کر رقصاں ہو جاتی ہے۔ مجموعی طور پر مادھوری کی حالت تاروں بھرے گگن اور ان گنت رنگوں کے اس گھوارے جیسے ہو گئی تھی جس کا اپنا ہی روپ ادا اپنا ہی ایک عجیب اور منفرد جلوہ ہو۔

اس موقع پر خوشی اور اطمینان سے بھری مادھوری کی کیفیت سے ارسلان نے یہ بھی جائزہ لیا کہ اس کے ہاتھ سے جامن کھانے کے اس فعل سے اس کی سانسوں کی قربت کی خوشبو اور آنکھوں میں چھلکتی صہبائے محبت بھر گئی ہو۔

اس موقع پر مادھوری شاخِ صنوبر کی طرح یادوں کی سوغات اور بیدار ہو جانے والے لمحات کی طرح جھوم اٹھی تھی اور وہ عجیب سے ٹھہرے خوابوں کے خوش کن مناظر کی طرح ارسلان کی طرف عجیب انداز میں دیکھنے لگی تھی۔

جب جامنوں سے بھری ہوئی وہ ٹوکری خالی ہو گئی تب ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے مادھوری چونکی اور چند قدم آگے بڑھنے کے بعد رازداری سے بولی:

"اپنے سلطان کے ساتھ بھیرہ شہر پر حملہ آور ہونے کے بعد جب آپ لوٹیں اور اگر آپ کو وقت ملے تو ان خیموں کی بستیوں کی طرف آنے کی ضرور کوشش کیجیے گا۔ میں آپ کا انتظار کروں گی"۔

اس کے ساتھ ہی مادھوری بڑی تیزی سے پلٹی اور بھاگتی ہوئی اپنے خیموں کی طرف چلی گئی۔

ارسلان اس کے ان الفاظ سے خوش سا ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ اسے خیموں کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر گیا۔



دریائے جہلم کے کنارے کنارے اپنے لشکر کے ساتھ ارسلان نے کوئی دس میل کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ سامنے کی طرف سے سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ آتے ہوئے دکھائی دیے۔

ارسلان اور اس کے لشکر کو دیکھتے ہوئے سلطان نے اپنے لشکر کو رک جانے کا حکم دیا۔ قریب جا کر

ارسلان نے بھی اپنے لشکریوں کو سلطان کے لشکر میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ پھر وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا اس جگہ آیا جہاں سلطان اپنے لشکر کے سامنے کھڑے تھے۔

ان کے قریب آکر اپنی کارگذاری بیان کرتے ہوئے ارسلان نے سلطان کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا:

"سلطانِ محترم! میں نے اپنے کچھ مخبروں کو بھیرہ شہر اور اس کے استحکامات کا جائزہ لینے کے لیے روانہ کیا تھا۔ ان مخبروں کی اطلاع کے مطابق بھیرہ شہر کی فصیل انتہائی مضبوط ہے اور اس کے اردگرد کافی گہری اور چوڑی کھائی ہے جسے پار کرنا آسان نہیں ہے ـــ اور بوقتِ ضرورت بھیرہ کا راجہ بجی رائے بھاٹیہ اس گہری اور چوڑی کھائی کے اندر پانی بھی بھر سکتا ہے اس لیے کہ اس کھائی کا تعلق اس نے دریائے جہلم کے ساتھ قائم کیا ہوا ہے۔

بھیرہ شہر کے اندر مخبروں کی اطلاعات کے مطابق ان گنت مندر بھی موجود ہیں جو اپنے انجام کو پہنچنے کے لیے ہمارے منتظر ہیں۔

میں مزید یہ بھی گذارش کر دوں کہ بھیرہ کے راجہ بجی رائے بھاٹیہ کو یہ بھی خبر ہو گئی تھی کہ سلطان کا ایک ہراول دستہ اس کے استحکامات کا جائزہ لینے کے لیے اس کے علاقے میں داخل ہوا ہے لہٰذا میرے لشکر کی سرکوبی کے لیے اس نے ایک لشکر روانہ کیا تھا جس کی اطلاع میرے مخبر نے پہلے ہی مجھے کر دی تھی۔

بجی رائے بھاٹیہ کا یہ لشکر دریائے جہلم کے کنارے کنارے شمال کی طرف بڑھا تھا۔ جب میرے مخبر نے اس کے آنے کی اطلاع دی تو اس وقت میں دریائے جہلم کے کنارے سے ذرا ہٹ کر ایک مندر کے قریب تھا۔ اس جگہ کچھ خانہ بدوش لڑکیاں میرے لشکر کی راہ روک کر کھڑی ہو گئیں اور انہوں نے مجھے مدد کے لیے پکارا تھا۔

دراصل یہ خانہ بدوش اچھوت تھے جنہیں ہندو نیچی ذات کا سمجھتے ہیں۔ ان خانہ بدوشوں کے مردوں نے پینے کے لیے مندر سے پانی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اس لیے وہ چونکہ مندر کے اندر داخل ہوئے تھے لہٰذا ہندو برہمنوں نے اپنے مسلح جوانوں کے ذریعے ان کو پکڑ لیا اور انہیں مندر کے پچھواڑے لے جا کر پھانسی دینا چاہتے تھے کہ میں ان کی مدد کو پہنچ گیا۔

میں نے ان بے گناہ اچھوتوں کو برہمنوں کے چنگل سے نجات دلائی۔ پھر میں دریائے جہلم کے کنارے کنارے سرکنڈے، نڑے، کائی اور پلچھ کے جنگل سے ہوتا ہوا جنوب کی طرف بڑھا اور راجہ بجی رائے کے لشکر کی پشت پر نمودار ہو گیا۔

میں نے راجہ بجی رائے بھاٹیہ کے لشکر کی پشت پر اچانک حملہ کیا۔ مجھے ان کے ساتھ زیادہ دیر مصروفِ کار نہیں رہنا پڑا۔ بلکہ جلد ہی میں نے ان پر قابو پا لیا ـــ اور بجی رائے بھاٹیہ کے سارے لشکر کا میں نے قلع قمع کر دیا۔

اس جنگ میں میرے ہاتھ کافی مالِ غنیمت آیا ہے سلطانِ محترم، جو میرے لشکری اپنے ساتھ لے کر سلطانی لشکر میں شامل ہو چکے ہیں۔"

ارسلان کی یہ کارگذاری سن کر سلطان محمود کے چہرے پر ہلکی ہلکی اور خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اپنے گھوڑے کی باگ ہلاتے ہوئے وہ گھوڑے کو حرکت میں لا کر آگے بڑھے اور ارسلان کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خوشی کا اظہار کرنے کے طور پر بولے:

"بیٹے! مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی۔ تم نے یقیناً راجہ بجی رائے بھاٹیہ کے لشکر کو شکست دے کر اور اس کا کام تمام کر کے ایک بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے اس لیے کہ تمہاری اس کامیابی سے جہاں ہمیں فائدہ ہوگا وہاں بجی رائے کو ایک نقصان بھی ہوگا۔"

ارسلان نے ادب سے پوچھا:

"وہ کیا سلطانِ عالم؟"

جواب میں سلطان محمود نے سنجیدگی سے کہا:

"ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ بجی رائے بھاٹیہ کے لشکر کی اس شکست سے ہمارے لشکریوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔

دوسری طرف یہ خبر جب بھیرہ میں راجہ بجی رائے بھاٹیہ کے سرداروں اور لشکریوں کو ہوگی تو ان کے حوصلے پست اور ان کے ولولے ماند پڑ جائیں گے۔ اب آؤ یہاں سے کوچ کریں اور ایک فیصلہ کن حملہ بھیرہ شہر پر کریں۔"

ارسلان نے ادب سے سر کو ذرا خم کیا اور اپنے گھوڑے کو سلطان محمود کے گھوڑے سے ذرا

پرے اور ایک قدم پیچھے کر لیا۔

سلطان محمود نے اپنے گھوڑے کی باگ کو حرکت دی۔

اور پھر ـــــ

اس کے ساتھ ہی وہ اپنے پورے لشکر کے ساتھ دریائے جہلم کے کنارے کنارے شہر کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔

⊙

سلطان محمود دریائے جہلم کے کنارے جب بھیرہ شہر کے پاس پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ بھیرہ شہر کی فصیل بہت مضبوط ہے اور کافی بلند بھی ہے۔ فصیل کے باہر گہری اور خوب چوڑی کھائی تھی جسے عبور نہ کیا جاسکتا تھا۔

شہر کے باہر کھڑے ہوکر شہر کے اندر دکھائی دینے والے اونچے اونچے کلسوں سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ شہر کے اندر بے شمار مندر ہیں۔

یہی بھیرہ شہر بجی رائے بھاٹیہ کا مرکزی شہر تھا۔ شہر کے اندر کافی تعداد میں فوج اور سامانِ رسد موجود تھا اس کے علاوہ یہاں کے لوگ بے حد خوش حال اور امیر تھے۔ مزید یہ کہ راجا بجی رائے بھاٹیہ کو اپنے لشکر پہ بڑا فخر اور ناز تھا۔ گو اس کی سپاہ کے چند دستوں نے سلطان محمود کے خلاف راجہ جے پال کی قیادت میں پشاور کے مقام پہ شکست کھائی تھی مگر اس نے اس شکست سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا تھا۔ اس نے سلطان محمود کی راجہ جے پال کے خلاف کامیابی کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ بہر حال سلطان نے بھیرہ شہر کے باہر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈال دیا۔

دوسری طرف جے پال کی شکست کے باوجود راجہ بجی رائے بھاٹیہ اپنی عسکری طاقت اور اپنے رسد و وسائل پر ابھی تک گھمنڈ رکھتا تھا۔ شہر میں محصور رہ کر سلطان کا مقابلہ کرنے کے بجائے راجہ نے یہ فیصلہ کیا کہ شہر سے باہر نکل کر سلطان محمود کے لشکر کا مقابلہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے راجا بجی رائے نے شہر کی فصیل پر چڑھ کر پہلے سلطان کے لشکر کا جائزہ لیا۔

اس نے اندازہ لگایا کہ جس قدر راجہ کا لشکر بھیرہ شہر میں موجود تھا، سلطان کا لشکر اس سے کئی گنا کم

تعداد میں تضاد

یہ انکشاف بجی رائے بھاٹیہ کے لیے بڑا حوصلہ افزا تھا اور اسے یقین ہو گیا کہ اپنے لشکر کی تعدا زیادہ ہونے کے باعث وہ سلطان کو شکست دے کر بھیرہ شہر سے بھاگ جانے پر مجبور کر دے گا، اس نے شہر سے باہر نکل کر سلطان سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔

یہ ارادہ کرنے کے بعد راجہ بجی رائے بھاٹیہ بھیرہ شہر سے نکل کر اردگرد جو گہری اور چوڑی کھ تھی اسے عبور کرنے کے لیے شہر کی سمت سے اس پر لکڑی کا ایک پل گرا دیا گیا تھا جسے عبور کرنے کے بعد راجہ بجی رائے، سلطان محمود کے لشکر کے سامنے خیمہ زن ہوا۔

اس کے لشکر کی تعداد، سلطان محمود کے لشکر سے زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے لشکر میں کئی سو جنگی ہاتھی بھی تھے جنہیں اس نے اپنے لشکر کے سامنے رکھا تھا۔

راجہ جے پال کی طرح راجہ بجی رائے بھاٹیہ نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا کہ ہاتھیوں کو اپنے سامنے رکھ کر پیشقدمی کرے گا اور جس وقت یہ ہاتھی سلطان محمود کو نقصان پہنچانا شروع کریں گے اور اس کے لشکر کے اندر ایک دہشت اور خوف پیدا کر دیں گے۔ اس وقت وہ اپنے لشکر کے ساتھ چاروں طرف سے سلطان محمو کے لشکر پر ٹوٹ پڑے گا۔ اور انہیں ناقابلِ یقین شکست دے کر بھیرہ شہر کے مضافات سے بھاگ جانے پر مجبور کر دے گا۔

جنگ سے پہلے دو اہم تبدیلیاں اور اہم خبریں سننے میں آئیں جو مسلمانوں کے خلاف اور راجہ بجی رائے کے حق میں تھیں۔

پہلی خبر یہ کہ ملتان کے حاکم ابوالفتح نے جو ایک برائے نام مسلمان تھا، سلطان محمود کے خلاف راجہ بجی رائے کی مدد کرنے کے لیے ملتان سے بھیرہ کی طرف ایک لشکر بھجوایا تھا اور یہ لشکر جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی بجی رائے سے آملا تھا۔

دوسری اہم خبر یہ تھی کہ راجہ جے پال کی موت کے بعد اس کی سلطنت کا وارث اس کا بیٹا انند پال ہوا تھا۔ انند پال نے سلطان محمود کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کا عہد کیا تھا لیکن جس وقت سلطان محمو

اپنے لشکر کے ساتھ بھیرہ شہر سے باہر جنگ کے لیے خیمہ زن ہوئے تو ان کی اس مصروفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راجہ انند پال نے نہ صرف سلطان کی اطاعت اور فرمانبرداری سے منہ پھیر لیا بلکہ اس نے ایک بہت بڑا لشکر بھی سلطان کے خلاف راجہ بجی رائے کی مدد کے لیے روانہ کر دیا۔

ملتان کے حاکم ابوالفتح داؤد اور راجہ انند پال کے عساکر آنے کی وجہ سے راجہ بجی رائے بھاٹیہ کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ ان عساکر کی آمد سے اس کے اور اس کے لشکریوں کے حوصلے بھی خوب بلند ہو گئے تھے لہٰذا انھوں نے وقت ضائع کیے بغیر سلطان سے جنگ شروع کرنے کا ارادہ کیا۔

شہر کی فصیل کے اردگرد جو چوڑی اور گہری کھائی تھی اسے اپنی پشت پر رکھنے کے بعد راجا بھاٹیہ نے جنگ کے لیے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دیں۔ دوسری طرف ذرا فاصلے پر سلطان بھی اپنے لشکر کو درست کر چکے تھے۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے سلطان محمود نے اپنے جرنیلوں میں سے ارسلان، التون تاش، عبداللہ طائی اور امیر نصر کو بلایا۔

جب یہ چاروں جرنیل سلطان کے پاس جمع ہوئے تو سلطان نے انہیں مخاطب کر کے کہا،

"سنو میرے رفیقانِ کار! بھیرہ کا راجہ بجی رائے بھاٹیہ بھی جنگ کی ابتدا راجہ جے پال کی طرح کرنا چاہتا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کے بعد راجہ بجی رائے اپنے لشکر کے سامنے اپنے ہاتھیوں کی صفوں کو لے آیا ہے۔

یہی کام ہمارے ساتھ ہنڈ کے راجہ جے پال نے بھی کیا تھا لیکن ہم نے کمال حوصلے اور جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے راجہ جے پال کی اس تدبیر کو ناکام بنا دیا تھا اور ایسے ہی بجی رائے کی تدبیر کو بھی ناکام کرنا ہے۔

سنو میرے ساتھیو! میرے رفیقو! لشکر کی ترتیب پہلے ہی کی طرح رہے گی۔ لشکر کا قلب میرے پاس رہے گا۔ تم چاروں میں التون تاش میرے ساتھ رہے گا۔ دایاں پہلو حسبِ معمول ارسلان کے پاس بایاں پہلو عبداللہ طائی کی سرکردگی میں اور لشکر کا آخری حصہ امیر نصر کی کمانداری میں لڑے گا۔

راجہ بجی رائے بھاٹیہ جب جنگ کی ابتدا ہاتھیوں سے کرے گا تو جے پال کے ساتھ لڑائی کی طرح ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ ان ہاتھیوں کے خلاف حرکت میں آئے گا اور جو حشر اس نے جے پال کے ہاتھیوں کا کیا

تھا مجھے امید ہے کہ راجہ بھاٹیہ کے ہاتھیوں کا حشر بھی ارسلان ویسا ہی کرے گا اور جب یہ ہاتھی میدان سے بھاگیں تو ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ راجہ بھاٹیہ کے بائیں پہلو پر ضرب لگائے گا۔ میں اور التون وسطی حصے پر حملہ آور ہوں گے اور عبداللہ طائی اپنے لشکر کے ساتھ راجہ بھاٹیہ کے دائیں حصے پر یلغار کرے گا۔ امیر نصر عقبی لشکر کو لے کر محفوظ دستوں کے طور پر انتظار کرے گا اور جب یہ اپنی مرضی کے مطابق کوئی موقع دیکھے گا کہ اس کے حملہ آور ہونے کا وقت آچکا ہے اور یہ کہ ہم فوائد حاصل کر سکتے ہیں تو یہ دشمن پر ضرب لگانے میں تاخیر نہیں کرے گا۔

تم اپنی اپنی ذمے داریاں پوری کرنے کے لیے تیار اور مستعد ہو جاؤ اس لیے کہ راجہ بھاٹیہ میرے خیال میں جنگ کی ابتدا کرنے والا ہے۔"

سلطان محمود کا یہ حکم پا کر ارسلان، التون تاش، عبداللہ طائی اور امیر نصر اپنی اپنی جگہوں کی طرف چلے گئے تو سلطان کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس لیے کہ بھیرہ کے راجہ بجی رائے بھاٹیہ نے جنگ کی ابتدا اپنے ہاتھیوں ہی سے کی تھی۔

سینکڑوں ہاتھی جن پر مہاوتوں کے ساتھ مسلح جوان بیٹھے تھے، دندناتے ہوئے سلطان محمود کے لشکر کی طرف بڑھے۔ ان ہاتھیوں سے نمٹنے کے لیے ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا۔ جب ہاتھی آگے بڑھتے ہوئے سلطان محمود کے لشکر کے قریب آئے تو ارسلان نے اپنے حصے کے لشکر کو ہاتھیوں پر بے پناہ تیر اندازی کرنے کا حکم دے دیا۔

ارسلان اور اس کے لشکریوں کی طرف سے ہاتھیوں پر تیروں کی موسلا دھار بارش کی گئی جس کے نتیجے میں اَن گنت ہاتھی چھد کر رہ گئے ـــ اور ان میں افراتفری اور بے چینی سی پھیلنے لگی۔ چاروں طرف ہاتھیوں کے چنگھاڑنے کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں۔ عین اس وقت ارسلان اور اس کے لشکری اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہوئے ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور انھوں نے اپنی تلواریں گرا گرا کر ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹنی شروع کر دیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہاتھی بری طرح سے زخمی ہونے کے بعد بدک گئے اور سلطان محمود کے لشکر کی طرف بڑھنے کے بجائے واپس بھاگ کھڑے ہوئے۔

مہاوتوں نے یہ دانشمندی کی کہ ہاتھیوں کو اپنے لشکر کی طرف نہ جانے دیا بلکہ ان کا رخ دائیں جانب

موڑتے ہوئے انہیں میدانِ جنگ سے باہر لے گئے۔ اس طرح راجہ بجی رائے بھاٹیہ کا لشکر ہاتھیوں کی یلغار سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اب دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھے۔

حملے کی ابتدا خود سلطان محمود نے کی اور وہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دکھ کے سایوں، صداقت کے معتبر بلند کوہ ارادوں اور منظر کی آگ کی طرح راجہ بھاٹیہ کے لشکر کے وسطی حصے پر حملہ آور ہوئے۔ اس حصے میں خود بھیرہ کا راجہ بجی رائے بھاٹیہ بھی تھا۔ سلطان کے خوفناک حملوں نے بجی رائے بھاٹیہ کے لشکریوں کی شریانوں میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے خون میں خوف و ہراس برپا کر کے رکھ دیا۔ سلطان ناممکن کی دہلیز کو عبور کرتے ہوئے لوحِ تاریخ کی آیات نو کرتے ہوئے کچھ اس انداز اور کچھ اس ہیبت سے حملہ آور ہوئے کہ ان ساری فضاؤں کو انہوں نے اپنے اللہ اکبر کے نعروں سے سحر خیزیوں میں ڈبو کر رکھ دیا۔

سلطان کے حملہ آور ہونے کے بعد ارسلان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا تھا۔ وہ راجہ بجی رائے بھاٹیہ کے بائیں حصے پر فکر کی لوندوں، ریگِ رواں، دیر کے شب ور دز اور ظلمتوں کے باب کی طرح نازل ہوا۔ تیز اور جان لیوا حملوں سے اس نے راجہ بجی رائے کے لشکر میں زمانے کے ایک تغیر اور عالمِ نیرنگ کا سا سماں باندھ کر رکھ دیا تھا۔

ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ جس سمت کا بھی رُخ کرتا، راجہ بجی رائے کے لشکریوں کو وہ دھوئیں کی طرح عبور کرتا اور خوابوں کے ہیولا رنگوں کی طرح کاٹتا چلا جاتا۔ ارسلان اور اس کے ساتھی دشمن کے پربتوں کے سینے جیسے عزائم کو چیرتے کاٹتے اپنے چہروں کے لہو میں فتح مندی کی بشارتیں لیے دشمن کی محرابِ جاں کو کاٹتے اور اس کے قصرِ تجلیات کو گراتے چلے گئے۔

عین اس وقت جبکہ سلطان محمود اور ارسلان نے راجہ بجی رائے کے لشکر میں ایک طوفان اور کہرام مچا رکھا تھا، بائیں پہلو سے عبداللہ طائی تیرگی کی شب، نوکیلے ارادوں، بابِ حیرت اور کسی عناں گیر کی طرح راجہ بجی رائے کے لشکر کے دائیں پہلو پر حملہ آور ہوا۔ عبداللہ کا حملہ بھی ایسا خوں خوار، ایسا ہولناک تھا کہ وہ دشمن کے ہاتھوں کی شمشیروں کو کاٹتا اور ان کے دندانوں کو لہو لہو کرتا ہوا انہیں ناامیدیوں کی دہلیزوں پر گراتا اور ان کے شیشۂ جاں میں دنیا بھر کی ملامتیں بھرتا ہوا ان کے اندر کچھ اس طرح

گھستا چلا گیا جیسے تیز دھار کا نوکیلا خنجر خوب پکے ہوئے پھل کے اندر گھستا چلا جاتا ہے ۔

راجہ بجی رائے بھاٹیہ کو چونکہ ملتان اور ہنڈ سے برابر رسد اور کمک کا سامان میسر آ رہا تھا لہٰذا وہ بڑی بے جگری سے سلطان کے لشکر کا مقابلہ کر رہا تھا اور اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ سلطان محمود کو بھیرہ کے میدانوں سے بھگا کر رہے گا ۔ لیکن سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ کچھ ایسے جمے ہوئے تھے کہ جیسے کسی سیلابی کیفیت میں آئے ہوئے دریا کے سامنے مضبوط اور کوہستانی چٹانیں جم کر دریا کا رخ پھیر کر رکھ دیتی ہیں۔

آخر دوپہر کے وقت سلطان نے اپنے جرنیلوں کو حکم دیا کہ اپنے حملوں میں زیادہ تیزی اور سختی پیدا کر دی جائے۔

سلطان کا یہ حکم ملنا تھا کہ اسلامی لشکر میں چاروں طرف اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں ۔ نیزے اور تلواریں اولوں کی طرح حرکت میں آتے ہوئے اپنا کام کرنے لگی تھیں ۔ سلطان محمود ، ارسلان، عبد اللہ طائی کے حملے ایسے خوفناک اور ہولناک ثابت ہونے لگے کہ راجہ بجی رائے بھاٹیہ کی اگلی صفیں مکمل طور پر کچل کر رکھ دی گئیں ۔

جنگ کی ابتدا کرتے وقت راجہ بھاٹیہ کا یہ خیال تھا کہ وہ بھیرہ کے ان میدانوں میں ضرور سلطان کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دے گا ۔ اب جو مسلمانوں نے اس کے لشکر کی اگلی صفوں کا مکمل طور پر صفایا کر دیا تو راجہ بجی رائے بھاٹیہ مایوس اور نامراد ہونے لگا ۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ مسلمان لحظہ بہ لحظہ اس کے لشکر پر حاوی ہوتے چلے جا رہے ہیں اور بہت سے اطراف میں اس کے لشکری مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے تھے ۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے راجہ بجی رائے نے پسپا ہو کر بھیرہ شہر میں محصور ہونے کا ارادہ کر لیا لیکن اس میں ایک دشواری تھی ۔ وہ یہ کہ اس کی پشت پر ایک ہی پل تھا جسے عبور کر کے وہ کھائی کے اس پار سلطان سے جنگ کرنے کے لیے صف آرا ہوا تھا ۔ اب اس پل کو عبور کر کے وہ شہر میں داخل ہو سکتا تھا اور اس کی یہ بھی کوشش تھی کہ جب وہ اس پل کو عبور کرے تو اس پل کو گرا دے تاکہ اس پل کو عبور کر کے مسلمان اس کے پیچھے شہر میں داخل نہ ہو سکیں ۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد راجہ بجی رائے بھاٹیہ نے فوراً اپنے آدمیوں کے ذریعے چاروں طرف اپنے

لشکریوں کو حکم دے دیا کہ پل کے راستے پسپا ہو کر شہر میں داخل ہوا جائے اور شہر میں محصور رہ کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے ۔

دوسری طرف سلطان محمود کے مخبروں نے بھی سلطان کو یہ اطلاع کر دی کہ بھیرہ کا راجہ بجی رائے بھاٹیہ جنگ میں اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے بھاگ کر شہر میں داخل ہونا چاہتا ہے اور شہر میں محصور رہ کر وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا خواہاں ہے اور یہ کہ کھائی کا پل عبور کرنے کے بعد وہ پل گرا دینا چاہتا ہے تاکہ مسلمان ، اس کا تعاقب کرتے ہوئے شہر میں داخل نہ ہونے پائیں ۔

یہ اطلاع ملنے کے بعد سلطان نے ارسلان ، عبد اللہ طائی ، امیر نصر اور التون تاش کو حکم دیا کہ دشمن چونکہ شکست تسلیم کرتے ہوئے پسپا ہونا چاہتا ہے لہٰذا اس پر زوردار حملوں کے ساتھ ساتھ اس کی پیٹھ پر چڑھ کر اس کا ایسا تعاقب کیا جائے کہ اسے کھائی کا پل گرانے کی مہلت نہ مل سکے اور اس کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہو کر جنگ کو فیصلہ کن مرحلے میں داخل کر دیا جائے ۔

سلطان کی طرف سے یہ حکم ملتے ہی امیر نصر جو ابھی تک اپنے عقبی لشکر کے ساتھ محفوظ دستوں کے طور پر کام کر رہا تھا ، جنگ میں کود گیا ۔

دوسری طرف ارسلان ، عبد اللہ طائی اور سلطان کے ساتھ کام کرنے والے التون تاش نے اپنے حملوں میں کہیں زیادہ تندی ، تیزی اور شدت پیدا کر دی جس کا اثر یہ ہوا کہ راجہ بجی رائے بڑی تیزی سے پسپا ہوتا ہوا اپنے لشکر کے ساتھ شہر کی طرف بھاگا لیکن مسلمانوں نے ایسا زوردار اور قریبی تعاقب کیا کہ راجہ بجی رائے اور اس کے لشکریوں میں سے کسی کو بھی کھائی کا پل گرا کر مسلمانوں کا راستہ بند کرنے کی مہلت نہ ملی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ ساتھ دشمن کی پیٹھوں پر ضرب لگاتے ہوئے بھیرہ شہر میں داخل ہو گئے ۔

سلطان راجہ بجی رائے کا تعاقب کرتے ہوئے جب بھیرہ میں داخل ہوئے تو شہر کے لوگوں اور باسیوں کے اندر ایک کہرام اور افراتفری کا سا عالم برپا ہو گیا ۔ ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے ۔ دوسری طرف راجہ بھاٹیہ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر اس کے پیچھے پیچھے ہی بھیرہ میں داخل ہو گیا ہے اور یہ کہ مسلمانوں کی آمد کی وجہ سے شہر میں ایک ہلچل سی مچ گئی ہے تو ایک کھلی جگہ رک کر ایک بار پھر اس نے مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کا ارادہ کر لیا ۔

بھیم راے چاہتا تھا کہ ایک بار اگر وہ مسلمانوں کو شہر سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو جائے تو اس کے دو فوائد ہوں گے :

ایک یہ کہ وہ اپنے شہریوں کا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

دوسرے یہ کہ وہ شہر کے اندر محصور رہ کر مسلمانوں کے ساتھ اس مقابلے کو طول دیتا چلا جائے گا جس کے نتیجے میں اسے اردگرد کے راجاؤں سے رسد اور کمک ملنے کی امید تھی اور وہ مسلمانوں سے ایک طویل جنگ کر سکتا تھا جس میں شاید مسلمان جنگ کے طویل ہونے سے گھبرا کر واپس غزنی بھی جا سکتے تھے۔

یہ نیت کر کے راجہ بجی راے اپنے لشکر کے ساتھ مڑا اور سلطان محمود کے لشکر پر اس نے ایک خوفناک حملہ کر دیا۔

سلطان اور اس کے سالاروں کو شاید راجہ بجی راے کے اس اچانک حملے کی پہلے ہی سے خبر اور امید تھی اس لیے کہ جونہی راجہ بھاٹیہ نے پلٹ کر حملہ کیا خود سلطان محمود اور ارسلان، عبداللہ طائی، ابو نصر اور التونتاش نے اپنے اپنے حصے کے لشکروں کے ساتھ راجہ بجی راے اور اس کے لشکر کا احاطہ اور گھیراؤ کر لیا اور پھر انہوں نے راجہ بھاٹیہ کے لشکر کا ایسا خوفناک قتلِ عام کیا کہ راجہ کے لشکر کی اکثریت شہر کے اس میدان میں تہ تیغ ہو کر رہ گئی۔

راجہ بھاٹیہ نے جب دیکھا کہ اس کے لشکر کا اکثر حصہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے اور باقی کے لشکری مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال رہے ہیں تو وہ چپکے سے اپنے محافظ دستوں کے ساتھ شہر سے نکل بھاگا اور شمال کی طرف چند میل دور جا کر ٹیلوں کی اوٹ میں پناہ گزیں ہو گیا۔

راجہ کا ارادہ تھا کہ سلطان محمود بھیرہ شہر کو فتح کرنے کے بعد چند روز وہاں قیام کر کے نظم و نسق درست کرے گا اور پھر یہاں سے چلا جائے گا۔

راجہ چاہتا تھا کہ اس کے جانے کے بعد وہ شہر میں داخل ہو کر اپنا اقتدار بحال کر کے پہلے ہی کی طرح اپنی راجدھانی پر حکومت کرنے لگے۔

راجا بھاٹیہ کے اپنے محافظ دستوں کے ساتھ شہر سے بھاگ جانے کے بعد شہر کے اندر بچے کچھے دستوں نے مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح بھیرہ شہر پر سلطان محمود کا قبضہ ہو گیا۔

اس جنگ میں سلطان کے ہاتھ بے شمار مال و دولت، اسلحہ، سامانِ رسد، گھوڑے اور ۲۸۰ جنگی ہاتھی آئے۔

سلطان نے بھیرہ شہر کے سارے بت کدوں اور مندروں کو برباد کر دیا۔ لوگوں کو دعوتِ اسلام دی گئی اور اشاعتِ اسلام کے لیے انھوں نے وہاں چند عالم دین مقرر کیے۔

اس کے علاوہ سلطان نے بھیرہ شہر سے اپنے جاسوس ملتان، لاہور، پشاور اور ہندوستان کے اندرونی علاقوں کی طرف روانہ کیے تاکہ ہر علاقے کی مکمل اطلاعات اسے بروقت ملتی رہیں۔

مندروں کے اندر جو حسین لڑکیاں اور داسیاں رکھی گئی تھیں انہیں مندروں سے نکال کر سلطان نے آزاد کر دیا۔ اس دوران سلطان کے مخبروں نے اطلاع دی کہ بھیرہ کا راجہ بجی راے اپنے چند دستوں کے ساتھ بھاگ کر شمال کی طرف چلا گیا ہے۔

یہ خبر سننے کے بعد سلطان نے فوراً ارسلان کو طلب کیا۔

○

ارسلان جب سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تو سلطان نے بڑی شفقت اور نرمی سے اسے مخاطب کر کے کہا:

"سنو جاذب کے بیٹے! گو راجہ بھاٹیہ کو شکست دینے کے بعد ہم بھیرہ پر قبضہ کر چکے ہیں لیکن جنگ کے دوران ہماری نظر بچا کر راجہ بجی راے اپنے محافظ دستوں کے ساتھ بھیرہ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے جس کی بابت میرے مخبر ابھی ابھی یہ خبر لائے ہیں کہ راجہ بجی راے شمال کی طرف چند ٹیلوں کی اوٹ میں پناہ گزیں ہے اور اس کا خیال یہ ہے کہ جب ہم اس شہر کو خالی کر کے واپس جائیں گے تو وہ شہر پر قبضہ کرنے کے بعد پھر سے اپنی راجدھانی پر اپنی حکمرانی کو بحال کر لے گا۔ لہٰذا تم اپنے لشکر کے حصے کے ساتھ بھیرہ سے کوچ کرو اور شمال کی طرف ان ٹیلوں کی طرف پیش قدمی کرو جن میں راجہ بھاٹیہ نے اپنے دستوں کے ساتھ پناہ لے رکھی ہے۔

جو مخبر یہ خبر لے کر آیا ہے وہ پہلے بھی تمہارے ساتھ جائے گا اور ان ٹیلوں تک تمہاری راہبری اور راہنمائی کرے گا۔ ان ٹیلوں میں تم راجہ بھاٹیہ پر حملہ کر کے اسے شکست دے کر اور اسے گرفتار کر کے

میرے سامنے پیش کرو۔ اگر ہم نے اس موقع پر راجہ بھاٹیہ کی سرکوبی نہیں کی تو پھر آنے والے دور میں یہ ہمارے لیے ان گنت مصیبتیں اور دشواریاں کھڑی کرے گا۔"

سلطان کے اس حکم کے جواب میں ارسلان نے سر کو خم دیتے ہوئے لبیک کہا۔ اس کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ بھیرہ شہر سے نکل کر شمال کی طرف کوچ کر گیا۔



بڑی برق رفتاری سے تنہال کی طرف بڑھتے ہوئے ارسلان نے ان ٹیلوں کا محاصرہ کر لیا جن میں بجی رائے نے اپنے محافظ دستوں کے ساتھ پناہ لے رکھی تھی۔ یہ ٹیلے اس مندر کے قریب ہی تھے جس کے پاس ارسلان کی مادھوری سے ملاقات ہوئی تھی۔

بجی رائے بھاٹیہ کو جب خبر ہوئی کہ سلطان کے سالار نے اس کا محاصرہ کر لیا ہے تو اسے اپنی جان کے ساتھ ساتھ اس دولت اور جواہرات کے بھی لالے پڑ گئے جو وہ بھیرہ سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ارسلان لمحہ بہ لمحہ اس کا محاصرہ تنگ کرتے ہوئے اسے مجبور اور بے بس کرتا چلا جا رہا ہے تو اس نے اندازہ لگا لیا کہ اب مقابلہ کرنا بے سود ہے اور یہ کہ اگر اس نے سلطان محمود کے سالار کا مقابلہ کیا تو وہ اس کے ہاتھوں مارا جائے گا یا زندہ گرفتار ہو جائے گا۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ زندہ گرفتار ہو گیا تو اس نے جو کارروائیاں سلطان کے خلاف کی ہیں ان کی وجہ سے سلطان اسے عبرت ناک سزا دے کر رہے گا۔

یہ خیال کرتے ہوئے راجہ بجی رائے نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ ان ٹیلوں کے اندر آگ کا ایک الاؤ روشن کیا جائے۔ جب الاؤ روشن ہو کر پوری طرح بھڑک اٹھا تو اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کر بجی رائے آگ کے اس الاؤ کے پاس آیا۔ اپنا خنجر نکال کر اس نے اپنے پیٹ میں گھونپ لیا اور آگ میں کود کر جل مرا۔

راجا بجی رائے چونکہ اپنے ساتھ دولت اور جواہرات کے انبار لے کر آیا تھا لہٰذا اس کی موت کے بعد اس کے لشکریوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اس دولت کی حفاظت کریں گے اور سلطان کے سالار کے ساتھ جنگ کر کے اور اس کا محاصرہ توڑ کر اس دولت اور جواہرات کے ساتھ کسی اور سمت بھاگ جانے میں کامیاب

ہو جائیں گے۔ لہٰذا آپس میں صلاح مشورہ کر کے بجی رائے کے ان سارے دستوں نے متحد ہو کر ایک سمت پوری طاقت اور قوت کے ساتھ حملہ کر دیا۔

اس موقع پر ارسلان نے بہترین دانشمندی اور فہم و فراست کا ثبوت دیا۔ اس نے جب دیکھا کہ دشمن اپنی ساری قوت کو مجتمع کرتا ہوا ایک سمت حملہ کر رہا ہے تو اس نے اپنے لشکر کو سمیٹ کر اس طرف جمع کر لیا جہاں پر دشمن حملہ آور ہو رہا تھا۔ پس جب بجی رائے کے محافظ دستوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو ارسلان نے پوری قوت سے چٹانوں کی طرح جمتے ہوئے ان کا مقابلہ کیا۔

راجہ بجی رائے کے ان محافظ دستوں نے پوری پوری کوشش کی تھی کہ محاصرہ کرنے والے مسلمانوں کو ایک طرف ہٹا کر وہ بھاگنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن ارسلان نے ان کی اس کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

ان کے پہلے زوردار حملوں کو روکنے کے بعد ارسلان نے اب نیا اقدام یہ کیا کہ ان کے پہلے حملے کو روکنے کے لیے تو اس نے دفاعی صورت اختیار کی تھی لیکن اب وہ جارحیت پہ اتر آیا۔

وہ اپنے چہرے پر ان دیکھی خوشیاں اور سکون بکھیرے، سچائی کے کھنکتے سکوں کی طرح تقدیر کی صدائیں بلند کرتا ہوا سحرِ بہار، طلسمِ صبا، غبارِ راہ اور سرابِ صدا کی طرح راجہ بجی رائے کے ان دستوں پر حملہ آور ہوا۔ ارسلان اور اس کے ساتھیوں نے اپنے پورے عکسِ جلالی کے ساتھ نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن کو گہری پستیوں کے پراسرار بھنوروں میں ڈبونا شروع کر دیا تھا اور تیز حملوں سے دشمن کے دل کی تہوں میں شکست و ریخت کی لہریں پڑھنا شروع کر دیں۔

ارسلان کے تیز طوفانی حملوں کے سامنے آہستہ آہستہ راجہ بجی رائے بھاٹیہ کے ان محافظ دستوں کی مزاحمت کم سے کمتر ہونا شروع ہو گئی۔

دوسری طرف ارسلان نے اس صورتحال سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک قابل دست انداز حاکم کی طرح ظلمتوں کا طوفان بن کر اب راجہ بجی رائے بھاٹیہ کے دستوں کے اندر کچھ اس طرح گھس گیا جیسے ہجومِ رنگ و بو میں خوابوں بھرے راستے گھس جاتے ہیں۔

اب ارسلان نے چاروں طرف سے دشمن کا قتلِ عام کچھ اس طرح شروع کر دیا جیسے قضا کے ہاتھوں تتلیاں موت کا شکار ہونے لگتی ہیں۔ تھوڑی دیر تک ان ٹیلوں کے اندر بجی رائے کے محافظ دستوں کا قتلِ عام

ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ارسلان نے مکمل طور پر ان کا صفایا کر دیا۔ بے شمار مال و دولت اور زر و جواہرات اس کے ہاتھ لگے جنہیں سمیٹ کر وہ اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ کو واپس چل دیا۔



اپنے لشکر کے ساتھ ارسلان جب اس مندر کے قریب آیا جہاں اس کی ملاقات مادھوری سے ہوئی تھی تو اچانک اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور اپنے لشکر کو بھی رک جانے کا حکم دیا۔ اس لیے کہ ایک طرف سے اچانک مادھوری نمودار ہو کر اس کے سامنے آئی اور اس کے گھوڑے کی باگیں پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

ارسلان نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس موقع پر مادھوری کے خوبصورت اور حسین چہرے پر محبت نیکی اور سچائی کے مسکانوں کی گلابی رنگ حدت پھیل گئی۔ قبل اس کے کہ ارسلان بولتا، مادھوری خود ہی بولی اور اپنی آواز کی بھرپور مٹھاس اور اپنے لہجے کے انتہائی جوش میں ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی:

"اگر آپ برا نہ مانیں تو میری ایک خواہش، ایک آرزو ہے کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے ہمارے خیموں کی طرف چلیں اور صرف چند لمحے ہمارے خیمے میں بیٹھ کر ہماری بھاگوانی اور ہمارے آنند کا باعث بنیں۔ میرے بابا بھی میرے ساتھ آنا چاہتے تھے پر میں نے انہیں روک دیا اور میں انہیں یقین دلا کر آئی ہوں کہ میں ضرور آپ کو اپنے ساتھ لے کر آؤں گی لہٰذا آپ میری خواہش کو ٹھکرائیے نہیں بلکہ میری آتما کے اطمینان کے لیے میرے ساتھ چلیے۔"

مادھوری کی اس گفتگو نے ارسلان کو خاصا متاثر کیا۔ تھوڑی دیر تک وہ کچھ سوچتا رہا۔ پھر اپنے پہلو میں کھڑے اپنے عزاد احمد سے کہا:

"تم تھوڑی دیر کے لیے لشکر کے ساتھ یہاں رکو۔ میں مادھوری کے باپ سے مل کر لوٹتا ہوں پھر بصرہ کی طرف کوچ کریں گے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے مادھوری کو مخاطب کر کے کہا:

"چلو مادھوری میرے ساتھ۔"

ارسلان کا یہ غیر متوقع جواب سن کر مادھوری کسی قلانچیں بھرتی ہرنی کی طرح بائیں طرف اپنے خیموں کی طرف بھاگنے لگی جبکہ ارسلان بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کے پیچھے ہو لیا۔

ایک کافی بڑے خیمے کے پاس جا کر مادھوری رک گئی۔ ارسلان بھی اس خیمے کے سامنے گھوڑے سے اترا اور جونہی وہ اس خیمے کی طرف بڑھا خیمے کے اندر سے مادھوری کا باپ روپ نرائن نکلا۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑتے ہوئے اس نے اپنے سر کو جھکا کر ارسلان کو نمسکار کیا۔ پھر اس نے مادھوری کو مخاطب کر کے کہا:

"سنو بٹیا، تم ارسلان کو اپنے خیمے کے اندر بٹھاؤ۔ میں آتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان کو دیکھ کر وہ دوسرے خیموں کی طرف چلا گیا جبکہ مادھوری نے مسکراتے ہوئے ارسلان سے کہا:

"آیئے۔ تشریف لایئے۔"

ارسلان چپ چاپ خیمے میں داخل ہو گیا۔ مادھوری بھی اس کے پیچھے پیچھے خیمے میں داخل ہوئی اور ایک نشست کی طرف اشارہ کر کے بولی:

"آپ اس آسن پر بیٹھیے۔ بابا تھوڑی دیر میں آتے ہی ہوں گے۔"

ارسلان جب وہاں بیٹھ گیا تو اس کے سامنے والی نشست پر مادھوری بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر خیمے میں خاموشی رہی پھر مادھوری نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ارسلان سے پوچھا:

"میں آپ کو کیسی لگتی ہوں؟"

مادھوری کے اس اچانک اور غیر متوقع سوال پر ارسلان چونک سا پڑا۔ اس نے ایک دم مادھوری کی طرف دیکھ کر کہا:

"اس سوال سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

ارسلان کی معصومیت اور سادگی پر مادھوری ہنس پڑی۔ پھر اس نے ایک بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:

"مطلب صاف اور واضح ہے کہ میں آپ کو کیسی لگتی ہوں؟"

ارسلان نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر اپنے آپ کو سنبھالا پھر اس نے مادھوری کو مخاطب کرتے

ہوئے کہا:

"اگر میں یہی سوال تم سے کروں تو تمہارا کیا جواب ہوگا؟"

ارسلان کے اس سوال پہ مادھوری پہلے سے بھی زیادہ کھل کر ہنسی۔ پھر کہنے لگی:

"یہ سوال تم سے پہلے میرے بابا نے بھی پوچھا تھا اور میں نے انہیں بڑا معقول جواب دیا تھا"۔

ارسلان پھر چونک کر مادھوری سے پوچھنے لگا:

"تمہارے بابا نے تم سے ایسا سوال کیوں پوچھا تھا؟"

اس پر مادھوری نے کہا:

"میں نے اپنے بابا سے کہا تھا کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں اور آپ سے محبت کرتی ہوں۔ اس پر میرا بابا بہت خوش ہوا اور کافی دیر کی سوچ بچار کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا، ارسلان تمہیں کیسے لگتے ہیں۔۔۔۔"

ارسلان نے فوراً بیچ میں بولتے ہوئے پوچھا:

"پھر تم نے اپنے بابا کو کیا جواب دیا؟"

ارسلان کے اس سوال پر مادھوری کچھ شرما سی گئی۔ اس نے اپنے آنچل کا پلو اپنے دانتوں میں دبایا پھر اپنے آپ کو کسی قدر سنبھالتے ہوئے وہ بہار کی سرگوشی میں ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی:

"میں نے اپنے بابا سے کہا تھا کہ اس سرائے خانۂ دہر میں ارسلان میرے لیے ایسے ہی ہیں، جیسے متن کے کنارے کوئی خوبصورت حاشیہ، جیسے تازہ لمس، جیسے مرہم نور رز جیسے کوئی لالہ، جیسے کوئی گلاب، کوئی ستارہ، کوئی مہتاب، جیسے ہجوم رنگ اور خوابوں کے شگوفوں کی خوشبوؤں میں کھلتی ہوئی کوئی صبح۔ میں نے تو اپنے بابا سے یہ تک کہہ دیا تھا کہ آپ میرا لباس اور میں آپ کا پیرہن ہوں"۔

یہاں تک کہنے کے بعد مادھوری خاموش ہوگئی۔ اور اپنے سیاہ بال کھولے، اپنی کالی چمکتی آنکھیں ارسلان کے چہرے پر گاڑے اس کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔

اس موقع پر وہ ہاتھ بندھی خوشبو کی طرح بالکل ساکن، دہلیز سماعت کی طرح خاموش، وعدۂ شب جیسی

چپ اور خوشبو بھری شام جیسی پُرسکون ہو کر سراپا انتظار بن گئی تھی۔

دوسری طرف ارسلان تھوڑی دیر تک سر کو جھکائے اس کے الفاظ پر غور کرتا رہا۔ پھر مادھوری کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"سنو مادھوری۔ اگر تم اپنے آپ کو میرا لباس اور مجھے اپنا پیراہن خیال کرتی ہو تو پھر میرا جواب بھی سنو۔

آج سے میں بھی تمہیں اپنا پیراہن اور اپنے آپ کو تمہارا لباس خیال کرتا ہوں۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بناؤں گا اور پوری طرح اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ خلوص اور محبت سے گزار دوں گا"۔

ارسلان کا یہ جواب سن کر مادھوری بچاری شاہ انجم اور تسبیح کہکشاں جیسی خوش کن، بارش کی ہنسی جیسی مسرت انگیز اور پیڑوں پر چھن چھن گونجتی بارش کی بوندوں جیسی جذب اور کشش سے بھرپور ہو کر رہ گئی تھی۔

پھر اس نے آگے بڑھ کر ارسلان کے دونوں ہاتھ اپنے نرم و نازک اور گداز ہاتھوں میں لے لیے اور رقت آمیز لہجے میں بولی:

"آپ نے اپنے وعدے، اپنے الفاظ سے مجھے منجدھار سے نکال کر ساحل پر کھڑا کر دیا ہے۔ آپ نے مجھے اپنانے کا عہد کر کے مجھے طوفانوں سے نکال کر کسی کشتی کا ناخدا بنا دیا ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ حالات کیسے بھی ابتر کیوں نہ ہوں میں آپ کا انتظار کروں گی اور ساری زندگی آپ کی خدمت میں گزار دوں گی"۔

"میرے بابا بھی آپ کو پسند کرتے ہیں۔ جب میں نے آپ سے محبت کا ان پر انکشاف کیا تو انہوں نے مجھے یقین دلا دیا کہ اگر ارسلان نے تمہیں پسند کیا تو میں ضرور تمہیں ارسلان کے ساتھ بیاہ دوں گا۔ اب میرے بابا کو جب یہ خبر ہوگی کہ میری یہ چاہت میری یہ محبت یکطرفہ نہیں تو میرے بابا بے حد خوش ہوں گے"۔

یہاں تک کہتے کہتے مادھوری خاموش ہو گئی اس لیے کہ اسی لمحے اس کا باپ روپ نرائن خیمے میں داخل ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھ تازہ پھلوں کی ایک ٹوکری لے کر آیا تھا جسے وہ ارسلان کے سامنے

رکھتے ہوئے بولا:

"ہمارے ان خیموں کے قریب ہی ایک باغ ہے وہاں سے میں آپ کے لیے یہ پھل لے کر آیا ہوں۔ یہ آپ ہماری یعنی میری اور مادھوری کی طرف سے ایک تحفے کے طور پر قبول کیجیے۔"

ارسلان فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور روپ نرائن کو مخاطب کر کے بولا:

"آپ کی غیر موجودگی میں میرے اور مادھوری کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اس سے مادھوری آپ کو خود ہی آگاہ کر دے گی۔ میں اب جاتا ہوں کیونکہ میرے ساتھی بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ہوں گے"۔

اس کے جواب میں روپ نرائن نے بڑے غور سے مادھوری کی طرف دیکھا۔ جب اس نے اندازہ لگا لیا کہ مادھوری بے حد خوش اور مطمئن ہے تو اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس کے ساتھ ہی ارسلان خیمے سے نکل آیا۔

روپ نرائن بھی پھلوں سے بھری وہ ٹوکری باہر لایا اور ارسلان کے گھوڑے کی زین کے ساتھ وہ ٹوکری باندھ دی۔ پھر ارسلان اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور ان دونوں کی طرف الوداعیہ ہاتھ ہلاتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

دوسری طرف سلطان محمود کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ ارسلان نے بھیرہ کے راجہ بجی رائے بھاٹیہ کے لشکر کا مکمل طور پر صفایا کر دیا ہے اور یہ کہ بجی رائے نے اپنے پیٹ میں خنجر گھونپ کر اور آگ میں کود کر خودکشی کر لی ہے۔

ارسلان جب اپنے لشکر کے ساتھ بھیرہ شہر کی فصیل کے قریب پہنچا تو سلطان نے شہر سے باہر بڑے پُرجوش اور والہانہ انداز میں اس کا اور اس کے لشکریوں کا استقبال کیا۔ سلطان نے جہاں ارسلان کی اس کارگزاری کی تعریف کی وہاں وہ مالِ غنیمت دیکھ کر بھی خوش ہوئے جو ارسلان نے راجہ کے محافظ دستوں کو ختم کر کے حاصل کیا تھا۔

اس شاندار مہم کے بعد سلطان نے چند روز تک بھیرہ میں قیام کیا۔ اس کے بعد انھوں نے انند پال کے مرکزی شہر ہنڈ کا رخ کیا۔ اس لیے کہ انند پال نے بھیرہ کے راجہ بجی رائے بھاٹیہ کی جنگ کے دوران مدد کی تھی اور سلطان کی اطاعت اور فرمانبرداری سے دست کش ہو گیا تھا لہٰذا سلطان نے اسے سزا دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔

راجہ انند پال کو بھی خبر ہو گئی کہ سلطان محمود اس کی نافرمانی کی وجہ سے اس کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں اور یہ کہ انہوں نے اسے سزا دینے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

یہ جان کر راجہ انند پال نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور سلطان محمود کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انند پال کے مرکزی شہر ہنڈ سے باہر ایک خوفناک جنگ ہوئی جس میں انند پال کو بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

انند پال کو جب سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے گڑگڑاتے ہوئے بڑی عاجزی اور انکساری سے سلطان سے اپنی گزشتہ کوتاہیوں کی معافی مانگی اور آئندہ مکمل طور پر سلطان کا مطیع اور فرمانبردار بن کر رہنے کا عہد کیا۔

سلطان نے انند پال کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے اس کی اس التجا کو قبول کیا۔ اسے اس کے علاقوں پر راجہ کی حیثیت سے بحال کیا اور کچھ عرصہ اپنے لشکر کو سستانے کا موقع فراہم کرنے کے بعد وہ واپس غزنی روانہ ہو گئے۔



بھیرہ کے راجہ بجی رائے بھاٹیہ کے خلاف اور ہنڈ کے راجہ انند پال کو درست کرنے کے بعد سلطان محمود نے کچھ عرصہ آرام کیا اور اپنے لشکر کو بھی غزنی میں سستانے کا موقع فراہم کیا۔ پھر سلطان نے ملتان کا رخ کیا۔ وہ ملتان کے حاکم ابوالفتح داؤد کو درست کرنا چاہتے تھے۔ جس کی دو وجوہات ان کے سامنے تھیں:

ایک یہ کہ بھیرہ کے راجہ بجی رائے کے ساتھ جنگ کے دوران ابوالفتح نے سلطان محمود کے خلاف بجی رائے کی مکمل طور پر حمایت اور مدد کی تھی۔

دوسری وجہ یہ کہ ابوالفتح داؤد کا تعلق قرامطی فرقے سے تھا اور سلطان قرامطیوں کا خاتمہ کرنے کے درپے تھا۔

ملتان پر ایک مدت سے قرامطیوں کی حکمرانی تھی۔ اس خوفناک فرقے سے تعلق رکھنے والوں نے عالمِ اسلام میں نصف صدی تک خوف و ہراس، قتل و غارت اور ظلم و دہشت کا بازار گرم کیے رکھا تھا۔ یہ فتنہ ۲۷۸ ہجری کے دوران وجود میں آیا۔ اس فرقے کا بانی ٹھگنے قد کا ایک شخص تھا۔ اس کی ٹانگیں خمدار تھیں اور آنکھیں سرخ۔ اس وجہ سے لوگ اسے قرمط یا قرامط کہتے تھے۔

لوگ اس کے ظاہری، زاہدانہ رنگ اور سادہ لباس اور پرہیزگاری سے بہت متاثر تھے۔ اس فرقے کا بانی خود کو حضرت علیؓ کی اولاد بتاتا تھا اور حضرت علیؓ کو رسول کہتا تھا۔ اذان میں قرامطی فرقے کے بانی نے ترمیم کر رکھی تھی اور حرمِ کعبہ کے بجائے اس نے بیت المقدس کو قبلہ قرار دے رکھا تھا۔

قرامطیوں کے اس سربراہ نے دن میں صرف دو نمازیں مقرر کی تھیں۔ دو رکعت فجر اور دو رکعت مغرب کی نماز کے علاوہ اس غیر ذمہ دار شخص نے قرآنِ مقدس میں بھی ترمیم کر رکھی تھی۔ وہ جمعہ کے بجائے دوشنبہ کو افضل کہتا تھا۔ ہفتے میں دو دن کام نہ کرنے کی تلقین کرتا تھا۔ سال بھر میں صرف دو روزے مقرر کیے تھے۔ شراب اور کھجور کے رس کو حرام کہتا تھا۔ غسلِ جنابت یعنی صحبت کے بعد نہانے اور پاکیزہ ہونے کو غیر ضروری خیال کرتا تھا اور اس کے بجائے محض وضو کو جائز قرار دیتا تھا۔

اس شخص نے نماز، قرآن اور دوسرے ارکان کی طرح حج میں بھی اپنی طرف سے تبدیلی کر لی تھی۔ حج کا فریضہ اس نے بیت المقدس میں ادا کرنے کا حکم دیا۔ سادہ لوح لوگوں کے علاوہ اس فرقہ میں بدقماش رہزن، فوجی بھگوڑے اور اوباش قسم کے لوگ زیادہ تعداد میں شامل ہو گئے تھے۔

ایک بار کوفہ کے حاکم نے اس شخص کی بدقماشی کی بنا پر اسے گرفتار کر لیا اور اسے جیل بھیج دیا۔ بعد میں اس شخص کے لیے کوفہ کے حاکم نے قتل کا حکم دے دیا۔ بدقسمتی سے کوفہ کا حاکم شراب پینے کا خوب عادی تھا۔ جس روز قرامطیوں کے اس سربراہ کو قتل کیا جانا تھا اس سے ایک رات پہلے حاکمِ کوفہ نے خوب شراب پی اور نشے میں بدمست ہو کر سو گیا۔ تہ خانے کے اس کمرے کی چابی جس میں قرامطی فرقے کے سربراہ کو بند کیا گیا تھا، اس نے اپنے سرہانے کے نیچے رکھ دی۔

رات کو حاکمِ کوفہ کی لونڈی جو کہ قرامطہ کی عقیدت مند تھی، وہ حرکت میں آئی۔ اس لونڈی نے چابی حاکمِ کوفہ کے سرہانے سے نکال کر قرامطہ کو آزاد کر دیا اور چابی دوبارہ حاکمِ کوفہ کے سرہانے کے نیچے رکھ دی۔

کوفہ کا حاکم اس پوری واردات کے دوران بدستور شراب کے نشہ میں دھت سوتا رہا۔ صبح جب خبر ہوئی کہ قرامطہ زندان سے اچانک غائب ہو گیا ہے تو لوگوں میں اس کی کرامت کے خوب چرچے ہونے لگے۔ لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہوئے کہنے لگے کہ قرامطہ بڑا پہنچا ہوا شخص ہے جو زندان سے غائب ہو گیا جبکہ زندان کا دروازہ بھی بند رہا اور قفل اپنی جگہ بدستور تھا۔

یہ صورت حال دیکھ کر لوگ جوق در جوق اس کے مرید ہونے لگے جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ قرامطی زور پکڑنے لگے۔

جب اس قرامطہ کے متبعین اور مریدوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو یہ ان سے بیعت لینے لگا

ہر بیعت کرنے والے سے ایک دینار وصول کیا جاتا تھا۔ اس طرح قلیل عرصے میں ہی اس نے بے شما دولت اکٹھی کر لی۔ لوگوں کو اس کے عقاید نہایت آسان اور قابلِ عمل معلوم ہوتے تھے۔ اس نے اپ مریدوں کو لوٹ مار، قتل و غارت اور عیاشی و فحاشی کرنے کی بھی کھلی اجازت دے دی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ لوگ تو عیاشی اور فحاشی کی خاطر اس کے مرید بن گئے اور کچھ لوگ اس خوف کے باعث کہیں اس کے مرید ہم پر حملہ آور ہو کر ہمارا خاتمہ نہ کر دیں، اس کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے تھے۔

علمائے دین کو قتل کروا دینا قرامط کا محبوب اور پسندیدہ مشغلہ تھا اور وہ اس لیے کہ لوگوں کو اس کے خلاف جہاد پر آمادہ نہ کیا جا سکے۔ آہستہ آہستہ قرامطیوں نے باقاعدہ فوج بنالی اور کئی علاقوں پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔

تقریباً چالیس سال تک عباسی خلفا اور حکام ان سے لڑتے رہے مگر ہر بار عباسی خلیفہ کے لشکروں کو شکست ہوتی رہی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرامطی دن بدن زور پکڑتے گئے یہاں تک کہ قرامطیوں کو جرأت ہوئی کہ وہ حجاج کے قافلوں کو بھی لوٹنے اور قتل کرنے لگے۔

اب قرامطیوں کی قوت بے تحاشا ہو گئی تھی لہٰذا کسی بھی حکمران کو ان سے ٹکر لینے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ کئی امراء اور حاکم قرامطہ کے تابع ہو گئے تھے۔ خوف کے باعث لوگ حج پر نہ جاتے تھے۔ قرامطہ اب لوگوں سے خراج بھی لینے لگے تھے۔ حکومتیں، سپہ سالار، علمائے دین اور خلفا ان قرامطیوں کے سامنے مکمل طور پر بے بس دکھائی دیتے تھے۔ عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے دور میں یہ قرامطی بحرین پر قابض ہو گئے اس وقت ان کا سردار ابوطاہر تھا۔ اس نے بحرین میں اپنی باقاعدہ حکومت قائم کرنے کے بعد مسلسل حجاج کو لوٹنے اور ان کے قتلِ عام کا کام شروع کر دیا تھا۔

آخر ان قرامطیوں کے حوصلے اس حد تک بڑھ گئے کہ ۳۱۷ھ میں ان کا حاکم ابوطاہر ایک بڑی فوج لے کر مکہ معظمہ پہنچا۔ وہاں اس نے حاجیوں کا بے دریغ قتلِ عام کیا اور ان کا سامان لوٹ لیا۔ اس نے حرمِ کعبہ میں تقریباً دو ہزار حجاج کو قتل کر دیا اور ان کی لاشوں کو چاہِ زمزم میں پھینک دیا۔ حرم شریف میں ہر طرف خون ہی خون نظر آتا تھا۔

ایامِ حج میں اس ظالم نے تقریباً بیس ہزار حاجیوں کو قتل کیا۔ اس کے علاوہ اس ظالم اور غیر ذمہ دار شخص

نے گرز مار کر حجرِ اسود کو دیوارِ کعبہ سے الگ کر دیا، خانہ کعبہ کا دروازہ توڑ دیا اور حجرِ اسود کو گیارہ روز تک وہیں پڑا رہنے دیا۔ غلافِ کعبہ کے اس شخص نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اس کے بعد ابوطاہر حجرِ اسود کو اپنے ساتھ بحرین لے گیا۔

مکہ سے بحرین پہنچتے پہنچتے حجرِ اسود کو اٹھانے والے چالیس اونٹ مر گئے۔ بیس یا بائیس برس تک حجرِ اسود قرامطہ کے قبضے میں رہا۔ ابوطاہر اسے کسی قیمت پر الگ کرنے پر تیار نہ تھا۔

گو خلیفۂ وقت اور کئی امرا نے کثیر رقم معاوضے کے طور پر پیش کی تھی اور اس سے التجا کی تھی کہ وہ حجرِ اسود خانہ کعبہ کی طرف لوٹا دے لیکن اس ابوطاہر نے کسی کی بھی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ ابوطاہر انتہائی ضدی اور ہٹ دھرم تھا۔ اس سے کسی کو لڑائی کی جرأت بھی نہ ہوتی تھی۔

ابوطاہر اسی طرح ظلم و ستم اور لوٹ مار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ ظالم ۳۳۲ ہجری میں جہنم واصل ہوا اور آخر کار مصر کے فاطمی حاکم نے حجرِ اسود کو قرامطیوں سے واپس لے کر ۳۳۹ ہجری میں دوبارہ خانہ کعبہ میں نصب کیا۔

واپسی پر صرف ایک ہی اونٹ پر حجرِ اسود کو خانہ کعبہ میں پہنچا دیا گیا حالانکہ ابوطاہر جب خانہ کعبہ سے حجرِ اسود کو لے کر بحرین کی طرف گیا تھا تو اس وقت اسے لے جانے کے لیے چالیس اونٹ مقرر کیے گئے تھے۔

حجرِ اسود تو دوبارہ اپنی جگہ رکھ دیا گیا البتہ غلافِ کعبہ کے ٹکڑوں کے بارے میں کسی کو علم نہ تھا کہ وہ کدھر گئے اور کہاں ہیں اور نہ ہی وہ واپس کیے گئے۔

ملتان کا حاکم ابوالفتح داؤد بھی اسی قرامطی فرقے سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ شان و شوکت، شراب اور عیاشی اس کا شیوا بن چکا تھا۔ ہر عالمِ دین کو یہ ملتان سے نکال دیتا تھا۔ ہندو راجاؤں سے اس کے تعلقات قریبی تھے تاکہ ان کی مدد سے ان قرامطی افراد کی حکومت قائم رہ سکے۔ اس کے حرم میں بے شمار اور انتہائی خوبصورت عورتیں تھیں۔ ابوالفتح ہر وقت اپنے حرم میں ناچ گانے کی محفلیں منعقد کرایا کرتا تھا۔

اس شخص نے ملتان میں ایک مصنوعی جنت بھی بنا رکھی تھی۔ یہ حسین عورتوں کو کام میں لا
خوبصورت لڑکیوں کے جھرمٹ میں باہر سے آئے ہوئے ان مسلمانوں کو گھیر کر اپنے ہاں بلوا لیتا جو
کے کام نہ آسکتے ان مسلمانوں کو شربت میں نشہ پلا کر بے ہوش کروا دیتا۔ اس کے بعد انہیں اپنی
ہوئی جنت میں کچھ عرصہ رہنے اور عیاشی کرنے کے مواقع فراہم کرتا۔ چونکہ اس جنت میں انتہا
خوبصورت لڑکیاں موجود تھیں جن کے ساتھ یہ نو وارد دادِ عیش دیتے رہتے۔

جب اس نے کسی کو قتل کروانا ہوتا یا کسی سے کوئی کام لینا ہوتا تو جن نو وارد نوجوانوں کو یہ
سے بھری ہوئی اس جنت میں لے جاتا، انہیں حکم دیتا کہ تم اس کی خاطر یہ کام کرو۔ اگر یہ کام کرو
گے تو تمہیں دوبارہ اس جنت میں آنے کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ اگر نہیں کرو گے تو تمہیں اس جنت
سے نکال باہر کیا جائے گا۔ لہٰذا اس عیاشی اور فحاشی کی خاطر وہ نوجوان جنہیں یہ گھیر کر وہاں لا
اس کا ہر کام کر گزرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔

بے شمار معصوم اور مظلوم و بے گناہ لوگ ابوالفتح داؤد کے ہاتھوں ظلم و ستم کا نشانہ بننے
ساتھ ساتھ قتل بھی ہو چکے تھے۔ سلطان محمود اس دشمنِ اسلام کو سزا دینا چاہتا تھا۔ حاکم ملتان ابوالفتح
کئی فوجی بھگوڑوں کو بھی اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی اور ان سے بھی وہ طرح طرح کے ستم آرائیوں
بھرپور کام لیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ قرامطیوں نے ملتان کی پرانی جامع مسجد کو بند کر دیا تھا اور وہاں
کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ البتہ انھوں نے ایک مندر کو توڑ کر مسجد میں تبدیل کر دیا تھا اور لوگ
کو صرف وہیں نماز پڑھنے کی اجازت تھی۔

حاکمِ ملتان کو سزا دینے اور وہاں حقیقی اسلام جاری کرنے کے لیے سلطان محمود نے ایک بڑا
تیار کیا اور پھر تیزی سے غزنی سے ملتان کی طرف بڑھے۔

⊙

حاکمِ ملتان ابوالفتح داؤد کو جب خبر ہوئی کہ سلطان محمود اس کی سرکوبی کے لیے اپنے لشکر کے
ملتان کی طرف کوچ کر چکے ہیں تو وہ کچھ فکر مند ہوا تاہم اس نے سلطان کا مقابلہ کرنے کے لیے بھرپور
شروع کر دی تھیں۔

اس نے اپنے کچھ قاصد ہنڈ کے راجہ انند پال کی طرف روانہ کیے اور اسے یہ مشورہ دیا کہ اگر ہم خاموش بیٹھے رہے تو غزنی کا سلطان محمود بار بار ہمیں روندتا اور بار بار ہم سے خراج وصول کرتا رہے گا لہٰذا ہم سب کو مل کر اس کی راہ روکنی چاہیے تاکہ آئندہ یہ ہندوستان کا رخ نہ کرے۔

اس کے علاوہ ابوالفتح داؤد نے راجہ انند پال کو یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ ہندوستان کا سب سے بڑا راجہ ہے اس لیے سب سے پہلے وہی سلطان محمود کی راہ روکنے کی کوشش کرے اور اگر وہ سلطان کے ساتھ جنگ کی ابتدا کرتا ہے تو اس جنگ میں ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کے علاوہ خود ابوالفتح بھی بھرپور طریقے سے اس کی مدد کرے گا۔

ابوالفتح داؤد کی اس تجویز کو انند پال نے عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کر لیا اس لیے کہ وہ بھی کئی مرتبہ سلطان محمود کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد بے عزتی اور بدنامی کے داغ اٹھا چکا تھا لہٰذا اس نے تہیہ کر لیا کہ اس بار وہ اپنی پوری قوت کو جمع کرے گا۔ ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کے علاوہ ابوالفتح داؤد سے بھی رسد اور کمک حاصل کرے گا اور پھر بھرپور طریقے سے سلطان محمود کا مقابلہ کر کے اسے شکست دے کر واپس غزنی بھاگ جانے پر مجبور کر دے گا۔

جن دنوں سلطان نے ملتان پر حملہ آور ہونے کے لیے غزنی سے کوچ کیا ان دنوں موسمِ بہار تھا۔ دریاؤں میں پانی خوب چڑھ رہا تھا اور راستے میں جگہ جگہ ندی نالے بھی رکاوٹ بنتے تھے لہٰذا آسانی سے ملتان کی طرف بڑھنے کے لیے سلطان کو راجہ انند پال کے علاقے سے گزرنا پڑتا تھا۔

اس صورت حال میں سلطان محمود نے بڑی تیزی کے ساتھ دریائے کابل کے ساتھ ساتھ سفر کیا۔ ابھی سلطان راستے ہی میں تھے کہ ان کے جاسوسوں نے یہ خبر دی کہ انند پال دریائے کابل کے مشرقی کنارے اور صوابی کے مغربی علاقے میں ایک بہت بڑا لشکر تیار کر چکا ہے — اور یہ کہ اس نے تہیہ کر لیا ہے کہ اس بار وہ جی توڑ کر سلطان محمود کا مقابلہ کرے گا اور اس کو شکست دے کر غزنی کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دے گا۔

سلطان کو جب یہ خبریں پہنچیں تو ملتان کی طرف جانے سے پہلے انھوں نے راجہ انند پال کو سبق سکھانے کا ارادہ کر لیا۔

سلطان محمود بڑی تیزی کے ساتھ فاصلوں کو سمیٹتے ہوئے دریائے سندھ کی بجائے دریائے کابل کے

کے وسیع میدانوں میں اس جگہ آ نمودار ہوئے جہاں پہلے راجہ انند پال نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔

راجہ انند پال کا خیال تھا کہ سلطان اور اس کے لشکری برابر سفر کرتے ہوئے تھک گئے ہوں گے اور ضرور اس کے سامنے آکر پڑاؤ کریں گے اور کچھ سستانے کے بعد وہ اس پر حملہ آور ہوں گے لہٰذا اس نے ارادہ کر لیا کہ جس وقت سلطان اپنے لشکر کے ساتھ اس کے سامنے آکر پڑاؤ ڈال رہے ہوں گے اس وقت وہ ان پر ایسا خوفناک حملہ کرے گا کہ انہیں پڑاؤ چھوڑ کر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا مگر سلطان نے صوابی کے میدانوں میں پہنچنے کے بعد جو فیصلہ کیا، وہ راجہ انند پال کی امیدوں اور توقعات اور خواہشوں کے خلاف تھا۔

راجہ انند پال کے لشکر کے سامنے آنے سے پہلے ہی سلطان محمود نے ایک بہت بڑا اقدام کیا وہ یہ کہ انھوں نے ارسلان کو لشکر کے ایک حصے کے ساتھ علیحدہ کر دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ ایک لمبا چکر کاٹتے ہوئے راجہ انند پال کے لشکر کی پشت پر نمودار ہوا اور جب جنگ عین اپنے عروج پر ہو تو وہ راجہ کے لشکر پر اس کی پشت سے حملہ آور ہو کر اس کے لشکریوں کے دل و دماغ اور ہڈیوں کے گودے تک میں خوف بھر کر رکھ دے۔

سلطان محمود کا یہ حکم پا کر ارسلان فوراً اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلوں کے اندر بائیں جانب سے ایک لمبا چکر کاٹتا ہوا بڑی تیزی کے ساتھ راجہ انند پال کے لشکر کی پشت کی طرف بڑھنے لگا۔

یہ قدم اٹھانے کے بعد باقی لشکر کو سلطان نے تین برابر حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ انھوں نے اپنے پاس رکھا۔ دوسرے حصے کو عبداللہ طائی کی کمانداری میں اور تیسرے حصے کو امیر نصر کے ماتحت کر دیا جبکہ انھوں نے اپنے چوتھے نامور سپہ سالار التون تاش کو اپنے پاس اپنے نائب کی حیثیت رکھا۔ اس طرح راجہ انند پال کے لشکر کے سامنے آتے ہی سستانے اور آرام کرنے کے بجائے سلطان نے اس کے لشکر پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا۔

ان جنگ کے وسطی حصے کی طرف سے خود سلطان اپنے دوسرے جرنیل التون تاش کے
حاکم ملتان
ملتان کی طرف کوچ کر چکے ہیں لیے فطرت کے کارکنوں کی طرح راجہ انند پال کے لشکر پر حملہ آور ہوئے اور وہ
کو سیاہ کرتے ہوئے ان کے سالوں تک کو چھیدنے لگے۔
شروع کر دی تھیں۔

دوسری طرف عبداللہ طائی اجنبیت کی برف باری کی طرح راجہ انند پال کے لشکر کے دائیں پہلو پر حملہ آور ہوا اور جس طرح کوئی موسمی بیل دیوار پر چڑھ کر چھا جاتی ہے ایسے ہی اس نے راجہ انند پال کے لشکر کے بائیں حصے پر چھانا شروع کر دیا اور اپنے سامنے آنے والے دشمن کے ہر سپاہی کو خس و خاشاک کی طرح اڑاتے ہوئے دربدر کرنا شروع کر دیا۔

تیسری طرف سے امیر نصر آنند پال کے لشکر کے دائیں پہلو پر ایسے ہولناک انداز میں نازل ہوا کہ جس طرح کھڑکی پر دستک دیتی ہوئی بارش کی جلترنگ شروع ہوتی ہے۔ اس نے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہوئے ان کی سانسوں میں گھلتے ہوئے ان کے بھید کھولنا شروع کر دیے تھے اور جس طرح پورے چاند کی رات ہولے دشت پر چھا جاتی ہے ایسے ہی اس نے بھی انند پال کے لشکر کے دائیں حصے پر چھانا اور اس کا قتلِ عام کرنا شروع کر دیا تھا۔

عین اس لمحے جبکہ جنگ اپنے عروج، اپنے شباب اور خوب زوروں پر تھی، ارسلان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ راجہ انند پال کے لشکر کی پشت پر نمودار ہوا۔ پہلے اس نے راجہ انند پال کے پڑاؤ کے محافظوں کا خاتمہ کیا پھر وہ آنند پال کے لشکر پر اس انداز میں حملہ آور ہوا جیسے سناٹوں کی فضاؤں میں تپتی دوپہر اور فرودگاہِ حیات میں موت لہو میں رقص کرتی ہوئی وحشت پھیلا دیتی ہے۔

اپنے لشکر کے ساتھ ارسلان عزتِ نفس کے پرچم بلند کرتا ہوا راجہ انند پال کی پشت کی طرف سے چاروں طرف جان لیوا حملے کرنے لگا اور اس نے اپنے سامنے آنے والے دشمن کے ہر سپاہی کو آگ، خون اور دھوئیں میں غرق کرنا شروع کر دیا۔

راجہ انند پال کو جب یہ خبر ہوئی کہ سلطان محمود کے لشکر کے ایک حصے نے اس کی پشت کی طرف سے بھی حملہ کر دیا ہے تو وہ وقتی طور پر پریشان ہوا اور اس کے لشکر میں بھی بے ہمتی کے آثار پیدا ہوئے لیکن جلد ہی اس صورتِ حال کو راجہ نے سنبھال لیا۔

اس نے اپنے لشکر کے کچھ دستوں کو مختص کر دیا تاکہ پشت کی طرف سے حملہ آور ہونے والے ارسلان کا مقابلہ کیا جا سکے جبکہ باقی لشکر کے ساتھ اس نے پوری قوت کے ساتھ سلطان محمود اور ان کے سالاروں پر زور ڈالنا شروع کر دیا۔

انند پال کا خیال تھا اور اس نے اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کی تھی کہ دریائے کابل کے

کنارے صوابی کے ان وسیع میدانوں میں سلطان کے ساتھ زندگی اور موت کی آخری جنگ کرے اور سلطان کو شکست کھا کر بھاگ جانے پر مجبور کر دے۔

لیکن ــــ

راجہ انند پال کی ہر کوشش اور ہر خواہش ناکام ہوئی اس لیے کہ سامنے کی طرف سے خود سلطان، عبداللہ طائی، امیر نصر اور التون تاش اور پشت کی طرف سے ارسلان وفاشعار المحون اور منزل کے رنگ کی طرح ڈٹ کر انند پال کے اپنے سے کئی گنا زیادہ لشکر کا مقابلہ کر رہے تھے۔

انند پال نے بہت کوشش کی کہ سلطان محمود کے لشکر کو پیچھے ہٹنے اور پسپا ہونے پر مجبور کر دے لیکن وہ ایسا کرنے میں بار بار ناکام رہا اور سلطان کے لشکریوں نے رقصِ ہستی کا سامظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر تک جب مزید جنگ جاری رہی تو میدانِ جنگ کے آثار و اثرات تبدیل ہونے لگے۔ اب سلطان محمود کا لشکر سامنے اور پشت کی طرف سے خوفناک انداز میں حملہ آور ہو کر لمحہ بہ لمحہ انند پال کے لشکر کی تعداد کم کرتا جا رہا تھا۔ مسلمان اپنی جانوں کی پرواہ کیے بغیر اپنے سروں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے جنگ کو بڑی تیزی سے اپنے حق میں تبدیل کرنے لگے۔

انند پال کے مقابلے میں سلطان کے لشکر کی تعداد بہت کم تھی لیکن مسلمانوں نے کچھ ایسی جانثاری کا مظاہرہ کیا کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد صوابی کے میدانوں میں جنگ کے نتائج کے آثار واضح طور پر دکھائی دینے لگے۔

اب سلطان محمود اور راجہ انند پال کے لشکریوں کے درمیان کوئی ایسا ہی فرق دکھائی دینے لگا جیسے چڑھتی ہوئی ندی اور پیاسے ساحل کے درمیان، جیسے بہتے پانی اور سوکھی ریت کے درمیان ہوتا ہے۔

سلطان محمود کا لشکر اب سامنے اور پیچھے کی طرف سے سانس لیتی اور بکھرتی رات کی طرح انند پال کے لشکر پر چھانے لگا تھا۔ انند پال کے لشکری اب اپنی جانیں بچانے کے لیے ایک صف سے دوسری اور دوسری سے تیسری کی طرف کھسکنے لگے تھے۔ اس طرح تھوڑی ہی دیر بعد انند پال کے لشکریوں کی صفوں کی ترتیب ٹوٹنا اور تنظیم درہم برہم ہونا شروع ہو گئی تھی۔

سلطان محمود اور ان کے سالاروں نے جب دشمن کے لشکر کی یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی اور شدت پیدا کر لی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمان لشکری راجہ انند پال کے سپاہیوں کا کچھ اس طرح پیچھا اور قتلِ عام کرنے لگے جیسے تیز آندھیوں کے تھپیڑے نرم جھونکوں کا تعاقب کرتے ہیں۔ جیسے طوفانی موجیں نرم مگر بے ضمیر لہروں کا پیچھا کرنے کو بکھرتی ہیں۔

راجہ انند پال کا لشکر زیادہ دیر تک اس صورت حال کو برداشت نہ کر سکا۔ مسلمانوں نے چاروں طرف سے ان کا قتلِ عام کرتے ہوئے ان کے اندر تضاد اور سمتِ اختلاف کا ایک طوفان کھڑا کرتے ہوئے انہیں خود ان ہی کی حسرتوں کا اسیر بنا کر رکھ دیا۔

جنگ تھوڑی دیر تک جب مزید جاری رہی تو راجہ انند پال، سلطان کے لشکر کا دباؤ برداشت نہ کر سکا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے لشکر کی تنظیم مکمل طور پر درہم برہم ہو چکی ہے اور اس کے لشکری اپنی جانیں بچانے کے لیے سلطان کے لشکریوں کے سامنے دائیں بائیں بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جبکہ سلطان کے مجاہد ان کا تعاقب کرتے ہوئے ایک طرح سے ان کا قتلِ عام شروع کر چکے ہیں۔

راجہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اس نے اپنے لشکر کو مکمل طور پر پسپائی کا حکم دے دیا۔ اس طرح صوابی کے میدانوں میں سلطان محمود کے مقابلے میں انند پال کو بدترین شکست ہوئی اور وہ میدان سے بھاگ نکلا۔

سلطان محمود نے اپنے لشکر کا ایک چھوٹا سا حصہ راجہ انند پال کے پڑاؤ میں جس قدر سامان تھا اس کی حفاظت پر چھوڑا اور باقی لشکر کے ساتھ انہوں نے راجہ انند پال کا تعاقب شروع کر دیا۔

انند پال اپنی اور اپنے لشکریوں کی جان بچانے کے لیے بڑی تیزی سے بھاگا تھا۔ اس نے ہنڈ کے مقام پر دریائے سندھ کو پار کیا۔ سلطان محمود بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے اور برابر اس کے لشکر کا قتلِ عام کرتے چلے جا رہے تھے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے راجہ انند پال اپنے لشکریوں کی سلامتی کو فراموش کر کے اپنے اہل و عیال اور چند حفاظتی دستوں کے ساتھ دریائے جہلم کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ سلطان نے پھر بھی اس کا تعاقب ترک نہ کیا بلکہ بڑی برق رفتاری کے ساتھ موت کے ہرکارے کی طرح اس کا پیچھا جاری رکھا۔

راجا انند پال اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان بچانے کے لیے کوہستانوں اور ندی نالوں کو پار کرتا ہوا

بھاگتا رہا۔ جگہ جگہ اس کے عزیز و اقارب اور حفاظتی دستوں کے افراد قتل ہوتے رہے اور قیدی بن رہے مگر یہ تعاقب جاری رہا۔

مقامی باشندوں کی مدد سے راجہ انند پال نے پوشیدہ راستے اختیار کرنا شروع کیے۔ ان راستوں کو استعمال کرتے ہوئے اس نے دریائے جہلم کو منگلا کے مقام پر عبور کیا اور پھر بھمبر کے راستے بڑی تیزی کے ساتھ وہ گجرات شہر پہنچا۔

سلطان محمود سائے کی طرح اس کے تعاقب میں تھے۔

گجرات سے انند پال نے دریائے چناب کو عبور کیا اور سوہدرہ کی طرف بڑھا۔ یہاں پہنچ کر جب اسے خبر ہوئی کہ اس کے پیچھے سلطان محمود بھی دریائے چناب کو پار کر کے سائے کی طرح اس کا تعاقب کرتے ہوئے چلے آ رہے ہیں تو انند پال نے آخری بچاؤ کے طور پر شمال کا رخ کیا۔ بڑی تیزی سے چھوٹے موٹے ندی نالوں کو پار کرتا ہوا وہ کشمیر کے کوہستانی سلسلوں میں گھس کر کہیں روپوش ہو کر بیٹھ گیا۔

سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ انند پال کا کشمیر تک تعاقب کر کے اس کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے پر غزنی سے ایک قاصد آیا جو انتہائی بُری خبر لے کر پہنچا تھا۔ لہٰذا سلطان نے انند پال کا تعاقب ختم کر دیا اور اپنے لشکر کو عارضی طور پر سوہدرہ کے مقام پر پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا۔

غزنی سے آنے والا یہ قاصد سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا اور انکشاف کیا کہ ترکستان کے حکمران ایلک خان نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے سلطان محمود کے علاقوں پر حملہ کر دیا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ سلطان محمود ہندوستان میں ہی مصروف رہے جبکہ غزنی تک کے وسیع علاقوں پہ ایلک خان قبضہ کر لے۔

یہ بری خبر سننے کے بعد سلطان نے ارسلان کو طلب کیا اس لیے کہ سلطان کے ایک بہترین اور نامور جرنیل اور سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ارسلان ہرات کا امیر اور حکمران بھی تھا۔

ارسلان جب سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تو سلطان نے بڑے پیار اور نرمی سے اسے اپنے پہلو میں بٹھاتے ہوئے کہا:

"ارسلان میرے بیٹے۔ غزنی سے ایک قاصد ہمارے پاس ایک ایسی خبر لایا ہے جسے تم نہ صرف

بری بلکہ بدترین خبر کہہ سکتے ہیں۔

خبر یہ ہے کہ ترکستان کے حکمران ایلک خان نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے ہمارے علاقوں پہ یلغار کر دی ہے اور بقول اپنے اس قاصد کے ایلک خان کا بھائی جعفر تگین اور اس کا سپہ سالار سیاوشس تگین بڑی برق رفتاری سے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ خراسان میں داخل ہو کر قتل و غارت گری اور لوٹ مار میں مصروف ہو گئے ہیں۔

ان کا ارادہ یہ ہے کہ وہ خراسان پہ قبضہ کرنے کے بعد تیزی سے غزنی کی طرف بڑھیں اور اس پر قبضہ کر لیں۔

سنو میرے بیٹے! غزنی سے ہماری مسلسل غیر حاضری سے حالات ہمارے خلاف بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ممکن ہے ہمارے کچھ سردار ایلک خان کے جال میں پھنس کر اس کے ساتھ اتحاد کرنے پہ آمادہ ہو جائیں اور ایلک خان کے خلاف دفاع میں کوتاہی کریں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ لشکر کے ایک حصے کے ساتھ تم آج ہی خراسان کی طرف کوچ کرو اور ایلک خان کے بھائی جعفر تگین اور اس کے سپہ سالار سیاوشس تگین کی راہ روکنے کی کوشش کرو جبکہ میں ملتان کی طرف بڑھوں گا اور ابوالفتح داؤد کو سبق سکھانے کے بعد پورے لشکر کے ساتھ تم سے خراسان میں آن ملوں گا۔

سن میرے عزیز فرزند! گو ایلک خان کے اس رویے کے باعث ہم کئی اطراف سے خطرات اور دشواریوں میں گھر گئے ہیں لیکن ان سب خطروں کو ہم نے مغلوب کرنا ہے۔ تم آج ہی خراسان کی طرف کوچ کرو۔ میں بھی ملتان کی مہم سے فارغ ہو کر بہت جلد خراسان پہنچوں گا۔ پھر دونوں مل کر ایلک خان کو وہ سبق سکھائیں گے جس کی وہ امید بھی نہیں کر سکتا۔"

سلطان محمود خاموش ہوئے تو ارسلان نے کہا:

"سلطانِ محترم! آپ اپنے لشکر کے ساتھ ملتان کا رخ کیجیے۔ میں آج ہی خراسان کی طرف کوچ کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میں ان شاء اللہ جعفر تگین اور سیاوشس تگین کو آگے بڑھنے سے روک دوں گا۔ گو میرے ساتھ مختصر سا لشکر ہو گا لیکن خراسان جا کر میں اپنے لشکر میں اضافہ کرنے کی بھی کوشش کروں گا — اور آپ کی آمد تک دشمن کی یلغار کو پوری طرح روکنے کی کوشش کروں گا۔"

ارسلان کا یہ جواب سن کر سلطان محمود کے چہرے پہ اطمینان بخش مسکراہٹ بکھر گئی۔ پھر وہ اپنی

اپنی جگہ سے اٹھے اور ارسلان سے کہنے لگے:

"ارسلان، میرے بیٹے! تم آج ہی لشکر کے ایک حصے کے ساتھ خراسان کی طرف کوچ کر جاؤ۔ صوابی کے میدانوں میں راجہ انند پال کے پڑاؤ اور اس کے اندر جس قدر مال و زر تھا اس کی حفاظت کے لیے میں نے چند دستے مقرر کیے تھے۔ واپسی پر تم اپنے ان دستوں کو بھی ساتھ ملا لینا اور پڑاؤ کے اندر جس قدر ساز و سامان اور مال و دولت ہے اسے بھی سمیٹتے ہوئے غزنی لے جانا۔"

سلطان محمود کا یہ حکم سن کر ارسلان ان کے خیمے سے نکلا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کی تیاری کرنے لگا۔

○

ارسلان جب اپنے لشکر کے حصے کے ساتھ خراسان کی طرف کوچ کر گیا تو سلطان کے پڑاؤ میں ایک اور مخبر داخل ہوا جس نے سلطان کو یہ اطلاع دی کہ:

"ملتان کے حاکم ابوالفتح داؤد کو یہ خبر ہو چکی ہے کہ سلطان اس پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے لہٰذا سلطان کی راہ روکنے کے لیے اس نے دو مختلف سمتوں سے اپنے دو لشکر روانہ کیے ہیں تاکہ سلطان محمود کی قوت کو دو حصوں میں بانٹ کر اس کی راہ روکنے اور اسے بھاگنے پر مجبور کیا جائے۔"

یہ خبر سننے کے بعد سلطان نے بھی اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے پاس رکھا اور التونتاش کو اس نے اپنے نائب کے طور پر اپنے ساتھ رکھ لیا جبکہ دوسرے حصے کا کمان دار عبداللہ طائی کو مقرر کیا گیا۔ امیر نصر کو عبداللہ طائی کے نائب کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔

عبداللہ طائی کو سلطان نے چالیہ، بھیرہ اور جھنگ کے راستے ملتان کی طرف روانہ کیا تاکہ اس راستے سے عبداللہ طائی ملتان کے حکمران ابوالفتح داؤد کے ایک حصہ لشکر کا مقابلہ کرتے ہوئے ملتان کی طرف بڑھے جبکہ خود سلطان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ سوھدرہ سے پنڈی بھٹیاں اور چنیوٹ کے راستے ملتان کی طرف بڑھے۔

اس طرح سلطان محمود یہ چاہتے تھے کہ ابوالفتح داؤد کے دوسرے حصے کی سرکوبی کرتے ہوئے وہ ملتان کی طرف بڑھیں اور ملتان میں پہنچ کر لشکر کے دونوں حصے متحد ہو جائیں اور ملتان

شہر کا محاصرہ کر لیا جائے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد لشکر دو حصوں میں تقسیم ہوا اور اپنے اپنے راستے سے ملتان شہر کی طرف کوچ کر گیا۔

○

ترکستان کے حکمران ایلک خان نے عین اس وقت خراسان میں سلطان محمود کے لیے حالات خراب کرنے کی کوشش کی جبکہ سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان کی سرزمین میں ہندو راجاؤں اور ان کے بت کدوں کے خلاف برسرپیکار تھے۔

ایلک خان دراصل سلطان محمود کے ابتدائی دور میں ترکستان کا حکمران تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے پر پرزے نکالنے شروع کیے۔ اس سے پہلے اس کی حکمرانی صرف دریائے جیحون کے اس پار تھی لیکن اب اس نے اپنی سلطنت میں اضافہ کرنے کا ارادہ کیا اور دریائے سیحون کو عبور کیا اور دریائے سیحون اور دریائے جیحون کے درمیان آل سامان کی سلطنت کا خاتمہ کرتے ہوئے اس نے اس پورے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت سلطان محمود نئے نئے تخت نشین ہوئے تھے لہٰذا دریائے جیحون اور دریائے سیحون کے درمیان سلطان نے ایلک خان کی حکمرانی کو تسلیم کر لیا۔

سلطان نے ایلک خان کے ساتھ تعلقات اور رشتہ داری بھی بڑھانے کی کوشش کی تاکہ دونوں حکمرانوں کے درمیان آنے والے دنوں میں اتحاد اور یک جہتی قائم رہے۔

اور وہ اس طرح کہ سلطان محمود نے اپنے وقت کے بہترین محدث سہیل بن سلیمان کو بے شمار تحائف جن میں ہاتھی گھوڑے تلواریں، ہیرے، جواہرات، عنبر، کافور اور سونے چاندی کے ظروف شامل تھے، دے کر ایلک خان کی طرف روانہ کیا اور ان کے ذریعے سے ایلک خان کی بیٹی سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا۔ ایسا کر کے سلطان محمود دراصل اپنے اور ایلک خان کے درمیان تعلق اور رشتے کو مضبوط کرنا چاہتے تھے تاکہ سلطان کو شمالی حصے کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہے اور وہ برابر ہندوستان پر حملہ آور ہو کر وہاں کے بت کدوں کو مسمار کر کے اپنے عزم اور ارادے اور اپنے مقصد کو پورا کر سکیں۔

دوسری طرف ایلک خان نے بھی سلطان کی اس پیش کش کا بہترین جواب دیا۔ اس نے محدث سہیل بن سلیمان کا بہترین استقبال کیا اور ان بزرگ کی بے حد تعظیم کی۔ اپنی بیٹی کا نکاح ایلک خان نے سلطان محمد کے ساتھ کر دیا۔۔۔ اور جواب میں اس نے بھی بے شمار قیمتی تحائف سلطان کی خدمت میں پیش کیے۔ اس طرح اس رشتے کے باعث سلطان محمود اور ایلک خان کے درمیان اتحاد اور تعاون کا ایک ربط پیدا ہو گیا۔

لیکن۔۔۔ بد قسمتی سے اب یہ اتحاد اور یہ رشتہ ٹوٹتا ہوا اور منقطع ہوتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس لیے کہ ایلک خان کے سالاروں، امرا اور بہی خواہوں نے اس اتحاد کو برباد کرنے کا عزم کر لیا تھا۔ ایلک خان خود بھی فطرتاً لالچی تھا۔ سلطان محمود چونکہ اکثر ہندوستان کے بت کدوں کے خلاف جہاد میں مصروف رہتے تھے لہٰذا سلطان کی طویل غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ مفسدوں نے ایلک خان کو اکسایا کہ سلطان محمود بے شمار دولت ہندوستان سے سمیٹ کر غزنی میں جمع کر رہا ہے لہٰذا اگر ہم سلطان کی غیر حاضری میں اس کے علاقوں پر یلغار کرتے ہوئے غزنی پر قبضہ کر لیں تو اس طرح وسیع علاقوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان سے لائی ہوئی بے شمار دولت بھی ہمارے قبضے میں آجائے گی جبکہ سلطان محمود کو حکمرانی کے لیے ہندوستان میں وسیع علاقے میسر آجائیں گے۔

ایلک خان نے اپنے فسادی اور لالچی امرا کے اس مشورے کو قبول کر لیا۔ لہٰذا اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ اس لشکر کو اس نے اپنے بھائی جعفر تگین اور سپہ سالار سیاؤش تگین کی سرکردگی میں دیا اور سلطان محمود کے علاقوں پر یلغار کرنے کے لیے روانہ کیا۔

اب اسی یلغار کو روکنے کے لیے ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ خراسان کا رخ کر رہا تھا۔

⊙

ارسلان نے جب دریائے جہلم کو منگلا کے مقام پر عبور کیا تو وہ دنگ رہ گیا۔ اس لیے کہ جب وہ دوسرے ساحل پر اپنے لشکر کے ساتھ اترا تو اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے روپ نرائن اور مادھوری کا خانہ بدوش قبیلہ خیمہ زن تھا۔

ابھی وہ کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا اور اپنے لشکر کے ساتھ ان خانہ بدوشوں کی خیمہ گاہ کے قریب آیا ہی تھا کہ اس خیمہ گاہ سے مادھوری اور اس کا باپ روپ نرائن نکلے۔

دونوں باپ بیٹی تیزی سے ارسلان کی طرف بڑھے اور بڑے پُرجوش انداز میں دونوں نے ارسلان کا استقبال کیا۔

صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے ارسلان نے اپنے لشکر کو وہاں رک جانے کا حکم دے دیا۔

جب ارسلان نے اپنے گھوڑے کو روک لیا تب روپ نرائن آگے بڑھا۔ خود مادھوری پیچھے ہی رک گئی۔ شاید وہ جانتی تھی کہ اس کا باپ ارسلان سے کیا بات کرنے والا ہے لہٰذا وہ کچھ شرماتی اور لجاتی ہوئی اپنی گردن کو جھکائے ایک طرف ہی کھڑی رہی۔

روپ نرائن ارسلان کے قریب آیا اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے بڑی عاجزی سے کہنے لگا:

"میں جانتا ہوں کہ آپ سلطان محمود کے ایک سرکردہ اور نامور سالار ہیں اس لحاظ سے آپ کا بہت بڑا مقام اور مرتبہ ہے جبکہ دوسری طرف میں یہ بھی جان چکا ہوں کہ آپ اور مادھوری ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔

اگر آپ کی خواہش اور چاہت ہو تو میں نے یہ سوچا ہے کہ آپ مادھوری کو بیاہ کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ چاہے اسے غزنی میں اپنے گھر میں رکھیں یا اپنے ساتھ لشکر میں رہنے دیں اس لیے کہ اب میرے پاس یہ آپ کی امانت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس امانت کو جلد از جلد اس کے مالک کی طرف لوٹا دوں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد روپ نرائن جب خاموش ہوا تو اس کی گفتگو کے جواب میں ارسلان تھوڑی دیر تک گردن جھکا کر کچھ سوچتا رہا۔ پھر کہنے لگا:

"سنو روپ نرائن! اس وقت میں جلدی اور عجلت میں ہوں اس لیے کہ خراسان میں ترکستان کے حکمران ایلک خان نے ہمارے خلاف یلغار کر دی ہے۔ میں اس کی یلغار کو روکنے کے لیے خراسان جا رہا ہوں جبکہ خود سلطان محمود لشکر کے دوسرے حصے کے ساتھ ملتان روانہ ہو گئے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ میں خراسان میں اٹھنے والی بغاوت کو بہت جلد فرو کر لوں گا۔ اس کے بعد میں واپس ہندوستان کا رخ کروں گا۔ پھر میں مادھوری کے متعلق سلطان سے بات کروں گا۔ ان سے اجازت لے کر میں مادھوری سے بیاہ کر کے اسے اپنے ساتھ لشکر میں رکھوں گا۔

جب تک میں خراسان سے نہیں لوٹتا اس وقت تک مادھوری آپ کے پاس میری امانت ہے۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں آپ سے اپنی امانت واپس لے لوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان نے اپنے گھوڑے کی خرجین سے ایک تھیلی نکالی اور اسے روپ نرائن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"سنو روپ نرائن! اب جبکہ اپنی بیٹی مادھوری کو تم مجھ سے منسوب کر چکے ہو تو اس کا مجھ پہ اور میرا اس پہ کچھ حق بنتا ہے۔ یہ نقدی کی تھیلی رکھو اور اسے مادھوری پر خرچ کرو اس لیے کہ تم اسے میرے ساتھ منسوب کر چکے ہو۔"

روپ نرائن ارسلان کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ چپ چاپ اس نے وہ تھیلی رکھ لی۔ ذرا فاصلے پہ کھڑی مادھوری مسکراتی اور لجاتی ہوئی ارسلان اور اپنے باپ روپ نرائن کی ساری گفتگو سن رہی تھی۔

ارسلان پھر بولا اور روپ نرائن سے کہنے لگا:

"اب میں رخصت ہوتا ہوں اس لیے کہ مجھے وقت ضائع کیے بغیر خراسان پہنچنا چاہیے۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے اپنے لشکر کو کوچ کرنے کا اشارہ کیا۔ روپ نرائن اور مادھوری اپنے ہاتھ فضا میں بلند کر کے ارسلان کو الوداع کہہ رہے تھے۔



ارسلان نے برق رفتاری سے سفر کرتے ہوئے دریائے سندھ کو عبور کیا اور صوابی کے اُن وسیع میدانوں میں آیا جہاں راجہ انند پال کے ساتھ جنگ ہوئی تھی۔ وہاں راجہ انند پال کے پڑاؤ کی حفاظت کرنے والے اپنے دستوں کو بھی ارسلان نے ساتھ لیا اور راجہ انند پال کے پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹتا ہوا بڑی تیزی سے غزنی کی طرف بڑھنے لگا۔



سلطان محمود نے سوہدرہ سے اور پنڈی بھٹیاں سے چنیوٹ کے راستے ملتان کی طرف بڑھتے ہوئے اور عبداللہ طائی نے پھالیہ اور بھیرہ اور جھنگ کے راستے ملتان کی طرف بڑھتے ہوئے ملتان کے حکمران ابوالفتح داؤد کے ان لشکروں کو بدترین شکست دی۔ جو اس نے سلطان محمود کے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس کی راہ روکنے کے لیے روانہ کیے تھے۔

ابوالفتح داؤد کے ان دونوں لشکروں کو شکست دینے کے بعد سلطان محمود اور عبداللہ طائی کے دونوں لشکر متحد ہو گئے اور بڑی تیزی سے ملتان کی طرف بڑھے۔

دوسری طرف ملتان کے حاکم ابوالفتح داؤد کو جب یہ خبر ہوئی کہ سلطان محمود نے نہ صرف یہ کہ ہند کے سب سے بڑے راجہ انند پال کو بدترین شکست دی ہے اور وہ کشمیر کی طرف بھاگ گیا ہے بلکہ سلطان نے اس کے ان دونوں لشکروں کو بھی بدترین شکست دی ہے جنہیں اس نے سلطان کی راہ روکنے کے لیے روانہ کیا تھا۔

یہ خبریں سن کر ابوالفتح داؤد نے اپنا سارا قیمتی مال و اسباب، دولت اور جواہرات سمیٹے اور اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ ملتان سے نکل کر بھٹنڈ کی طرف بھاگ گیا۔

اپنے لشکر کے ساتھ یلغار اور ترکتاز کرتا ہوا سلطان جب ملتان پہنچا تو ملتان کے لوگوں نے سلطان سے امان طلب کی اور آیندہ ملتان میں حقیقی اسلام قائم کرنے کا وعدہ کیا۔

سلطان نے اہلِ ملتان کو معاف کر دیا۔ اس نے قرامطیوں کی عبادت گاہوں کو برباد کر دیا اور پرانی مساجد کو آباد و بحال کیا۔

ملتان سے سلطان نے دو کروڑ درہم تاوان وصول کیا اور اس کے علاوہ بیس ہزار سالانہ خراج بھی اہلِ ملتان پر مقرر کیا۔ کئی عالمِ دین سلطان نے وہاں تبلیغِ اسلام کے لیے چھوڑ دیے۔

گو سلطان نے ملتان فتح کر لیا تھا لیکن ملتان کا نظم و نسق درست کرنے کے بعد اس نے ملتان کے حاکم داؤد کو پکڑنے اور اسے سزا دینے کا عزم کر لیا۔

اسی دوران غزنی سے ایک قاصد آیا جس نے سلطان کو یہ خبر دی کہ ایلک خان کا لشکر خراسان میں دور تک یلغار کرتا ہوا غزنی کی طرف بڑھ رہا ہے لہٰذا ارسلان نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ان کی طرف پیش قدمی کرنے کے بجائے غزنی کا دفاع کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

یہ بری خبر سننے کے بعد سلطان نے فی الوقت ملتان کے حاکم ابوالفتح داؤد کو پکڑنے اور سزا دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ایلک خان کی یلغار کا قلع قمع کرنے کے لیے وہ ملتان سے غزنی کی طرف کوچ کر گئے۔



ایلک خان کا بھائی جعفر تگین اور اس کا سپہ سالار سیاؤش تگین پہلے ہی ہندوستان سے ارسلان کی واپسی پر فکر مند تھے اور وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ اگر ارسلان، خراسان سے بہت بڑا لشکر جمع کرنے کے بعد ان کے سامنے آیا تو ضرور کسی نہ کسی میدان جنگ میں ان کی بدبختی کی ابتدا کر دے گا لیکن جونہی انہیں ارسلان کی آمد کے بعد یہ خبر ملی کہ سلطان محمود ملتان سے برق رفتاری کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے غزنی کی طرف بڑھ رہے ہیں تو ان کے سارے حوصلے، سارے ولولے ماند پڑ گئے۔ انہوں نے وہیں اپنی پیشقدمی روک دی اور پھر اپنے لشکر کے ساتھ واپس ایلک خان کے پاس چلے گئے۔

اب سلطان محمود نے بہرصورت ایلک خان کو سزا دینے کا تہیہ کر لیا اس لیے کہ ایلک خان نے ان کی غیر موجودگی میں ان کے علاقوں کے اندر فتنہ و فساد، بغاوت اور سرکشی برپا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اپنے لشکر کے ساتھ غزنی پہنچنے کے بعد سلطان نے ارسلان اور اس کے حصے کے لشکر کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے ایلک خان سے نمٹنے کے لیے بلخ کی طرف بڑھے۔

سلطان محمود اور ان کے بہترین جرنیل ارسلان کی اس طرح تیزی و تندی کے ساتھ بلخ کی طرف پیش قدمی کی خبریں سن کر ایلک خان کچھ فکر مند ہوا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر وہ سلطان کے سامنے کھلے میدانوں میں صرف اپنی قوت کے ساتھ آیا تو سلطان ضرور اسے شکست دے کر نہ صرف یہ کہ اس کی سلطنت کا خاتمہ کر دے گا بلکہ اسے اور اس کے خاندان کو تخت و تاج سے محروم کر کے رکھ دے گا۔

انہی تفکرات کے تحت سلطان محمود کا مقابلہ کرنے کے لیے ایلک خان نے کاشغر کے حکمران، قدر خان کی طرف رجوع کیا۔

قدر خان نہ صرف یہ کہ چین کے ایک بہت بڑے حصے کا حکمران تھا بلکہ وہ ایلک خان کا سسر بھی تھا۔

ایک خان نے سلطان محمود کے خلاف قدر خان سے مدد طلب کی۔

قدر خان نے جب دیکھا کہ واقعی ایلک خان کو سلطان محمود کی طرف سے خطرہ ہے تو اس نے ایک لشکر قدر خان کی مدد کے لیے روانہ کر دیا تاکہ اس لشکر کی مدد سے وہ سلطان محمود کے خطرے کو ٹالنے میں کامیاب رہے۔

قدر خان کی طرف سے رسد اور کمک کا سامان ملنے کے بعد ایلک خان شیر ہو گیا۔ اس کی نہ صرف عسکری قوت بڑھ گئی تھی بلکہ قدر خان کی حمایت کی وجہ سے اس کے حوصلے بھی بلند ہو گئے تھے لہذا ۵۰ ہزار کے ایک جرار لشکر کو لے کر ایلک خان نے دریائے جیحون کو پار کیا اور بلخ کی طرف بڑھا۔ جہاں پہلے سے سلطان محمود پہنچ کر اپنے لشکر کو درست کرنے کے علاوہ اس کی تنظیم نو کرنے میں مصروف تھے۔

اپنے پچاس ہزار جرار لشکر کے ساتھ ایلک خان بلخ کے باہر کھلے میدانوں میں اس جگہ آیا جہاں پہلے سے سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھے۔ ایلک خان بھی اپنے لشکر کے ساتھ سلطان کے سامنے پڑاؤ کرنے کے بعد جنگ کی تیاریاں کرنے لگا۔ گو ایلک خان کے لشکر کی تعداد سلطان کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی لیکن سلطان محمود پہلی بار ایلک خان کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے لشکر میں ہاتھی لے کر آئے تھے۔

ایک روز دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے سامنے سستا کر وقت گزارا۔ دوسرے روز صبح ہی صبح دونوں لشکر اپنی صفیں درست کرنے لگے۔

سلطان محمود نے ایلک خان کے ساتھ اس جنگ میں اپنے لشکر کی ترتیب بالکل تبدیل کر کے رکھ دی۔ پہلے عموماً ارسلان لشکر کے دائیں بازو کی قیادت کیا کرتا تھا۔ اس بار سلطان نے لشکر میں خاصی تبدیلی کی۔ لشکر کا دایاں بازو التون تاش کی کمانداری میں دے دیا جبکہ لشکر کا بایاں بازو ارسلان کی قیادت میں رکھا۔ سلطان نے لشکر کا قلب یعنی وسطی حصہ اپنے پاس رکھا اور ارسلان کے بعد اپنے دو بہترین جرنیلوں عبداللہ طائی اور امیر نصر یعنی ابو نصر فرغانی کو قلب میں اپنے ساتھ رکھا جبکہ سلطان محمود کے لشکر میں جو ۵۰۰ ہاتھی تھے انہیں قطار در قطار لشکر کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔

ان ہاتھیوں کے پیچھے سلطان نے اپنے بہترین تیر اندازوں کی صفیں درست کیں تاکہ ان جنگی ہاتھیوں

پر یلغار کرنے والے دشمن کے لشکر کو روکا جا سکے۔

اس جنگ کی ابتدا سے پہلے ایلک خان کو ایک اور فائدہ ہوا اور وہ یہ کہ اس کے لشکر میں پہلے ہی قدر خان کے سپاہی شامل تھے جبکہ جنگ کی ابتدا سے پہلے خود قدر خان مزید لشکر کے ساتھ کاشغر سے وہاں پہنچ گیا۔

اس کی آمد پہ ایلک خان اور اس کے لشکریوں کے حوصلے اور بڑھ گئے لہذا سلطان محمود کے مقابلے میں ایلک خان نے بھی اپنے لشکر کو ترتیب دینا شروع کیا۔

ایلک خان نے اپنے لشکر کے دائیں بازو پر اپنے سسر اور کاشغر کے حکمران قدر خان کو رکھا۔ بائیں بازو کی قیادت اس نے اپنے بھائی جعفر تگین کی سرکردگی میں اپنے لشکر کا قلب یعنی وسطی حصہ اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد ۵ جنوری ۳۵۸ ہجری کی صبح کو بلخ سے دس میل دور کٹھار کے مقام پر سلطان محمود اور ایلک خان کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔

جنگ کی ابتدا خود ایلک خان نے کی اور سلطان کے لشکر کے قلب پر حملہ آور ہوا۔ یہ حملہ اس نے سلطان کے لشکر کے سامنے کھڑے ہاتھیوں کی طرف سے گزرتے ہوئے کیا تھا۔

سلطان محمود پہلے سے اپنے سالاروں کے ساتھ سوچی سمجھی سکیم کے تحت کام کر رہے تھے۔ ایلک خان نے جب ان کے قلب پر زوردار حملے شروع کیے تو انھوں نے جوابی حملہ کرنے کے بجائے پسپائی اختیار کرنا شروع کر دی۔ اور لشکر کے سامنے جو ہاتھی کھڑے تھے انہیں بھی پسپا ہونا پڑا۔ دائیں بائیں کے بازو جو ارسلان اور التون تاش کی سرکردگی میں کام کر رہے تھے، وہ بھی پیچھے ہٹے لیکن پیچھے ہٹنے کے ساتھ ساتھ وہ دشمن کی طرف کسی قدر پھیلتے ہوئے اپنے لشکر کو ایک نیم دائرے کی صورت دینے لگے۔

سلطان محمود کا قلب لشکر اور ان کے دونوں بازو ہاتھیوں سمیت پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک کوہستانی سلسلے کے قریب جا پہنچے۔ یہاں پہنچنے کے بعد پھر سلطان نے اپنے کام کی ابتدا کی۔

پہلے سلطان نے ربِ غفور کے حضور سر بسجود ہو کر گڑگڑا کر دعا مانگی۔ پھر انہوں نے بذاتِ خود دفاع سے نکل کر جارحیت پر اترتے ہوئے ایلک خان کے لشکر پر حملہ آور ہونے کی ابتدا کر دی۔

سلطان کے لشکر کے حملہ آور ہوتے ہی اس کے لشکر میں شامل ہاتھیوں کے علاوہ دائیں اور بائیں بازو کو لے کر ارسلان اور التون تاش بھی دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اس حملہ کی ابتدا چونکہ خود سلطان نے کی تھی لہذا

ان کے دشمنوں ہی نے نہیں بلکہ ان کے سپاہیوں اور سالاروں نے بھی دیکھا کہ سلطان اجاڑ پھیلتی بھری رات گہرے گھنے خوفناک جنگل کی اجنبیت، ہر در پر صدا دیتی آندھیوں کی طرح ایلک خان کے لشکر پہ حملہ آور ہوتے ہوئے اس کی پہچان کے زخموں کو کریدنے لگے۔

سلطان محمود اس طرح ایلک خان کے لشکر کے پیچھے پڑ گئے جس طرح کہ سائے سایوں کے تعاقب اور تلاش میں نکلتے ہیں۔ انھوں نے اپنے سامنے آنے والے دشمن کے ہر لشکری کو آفت رسیدہ دل و جان گزیدہ اور خود ناآشنا کرتے ہوئے انہیں زندگی کی پناہ گاہوں سے نکال کر ابدی بقا گاہوں کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا تھا۔

سلطان محمود کی دیکھا دیکھی ان کے دائیں اور بائیں بازو کے سالار ارسلان اور التون تاش بھی سلطان جیسے طور و ڈھب اور قول و فعل کی ابتدا کرتے ہوئے ایلک خان کے لشکریوں کو فنا کے ہاتھوں اور ہلاکت کی باہوں میں دیتے ہوئے ان کی ہر کوشش کو بے ثمر اور ان کی ہر سعی کو بے عطا کرتے ہوئے ان کے گناہوں کے اثر اور ان کی غلطیوں کی سزاؤں کو اجاگر کرنے لگے۔

اب درمیان کی طرف سے سلطان محمود کا لشکر خود سلطان، عبداللہ طائی اور امیر نصر کی سرکردگی میں، بائیں طرف سے ارسلان کی قیادت میں اور دائیں طرف سے التون تاش کی کمانداری میں ایلک خان کی جابرانہ سماجی قوتوں کو توڑتے ہوئے ان کی ہر کوشش، ہر جدوجہد کو مضطرب اور بے ربط و لاحاصل کرنے لگے۔ سلطان محمود کا لشکر چاروں طرف سے ایلک خان کے لشکر پہ شہد کی مکھیوں اور زہریلی بھڑوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

سلطان محمود اور ان کے سالاروں کے خوں خوار حملوں اور جاں نثاری کے سامنے ایلک خان، اس کے دوسرے سالار، لشکری اور قدر خان اپنے آپ کو کسی گرداب کی مجبوریوں اور گردشِ دوراں کے دیومالائی خولوں میں گھرا ہوا محسوس کر رہے تھے۔

سلطان محمود کے لشکر کی پشت پر کھڑی قطار در قطار کوہستانی سلسلہ کی نوکیلی چوٹیاں اس جنگ کا عجیب منظر دیکھ رہی تھیں جس میں سلطان ایلک خان کے لیے زیست کا زہریلا عنوان اس کے لیے ہزاروں دکھ تہہ بہ تہہ غم کی پرتوں اور صف در صف رنجشوں تفکرات کی صورت اختیار کر گئے۔

جس وقت سلطان محمود اور ایلک خان کے لشکریوں کے درمیان جنگ خوب زوروں پہ آ گئی تب

اچانک سلطان کے حکم پر ہاتھیوں کے دستوں کو حرکت میں لایا گیا جس کے نتیجے میں ایک جنگی ہاتھی نے ایلک خان کے علم بردار کو کھینچ کر ہوا میں اچھال دیا۔ اس ہاتھی کی دیکھا دیکھی دوسرے ہاتھیوں نے بھی بے شمار سواروں کو اچھالتے اور روندتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا۔

ایلک خان کا لشکر پہلے ہی سلطان محمود کے زوردار حملوں کے سامنے پسپا ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا اور انہیں اپنے سامنے اپنی بدترین شکست صاف اور واضح دکھائی دے رہی تھی۔ اس پہ جب سلطان محمود کے لشکر کے یہ ہاتھی ایک بد بلا کی طرح ایلک خان کے لشکر پہ چڑھ دوڑے تو اس کے لشکری کسی سے پوچھے بغیر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔

اس فرار اور پسپائی میں ایلک خان کے ہزاروں لشکری مارے گئے اور کئی ہزار قیدی کی حیثیت سے پکڑے گئے۔ اس کے علاوہ سلطان محمود کے سامنے بھاگتے ہوئے ایلک خان کے کئی ہزار لشکری دریائے جیحوں کو عبور کرتے ہوئے ڈوب مرے۔ بے حساب مالِ غنیمت سلطان کے ہاتھ آیا۔

اس لڑائی میں بھی سلطان محمود اپنے مخالفین سے بہتر سالار اور ثابت قدم جرنیل ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے ایلک خان کو پہل کاری کا موقع فراہم کرنے کے بعد اور اس کے جواب میں جوابی حملہ کرنے کی بہتر ترکیب استعمال کرتے ہوئے اسے بدترین شکست سے دوچار کر دیا تھا۔

جن بچے کھچے دستوں کو لے کر ایلک خان اپنے سسر قدر خان اور دیگر سالاروں کے ساتھ میدانِ جنگ سے بھاگا تھا، سلطان اور ان کے سالاروں نے برق رفتاری کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور انہیں مارتے کاٹتے ہوئے ان کی تعداد کم کرنے لگے۔

اسی تعاقب کے دوران سلطان کے مخبروں نے سلطان کو یہ خبر دی کہ نواسہ خان جسے سلطان نے بھیرہ اور اس کے نواحی علاقوں کا حکمران مقرر کیا تھا، اس نے سلطان کی خراسان سے غیر حاضری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بغاوت اور سرکشی اختیار کر لی ہے۔

یہ خبر پا کر سلطان نے ایلک خان کا تعاقب ترک کر دیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ بلخ سے غزنی کے راستے نواسہ خان کی سرکوبی کے لیے بڑی تیزی سے بھیرہ کی طرف بڑھے۔

دوسری طرف سلطان محمود کے ہاتھوں بدترین شکست اٹھانے کے بعد ایلک خان کو خوب درس عبرت اور ذلت حاصل ہوئی لہٰذا اس کے بعد اس نے اپنی موت تک کبھی بھی سلطان کے خلاف

سر اٹھانے کی کوشش نہ کی۔



غزنی سے سلطان محمود بڑی تیزی سے بھیرہ کی طرف بڑھے جہاں نومسلم نواسہ خان نے مرتد ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے علاقوں میں سلطان محمود کے خلاف بغاوت و سرکشی کرنے کے ساتھ ساتھ مقامی حکمرانوں کو بھی سلطان محمود کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ سلطان محمود کے خلاف حرکت میں آنے کے لیے اس نے ہنڈ کے راجہ انند پال کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

راجہ انند پال بھی نواسہ خان کو ہمت اور جرأت دلا رہا تھا کہ وہ سلطان کے خلاف نافرمانی کا اعلان کر دے اور اگر سلطان محمود نے اس کے خلاف لشکر کشی کی تو راجہ انند پال پوری قوت کے ساتھ سلطان کے خلاف اس کا دفاع کرے گا۔

سلطان محمود بڑی رازداری کے ساتھ غزنی سے بھیرہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ انھوں نے نواسہ خان کو اپنی پیش قدمی کی اطلاع تک نہ ہونے دی تھی اور نہ ہی نواسہ خان کو گمان تھا کہ سلطان محمود اس قدر جلد اس کی سرکوبی کے لیے بھیرہ آ سکتے ہیں لہٰذا اس نے بھیرہ اور اس کے آس پاس کے سارے علاقوں میں لوٹ مار اور تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیا۔

نواسہ خان کو یقین تھا کہ سلطان اپنے سب سے بڑے اور طاقتور دشمن ایلک خان کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں لہٰذا انہیں بھیرہ آ کر اس کی سرکوبی کا موقع نہ ملے گا۔

اس کے علاوہ اسے یہ بھی یقین تھا کہ ایلک خان کے مقابلے میں سلطان کو شکست ہو گی لہٰذا سلطان کی غیر موجودگی میں جس قدر علاقے فتح کر کے وہ اپنے ساتھ ملا سکتا ہے اسے ملا لینا چاہییں۔ اپنے انہیں ارادوں کے تحت نواسہ خان نے دور اور نزدیک ہر بستی، ہر شہر کو تباہ و برباد کرتے ہوئے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔



سلطان محمود رازداری اور تیزی کے ساتھ بھیرہ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے اپنی اس پیش قدمی کو نہایت خفیہ انداز میں اپنایا۔

دراصل سلطان، نواسہ خان کو شکست دینے اور پکڑنے کی تجویز پر عمل پیرا ہو چکے تھے۔ سلطان نے ارسلان کو لشکر کا ایک حصہ دے کر ہراول دستے کے طور پر بھیرہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ اچانک بھیرہ کا محاصرہ کر کے نواسہ خان کو بھاگنے کا موقع نہ دیں۔ جبکہ سلطان کا باقی لشکر ان کے ساتھ ارسلان کے پیچھے بھیرہ کی طرف بڑھا۔

اس سفر میں انہیں غزنی سے بھیرہ تک ۴۰۰ میل کا فاصلہ طوفانی انداز میں طے کرنا پڑا۔ اس سفر میں انہیں راستے میں دشوار گزار کوہستانی سلسلے اور ندی نالے بھی عبور کرنا پڑے جن میں دریائے ٹوچی، دریائے کرم، دریائے سندھ اور دریائے جہلم جیسی رکاوٹیں بھی پڑتی تھیں سلطان محمود نے برق رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہوئے ان ساری رکاوٹوں کو عبور کیا اور انتہائی سرعت کے ساتھ بھیرہ کی طرف بڑھے۔



ارسلان، لشکر کے ایک حصے کے ساتھ جو ہراول کے طور پر سلطان کے آگے آگے بھیرہ کی طرف بڑھا۔ وہ ابھی بھیرہ سے چند میل دور ہی تھا کہ نواسہ خان کو اس کے اور سلطان کے آنے کی خبر ہو گئی۔ یہ جان لیوا خبر سن کر نواسہ خان کے ہوش جلنے رہے۔ وہ بڑا فکر مند ہوا۔ اسے یقین تھا کہ اگر ایک بار وہ سلطان محمود کے ہاتھ لگ گیا تو سلطان اس بغاوت اور سرکشی کے جرم میں ضرور اس کی گردن کاٹ کر رکھ دیں گے۔

اسی خدشہ اور خطرہ کے پیش نظر ارسلان کی آمد سے پہلے ہی نواسہ خان اپنے چند محافظ دستوں کے ساتھ بھیرہ سے نکل کر کھیوڑہ کے کوہستانی سلسلہ کی طرف بھاگ گیا۔

سلطان محمود کے مخبروں نے ارسلان کو اطلاع دے دی کہ نواسہ خان بھیرہ سے نکل کر کھیوڑہ کے کوہستانی سلسلوں کی طرف پناہ لینے کے لیے بھاگا ہے لہٰذا ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ سائے کی طرح اس کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔

کھیوڑہ کے کوہستانی سلسلے کے قریب پہنچ کر نواسہ خان نے جب دیکھا کہ سلطان کا نا
ارسلان اس کے قدم پر قدم رکھتا ہوا سائے کی طرح اس کے سر پر آن پہنچا ہے تو اس نے پلٹ
ارسلان پہ حملہ کر دیا لیکن ارسلان نے نواسہ خان کے حملوں کا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ ایسا زور
اور جان لیوا جوابی حملہ کیا کہ اس نے نواسہ خان کے سارے محافظ دستوں کا خاتمہ کر دیا اور نواسہ
کو زندہ گرفتار کر لیا۔

سلطان جس وقت بھیرہ پہنچے تو ارسلان نے نواسہ خان کو رسیوں میں جکڑ کر سلطان
سامنے پیش کیا۔

جونہی نواسہ خان، سلطان کے سامنے آیا وہ زمین پر گر گیا اور سلطان محمود کے قدموں پر
ہوئے اس نے نہ صرف یہ کہ سلطان سے معافی مانگی بلکہ آئندہ کے لیے اس نے سلطان کا وفادار
فرمانبردار رہنے کا وعدہ بھی کیا۔

سلطان نے نواسہ خان کی اس عاجزی اور انکساری سے متاثر ہو کر اسے معاف کر دیا اور ا
سے چار لاکھ درہم تاوان کے طور پہ وصول کر کے ایک بار پھر اسے بھیرہ اور اس کے نواحی علا
حاکم مقرر کر دیا۔



نواسہ خان کی سرکوبی کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ بھیرہ شہر سے باہر پڑاؤ ڈا
لیا تھا۔

اسی پڑاؤ کے دوران ایک روز حسین و جمیل مادھوری کا باپ روپ نرائن ارسلان کے خیمے
داخل ہوا۔ اس وقت ارسلان اور احمد دونوں بھائی کسی نجی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔

روپ نرائن کو اپنے خیمے میں دیکھ کر دونوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکا استقبال کیا۔ انھو
دیکھا کہ روپ نرائن اس وقت بھیگی چتونوں میں پھیلے کاجل، مضمحل دیدوں اور سانس لیتی ادات کا
پریشان لگ رہا تھا۔

ارسلان کے خیمے میں داخل ہوتے وقت وہ خوابوں کے گھروندوں جیسا افسردہ اور بے نام لمحو

سرسراہٹ جیسا متفکر دکھائی دے رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کے کمزور دل کا دیا ٹمٹما اٹھا ہو اور کسی
نے اسے غمزدہ و غمگین اور مجبور و غمخوار بنا کر رکھ دیا ہے۔

جب وہ ارسلان کے قریب آیا تو ارسلان نے اسے بڑی نرمی سے مخاطب کر کے پوچھا:

"سنو روپ نرائن! تم افسردہ، اداس اور پریشان کیوں ہو۔ کیا کسی کی طرف سے تمہیں کوئی دکھ
پہنچا ہے؟ اور ہاں۔ تمہارے ساتھ مادھوری نہیں ہے۔ کیا اسے باہر کھڑا کر آئے ہو؟"

اس پر روپ نرائن نے روتی ہوئی آواز میں بکھرے ہوئے لہجے اور بے حد پریشان انداز میں
جواب دیتے ہوئے کہا:

"مادھوری آپ کی امانت تھی۔ کاش! میں اس کی حفاظت کر سکتا۔ مادھوری وہاں پہنچ چکی ہے
جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔"

روپ نرائن کی اس گفتگو پر ارسلان اور احمد دونوں چونک پڑے۔ پھر ارسلان نے پریشان سی
آواز میں اس سے پوچھا:

"روپ نرائن! کھل کر کہو۔ مادھوری کو کیا ہوا؟"

اس پر روپ نرائن بے چارہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ تھوڑی دیر تک وہ روتا رہا۔ اسکی
آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے
کہنے لگا:

"کاش! میری بیٹی زندہ ہوتی تو اس وقت میں اسے اپنے ساتھ آپ کے خیمے میں لے کر آتا۔ کیونکہ
میں نے آپ کے ساتھ وعدہ کر رکھا تھا کہ اس بار آپ آئیں گے تو میں مادھوری کو آپ کے ساتھ
بیاہ کر دوں گا۔ کاش! میں اپنا یہ وعدہ پورا کر سکتا لیکن ——— میرا یہ وعدہ میرا ہر وچن راکھ اور خاک
ہو کر رہ گیا ہے اس لیے کہ ہم نے اپنے قبیلے کے ساتھ دریائے جہلم کے کنارے پڑاؤ کر رکھا تھا اور
جس مندر کے برہمنوں سے آپ نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو میری بیٹی کی فریاد پہ نجات دلائی تھی، اسی
مندر کے دو برہمن دو مسلح جوانوں کے ساتھ ہمارے قبیلے میں داخل ہوئے اور میری بیٹی کو اٹھا کر
مندر میں لے گئے۔

میرے قبیلے کے لوگ اچھوت ہونے کی وجہ سے کوئی مزاحمت نہ کر سکے اس لیے کہ ہندوستان

کے اچھوتوں پر برہمنوں کا ہر وقت خوف اور ڈر چھایا رہتا ہے۔ وہ دونوں ظالم برہمن اور ان کے دونوں مسلح جوان میری بیٹی مادھوری کو مندر میں لے گئے اور وہاں انھوں نے اسے قتل کر دیا۔

انھوں نے مادھوری کو اس بات کی سزا دی تھی کہ اس نے آپ سے التجا و فریاد کر کے مجھے اور میرے ساتھیوں کو ان برہمنوں کے چنگل سے نجات دلوائی تھی۔ اس نجات کو ان ہندو برہمنوں نے اپنی بے رخی اور توہین سمجھا لہٰذا اس بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے انھوں نے میری بیٹی مادھوری کو قتل کر دیا۔"

روپ نرائن کی یہ گفتگو سن کر احمد اور ارسلان دونوں کی عجیب حالت ہو گئی۔ ارسلان تھوڑی دیر تک گردن جھکائے ہونٹ کاٹتا رہا۔ اس کی کیفیت سے ظاہر ہوتا تھا کہ جیسے اسے کسی نے تہِ خاک میں ڈال کر اس کی جھولی کو صدائے گریہ اور اس کے کفِ دست کو سکوتِ شب سے بھر دیا ہو۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور روپ نرائن کی طرف دیکھ کر کہا:

"سنو روپ نرائن۔ ان برہمنوں نے خوشبو کو ایک پھول سے جدا کیا ہے۔ انھوں نے شب کی تنہائی میں میرے دل کا احوال ریت پہ لکھی تحریر کی طرح مٹایا ہے اور مجھے زندگی بھر کا تاخیر میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں ان سے ان کے دانۂ دوام اور سنگِ الزام کا انتقام ضرور لوں گا۔ ان کے شرارت بھرے دلوں کو میں چھید دوں گا اور ان کی خواہشوں کو پامال کر دوں گا۔"

یہاں تک کہہ کر ارسلان تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوا۔ پھر وہ دوبارہ روپ نرائن سے مخاطب ہو کر بولا:

"روپ نرائن! کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ دونوں برہمن اور ان کے دونوں مسلح جوان ساتھی اس وقت کہاں ہوں گے؟"

اس پر روپ نرائن نے اپنی جھکی ہوئی گردن کو سیدھا کیا اور ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

"وہ چاروں اس مندر سے بھاگ گئے ہیں۔ ہم نے ان کو اس مندر میں بہت تلاش کیا مگر وہ نہیں ملے۔ لگتا ہے کہ وہ ہمارے خوف سے نہیں بلکہ آپ کے انتقام سے ڈر کر کہیں چھپ گئے ہیں۔"

اس پر ارسلان نے روپ نرائن سے کہا:

"روپ نرائن سنو۔ تم اپنے قبیلے میں لوٹ جاؤ اور اپنے قبیلے کے کچھ افراد کو اس کام پر مقرر کرو کہ وہ ان دونوں برہمنوں اور دونوں مسلح جوانوں کو تلاش کریں جو مادھوری کے قاتل ہیں۔ جب وہ ان چاروں کا پتہ لگا لیں تو مجھے اس کی اطلاع کر دینا۔ پھر تم دیکھنا کہ میں ان چاروں سے مادھوری کے قتل کا کیسا بھیانک اور خوفناک انتقام لیتا ہوں"۔

ارسلان کی یہ باتیں سن کر روپ نرائن خوش ہو گیا اور بولا:

"میں آپ سے ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھتا تھا۔ اب میں جاتا ہوں اور اپنے کچھ آدمیوں کو ان چاروں درندوں کی تلاش پر لگاتا ہوں۔ امید ہے کہ ہم جلد ہی ان کو تلاش کر لیں گے۔ پھر میں آپ کو اطلاع کر دوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی روپ نرائن ارسلان کے خیمے سے نکل گیا۔

احمد بھی تھوڑی دیر تک کھڑا رہ کر ارسلان کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر وہ بھی خیمے سے چلا گیا۔

ارسلان تھوڑی دیر تک سوچ و بچار اور تفکرات کے عالم میں اپنے خیمے کے اندر بیٹھا رہا پھر وہ اپنی اسی نشست پر آبیٹھا جہاں وہ روپ نراین کے آنے سے پہلے احمد کے ساتھ بیٹھا گفتگو کر رہا تھا۔

کافی دیر تک وہ وہاں بیٹھا انجانے تفکرات اور پریشانیوں میں ڈوبا رہا یہاں تک کہ ایک لشکری اس کے خیمے میں داخل ہوا اور بڑی نرم آواز میں اس نے کہا:

"یا امیر۔ آپ کو سلطان نے طلب کیا ہے"۔

لشکری کی آواز پر ارسلان چونک سا پڑا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور لشکری کے ساتھ سلطان کے خیمے کی طرف چل پڑا۔

ارسلان جب سلطان کے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ سلطان اس وقت خیمے میں تنہا تھے۔ ارسلان کو دیکھتے ہی اپنے پہلو میں ایک نشست پر ہاتھ مارتے ہوئے انہوں نے ارسلان کو بیٹھنے کو کہا۔ ارسلان جب وہاں بیٹھ گیا تو خیمہ میں سلطان کی انتہائی شفقت آمیز ہمدردی اور دردمندی میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

وہ ارسلان کو مخاطب کر کے بولے:

"سنو جاذب کے بیٹے! تھوڑی دیر قبل تمہارا بھائی احمد مجھے تفصیل کے ساتھ بتا گیا ہے کہ کس طرح تم ایک اچھوت خانہ بدوش قبیلے کی لڑکی مادھوری کو پسند کرنے لگے تھے اور وہ بھی تمہیں چاہتی تھی پر بھیرہ کے نواح میں ایک مندر کے دو برہمنوں نے اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ اس لڑکی کو قتل کر دیا ہے اس لیے کہ مادھوری نے ایک بار تمہارے ہاتھوں اپنے باپ اور اس کے ساتھیوں کو ان برہمنوں کے چنگل سے نجات دلائی تھی۔

سنو جاذب کے بیٹے! مجھے انتہائی دکھ اور افسوس ہوا ہے کہ اس لڑکی کو ان ظالموں نے قتل کر دیا ہے بہر حال وہ دونوں برہمن اور ان کے مسلح جوان مادھوری کے قتل کے انتقام سے بچ نہیں سکیں گے۔ ان خانہ بدوشوں سے کہو کہ ان برہمنوں اور ان کے دونوں ساتھیوں کو تلاش کریں اور جب وہ مل جائیں تو خواہ کیسی ہی نوبت کیوں نہ پکڑ جائیں انہیں ہم ان کے عبرت ناک انجام تک ضرور پہنچائیں گے"۔

ارسلان سلطان کی اس گفتگو کے جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ خیمے میں سلطان کا ایک محافظ داخل ہوا اور باادب ہو کر کہنے لگا:

"سلطانِ محترم! ایک مقامی ہندو عورت جو اپنا نام کملا دیوی بتاتی ہے آپ سے ملنے کی خواہشمند ہے۔ وہ کوئی دکھی اور ضرورت مند دکھائی دیتی ہے اور کوئی نالش اکوئی التجا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتی ہے"۔

سلطان نے غور سے محافظ کی طرف دیکھا اور کہا:

"اس عورت کو اندر آنے دو"۔

اس کے ساتھ ہی وہ محافظ سلطان کے خیمے سے نکل گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک عورت خیمے میں داخل ہوئی۔

گو اس کی عمر ڈھلنا شروع ہو چکی تھی پھر بھی اب تک اس کے چہرے پر تازگی اور رونق تھی۔ وہ سلطان کے سامنے آکھڑی ہوئی اور کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سلطان نے اپنے سامنے ایک نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اس نشست پر بیٹھو اور آرام سے بتاؤ کہ تمہیں کس کے خلاف کیا شکایت ہے"۔

اس پر شاید اس عورت کا حوصلہ بڑھا اور جس نشست کی طرف سلطان نے اشارہ کیا تھا وہ اس پر بیٹھ گئی اور سلطان سے کہنے لگی:

"اے مسلمانوں کے عظیم سلطان! میرا نام کملا دیوی ہے۔ میں آپ کے پاس ایک ایسی نالش اور

فریاد لے کر آئی ہوں جس کی شنوائی ابھی تک نہیں ہوئی۔

اپنی اس فریاد اور التجا کو میں ہندوستان کے سب راجاؤں کے پاس لے گئی۔ ان کے ایوان کے دروازوں پر دستک دی پر کسی نے میری فریاد رسی نہ کی اور نہ ہی میری مدد پر کسی نے آمادگی ظاہر کی۔

مہاراج! بات کچھ یوں ہے کہ کبھی میں لاہور کے راجا بھارت کی رانی تھی۔ اپنے تخت و تاج سے محروم ہونے سے چند برس پہلے اس نے مجھ سے بیاہ کیا تھا۔ میرے بطن سے اس کی ایک بیٹی ہوئی جس کا نام پاروتی ہے۔ یہ لڑکی انتہائی سندر اور من موہنی ہے۔

پھر ایسا ہوا کہ ہنڈ کے راجا جے پال کو میرے پتی یعنی لاہور کے راجا بھارت سے نفرت اور دشمنی ہو گئی اور اس نے میرے پتی پر حملہ کر دیا۔ اسے راجدھانی سے محروم کر کے لاہور پر راجا انند پال کو حکمران مقرر کر دیا۔

بھارت کے راجا اور اس کے سارے عزیز و اقارب اور رشتے داروں کو جے پال نے قتل کر دیا میں کسی طرح بچ نکلی اور اپنی بیٹی کو بھی بچا لیا۔

میری شادی چونکہ راجا بھارت سے صرف چند برس پہلے ہوئی تھی لہٰذا اکثر لوگ مجھے جانتے اور پہچانتے نہ تھے لہٰذا مجھے اپنی اور اپنی بیٹی کی جان بچانے کے لیے زیادہ تگ و دو نہ کرنی پڑی۔

اپنے پتی اور اس کے رشتے داروں کے خاتمہ کے بعد میں نے کالنجر کا رخ کیا۔ میں چاہتی تھی کہ کسی گمنام شہر یا بستی میں اپنی بیٹی کے ساتھ زندگی گزار دوں۔

میرے پاس قیمتی مال و متاع کے علاوہ بے شمار ہیرے جواہرات بھی تھے جنہیں میں استعمال میں لاتے ہوئے اپنی بیٹی کے ساتھ بڑے ٹھاٹھ سے زندگی بسر کر سکتی تھی۔

پر بد قسمتی سے جس وقت میں اپنی بیٹی کے ساتھ لاہور سے کالنجر کی طرف جا رہی تھی تو راستے میں میرا ٹکراؤ اور سامنا کچھ برہمنوں سے ہوا۔ وہ تھانیسر سے مالابار کی طرف جا رہے تھے۔ ان برہمنوں نے جونہی میری بیٹی کو دیکھا تو دنگ رہ گئے۔ پھر ایسا ہوا مہاراج کہ ان برہمنوں نے میری بیٹی کو مجھ سے زبردستی چھین لیا۔

جب میں نے ان برہمنوں سے احتجاج کیا کہ کیوں مجھ سے میری بیٹی کو چھینتے ہو تو جواب میں

وہ کہنے لگے:

"تھانیسر کے مقدس اور بڑے مندر میں ایک انتہائی خوبصورت اور پرکشش دیوداسی ہوا کرتی تھی۔ پورے ہندوستان میں اس دیوداسی جیسی کوئی خوبصورت اور جاذبِ نظر دیوداسی نہ تھی اور نہ ہی کوئی مندروں میں رقص کرنے میں اس دیوداسی جیسی مہارت رکھتی تھی۔ وہ دیوداسی اپنی بھری جوانی میں ایک حادثے میں ماری گئی ہے"۔

O

وہ برہمن مزید کہنے لگے:

"اس دیوداسی کی شکل ہو بہو ویسی ہی تھی جیسی میری بیٹی کی ہے!"

لہٰذا ان برہمنوں نے کہا کہ:

"اس دیوداسی نے تمہاری بیٹی کی صورت میں دوسرا جنم لیا ہے۔"

ان برہمنوں کا خیال تھا کہ جب کوئی دوسرا جنم لیتا ہے تو اپنی پہلی شکل میں نہیں آتا۔ اگر کوئی اپنی پہلی شکل میں آتا ہے تو مقدس خیال کیا جاتا ہے۔

ان برہمنوں نے یہ بھی کہا کہ:

"تمہاری بیٹی اب ہمارے لیے ایک مقدس دیوداسی ہے لہٰذا ہم اس کی تربیت کرنے کے بعد اسے تھانیسر کے مندر میں رکھیں گے۔ یہی اس کا اصل مقام اور جگہ ہے"۔

مہاراج! میں نے ان کی بڑی منت سماجت کی، پر انہوں نے میری ایک نہ مانی۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ:

"میری ایک ہی بیٹی ہے اور یہی میری زندگی کی کل متاع ہے اور میرا واحد سہارا ہے"۔

پر انہوں نے میری بیٹی کو واپس نہ کیا اور اسے مجھ سے چھین کر لے گئے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ برہمن کسی صورت میں میری بیٹی واپس نہیں کریں گے تو مجبور ہو کر خاموش ہو گئی۔

پھر چپکے چپکے رازداری کے ساتھ ان برہمنوں کا میں نے تعاقب کیا۔ وہ برہمن میری بیٹی کو مالابار لے گئے اور مالابار کے راج مندر میں میری بیٹی کی تربیت شروع کر دی۔

مجھے کچھ اطمینان ہوا کہ میری بیٹی زندہ ہے۔ میں کسی وقت بھی اسے مالابار کے مندر میں مل سکتی ہوں۔ لہٰذا میں نے مالابار سے واپسی کا سفر کیا۔ اب میں نے کالنجر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا دریائے چناب کے کنارے آئی اور شمال کی طرف بڑھتی رہی یہاں تک کہ میں پنجاب میں مندروں کے مشہور شہر سوہدرہ پہنچ گئی۔

دریائے چناب کے کنارے مندروں کا یہ شہر مجھے بے حد پسند آیا لہٰذا میں نے سوہدرہ شہر میں ایک بہت بڑی حویلی خریدی اور وہاں اپنی سکونت اختیار کر لی۔

سوہدرہ کے لوگ مجھے ایک امیر کبیر عورت خیال کرتے ہوئے میری بڑی عزت اور احترام کرتے ہیں پر وہ نہیں جانتے تھے کہ میں دل کی دکھی اور ایک پامال عورت ہوں۔

سوہدرہ میں رہتے ہوئے میں مالابار کے راج مندر میں اپنی بیٹی سے ملنے کو جاتی رہی۔ اس طرح مجھے کم از کم یہ اطمینان ہوتا رہا کہ میں جب چاہوں اپنی بیٹی سے مل سکتی ہوں لیکن اچانک میری بیٹی کی مالابار کے مندر میں تربیت مکمل کرنے کے بعد میری بیٹی پاروتی کو مالابار سے تھانیسر کی طرف منتقل کر دیا گیا۔

اب میری بیٹی پاروتی تھانیسر کے سب سے بڑے مندر میں مقدس دیوداسی کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ عام لوگوں کے علاوہ برہمن، پروہت اور پنڈت بھی اس کا بے حد احترام اور عزت کرتے ہیں۔

پر مجھے اپنی بیٹی کی یہ عزت اور احترام قطعی پسند نہیں ہے۔ اس لیے کہ میں تو اپنی بیٹی کی بازیابی چاہتی ہوں۔

میں یہ پسند نہیں کرتی کہ وہ ایک مقدس دیوداسی کی حیثیت سے مندروں کی خدمت کرے اور یہ کہ وہ ہمیشہ کے لیے دیوی دیوتاؤں کے آگے رقص کرتے ہوئے اپنی ساری زندگی گزار دے۔

میں اس کی بازیابی چاہتی ہوں مہاراج۔ میں اسے مقدس دیوداسی نہیں، اپنی بیٹی کی حیثیت سے دیکھنا چاہتی ہوں۔

مہاراج! میں اپنی بیٹی کی بازیابی کے لیے ہندوستان کے ہر راجا کے پاس گئی لیکن ہندوستان

تھانیسر کے مندروں کے پروہتوں اور پنڈتوں کا اس قدر رعب اور خوف ہے کہ کوئی بھی میری بیٹی کو ان سے بازیاب کرانے کی حامی نہیں بھرتا۔ سب ان سے خوف زدہ ہیں لہٰذا میں اب تک اپنی بیٹی کو حاصل کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہی ہوں۔

مہاراج! میں ہندو دھرم کے اس عقیدے پر قطعاً یقین نہیں رکھتی کہ مرنے کے بعد کوئی دوسرا جنم لیتا ہے۔ مرنے کے بعد جب انسان کو جلا کر خاکستر کر دیا جاتا ہے تو پھر وہ دوسرا جنم کس طرح لے سکتا ہے۔

ہر طرف سے مایوس ہو کر میں فریاد لے کر اب آپ کے پاس آئی ہوں اور آپ سے التماس کرتی ہوں کہ تھانیسر کے مندر سے میری بیٹی کی بازیابی کا سامان کریں اس لیے کہ ہندوستان میں اس وقت آپ ہی سب سے بڑی طاقت اور قوت ہیں اور آپ ہی کی طرف سے مجھے امید کی روشنی دکھائی دیتی ہے لہٰذا میں اپنی فریاد لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں۔"

کملا دیوی کی ساری گفتگو سننے کے بعد سلطان محمود تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتے رہے۔ پھر وہ کملا دیوی کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

"سنو خاتون! تمہاری داستان واقعی درد بھری ہے۔ ہم تمہاری مدد ضرور کریں گے۔ عنقریب ہم چند چھوٹی بڑی معرکہ آرائیوں سے فارغ ہونے کے بعد تھانیسر کا رخ کریں گے اور اس شہر پر حملہ آور ہو کر ہم تمہاری بیٹی کو ضرور مندر کے پروہتوں اور پنڈتوں سے نجات دلائیں گے"۔

سلطان کا یہ فیصلہ سن کر کملا دیوی خوش اور مطمئن ہو گئی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنی گردن کو قدرے خم کر کے بولی:

"اگر آپ میرے جیسی بے بس ناری کی دادرسی کرتے ہیں تو بھگوان آپ کو ہندوستان کی سرزمین پر ہر میدان میں، ہر رن میں کامیابی عطا کرے گا۔ اب میں اس وقت کا بے چینی سے انتظار کروں گی جب آپ تھانیسر پر حملہ آور ہو کر مجھے میری بیٹی واپس دلائیں گے"۔

اس کے ساتھ ہی کملا دیوی سلطان کے خیمے سے باہر نکل گئی۔



راجا انند پال جس کی سلطنت ہنڈ سے لے کر لاہور اور اس کے گردونواح تک پھیلی ہوئی تھی، اسے اس بات کا سخت قلق اور افسوس اور دکھ تھا کہ وہ ماضی میں پے بہ پے سلطان محمود کے ہاتھوں ہزیمت اور شکست اٹھاتا رہا ہے۔

جب سلطان بھیرہ سے غزنی اور وہاں سے بلخ روانہ ہو گئے اور ایلک خان کے ساتھ ان کی جنگ ہوئی تو سلطان کی غیر حاضری میں انند پال نے بے پناہ جنگی تیاریوں کی ابتدا کی اور اندر ہی اندر ایک خوفناک اور آخری جنگ کی تیاری کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایلک خان سے نمٹنے کے بعد جب سلطان، نواسہ خان کی سرکوبی کے لیے بھیرہ آئے اور یہاں سے فارغ ہو کر واپس غزنی چلے گئے تو انند پال کھل کر اُن کے سامنے آ گیا۔

انند پال جو پے در پے شکست کھانے کے بعد سلطان سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس نے چپکے چپکے ہندوستان کے تمام راجاؤں سے مدد مانگی اور ان میں مذہبی جوش ابھارا اور انہیں تنبیہ کی کہ اگر وہ مسلمانوں کے سلطان کے خلاف متحد نہ ہوئے تو سلطان آہستہ آہستہ ہندوستان کے تمام راجاؤں کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے گا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہندوستان میں نہ صرف یہ کہ کسی راجہ کی راجدھانی باقی نہ رہے گی، بلکہ تمام مندروں کا خاتمہ کر کے مسلمانوں کا سلطان ہندو دھرم کو بھی چلتا کر کے رہے گا۔

انند پال نے ہندو راجاؤں کو یہ بھی تاکید کی کہ یہ سلطان کے خلاف جمع ہو کر جنگ کرنے کا آخری موقع ہے اور اگر اسے بھی گنوا دیا گیا تو پھر ہندوستان کے اندر کسی راجہ کی حکومت

محفوظ نہ رہ سکے گی۔

راجا انند پال کی اس تاکید اور تنبیہ کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ہندوستان کے راجاؤں کے اندر مذہبی جوش خوب ابھرا جس کے نتیجے میں ایک بہت بڑا لشکر تیار ہو گیا۔

اس لشکر کی تیاری میں اجمیر، بندھیل کھنڈ، اجین، دہلی، قنوج، کالنجر، گوالیار کے راجاؤں نے فوج اور نقدی سے انند پال کی خوب مدد کی۔

ہندو عورتوں نے زیور بیچ کر اور چرخہ کات کر فوج کے لیے رقم اور نقدی جمع کی۔ انند پال اس طریقے سے سلطان محمود کے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کی مزید خوش قسمتی یہ کہ اس کے لشکر میں رضاکارانہ طور پر تیس ہزار گکھڑ بھی شامل ہو گئے اور یہ ایسے لوگ تھے جو وحشی اور خونخوار تھے اور جس کسی پر حملہ آور ہوتے تھے اسے خون میں نہلائے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔

ان ۳۰ ہزار گکھڑوں کی آمد کی وجہ سے راجا انند پال کے حوصلے اور بلند ہو گئے تھے لہٰذا وہ اپنے اس بہت بڑے لشکر کو لے کر پشاور کی طرف روانہ ہوا۔

سلطان محمود پہلے ہی پشاور کے مشرق میں خیمہ زن تھے۔ ان کے جاسوسی نظام نے انند پال کی تیاریوں کے بارے میں انہیں اطلاع دے دی تھی لہٰذا سلطان پشاور کے مشرق میں اس کے استقبال کو پوری طرح تیار تھے۔

راجا انند پال کی پشاور کے مشرقی میدانوں میں آمد سے پہلے سلطان نے اپنے لشکر کے دائیں بائیں بازوؤں پر گہری خندقیں کھدوا لی تھیں اور اس بار وہ جنگ کے لیے بڑی تیاری اور اہتمام سے کام لے رہے تھے اس لیے کہ ہندوستان کے سارے راجا انند پال کے ساتھ مل کر سلطان کے خلاف جنگ آزما ہونے پر تل گئے تھے۔

اپنے دائیں بائیں بازو پر گہری خندقیں کھودنے کے بعد سلطان نے اپنے سامنے گھڑ سواروں کے دستے رکھے جو دشمن پر حملہ آور ہونے میں اپنا ثانی اور جواب نہ رکھتے تھے۔ عقب میں فیصلہ کن حملہ

کے لیے خاص دستے چھپا دیے۔

یہ سارے انتظامات کرنے کے بعد سلطان بڑی بے چینی سے راجا انند پال کا انتظار کرنے لگے تھے۔

چند ہی روز بعد راجا انند پال پشاور کے مغربی میدانوں میں پہنچا اور سلطان کے عین سامنے اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہو گیا۔

سلطان نے اس بار اپنے لشکر کی ترتیب میں مزید تبدیلیاں کیں۔ ان کے لشکر میں جو تیس ہزار عرب لشکری شامل تھے انہیں سلطان نے عبداللہ طائیؒ کی کمانداری میں دے کر اپنے دائیں بازو پر رکھا وسط میں قلب کے طور پر سلطان خود جم گئے۔ بائیں طرف لشکر کے حصے کو نصر فارانی کی قیادت میں رکھا۔ پشت پہ ایک لشکر محفوظ دستوں پر مشتمل گھات میں بٹھا دیا۔ اس لشکر کا کماندار التون تاش کو مقرر کیا گیا تھا۔

التون تاش کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ لڑائی کے عروج پر آتے ہی کسی بھی سمت سے دشمن پہ خوفناک حملہ کر کے اس کی صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے لڑائی کا پانسہ بدلنے کی کوشش کرے۔

اس لڑائی میں بھی سلطان نے سب سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ ارسلان پر کیا تھا۔ لشکر کا ایک حصہ جو دس ہزار سپاہ پہ مشتمل تھا اور جس میں ترک، افغان اور خلجی لشکری شامل تھے سلطان نے ارسلان کی کمانداری میں دیا اور اس کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ اپنے اس لشکر سے تیس ہزار وحشی گکھڑوں کا مقابلہ کرے جو حملہ آور ہونے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ لشکر کے دونوں بازوؤں پہ سلطان نے جو چھ ہزار تیر انداز گھات میں بٹھا رکھے تھے انہیں بھی سلطان نے ارسلان کے تحت کر دیا اور ارسلان کو اجازت دی تھی کہ وہ ان تیر اندازوں کو بھی اپنی مرضی و منشا کے مطابق استعمال کر سکتا ہے۔

چالیس روز تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کیے رہے۔

گو انند پال کو ہندوستان کے مختلف راجاؤں کی طرف سے ہر روز کمک اور رسد کا سامان فراہم ہو رہا تھا مگر سلطان اس کے باوجود بھی چاہتے تھے کہ جنگ کی ابتدا راجا انند پال کی طرف سے

کی جائے۔

راجا انند پال نے اپنے لشکر میں بے شمار خوبصورت عورتیں اور پرکشش لڑکیاں بھی شامل کر لی تھیں جو اس کی فوج کو لڑائی کے لیے جوش دلاتی تھیں اور رات دن لشکریوں کا دل بہلانے کے لیے مجرے کرتی تھیں۔

بے شمار پنڈت اور پروہت بھی راجا کے لشکر میں شامل تھے جو لشکریوں کو تلک لگاتے اور دیوی دیوتاؤں کے بتوں کو سامنے رکھ کر لڑنے والوں سے قسمیں لیتے تھے۔

اس طرح راجا انند پال کا لشکر بڑی بے چینی اور بے تابی سے جنگ کا انتظار کرنے لگا۔ جبکہ ہر روز انہیں کمک بھی پہنچ رہی تھی اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا جس کے باعث ان کے حوصلوں اور ولولوں میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

سلطان محمود کو بھی برابر کمک پہنچ رہی تھی مگر راجا انند پال کے لشکر کی تعداد پھر بھی ان سے کئی گنا زیادہ تھی۔

جب دونوں لشکروں کو ایک دوسرے کے سامنے پڑے چالیس روز ہو گئے تو سلطان نے اندازہ لگایا کہ راجا انند پال حملے میں پہل نہیں کرے گا لہٰذا انہوں نے خود ہی حملہ کی ابتدا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس لیے کہ جوں جوں وقت گزر رہا تھا انند پال کو ملنے والی کمک اور رسد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا جبکہ سلطان کو ملنے والی کمک اور رسد میں دن بہ دن کمی واقع ہو رہی تھی لہٰذا سلطان نے راجا انند پال کے خلاف جنگ شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد سلطان نے ارسلان کی طرف حکم بھجوایا کہ وہ اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا کرے۔

سلطان کا یہ حکم پانے کے بعد ارسلان حرکت میں آیا۔ اسلامی لشکر کے دونوں بازوؤں پر جو خندقیں تھیں اور جن کے پیچھے اوٹ میں تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے ان تیر اندازوں کو ارسلان نے حکم دیا کہ دشمن پر تیر اندازی کی ابتدا کرتے ہوئے جنگ شروع کریں۔

پس ان تیر اندازوں نے ایسا ہی کیا۔ اپنے کڑے تیر انہوں نے اپنی بڑی بڑی کمانوں پر چڑھائے اور دشمن پہ موسلا دھار بارش کی طرح تیر اندازی شروع کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ اسلامی لشکر

میں چاروں طرف اللہ اکبر کی صدائیں گونجنے لگیں۔

حملہ کی ابتدا ہوتے ہی راجا انند پال بھی حرکت میں آیا اور اس نے تیس ہزار گکھڑوں
مسلمانوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

یہ تیس ہزار وحشی اور خون خوار گکھڑ اپنے ہاتھوں میں نیزے اور بھالے اٹھائے اسلامی لا
کی جنگ گاہ کے باہر گہری خندقوں کو پار کر کے لشکر کے اس حصے پر حملہ آور ہوئے جو ار سلا
کی کمانداری میں کام کر رہا تھا۔

ان خون خوار گکھڑوں کا یہ حملہ ایسا ہیبت ناک اور بھیانک تھا کہ صرف ایک گھنٹہ میں ا
نے اپنے سامنے آنے والے تین چار ہزار مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔

گکھڑوں کے اس خوفناک حملہ کے باعث اپنے لشکر کی صورت حال دیکھتے ہوئے ارسلا
نے تھوڑی دیر کے لیے اپنے لشکر کو پسپا ہونے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے ان ت
اندازوں کی پشت پر آ گیا جو خندقوں کے پیچھے گھات میں بیٹھے تھے اور جنھوں نے تیر اندازی
جنگ کی ابتدا کی تھی۔

اپنے تین ہزار لشکریوں کے وحشی گکھڑوں کے ہاتھوں مارے جانے کے باعث ارسلا
کی حالت اس زخمی سانپ کی سی ہو گئی تھی جس نے اپنے دشمن کو ڈس لینے کے لیے اپنا پھن فضا
بلند کر لیا ہو۔

اپنے لشکر کے ساتھ تھوڑی دیر تک پسپا ہو کر اس نے اپنے لشکر کے ساتھ ایک نیم دا
بنایا اور جب وحشی اور خونخوار گکھڑ آگے بڑھتے ہوئے اس نیم دائرے پر حملہ آور ہونے کی کوشش
کرنے لگے تو نیم دائرے کے وسط میں جو تیر انداز گھات میں بیٹھے ہوئے تھے ارسلان نے انھیں
وحشی گکھڑوں پر تیر اندازی کرنے کا حکم دے دیا۔

ارسلان کے حکم پر وہ تیر انداز آن کی آن میں حرکت میں آئے اور انہوں نے تیز بارش کی طر
وحشی گکھڑوں پر تیر برسا دیے۔ اس کے نتیجے میں وحشی گکھڑوں کی اگلی کئی صفیں تیروں سے
چھلنی ہو کر رہ گئیں۔

عین اس موقع پر ارسلان نے اپنے تیر اندازوں کو تیر اندازی بند کرنے کا حکم دیا۔

اس کے فوراً بعد ارسلان ان وحشی گکھڑوں پر اہلِ نظر کی سی سرشاری اور اہلِ جنوں کی سی بے فکری سے حملہ آور ہوا اور کٹی مربوط لمحوں کی طرح دشمن کو کاٹتے ہوئے اس نے ان پر شبِ افسردگی طاری کر دی۔

ارسلان کے حملوں میں ایسی تندی اور جانثاری اور ایسا سرفرازانہ انداز تھا کہ اس نے اپنے حملوں میں گکھڑوں کے اندر نہ وصل کی لو، نہ دید کی کرن رہنے دی۔ نہ ان کے مقدر میں آس کا پھل نہ محنت کا کوئی صلہ رہنے دیا بلکہ ان کے کاسۂ دل و جان پر قلب و جگر کے خاموش زخموں کو ابھارتے ہوئے خزاں کے بوجھل تفکرات اور خشک رتوں کی پھیکی فضاؤں کی طرح ان کے خیالات کو سیاہ خوابوں اور ان کی امیدوں کو صحراؤں کے پتھریلے لمحات میں تبدیل کرنا شروع کر دیا۔

لشکر کے وسطی حصے میں کھڑے سلطان محمود اور ان کے پہلو میں اپنے لشکر کے ساتھ کھڑے عبداللہ طائی نے جب دیکھا کہ ارسلان نے وحشی گکھڑوں پر جوابی حملہ کرتے ہوئے انہیں روندتے ہوئے انہیں انہی کے خون میں ڈبو کر پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا ہے تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آئے اور عبداللہ طائی کے ساتھ مل کر سانسوں کے خود کار عمل کی طرح اپنی دھن میں درجنوں طوفان لیے صبحوں کے اجالے کی طرح راجا انند پال کے لشکر کے مختلف حصوں پر حملہ آور ہوتے اپنے حملہ سے سلطان محمود اور عبداللہ طائی نے اپنے سامنے آنے والے ہر لشکری کو ریزہ ریزہ اور ہر جسم کو قاش قاش بنانا شروع کر دیا۔

دشمن کے قلبی حصے اور پہلو پر ضرب لگاتے ہوئے اب سلطان اور عبداللہ نے مختلف سمتوں سے دشمن پر حملے شروع کیے اور راجا انند پال کے سالاروں اور لشکریوں کے ذہن و دل کی محرابوں اور سکوتِ بیکراں کی گود میں شعور و فکر کی کرنوں کی جگہ جلتے ریگزاروں کا سا سماں باندھنا شروع کر دیا۔

ارسلان نے جب دیکھا کہ سلطان محمود اور ان کے پہلو میں عبداللہ طائی بڑی جاں نثاری اور جوش و جذبہ کے ساتھ راجہ انندپال کے لشکر کے دوسرے حصوں پر حملہ آور ہو گئے ہیں تو اس نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی اور تندی پیدا کر دی اور پہلے کی نسبت زیادہ تیزی سے گکھڑوں کو کاٹتے ہوئے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کرنے لگا۔

عین اس وقت جب سلطان، ارسلان اور عبداللہ طائی کے ہاتھوں میدانِ جنگ میں ہند
بدن ڈھیر ہو رہے تھے۔ ہر طرف خون ہی خون اور دھول ہی دھول اڑنے لگی تھی، التونتا
اپنے عقبی لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا۔

جہاں ارسلان، وحشی گکھڑوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھا اچانک التونتاش لشکر کے
وہاں گکھڑوں کی پشت پر بڑی تندی اور تیزی کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ اب گکھڑوں کی حالت عجیب
ہو رہی تھی۔ سامنے کی طرف سے ان پر ارسلان اور پشت کی طرف سے التونتاش نے ان میں
کہرام برپا کر کے رکھ دیا تھا۔

وحشی اور خونخوار گکھڑ جو تھوڑی دیر پہلے تک بھوتوں کے رنگوں کی طرح سلطان کے لش
حملہ آور ہونے کی کوشش کر رہے تھے وہاں اب ان کی حالت اس سوکھے ٹنڈ کی طرح ہو رہی تھی
دھوپ کے تھپیڑے کھانے کو اکیلا اور تنہا رہ گیا ہو۔

کچھ دیر تک دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ سلطان اور اس کے لشکری لگاتا
تیز حملوں سے دشمن کے خیمۂ دل پر بھنور بناتے رہے۔ ان کے ضبط کے آنچل اور خواہشوں کی زندگی کو رلا
رہے۔ یہاں تک کہ سلطان کے کسی منچلے اور شوخ جوان نے راجہ انند پال کے ہاتھی پر کچھ اس ا
سے تیر اندازی کی کہ راجا انند پال کا ہاتھی تیروں سے بری طرح چھد کر رہ گیا اور اس کی سونڈ جگہ جگ
زخمی ہو گئی۔

اپنی اس حالت کی وجہ سے وہ ہاتھی راجا انند پال کو لے کر میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا

○

راجا انند پال کے لشکریوں اور ان کے ساتھ آنے والے دوسرے راجاؤں اور ان کے لش
نے جب دیکھا کہ راجا انند پال کا ہاتھی اسے لے کر میدانِ جنگ سے بھاگ رہا ہے تو انہوں نے یہ خ
کیا کہ راجا انند پال نے مسلمانوں کے ہاتھوں شکست قبول کر لی ہے لہٰذا وہ میدانِ جنگ سے بھا
رہا ہے۔

اس صورتِ حال نے انند پال کے لشکر پر انتہائی برا اثر کیا اور اس کے ہاتھی کی دیکھا دیکھی د

سالاروں اور راجاؤں نے بھی اپنے ہاتھیوں کو پھیر لیا اور میدانِ جنگ سے بھاگنے لگے۔ اس کا نتیجہ
یہ نکلا کہ عام لشکری بھی اپنی جانیں بچانے کی فکر میں لگ گئے۔

راجا انند پال اور اس کے لشکر کی شکست اور فرار کے بعد سلطان محمود نے بڑی تیزی سے ان کا
تعاقب کیا۔ انہوں نے اپنے لشکر کے چند دستے الگ کر کے ہنڈ شہر کی طرف بھجوائے اور اس پر قبضہ
کر لیا۔

اتنی دیر میں راجا انند پال اور اس کے ہم نوا راجہ دریائے سندھ پار کر کے اپنے ساتھیوں کے
ساتھ تیزی سے مشرق کی طرف بھاگنے لگے۔ ان کے پیچھے ہی سلطان نے بھی دریائے سندھ کو
پار کیا اور برق رفتاری سے دشمن کا تعاقب شروع کر دیا۔

دریائے سندھ سے لے کر دریائے جہلم اور پھر جہلم سے لے کر دریائے چناب تک سلطان نے
بڑی مستعدی سے دشمن کا تعاقب کیا اور جس شاہراہ پر یہ تعاقب جاری رہا اس پر انند پال کے لشکریوں
کی لاشیں ہی لاشیں بکھیر کر رکھ دیں۔

راجا انند پال نے شمالی کوہستانی سلسلوں کی طرف بھاگ کر اپنی جان بچائی جبکہ دوسرے راجا اپنے
اپنے لشکروں کے ساتھ اپنی اپنی راجدھانیوں کی طرف لوٹ گئے۔ سلطان نے وقت ضائع کیے بغیر راجا
اور اس کے لشکریوں کا تعاقب جاری رکھا اور کانگڑہ یعنی نگر کوٹ کو بھی فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سلطان نے ارسلان اور عبداللہ طائی کو ہراول دستوں
کے طور پر کانگڑہ شہر کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔

ارسلان کے تحت سلطان نے دس ہزار لشکر اور عبداللہ طائی کی قیادت میں چھ ہزار سواروں کو کر
دیا تھا۔ پھر سلطان کے حکم پر ارسلان اور عبداللہ طائی بڑی برق رفتاری کے ساتھ کانگڑہ شہر کی طرف بڑھے
جسے اس دور میں نگر کوٹ اور بھیم نگر کہہ کر بھی پکارا جاتا تھا۔

○

کانگڑہ یا نگر کوٹ یا بھیم نگر کا قلعہ ایک پہاڑی پر واقع تھا اور اس شہر کے مندر کو پورے ہندوستان
میں فوقیت اور عظمت حاصل تھی۔

ہندو تاریخ کے مطابق نگرکوٹ شہر کا مندر کورو اور پانڈوؤں کے درمیان ہونے والی مہابھارت جنگ کے ہیرو بھیشم کے زمانے سے قائم تھا۔ اس مندر میں جو بت تھا وہ اسے مہامایا دیوی کا بت خیال کرتے تھے جو دیوتا مہادیو کی پتنی تھی۔

نگرکوٹ کا نام بھیم نگر بھی تھا جو دیوی بھیما کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اسی دیوی کا دوسرا نام مہامایا دیوی بھی تھا۔

ہندوستان کی سرزمین میں نگرکوٹ کے اس مندر کو بڑی اہمیت حاصل تھی لیکن ہندو اس کی حفاظت کا خاطر خواہ سامان نہ کر سکے اس لیے کہ راجا انند پال نے ہندوستان کے سارے بڑے بڑے راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر پشاور کے قریب سلطان محمود کے خلاف جنگ کی تھی۔ جب اس جگہ سارے راجاؤں کو شکست ہوئی تو سارے راجہ دُم دبا کر اپنی اپنی راجدھانیوں کی طرف بھاگ گئے۔ کسی کو بھی نگرکوٹ کی حفاظت کا خیال نہ آیا۔ لہٰذا ہراول دستے کے طور پہ ارسلان اور عبداللہ طائی جب نگرکوٹ کے پاس پہنچے تو نگرکوٹ کے اندر جو مختصر سا حفاظتی دستہ تھا اس نے شہر سے باہر نکل کر ارسلان اور عبداللہ طائی کا مقابلہ کیا۔

نگرکوٹ کے محافظ دستے کو ارسلان اور عبداللہ طائی نے نگرکوٹ سے دور بدترین شکست دی۔ اس لشکر کے اکثر حصے کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور بہت کم لشکری اپنی جانیں بچا کر میدان سے بھاگ سکے۔

اس کے بعد ارسلان اور عبداللہ نے نگرکوٹ کی طرف پیش قدمی کی۔ اس دوران سلطان بھی اپنے باقی لشکر کے ساتھ ان دونوں سے آملے لہٰذا سلطان نے اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ نگرکوٹ یعنی بھیم نگر کا محاصرہ کر لیا۔

سلطان محمود، ارسلان اور عبداللہ طائی نے نگرکوٹ کی طرف یہ سفر سوہدرہ، سیالکوٹ، کٹھوعہ اور مادھوپور کے راستے کیا۔ شہر کے لوگوں کا خیال تھا کہ ان کے پاس جو مختصر سا لشکر ہے وہ اس کے ساتھ سلطان محمود کے سامنے اپنا دفاع کر سکتے ہیں۔ اس دوران انہیں ہندوستان کے مختلف راجاؤں کی طرف سے مدد ملنے کی امید تھی۔ اس لیے کہ نگرکوٹ کا قلعہ اور مندر سارے ہندوستان کے راجاؤں میں بڑے معتبر اور متبرک سمجھے جاتے تھے۔

دوسری طرف سلطان دن بدن محاصرہ تنگ سے تنگ تر کرتے جا رہے تھے اور انہوں نے ارسلان اور عبداللہ طائی کی سرکردگی میں لشکر کو نگرکوٹ کے اطراف میں پھیلا دیا تھا تاکہ اگر ہندوستان کا کوئی راجہ نگرکوٹ کی مدد کے لیے آئے تو اس پر حملہ آور ہو کر اسے فرار ہونے پر مجبور کر دیا جائے۔

چند روز تک یہ محاصرہ جاری رہا۔

پھر محاصرین دن بدن تنگی اور دشواری میں مبتلا ہونے لگے تو نگرکوٹ کے سرکردہ ہندو اور مندر کے پروہت سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شہر سلطان کے حوالے کر دیا۔

نگرکوٹ کے شہر اور مندر سے سلطان کو بے شمار مالِ غنیمت اور تاوان حاصل ہوا۔ سات کروڑ دینار نقد۔ ۷۰۰ من سونے اور چاندی کے ظروف۔ ۲۰۰ من خالص سونا۔ ۲۰۰۰ من چاندی اور بے شمار ہیرے جواہرات کے علاوہ ایک اطلس کا بیش بہا خیمہ بھی ملا جس کی لمبائی چوڑائی ۴۰ اور ۲۰ گز تھی۔ اس کی چوبیں سونے اور چاندی کی تھیں۔

اس شہر سے سلطان کے ہاتھ خالص چاندی کا ایک گھر بھی لگا جس کی لمبائی ۳۰ گز اور چوڑائی ۱۵ گز تھی۔ اس گھر کے ٹکڑے کیے جا سکتے تھے اور پھر ان ٹکڑوں کو جوڑ کر دوبارہ یہ گھر بنایا جا سکتا تھا۔

نگرکوٹ کے پجاریوں اور پنڈتوں کے بقول یہ تمام دولت بھیشم کے زمانے سے ہی جمع ہو رہی تھی۔ سلطان محمود کو یہ بے شمار دولت لے جانے کے لیے اَن گنت اونٹ، ہاتھی اور بار برداری کے جانور جمع کرنے پڑے۔

سلطان نے حسبِ معمول، مندر میں موجود تمام عورتوں اور داسیوں کو آزاد کر دیا۔ دراصل تمام مندر پجاریوں اور پنڈتوں کی عیاشی کے اڈے بنے ہوئے تھے۔ راجا اور امرا خوبصورت لڑکیاں مندر کی خدمت کے لیے بھیجا کرتے تھے جنہیں دیوداسیاں کہا جاتا تھا۔ انہیں سے پجاری، پنڈت اور دیگر امرا عیاشیوں کا سامان کرتے تھے۔

⊙

غزنی پہنچ کر سلطان محمود نے حکمرانوں، امرا اور بادشاہوں کے سفیروں کو جمع کیا۔ انہوں نے تمام دولت جو نگر کوٹ سے حاصل کی تھی اپنے محل کے صحن میں قالینوں پر سجا کر رکھوا دی۔

مؤرخین کے مطابق آج تک نہ تو کسی نے اتنی دولت دیکھی تھی اور نہ ہی کتابوں میں اس قدر دولت کا کسی کے پاس ذکر تھا۔

بقول مؤرخین، اتنی دولت تو قیصر و کسریٰ کے پاس بھی جمع نہ ہوئی تھی اور بقول شعراء شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچازاد قارون کے پاس بھی اس قدر دولت اور خزانے نہ تھے۔

نگر کوٹ کی فتح کے کچھ ہی عرصہ بعد سلطان کو خبر ہوئی کہ دریائے چناب کے کنارے گجرات شہر سے کچھ دور نارائن کے مقام پر راجا انند پال مقیم ہے اور اس نے مسلمانوں کے ساتھ پھر بھڑ کرنے کے لیے پھر ایک بڑا لشکر تیار کر لیا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی سلطان بڑی برق رفتاری کے ساتھ غزنی سے گجرات کے نواحی علاقے نارائن کی طرف بڑھے۔ نارائن کے قریب دریائے چناب کے کنارے سلطان اور انند پال کے درمیان ایک ہولناک جنگ ہوئی۔

اس جنگ میں بھی انند پال کو بدترین شکست ہوئی۔

اس کے لشکر کا ایک حصہ تو سلطان کے ہاتھوں کٹ مرا اور دوسرا اپنی جانیں بچا کر بھاگتے ہوئے دریائے چناب میں ڈوب گیا جو اس وقت طغیانی پر تھا۔

خود راجہ انند پال بھی سلطان کے ہاتھوں روز روز کی اس شکست و بے عزتی سے تنگ آ چکا تھا لہٰذا وہ اپنے آپ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے سلطان سے اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگی، آئندہ ہر سال خراج دینے کا وعدہ کیا اور بھاری تاوان بھی سلطان کو ادا کیا۔

اس لڑائی کے بعد انند پال نے وعدہ کے مطابق غزنی میں سلطان کے پاس سالانہ خراج بھیجنا شروع کر دیا۔ اس خراج میں ۵۰ جنگی ہاتھی، سلطان کی فوج کے لیے دو ہزار سپاہی اور کئی اقسام ہندوستان کا قیمتی سامان بھی تھا۔

سلطان نے راجا انند پال کی طرف سے اس خراج کو وصول کیا اور آئندہ انند پال پر مزید حم کرنے کا وعدہ کیا۔



انند پال کو شکست دینے اور اس سے خراج وصول کرنے سے سلطان ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ ان کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ ملتان کا سابق حاکم ابو الفتح داؤد بجنند کے ایک خفیہ مقام پر پناہ لیے ہوئے ہے اور اپنی حفاظت کے لیے اس نے چاروں طرف اپنے آدمی پھیلا رکھے ہیں جو اسے مسلمانوں اور سلطان کی نقل و حرکت سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔

یہ خبر سن کر سلطان بے حد خوش ہوئے۔ اس لیے کہ انہیں امید پیدا ہوئی تھی کہ اب وہ ابو الفتح پر اپنی گرفت کر سکتے ہیں لہٰذا وہ انتہائی رازداری کے ساتھ گمنام راستوں سے اپنے لشکر کے ساتھ بجنند کے اس مقام کی طرف بڑھے جہاں ابو الفتح نے پناہ لے رکھی تھی۔

سلطان محمود اس قدر اچانک اور رازداری کے ساتھ بجنند میں اس کی پناہ گاہ پر وارد ہوئے کہ ابو الفتح داؤد اور اس کے ساتھیوں کو ان کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔

سلطان نے اس کے محافظ دستوں کا خاتمہ کر دیا اور داؤد کو زندہ گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

ابو الفتح داؤد کو گرفتار کرنے کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ غزنی کا عزم کیا۔ جب وہ دریائے چناب کے کنارے آئے تو اچانک ایک سمت سے کملا دیوی نمودار ہوئی اور بھاگ کر اس نے سلطان کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔

سلطان نے بھی شاید اسے پہچان لیا تھا۔ وہ اس سے کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ کملا دیوی جلدی سے بول پڑی:

"مہاراج۔ تین سال پہلے بھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ آپ نے میری عزت افزائی کی اور مجھے اپنے خیمے میں بیٹھنے کو جگہ دی تھی۔ میں نے آپ سے التماس کی تھی کہ میری بیٹی پاروتی کو ہندو دھرم کے پنڈتوں، پروہتوں اور پجاریوں نے مالا بار سے تھانیسر کے مندر میں منتقل کر دیا ہے اور وہ وہاں مقدس دیوداسی کی حیثیت سے رکھی گئی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ مندروں میں دیوداسیوں کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ دیوداسیوں کی مندروں میں

اس کے علاوہ کوئی دقعت نہیں ہوتی کہ وہ دیوتاؤں کے سامنے رقص کرنے کے ساتھ ساتھ پجاریوں، پنڈتوں، پروہتوں اور ان کے واقف کار امرا کی خوشنودی کا سامان بنیں۔

مہاراج! جس وقت میں پہلی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اس وقت میری بیٹی کی عمر گیارہ سال ہوگی لیکن اب تین سال بعد وہ بچپن کی حدود سے نکل کر جوانی کے جنگل میں داخل ہو چکی ہوگی اور میں اس سے ملنے کو بے تاب ہوں۔

میری آپ سے گزارش ہے کہ میری بیٹی کو تھانیسر کے مندر کے جہنم سے نکالنے میں میری مدد اور سہائتا کیجیے"۔

یہاں تک کہہ کر جب کملا دیوی خاموش ہوئی تو سلطان نے گہری نگاہوں سے اپنے پہلو میں گھوڑے پر سوار ارسلان کی طرف دیکھا ــــ اور بولے:

"ارسلان۔ میرے بیٹے! تم کملا دیوی کی مدد کا بندوبست کرو"۔

اس کے جواب میں ارسلان نے فوراً کہا:

"سلطانِ محترم! آپ لشکر کے ساتھ غزنی کی طرف کوچ کر جائیے۔ میں اپنے چچازاد بھائی کو اپنے ساتھ لے کر تھانیسر کی طرف جاتا ہوں۔ وہاں میں دو کام کروں گا:

اوّل یہ کہ اس خاتون کملا دیوی کی بیٹی پاروتی کو وہاں سے رہا کروانے کے بعد اس کے حوالے کروں گا۔

دوئم یہ کہ میں تھانیسر کے محلِ وقوع اور اس کے استحکام کا جائزہ لوں گا تاکہ اگلی بار ہم تھانیسر پر حملہ آور ہو کر نہ صرف یہ کہ وہاں کے مندروں کو پیوندِ خاک بنا دیں بلکہ ان معصوم اور بے بس لڑکیوں کی رہائی کا بھی سامان کریں جو مندروں میں دیو داسیوں کی صورت میں رکھی گئی ہیں اور جن سے بتوں کے سامنے رقص کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں سامانِ عیش بنا کر انہیں کھلونے کی طرح سے بھی استعمال کیا جا رہا ہے"۔

ارسلان کا جواب سن کر سلطان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ ارسلان کو مخاطب کر کے بولے:

"ارسلان! میرے فرزند! میں تمہاری اس تجویز سے مکمل اتفاق کرتا ہوں لیکن تھانیسر سے پاروتی

رہا کراتے وقت تم احتیاط سے کام لینا۔ تم جانتے ہو کہ تمہارا میرے ہاں کیا مقام اور وقعت ہے۔ تمہارا درجہ میرے ہاں میرے سگے بیٹوں کی طرح ہے۔ جب تک تم اپنی مہم سے کامیاب ہو کر نہیں لوٹتے میں بڑی فکرمندی سے تمہارا انتظار کروں گا"۔

جواب میں ارسلان نے مسکرا کر کہا:

"سلطانِ محترم! آپ میری طرف سے بالکل بے فکر ہو کر غزنی کی طرف کوچ کریں۔ میں کملا دیوی کے ساتھ پہلے سوہدرہ کی طرف جاتا ہوں۔ وہاں میں اس کی رہائش گاہ دیکھ لوں گا۔ پھر میں سوہدرہ سے تھانیسر کی طرف روانہ ہوں گا اور وہاں سے پاروتی کو نکال کر اس کے حوالے کروں گا۔ میرا خیال ہے اب مجھے اجازت دیجیے"۔

سلطان نے ارسلان کے جواب کو پسند کیا لہٰذا انہوں نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔ ارسلان نے احمد کو بھی اپنے پاس روک لیا۔ جب تک سلطان کا لشکر دریائے چناب کو عبور کرنے کے بعد دوسرے کنارے پر نہ پہنچ گیا اس وقت تک ارسلان، احمد اور کملا دیوی دوسرے کنارے پر کھڑے ہو کر سلطان کو غور سے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

جب سلطان کا سارا لشکر دریا پار کر کے آگے کی طرف بڑھ گیا تو ارسلان نے اپنے قریب کھڑی ہوئی کملا دیوی سے کہا:

"خاتون۔ تم اپنی سواری پر بیٹھو تاکہ ہم یہاں سے کوچ کریں۔ میرا ارادہ ہے کہ پہلے تم ہمیں اپنے ساتھ سوہدرہ لے چلو تاکہ ہم تمہاری حویلی دیکھ سکیں اور تھانیسر سے تمہاری بیٹی کو نکال کر آسانی سے سوہدرہ میں تمہارے ہاں پہنچا دیں"۔

ارسلان کی بات پر کملا دیوی کے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی۔ پھر اس نے انتہائی شفقت اور مہربانی سے ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

"سنو بیٹے! تم جس ماں کے بھی فرزند ہو، وہ بڑی خوش قسمت اور خوش بخت ہے جو اس نے تم جیسا بہادر اور دلیر بیٹا جنم دیا کہ تم جو میری بیٹی کو تھانیسر کے جہنم سے نکالنے پر آمادہ ہو گئے ہو۔ اب دونوں بھائی میرے ساتھ سوہدرہ چلو۔ وہاں چند دن قیام کرنے کے بعد تم دونوں تھانیسر روانہ ہو جانا"۔

ارسلان نے کملا دیوی کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اتنی دیر میں کملا دیوی بھی قریب ہو کھڑے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ پھر وہ تینوں دریائے چناب کے کنارے کنارے شما کی سمت اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑانے لگے۔



کملا دیوی کے ساتھ ارسلان اور احمد لگاتار دریائے چناب کے کنارے کنار سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک روز شام کے قریب وہ سوہدرہ شہر میں داخل ہوئے کملا دیوی کی رہنمائی میں وہ ایک بہت بڑی حویلی میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا حویلی اندر دائیں ہاتھ ایک بہت بڑا اصطبل تھا جبکہ بائیں طرف ایک باغیچہ تھا جس میں دو آدمی کا میں معروف تھے۔

کملا دیوی، ارسلان اور احمد کو دیکھتے ہی وہ دونوں افراد بھاگتے ہوئے آئے اور تینوں گھوڑوں کی باگیں پکڑ کر اصطبل میں لے گئے۔ اتنی دیر میں گھر کی کچھ ملازمائیں بھی وہاں آ کر جم گئی تھیں۔

کملا دیوی نے فوراً ان ملازماؤں کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ وہ شخص جو گھوڑوں کو پکڑ اصطبل میں لے گئے تھے ان کو آواز دیتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کملا دیوی نے کہا:

"تینوں گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ جو چمڑے کی خرجینیں لٹک رہی ہیں انہیں اتار میرے کمرے میں پہنچا دو"۔

پھر اس نے ارسلان اور احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"میرے بچو! تم دونوں بھائی میرے ساتھ آؤ"۔

ارسلان اور احمد اس کے ساتھ ہو لیے۔

کملا دیوی ان دونوں کو حویلی کے وسطی حصے میں ایک انتہائی خوبصورتی سے سجے ہوئے میں لائی اور ان سے کہا:

"یہ کمرہ تم دونوں کی رہائش گاہ ہے اور اس میں تم دونوں کو زندگی کی ہر ضرورت مہیا ہ

اب تم دونوں آرام کرو۔ میں اپنے ملازم کے ہاتھ تمہاری خرجینیں بھجواتی ہوں۔ اس کے بعد مل کر کھانا کھائیں گے"۔

ارسلان اور احمد چپ چاپ کمرے میں داخل ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد کملا دیوی کے ملازم ان کے گھوڑوں سے کھول کر ان کی چرمی خرجینیں وہاں پہنچا گئے۔

ارسلان اور احمد نے نہا دھو کر لباس تبدیل کیا۔ ملازم ان کے کپڑے دھونے کے لیے لے گئے۔ اتنی دیر میں کھانا تیار ہو گیا اور سب مل کر کھانا کھانے لگے۔

ارسلان اور احمد نے دو روز سوہدرہ میں کملا دیوی کے ہاں قیام کیا۔ پھر تیسرے روز وہ صبح ہی صبح تھانیسر کی طرف روانہ ہو گئے۔



ارسلان اور احمد دونوں بھائی سوہدرہ سے لاہور آئے۔ وہاں سے بڑی تیزی کے ساتھ حرکت کرتے ہوئے وہ دریائے ستلج کو عبور کر کے لدھیانہ پہنچے۔ لدھیانہ میں انہوں نے دو روز قیام کیا اس کے بعد اس شاہراہ پر روانہ ہو گئے جو لدھیانہ سے دریائے سرسوتی کے کنارے تھانیسر کی طرف جاتی تھی۔

سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے وہ تھانیسر شہر میں داخل ہوئے اس نے اس مندر کے متعلق مقامی لوگوں سے استفسار کیا جس میں پاروتی کو مقدس دیوداسی کے طور پر رکھا گیا تھا۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی وہ اس مندر میں جا داخل ہوئے۔

اپنے گھوڑوں کو مندر میں اس جگہ، جو گھوڑے باندھنے کے لیے بنی تھی، باندھنے کے بعد وہ آگے بڑھے تو ایک جگہ انہیں ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی مندر کے برآمدے میں ان کی مخالف سمت میں جاتی دکھائی دی۔

ارسلان نے اسے آواز دے کر روکا جس پر وہ لڑکی اپنی جگہ پر ہی رک گئی۔ ارسلان اور احمد اس کے پاس پہنچے پھر ارسلان نے اسے مخاطب کر کے کہنا شروع کیا:

"ہم دونوں ابھی ابھی مالابار سے آئے ہیں۔ ہم پاروتی نام کی دیوداسی سے ملنا چاہتے ہیں جو کچھ عرصہ قبل مالابار سے یہاں مندر میں لائی گئی ہے۔"

ارسلان کی بات کے جواب میں اس دیوداسی نے سر سے پاؤں تک ان دونوں کا جائزہ لیا پھر ان سے کہنے لگی:

"تم پاروتی کا نام لینے کے بجائے اگر اسے صرف مقدس دیوداسی کہہ کر پکارتے تب بھی لوگ اس کی تمہارے لیے شناخت کر سکتے تھے۔ تم دونوں ایسا کرو میرے ساتھ آؤ۔ میں جاتے جاتے تمہیں اس مقدس دیوداسی کا کمرہ دکھاتی ہوں۔"

ارسلان اور احمد دونوں چپ چاپ اس دیوداسی کے ساتھ ہو لیے۔

مندر کی مختلف اور پُرپیچ راہداریوں میں سے گزرتے ہوئے وہ دیوداسی ایک کمرے کے دروازے پہ رکی۔ پھر ارسلان اور احمد کی طرف دیکھ کر بولی:

"اسی کمرہ میں وہ مقدس دیوداسی رہتی ہے جسے تم ملنا چاہتے ہو۔ اب تم دروازے پر دستک دو۔ وہ یہاں اکیلی ہی رہتی ہے اور میرا خیال ہے وہ اس وقت کمرے ہی میں ہوگی۔"

اس کے ساتھ ہی وہ لڑکی آگے بڑھ گئی۔

جب وہ لڑکی ذرا فاصلے پہ جا کر ایک موڑ مڑتے ہوئے ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تب ارسلان نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک نوخیز لڑکی نے دروازہ کھولا۔ ارسلان اور احمد نے جائزہ لیا۔ وہ لڑکی اپنی عمر کے اس حصے میں تھی جہاں عہدِ طفلی، جوانی کی آمد آمد سے بغل گیر ہو کر مسکراتے ہوئے رخصت ہوتا ہے۔

انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ اس لڑکی کا بدن اور اس کا حسن شفاف موتی کی طرح گلِ نوبہار بن کر مہک رہا تھا۔ اس کے کپکپاتے، لجاتے ہونٹوں کے سرے برگِ حنا کی طرح مصحفِ دل پر رنگوں کی بارش اور چمک پیدا کر رہے تھے۔

اس کے سرخ گلاب رخساروں کے خدوخال خواب ناشگفتہ اور عہدِ مہرباں کی طرح سلگتے ہوئے اپنے وجود کا پتہ دے رہے تھے۔ اس لڑکی کی سحرکار آنکھیں گو صحرا کی طرح خاموش تھیں اس کے باوجود اس لڑکی کی عطر نفسی ارسلان اور احمد پر شعلہ بن کر برس رہی تھیں۔

تھوڑی دیر تک اس لڑکی کو بغور دیکھنے اور جائزہ لینے کے بعد ارسلان نے اسے مخاطب کیا اور بڑی رازداری سے بولا:

"اگر میں غلطی پر نہیں تو تم پاروتی ہو۔"

اس پر لڑکی فوراً بول اٹھی:

"تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں ہی پاروتی ہوں۔"

ارسلان پھر رازداری سے بولا:

"سنو پاروتی۔ میرا نام ارسلان ہے اور میرے اس ساتھی کا نام احمد ہے۔ یہ میرا چچازاد بھائی ہے۔ ہم دونوں مسلمان ہیں۔ تمہاری ماں کملا دیوی نے ہمیں تھانیسر کے اس مندر کی طرف روانہ کیا ہے تاکہ ہم تمہیں یہاں سے نکال کر اس کے پاس پہنچا دیں۔"

ارسلان کی یہ گفتگو سن کر پاروتی کے چہرے پر فکر مندی کے آثار نمودار ہوئے۔ پھر اس نے پورا دروازہ کھول دیا اور ایک طرف ہٹتے ہوئے کہنے لگی:

"اس قسم کی گفتگو باہر راہداری میں کھڑے ہو کر کرنا انتہائی خطرناک ہے۔ آپ دونوں اندر آجائیں۔"

ارسلان اور احمد دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ پاروتی پھر حرکت میں آئی۔ دروازے کو بند کر کے اس نے اندر سے زنجیر لگا دی اور کمرے میں ایک طرف خالی نشستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"آپ دونوں بیٹھیے۔"

جب ارسلان اور احمد بیٹھ گئے پاروتی خود بھی ان دونوں کے سامنے بیٹھ گئی۔ پھر اچانک اسے کوئی خیال آیا اور اس نے ارسلان سے کہا:

"آپ دونوں بیٹھیے۔ میں اپنے اس کمرے کے پشت کے دروازے کو بھی اندر سے بند کر آؤں۔ پھر تفصیل کے ساتھ آپ سے گفتگو کرتی ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی پاروتی اپنی جگہ سے اٹھی اور کمرے کے پچھلے دروازے کی طرف چلی گئی۔ ارسلان کے پاس سے اٹھ کر وہ اس انداز میں اپنے کمرے کے عقبی حصے کی طرف گئی جیسے جھیل کے آئینے میں بادوباراں کی رو، جیسے طلسمِ آب میں عکسِ لاجوردی یا نگارِ زندگی کے خوابِ سیمیں میں فرازِ کوہ سے گرتی ہوئی کوئی سیال ندی۔

پاروتی اپنے کمرے کا عقبی دروازہ بند کرنے کے بعد لوٹی تو اس کے ہاتھ میں گلاب کا پھول تھا

پہلے وہ ننگے سر تھی۔ اب اس نے ہلکے ہلکے رنگ کی ایک اوڑھنی اپنے سر پہ ڈال رکھی تھی جس کے باعث وہ ایسے لگ رہی تھی جیسے ہرے شاخوں نے سبز پتوں کے پیراہن اور سنہری پھول کے زیور پہن لیے ہوں۔

اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا ٹہنی سمیت گلاب کا پھول اس نے ارسلان کے سامنے رکھ دیا پھر وہ ایک عجیب انداز اور انوکھے لہجے میں ارسلان کو مخاطب کر کے بولی:

"اب کہیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

ارسلان نے اندازہ لگایا کہ اس کی آواز، اس کا لہجہ اور اس کا لحن کچھ ایسا تھا جیسے کسی نے دکھتے دل پر پھول کے مانند حرفِ تسلی رکھ دیے ہوں۔ ارسلان کے سامنے بیٹھے بیٹھے اس کا چہرہ شرم کے باعث کچھ اس طرح ہو رہا تھا جیسے گلابی رنگ ملے دودھ میں رنگوں کی پچکاری کر دی ہو۔ وہ ارسلان کے سامنے بیٹھی زندگی کا نیا حوالہ، مہک اٹھنے والی ہوا اور بزمِ رنگ و نور دکھائی دے رہی تھی۔

اس لمحے اس کی آنکھوں میں آبِ جو اور موج رنگ کے کچھ ایسے انداز تھے جیسے خوشبو کی کوئی رو، جیسے قرمزی روشنی شہابی چراغوں کی لو کسی کے دل اور دماغ اور ضمیر سب ہی کو روشن کر گئی ہو۔

ارسلان پھر بولا:

"سنو پاروتی! میں معذرت خواہ ہوں کہ ایک اجنبی ہونے کے باوجود ایک بار تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کر چکا ہوں۔ اگر تم برا نہ مانو تو میں اپنی گفتگو میں کیا تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کر سکتا ہوں؟"

ارسلان کے اس معذرت خیز انداز اور اس عاجزانہ لہجے نے حسین پاروتی کی حالت بے حد پُرکشش بنا دی تھی۔ اس کے لبوں پہ رنگوں کے منتروں میں ڈوبی روپہلی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس کی خوابیدہ آنکھوں میں گرمیِ خواب اور رات کی رانی کا جادو رقص کناں ہو گیا تھا۔ اس لمحے اس کا چہرہ پورے چاند کی شب اور پہلی محبت کی طرح شفاف دکھائی دے رہا تھا اور اس کے لبوں کی دلکش مسکراہٹ نے اس کے چہرے کی تازگی اور دلکشی میں اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔ دل میں پھول کھلا دینے اور روح میں چراغاں کر دینے والے انداز میں پاروتی نے ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

"آپ کو میرے سامنے یوں معذرت طلب اور عاجزانہ انداز اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ میں بھی ہوں کہ آپ میرے اور میری ماں کے محسن ہیں جو میری ماں کے کہنے پر مجھے یہاں سے نکالنے کے لیے آئے ہیں۔ آپ کہیے کہ میری ماں آپ کو کہاں اور کس طرح ملی۔"

اس پر ارسلان نے کہا:

"میں سلطان کے لشکر کا ایک سالار ہوں۔ میں سلطان کے خیمہ میں موجود تھا کہ تمہاری ماں کملا دیوی سلطان کے پاس یہ فریاد لے کر آئی تھی کہ وہ ہندوستان کے سب راجاؤں کے پاس گئی مگر کوئی بھی اس کی بیٹی کو تھانیسر کے مندر میں سے نکالنے میں مدد نہیں دیتا۔"

تمہاری ماں نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ کس طرح وہ پہلے لاہور کے راجہ بھارت کی پتنی تھی۔ پھر جب راجہ جے پال نے اس کا خاتمہ کر کے اس کی راجدھانی چھین لی تو کس طرح وہ پہلے تمہارے ساتھ کالنجر گئی۔ وہاں تمہارے چھن جانے کے بعد تمہیں وہ مالا بار میں ملتی رہی۔ بعد میں تمہیں تھانیسر منتقل کر دیا گیا تو پھر وہ سلطان کے پاس یہ گزارش لے کر گئی کہ تمہیں تھانیسر سے نکال کر اس کے پاس پہنچایا جائے۔"

○

"سنو پاروتی: تمہاری ماں نے دریائے چناب کے کنارے سوہدرہ شہر میں ایک بہت بڑی حویلی خرید رکھی ہے۔ ہم دونوں تمہیں تھانیسر شہر کے اس مندر سے نکال کر سوہدرہ میں اسی حویلی کی طرف لے جائیں گے۔"

ارسلان کے اس انکشاف پر پاروتی کی حالت صبح گلِ انار جیسی ہو گئی۔ اس احساس کے ساتھ کہ اس کی ماں زندہ ہے اور اس کی منتظر ہے وہ اپنی خوبصورتی، اپنی دلکشی میں غزال چشماں میں منفرد اور گل عذاراں میں بے مثل دکھائی دینے لگی تھی۔ اس کا سارا وجود پھول کی طرح کھل اٹھا تھا۔ آنکھیں خوشی اور اطمینان سے سلگنے لگی تھیں۔

اس کے لبوں کی نرمی موسم کی پہلی بارش اور وقت کے خزانوں جیسی ہو گئی تھی اور اس کی زندگی معطر ہو کر شام کی مدھم خوشبو اور صبح کی نیلی ٹھنڈک جیسا سماں باندھ کر رکھ گئی تھی۔

تھوڑی دیر تک حسین پاروتی بڑے غور اور توجہ سے ارسلان کی طرف دیکھتی رہی۔ اس دوران زم خوش رنگ خیالات اس کے چہرے پر رقص کرتے رہے۔ پھر وہ اپنے لب لعلیں کو حرکت میں لائی اور جس طرح دھوپ اور چاندنی دن اور رات کی علامت بنتے ہیں ایسے ہی وہ بھی قرب کی علامت کا پہلا احساس دیتی ہوئی ارسلان سے کہنے لگی:

"اگر آپ مجھے اس مندر سے نکال کر میری ماں کے پاس پہنچا دیں تو یہ آپ کی مجھ پر ایسی مہربانی، ایسا احسان ہو گا جس کا بدلہ اور صلہ میں کبھی بھی ادا نہ کر سکوں گی۔"

پاروتی کی بات کے جواب میں ارسلان بولا:

"سنو پاروتی: تمہیں میرا احسان مند ہونے اور اس کا صلہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کام کو تو میں اپنا فرض سمجھ کر ادا کر رہا ہوں اور اس کام پر مجھے میرے سلطان نے مقرر کیا ہے۔"

ارسلان خاموش ہوا تو اس نے دیکھا کہ اچانک حسین پاروتی کے چہرے اور آنکھوں کے تاثرات اور مجموعی کیفیت تبدیل ہو کر رہ گئی تھی۔

ارسلان نے دیکھا کہ جہاں تھوڑی دیر قبل اس کے چہرے پر نئی لگن، انوکھی دھن پر گیت گاتے گنگناتے تاثرات، خوابوں کا طلسم، گل خستہ کی کیفیت طاری اور جاری تھی وہاں اب اس کی حالت بجھی رتوں کے پیکر، روح فرسا جدائی، تشنہ لب کرب کی چپ، مایوسیوں کے مرکز اور ناامیدیوں کے محور کی سی ہو گئی تھی۔

پھر حسین و جمیل پاروتی نے کسی حد تک اپنے آپ کو سنبھالا اور ارسلان سے مخاطب ہو کر وہ کہنے لگی:

"آپ کی آمد سے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے اور اس تصور سے کہ کوئی مجھے یہاں سے لے کر میری ماں کے پاس پہنچانے والا ہے، میری خوشی اور دلجمعی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا لیکن اب مجھے خیال آتا ہے کہ میرا یہاں سے نکلنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

جو حالات میری ماں نے آپ سے کہے ہیں ان کے مطابق آپ کو یاد ہو گا کہ اس مندر کے لوگ مجھے مقدس دیوداسی خیال کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مندر میں مجھ سے پہلے ایک بالکل مجھ سے ملتی جلتی دیوداسی تھی جو عین اپنی جوانی کے عالم میں ایک حادثے میں مر گئی تھی۔ اب یہ لوگ مجھے دیکھ کر یہ خیال

کرتے ہیں کہ میرے روپ میں اس دیوداسی نے دوسرا جنم لیا ہے جبکہ میں جنم در جنم کے اس جا کو ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔

چونکہ یہ لوگ مجھے میرے اس دوسرے جنم کی بنا پر مقدس دیوداسی خیال کرتے ہیں اس میری حفاظت اور نگرانی کے لیے ہر وقت چند پہرے دار مجھ پہ نگاہ رکھتے ہیں تاکہ مجھے کوئی گز نہ پہنچے۔ ان کی نگاہوں میں میری حیثیت تھانیسر کے مندر کے پروہتوں، پجاریوں اور پنڈتوں سے کم نہیں ہے۔

میں آپ کو یہ بھی بتاتی چلوں کہ ان مندروں میں دیوداسیوں کی کوئی وقعت کوئی مقام کوئی عزت اور احترام نہیں ہے۔ دیوداسیوں کا کام صرف یہ ہے کہ مندر میں رکھے دیوتاؤں کے مجسموں کے سامنے رقص کریں۔ اس کے علاوہ پنڈتوں، پروہتوں اور پجاریوں کا دل بہلانے کے ساتھ ساتھ ان کے جاننے والے امیر کبیر لوگوں کے تعیش کا سامان بھی بنیں۔

میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے چونکہ مقدس دیوداسی خیال کیا جاتا ہے لہٰذا اس مندر میں میری جسمانی حفاظت کے ساتھ ساتھ میری عزت و ناموس کے علاوہ میری بہترین دیکھ بھال بھی کی جاتی ہے چونکہ چند مسلح پہرے دار ہر وقت میری نقل و حرکت پر میری حفاظت کے لیے نگاہ رکھتے ہیں لہٰذا اس مندر سے بھاگ نکلنا میرے لیے بے حد مشکل ہے۔ میرے کمرے کے سامنے والے حصے اور عقبی حصے کی طرف بھی ہر وقت مسلح جوان مجھ پہ نگاہ رکھنے کے لیے موجود رہتے ہیں۔"

پاروتی کی اس گفتگو پہ ارسلان تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر دوبارہ پاروتی کو مخاطب کر کے اس نے پوچھا:

"سنو پاروتی! کیا تم اپنی مرضی، اپنی خوشی سے اس مندر میں زندگی کے دن گزار رہی ہو؟"

ارسلان کے اس سوال پر اچانک پاروتی کے چہرے پر ناپسندیدہ سا ردِعمل نمودار ہوا۔ تاہم وہ اپنے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی:

"آپ کا اندازہ درست نہیں ہے۔ میں اس مندر میں اپنی خوشی اور اپنی خواہش کے مطابق نہیں رہ رہی بلکہ میں نے تو اس مندر کے کالے ماحول، پیلے چہروں، نیلی دھوپ اور بے ہنگم آوازوں کے درمیان جو دن گزارے ہیں انہیں میں اپنی زندگی کے بدترین دن خیال کرتی ہوں۔ اس مندر کے

ماحول میں، میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو پرانے خوابوں کی تعبیر کی جگہ تنہا اور بے آب ماہی کی طرح محسوس کیا ہے۔ بدبختیاں ہمیشہ سربکف نقدِ جاں کی طرح اس مندر میں میرے جسم و جاں کو چاٹتی رہی ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد پاروتی خاموش ہو گئی۔

ارسلان نے اندازہ لگایا کہ پاروتی کے دھواں دھواں معصوم چہرے پہ کچھ ایسے تاثرات بکھر گئے تھے جیسے وہ اپنے ہی جسم کی جلتی لو میں اپنی زندگی کے ختم ہونے کی منتظر ہو یا یہ کہ وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کے موت کی آہٹ میں تبدیل ہو جانے کے خدشے میں مبتلا ہو کر رہ گئی ہو۔

تھوڑی دیر تک پاروتی کی اس بدلتی ہوئی کیفیت کا بغور جائزہ لینے کے بعد ارسلان بولا:

"سنو پاروتی! اگر تمہارے اس کمرے کے دونوں جانب مسلح پہرے دار ہر وقت تم پہ نگاہ رکھنے کے لیے کھڑے رہتے ہیں تو پھر میرے خیال میں میں اور احمد تھوڑی دیر تک یہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

ہمارے جانے کے بعد، تم ایسا کرنا کہ مندر کے اس حصے کی طرف چلی جانا جہاں بت کھڑے ہیں اور جن کے سامنے دیوداسیاں رقص کرتی ہیں۔ پھر اس سمت سے تم رات کے کسی پہر کسی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر کوئی مشعل یا شمع جلانا جو ہمارے لیے ایک اشارہ ہو گا جس کو پا کر ہم مندر کے قریب آئیں گے اور تمہیں اسی کھڑکی سے نکال کر لے جائیں گے۔"

ارسلان کی اس تجویز پر پاروتی کے چہرے پر تھوڑی دیر کے لیے رونق آ گئی۔ پھر وہ دوبارہ اپنی سابقہ کیفیت میں آ کر ارسلان سے بولی:

"آپ کی یہ تجویز ہے تو بہت عمدہ، قابلِ عمل اور اچھی ـــ لیکن اس میں ایک قباحت ہے کہ مندر کے جن کمروں میں بت رکھے گئے ہیں وہ مندر کی اوپر والی منزل میں ہیں۔ سورج غروب ہونے کے بعد ان بتوں کے کمروں میں جا تو سکتی ہوں، چونکہ ان اوقات میں دوسری دیوداسیاں بھی وہاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ مندر کے ان بتوں والے کمروں میں ان گنت مشعلیں بھی روشن رہتی ہیں اور میں مشعل کا اشارہ بھی دے سکتی ہوں لیکن اوپر کی منزل سے نیچے اتر کر آپ کے پاس کیسے آ سکوں گی یہ بہت مشکل ہے۔"

پاروتی جب خاموش ہوئی تو ارسلان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ فوراً پاروتی کو مخاطب

کر کے کہنے لگا :

"سنو پاروتی ۔ تمہاری اس گفتگو نے میرا سارا ہی کام آسان کر دیا ہے ۔ میں اور احمد ابھی یہاں سے رخصت ہو جائیں گے اور ہم اس مندر کے پچھواڑے کی طرف چلے جائیں گے ۔ ہمارے جانے کے تھوڑی دیر بعد تم مندر کی اوپر کی منزل کی طرف چلے جانا جہاں بت پڑے رہتے ہیں ۔ پھر کسی کھڑکی سے ہمیں اشارہ دینا ۔ وہ اشارہ پا کر ہم قریب آ جائیں گے ۔

اسی وقت میں مندر کی دوسری منزل پر کمند ڈالوں گا ۔ بس تم اس کمند کے ذریعے نیچے آ جانا ۔ اس کے بعد میں تمہیں لے بھاگنے میں کامیاب ہو جاؤں گا ۔"

پاروتی نے پھر خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا :

"میں اس کمند سے کیسے نیچے اتروں گی ۔ یہ تو بڑا ٹیڑھا مسئلہ اور دشواری ہے ۔"

ارسلان پھر بولا اور کہنے لگا :

"اچھا تم فکر مت کرنا ۔ کمند پھینکنے کے بعد میں خود اس کمند کے ذریعے اوپر چڑھ آؤں گا اور تمہیں سہارا دے کر نیچے لے آؤں گا ۔ اس کے بعد ہم یہاں سے دریائے چناب کے کنارے واقع سوہدرہ شہر کی طرف بھاگ کھڑے ہوں گے ۔"

ارسلان کی اس گفتگو پر حسین پاروتی کا چہرہ خوشی اور اطمینان سے چمک اٹھا اور اس کی آنکھوں میں ان گنت امیدیں اور خواہشیں رقص کرنے لگیں ۔ پھر اس نے اپنی خوشی کو ضبط کرتے ہوئے ارسلان سے مخاطب ہو کر کہا :

"آپ کی تجویز یقیناً آسان اور قابل عمل ہے ۔ آپ کے جانے کے بعد میں تھوڑی دیر تک اپنے کمرے میں انتظار کروں گی اور جب اندھیرا خوب گہرا ہو جائے گا تو پھر میں مندر کی اوپر کی منزل کی طرف جاؤں گی ۔ وہاں سے مندر کی جنوبی کھڑکی کی طرف آتے ہوئے میں آپ کو ایک مشعل کا اشارہ کروں گی اس کے بعد آپ اپنے کام کی ابتدا کر دیں ۔"

پاروتی کی اس گفتگو کے بعد ارسلان فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا ۔ اس کی تقلید میں احمد بھی کھڑا ہو گیا ۔ پھر ارسلان نے پاروتی سے کہا :

"پاروتی ! میں اور احمد اب جاتے ہیں ۔ ہم مندر کے جنوبی حصے میں رک کر تمہارا انتظار کریں گے

پاروتی بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور بولی :

"یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ میرے محسن اور مربی ہوتے ہوئے میرے ہاں سے کچھ کھائے پیئے بغیر چلے جائیں ۔ آپ تھوڑی دیر بیٹھیے ۔ میں آپ دونوں کے کھانے کا انتظام کرتی ہوں ۔ اس کے بعد آپ دونوں یہاں سے رخصت ہو جائیے گا ۔"

اس پہ ارسلان کہنے لگا :

"اس کی ضرورت نہیں ہے ۔ ہم دونوں بھائی راستے میں پیٹ بھر کر کھانا کھا چکے ہیں ۔ اب تم اپنا کام کرو ۔ ہم جاتے ہیں ۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان اور احمد اس کمرے سے نکل کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے ۔ انہیں ایڑ لگا کر انہوں نے مندر سے باہر نکالتے ہوئے بھگا دیا جبکہ ارسلان کا بچھیرا ابھی گھوڑے کے پیچھے پیچھے ہنہناتا ہوا اور کنوتیاں بدلتا ہوا بھاگ رہا تھا ۔

ارسلان اور احمد کے جانے کے بعد پاروتی اپنے اس کمرے میں انتظار کرتی رہی یہاں تک کہ مندر میں کام کرنے والی ایک دیوداسی اس کا کھانا لے کر آئی۔ بڑے اطمینان سے اپنے کمرے میں بیٹھ کر اس نے کھانا کھایا جبکہ وہ دیوداسی کھانے کے خالی برتن لے کر چلی گئی تب پاروتی پھر اپنے کمرے میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔

جب روشنی کی ٹوٹتی سانسیں حبس کے طلوں کا صید ہو کر ہواؤں کے بوجھل سلسلے اور تاریکی کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گئیں تب پاروتی کمرے سے نکلی۔

اس نے دیکھا کہ نیلا افق اس وقت گہرا سرخ ہو کر ماند پڑتا جا رہا تھا۔ پاروتی مندر کی عمارت کی طرف بڑھی۔ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد مندر کی دوسری منزل پر وہ بُتوں والے کمرے میں داخل ہوئی۔ تھوڑی دیر تک اس کمرے میں گھوم پھر کر اس نے ہر چیز کا جائزہ لیا۔ پھر وہ کمرے کے جنوبی حصے میں اس کھڑکی کے پاس آئی جہاں اس مندر میں وشنو کا تانبے کا بت رکھا تھا۔

اس بت کے ہاتھ میں جنگی ہتھیار تھے۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق وشنو کا یہ بت کائنات کے وجود میں آنے کے وقت سے قائم تھا۔

تھوڑی دیر تک مندر کی جنوبی کھڑکی کے پاس کھڑی ہو کر پاروتی وشنو کے بت کو بڑے غور سے دیکھتی رہی۔ پھر بت کے دائیں بازو سے ایک جلتی ہوئی مشعل اس نے اتار لی۔ پھر دائیں بائیں اس نے دیکھتے ہوئے اور مندر کے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے مشعل کھڑکی کے سامنے لا کر ایک دو بار لہرا دی۔ پاروتی کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت مندر کے اس کمرے میں کوئی اور نہ تھا لہٰذا وہ کمال خوبی

کے ساتھ اپنا کام انجام دینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

مشعل کو جنوبی کھڑکی کے سامنے لہرانے کے بعد پاروتی نے وہ مشعل دوبارہ اپنی اصل جگہ پر جما دی۔

یہ کام سرانجام دینے کے بعد پاروتی جنوبی کھڑکی کے دائیں بائیں بے چینی سے چہل قدمی کرنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے کھڑکی کے پاس ایک سرگوشی سنائی دی۔ کوئی کہہ رہا تھا:

"پاروتی! جلدی کرو۔ اس وقت مندر کے اس کمرے میں کوئی نہیں لہٰذا یہاں سے بھاگ جانے کا یہ عمدہ اور بہترین وقت ہے۔"

یہ سرگوشی سن کر پاروتی کے حسین اور دلکش چہرے پر خوشیاں بکھر گئیں۔ اس کے دلکش ہونٹ پھیل کر اس کے موتیوں جیسے چمکتے دانتوں کو تاریک رات میں عیاں کر گئے تھے۔ پاروتی اس آواز کو پہچان گئی تھی۔ وہ ارسلان کی آواز تھی۔

وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھی۔

پاروتی جب کھڑکی کے پاس گئی تو اس نے دیکھا کہ ارسلان نے مندر کی عمارت پر کمند ڈال رکھی تھی اور وہ مندر کی جنوبی کھڑکی سے اپنے سر کو نیچا کیے دیوار کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔

پاروتی کھڑکی کے پاس آئی۔

ارسلان رات کی تاریکی میں پھر بولا اور سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

"دیکھو پاروتی! ڈرنے اور خوف زدہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سمجھو کہ ہم اپنا کام تمام کر چکے ہیں۔ اب تم یوں کرو کہ تم اس کھڑکی سے نکل کر میرے کندھوں پر بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں آرام اور اطمینان سے نیچے لے جاؤں گا۔"

پاروتی نے یہ سن کر کمالِ جرأت مندی اور بے باکی کا مظاہرہ کیا اور اس رسے کو پکڑ لیا جو کھڑکی کے پہلو میں لٹک رہا تھا۔ پھر وہ اپنے نازک، حسین اور دلکش بدن کو سمیٹتی ہوئی رسے کو مضبوطی سے تھام کر ارسلان کے کندھوں پر بیٹھ گئی۔

پاروتی کو اس قدر قریب پا کر اور اپنے جسم پر سوار کرانے کے بعد ارسلان کو احساس ہوا کہ پاروتی کے گداز ہاتھوں کی خوش گوار حدت ایک عجب سماں باندھ رہی ہے اور اس کے لطیف سانسوں

کی دلنواز خوشبو اپنے اطراف کی ہر چیز کو مہکا رہی تھی۔

بہر حال — پاروتی کو اپنے کندھوں پر سوار کیے ہی کیے ارسلان کمند کے ذریعے نیچے اتر گیا۔ پھر اس نے پاروتی کا ہاتھ تھام کر سرگوشی میں کہا:

"پاروتی جلدی کرو۔ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ میرے ساتھ آؤ۔ نیچے ڈھلان پر احمد ہم دونوں کا منتظر ہوگا۔"

پاروتی کا ارسلان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ اس نے خود ارسلان کا ہاتھ مضبوطی سے تھام اور تیزی سے اس کے ساتھ بھاگنے لگی۔

دونوں بھاگتے ہوئے اس جگہ آئے جہاں احمد دونوں گھوڑوں کو لیے کھڑا تھا۔ ارسلان پاروتی کو دیکھتے ہی وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

ارسلان بھی ایک لمبی جست کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا پاروتی کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ اس کے بعد ان دونوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور انہیں سر مغرب کی طرف دوڑا دیا۔



تھوڑی دیر تک مغرب کی طرف جانے کے بعد ارسلان نے اپنا رخ بدلا۔ پھر وہ جنوب کی طرف کچھ دیر تک وہ دریائے سرسوتی کے کنارے کنارے اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے رہے۔ پھر مغرب کا موڑتے ہوئے وہ اس شاہراہ پر آ گئے جو بھٹنڈا اور فیروز پور سے ہوتی ہوئی دریائے ستلج کو پار کے لاہور اور دوسرے مغربی شہروں کی طرف چلی گئی تھی۔

بھٹنڈا کی طرف جانے والی شاہراہ پہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے دوڑاتے رات اختتام کو پہنچ گئی۔

جاگتے، انگڑائیاں لیتے ستارے رخصت ہونے لگے۔ مشرق سے سورج طلوع ہو رہا تھا۔ معانی کی شگفتیں اور روشنیاں عیاں ہونے لگی تھیں۔ ہر شے کا من مہک اٹھا تھا۔ سرسبز و شاداب پہاڑوں کے سبز رنگ، خوشبو کی طرح چاروں طرف پھیل گئے تھے۔ شبنمی قطروں کی ٹھنڈی

شوخ انگڑائی سے بیدار ہوتے ستاروں کی طرح ہر خانۂ دل کے چمن کو پُر کیف خوشبوؤں سے بھرنے لگی تھیں۔

ایسے میں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے جب ارسلان اور احمد، پاروتی کو اپنے ساتھ لیے تھوڑا سا اور آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ دس سوار ان کی راہ روکے کھڑے تھے۔ ان سواروں کو دیکھتے ہی پاروتی کی حالت کچھ ایسی ہو گئی جیسے اس کی زندگی کی مالا کے سارے پھول اور چاہتوں کی خوشیاں اور خوشبوئیں بکھر گئی ہوں۔

اس کی حالت خوابوں کی رنگین اُن تتلیوں کی طرح ہو کر رہ گئی تھی جنہیں گرم الاؤ کا شکار کر دیا گیا ہو۔

اس کے چہرے پر کچھ اس انداز میں پسینے کے قطرے نمودار ہوئے جیسے پنکھڑیوں پر رقص کرتے شبنم کے قطرے۔

مجموعی طور پر بے چاری پاروتی کچھ ایسے دکھائی دینے لگی تھی جیسے اس کی ساری رسوم اور سارے آداب، عفت و پندار اور زندگی کی ساری متانتوں کی ساری ساعتوں کے ثمر کو توڑ کر اس سے چھین کر اس کے دامن کو زرد پتوں اور وحشت بھرے خوابوں سے بھر دیا گیا ہو۔

پھر پاروتی نے اپنے دونوں ہاتھ ارسلان کے شانوں پر رکھے اور بکھری، بجھی اور مغموم آواز میں اسے مخاطب کر کے رازداری سے کہا:

"یہ جو آپ کو سامنے مسلح جوان دکھائی دے رہے ہیں یہ تھانیسر کے محافظوں میں سے ہیں۔ اب جبکہ یہ ہماری راہ روک کر کھڑے ہیں تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ ہم تینوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے بلکہ ہم تینوں کو کاٹ کر ہمارے جسموں کو قاش قاش میں بدل کر تھانیسر کے مندر کے بڑے پروہت کے سامنے پیش کر دیں گے۔

ہندو دھرم کے مطابق ایک مقدس دیوداسی کی حیثیت سے مندر کو چھوڑ کر میں جو آپ کے ساتھ بھاگی ہوں تو یہ ایک بہت بڑا پاپ اور گناہ ہے اور اس کی وہ مجھے کڑی سے کڑی سزا دیں گے۔ ہر حال حالات کچھ بھی ہوں میں آپ دونوں کا ساتھ دوں گی۔ اس لیے کہ میں اپنی زندگی اور مونکہ آپ جیسی ہستی کے ساتھ وابستہ کر چکی ہوں۔"

پاروتی جب خاموش ہوئی تو ارسلان نے بڑے ٹھہرے ہوئے اور نرم لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"سنو پاروتی! اگر یہ دس سوار جو ہماری راہ روک کر کھڑے ہیں، تھانیسر کے مندر کے محافظ ہیں تو تمہیں فکر مند اور پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں ان سے ڈرنے اور خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان سے اپنا، احمد اور تمہارا دفاع کروں گا اور تم دیکھو گی کہ ان سب کو میں خاک و خون میں لپیٹ کر اور تمہیں بحفاظت نکال کر سوہدرہ شہر میں تمہاری ماں کے پاس پہنچا کر رہوں گا۔"

ارسلان کے ان حوصلہ افزا الفاظ کے جواب میں پاروتی نے فکر گیر اور غم انگیز آواز میں کہا:

"ہم ان دس مسلح جوانوں کا کیسے مقابلہ کر سکیں گے۔ کاش! میرے پاس ڈھال اور تلوار ہوا میں کم از کم اپنے دفاع میں آپ کا ساتھ دے سکتی لیکن اب تو ان دس کے مقابلے میں آپ اور آپ کے بھائی احمد دونوں ہی کو مقابلہ کرنا ہو گا۔"

جواب میں ارسلان نے مسکراتے ہوئے کہا:

"سنو پاروتی! تم چپ اور مطمئن رہو اور دیکھتی رہو کہ میں تھانیسر کے محافظوں سے کیسے نمٹتا ہوں۔"
پاروتی کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کر کے ارسلان ان راہ روکنے والے دس سواروں کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا:

"سنو، ہماری راہ روکنے والو! تم کون ہو اور کیوں تم نے ہمارا راستہ روکنے کی جرأت اور جسارت کی ہے؟"

ان میں سے ایک جو شاید ان کا سرخیل تھا، ارسلان سے بولا:

"پہلے مجھے، تم اپنے پیچھے بیٹھی پاروتی سے بات کرنے دو پھر میں تمہارے دونوں سوالوں کا جواب دوں گا۔"

پھر وہ سرخیل، پاروتی کو مخاطب کر کے بولا:

"سنو پاروتی! تم یقیناً ہمیں پہچان چکی ہو گی۔ بتاؤ۔ ان دونوں کو چھوڑ کر کیا تم ہمارے ساتھ واپس تھانیسر مندر جانے کو تیار ہو؟"

اس سوال کے جواب میں پاروتی نے کمالِ جرأت سے حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قدرے بلند آواز میں کہا:

"میں کسی بھی صورت تمہارے ساتھ جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ سنو! میں جس جوان کے پیچھے بیٹھی ہوں یہ ایک سمندر ہے اور میں اس کی گہرائی میں مکمل طور پر اپنے آپ کو اس کے ساتھ وابستہ کر چکی ہوں لہٰذا اسے چھوڑ کر میں ہرگز تمہارے ساتھ نہ جاؤں گی۔"

پاروتی کا جواب سن کر ان راہ روکنے والے دس جوانوں کا سرکردہ اس مرتبہ ارسلان کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"سنو اجنبی! میں نہیں جانتا کہ تم دونوں کا تعلق کس سرزمین سے ہے۔ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ تم کون ہو۔ کہاں سے وارد ہوئے ہو اور پاروتی کو کس نیت سے لے جانا چاہتے ہو۔ پر پاروتی کا جواب سننے کے بعد اب میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ ہم سب تم تینوں پر نفرتوں کی آگ کی طرح وارد ہوں گے اور تم تینوں کے دماغوں میں آنچ بھر دیں گے۔ ہم کالے تمدن کی طرح تم پر نزول کریں گے اور تم تینوں کی حالت سنگین یادوں سے بھری ظلمتوں کی رات جیسی بنا دیں گے۔

بھٹنڈا کی طرف جانے والی اس سنسان شاہراہ پر تمہاری یادوں کی بیساکھیوں کو کاٹتے ہوئے تم تینوں کی حالت شب گزیدہ سویروں، فراق کے اندھیروں، یادوں کے بوسیدہ اوراق اور دربدری کے آزار جیسی بنا کر رکھ دیں گے۔

سنو اجنبیو! مجھے اور میرے ساتھیوں کو یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ تم دونوں کا تعلق کس سرزمین سے ہے اور تم کس ارادے اور کس مقصد کے تحت پاروتی کو تھانیسر کے مندر سے نکال کر لے جانا چاہتے ہو۔ ہاں! میں یہ بات ضرور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ جب ہم سب مل کر تم تینوں پر حملہ آور ہوں گے تو تمہاری کہانی تمہاری داستان تمہاری حالت بکھرے ذروں کی کہانی اور پلکوں کی منڈیر پر منجمد ہو جانے والے خوابوں کی گھٹاؤں سے مختلف نہ ہو گی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ نوجوان خاموش ہو گیا۔

تب ارسلان حرکت میں آیا اور اک عالمِ وجدان اور شدتِ طوفان کی روانی میں اس نے اسے مخاطب کر کے کہنا شروع کیا:

سنو اپنے خون کو ارزاں بنانے والو! اگر تم دس کے دس مل کر حملہ آور ہوتے ہو تو سنو تم خوابوں کی فضا جیسا بیدار، روشنی کے ارتعاش جیسا چاق و چوبند، زندہ اور مستعد پاؤ گے اپنے آپ کو دھوکے اور غلط فہمی میں ڈالنے والو! ہوش کے ناخن لو۔ اگر تم ہم پر حملہ آور ہو سن رکھو کہ ہم تمہارے دلوں پر جریدۂ روزگار کی طرح غیر ملفوظ سوال بنتے ہوئے تمہارے بند کتاب کو کھول کر رکھ دیں گے۔

اگر تم ہم پر حملہ آور ہوئے تو سن رکھو کہ، ہم تمہاری نیت کی خرابی، تمہارے ارادوں کو کاٹیں گے۔ تمہارے لطف و لذت، تمہارے مقاصد کی گندگی اور نصب العین کی غلاظت کر دیں گے۔

سنو نفس کے بندو! حیاتِ دنیا پر فریفتہ ہونے والو!! اغراضِ انسانی کی بندگی کرنے میں اکیلا ہی جب تم پر حملہ آور ہوں گا تو تم سب اپنی اپنی کہانیوں کے متلاشی، اپنی اپنی داستانوں کے اپنی اپنی موت کے حامل، اپنی اپنی مرگ کے صید بن کر زندگی کو آوازیں اور زیست کو صدائیں پھرو گے۔

یہاں تک کہنے کے بعد ارسلان کے چہرے پر درندگی اور اس کی آنکھوں میں جنون ا پھر اچانک اس نے ایک خاص انداز میں اپنے گھوڑے اور اپنے بچھیرے کی گردن تھپ تھ اس کے جواب میں وہ دونوں یک جا ہو کر ہنہنائے۔ اپنی کنوتیاں انہوں نے بڑی تیزی سے منہ آگے کو کر لیے۔ پھر وہ لپکتے ہوئے شعلوں کی طرح بڑھے اور ان دسوں پہ انہوں نے تیزی سے دولتیاں جھاڑنا شروع کر دیں۔

عین اس لمحے ارسلان نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالنے کے ساتھ ہی اپنی دائیں بائیں میں باری باری ہاتھ ڈالا اور لوہے کے وہ ٹکڑے جنہیں وہ پھینک کر دشمن پر حملہ کرتا تھا، وہ احمد نے نکال لیے اور باری باری ان دونوں کو، ان دس میں سے دو کو ہدف بناتے ہوئے د ان دو لوہے کے ٹکڑوں سے دو مسلح جوان گر کر دم توڑ گئے۔

ارسلان نے فوراً لوہے کے دونوں گولے سمیٹ کر خرجین میں ڈال لیے۔ اتنی دیر میں گھوڑے اور بچھیرے نے دولتیاں مار مار کر ان میں سے چار کو زمین بوس کر دیا تھا۔

ایسے میں اپنی تلوار اور ڈھال لہراتے ہوئے ارسلان پرانے خوابوں کی منزل، عجلت میں اڑتے دل، عروج و ارتقا کی آخری حدود اور پت جھڑ کے پیلے پتوں سے کھیلنے والے طوفانوں کی طرح ان پر حملہ آور ہو گیا۔

اپنے پہلے ہی حملہ میں اس نے دو جوانوں کو کاٹ کر رکھ دیا اور جن چار کو اس کے گھوڑے اور بچھیرے نے دولتیاں مار مار کر زمین پہ گرا دیا تھا ان کی طرف احمد زخمی تیندوے کی طرح لپکا اور اس نے آناً فاناً ان چاروں کی گردنیں اڑا دیں۔

اس کے بعد ارسلان اور احمد دونوں نے اپنے گھوڑوں کی باگوں کو موڑا اور کچھ فاصلے پہ جا کھڑے ہوئے۔

پھر اچانک ارسلان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی جس کے جواب میں اس کا گھوڑا اپنی اگلی دونوں ٹانگیں اٹھا کر فضا میں الف ہو گیا اور ہنہنانے لگا۔

ارسلان نے زوردار آواز میں "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کیا۔ اس کے بعد وہ باقی دو زندہ بچنے والوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"سنو۔ ان آٹھ مرنے والوں کے دو آخری ساتھیو! میرے گھوڑے کا ہنہنانا اور میرا اپنے رب کو پکارتے ہوئے نعرہ بلند کرنا، تم سب کے خلاف میرے گھوڑے اور میری فتح مندی کا اعلان ہے"۔

اس کے بعد ارسلان آگ کے بگولے اور تیز و تند طوفانوں کی طرح آگے بڑھا اور ان دونوں پر حملہ کر دیا۔ ان دونوں نے ارسلان کے وار روکتے ہوئے اپنی جانیں بچانے کی کوشش کی لیکن ارسلان آندھی اور طوفان کی طرح پیش قدمی کر کے ان پہ چھا گیا اور جلد ہی وہ ان دونوں کی گردنیں کاٹنے میں بھی کامیاب ہو گیا۔

اس طرح چند ہی ساعتوں میں ارسلان، احمد اور ارسلان کے دونوں گھوڑوں نے مل کر ان راستہ روکنے والوں کا مکمل طور پہ صفایا کر دیا۔

ارسلان کے پیچھے بیٹھی ہوئی پاروتی کی حالت تھوڑی دیر قبل تک آبگینوں کی ادھوری کہانی،

بھٹکتی ہوئی خوشبو، گم گشتہ تمناؤں اور برہم دھوپ جیسی ہو رہی تھی۔ وہاں اب ان دس کے خاتمے کے بعد اس کی کیفیت محبت کی گھنی چھاؤں، سحر خیز شگوفوں اور دل آویز نغموں جیسی ہو رہی تھی۔ اس کے دہکتے بدن پر گنگناتے خیالات، مہکتے چہرے پر جوان اور شوخ فقروں اور نرم و کومل اعضا و جوارح پر کھنکتے نقرئی قہقہے رقص کرنے لگے تھے۔

ان دس کے خاتمے کی خوشی میں حسین اور خوبصورت پاروتی کے جسم کی جوان نیلی شریانیں گیتوں کے شرار سے برسانے لگی تھیں۔

تھوڑی دیر تک اس کی یہی کیفیت رہی۔ پھر بڑے پیار، بڑی چاہت اور بڑی محبت سے اس نے اپنے دونوں ہاتھ ارسلان کے کندھوں پر رکھے اور آہستہ آہستہ ان کو سہلاتے ہوئے ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

'آپ نے جس منصوبہ بندی سے تھانیسر مندر کے ان دس محافظوں کا خاتمہ کیا ہے۔ اسے میں اپنے خیال میں ایک حسین معجزہ ماری نشان قرار دے سکتی ہوں۔ یقیناً آپ ان جوانوں میں سے ہیں جو کالے وقتوں کی دیواریں گرانے، سیاہ مکروہ سایوں سے گزر کر اپنی مٹی کا قرض ادا کرنے کا فن خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ جس کے ساتھ آپ محافظ کے طور پر ہوں اسے اپنے ہر دشمن، ہر مخالف سے بے فکر ہو جانا چاہیے۔'

پاروتی کی اس گفتگو پر ارسلان نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا:

'سنو پاروتی! میں تمہارے خیالات کی قدر کرتا ہوں اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان دس سے نمٹنا اور ان سے تمہاری حفاظت کرنا میرے فرائض میں شامل تھا لہٰذا تم دیکھتی ہو کہ میں اپنے فرض پر پورا اترنے میں کامیاب رہا ہوں۔'

اس کے ساتھ ہی ارسلان اپنے گھوڑے سے اتر گیا اور پھر بولا:

'آؤ اب ان دسوں کی لاشوں کو شاہراہ سے ہٹا کر ایک طرف گڑھا کھود کر دفن کر دیں اور شاہراہ پر جو خون کے چھینٹے ہیں ان پر مٹی ڈال دیں تا کہ اگر کوئی ہمارے تعاقب میں آئے تو اسے یہ گمان نہ ہو کہ ہم نے اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے۔ ورنہ وہ اس شاہراہ پر بڑی تیزی اور خونخواری سے

ہمارا تعاقب کریں گے کیونکہ انہیں یقین ہو جائے گا کہ ہم ان کے ساتھیوں کا خاتمہ کرنے کے بعد اسی شاہراہ پر آگے بڑھ چکے ہیں۔

میرے خیال میں ہم نے چونکہ مندر میں یہ بتایا تھا کہ ہمارا تعلق مالا بار سے ہے لہٰذا انہوں نے مالا بار کی طرف ہمارے تعاقب میں اپنے آدمی بھیجنے کے ساتھ ساتھ دوسری سمتوں میں بھی اپنے مسلح جوان روانہ کیے ہوں گے۔ اور یہ دس جوان اس سمت میں ہمارے تعاقب میں آئے۔ جب تک یہ واپس نہیں جاتے میرے خیال میں دوسرا گروہ ہمارے تعاقب میں نہیں نکلے گا۔ اس وقت تک ہم تھانیسر مندر کے پجاریوں، پروہتوں اور پنڈتوں کی گرفت سے نکل کر محفوظ ہو جائیں گے۔'

ارسلان کے کہنے پر احمد اور پاروتی اس کے ساتھ ہو لیے۔ تینوں نے مل کر پہلے گڑھا کھودا۔ پھر لاشوں کو اس میں ڈالنے کے بعد اوپر مٹی ڈال دی۔

شاہراہ پر ان دس قتل ہونے والوں کا جو خون پھیل گیا تھا اس پر بھی انہوں نے مٹی ڈال دی اس کے بعد وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں ایڑ لگاتے ہوئے اس راہ پر ڈال دیا جو ٹھنڈا اور فیروز پور سے ہوتے ہوئے سوہدرہ کی طرف جاتی تھی۔



دوپہر کے قریب وہ دریائے ستلج کے کنارے پہنچے۔ انہوں نے دیکھا دریا اپنی طغیانی پر تھا۔ ارسلان اپنے گھوڑے پر سوار تھوڑی دیر تک دریا کی لہروں کا نشیب و فراز دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کر کے احمد سے کہا:

'احمد میرے بھائی! تم پاروتی کو لے کر اس درخت تلے انتظار کرو۔ میں اپنا گھوڑا دریا میں ڈال کر اندازہ لگاتا ہوں کہ ہم یہاں سے دریا پار کر سکتے ہیں یا نہیں۔

اگر میرا گھوڑا سانس پھولے بغیر دریا کے آدھے پاٹ کو پار کر گیا تو میں سمجھوں گا کہ ہم دونوں کے گھوڑے اور پھر آسانی سے دریا عبور کر جائیں گے لیکن اگر میرے گھوڑے کا سانس پھول جاتا ہے تو میں سمجھوں گا کہ یہاں سے ہم دریا عبور نہیں کر سکتے لہٰذا ہم کسی آسان گھاٹ کی تلاش میں شمال کی طرف نکلیں گے۔'

احمد نے ارسلان کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ ارسلان کے کہنے پہ پاروتی گھوڑے سے اتر گئی اور احمد کے ساتھ جا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ جبکہ ارسلان نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ احمد اور پاروتی دونوں درخت تلے بیٹھ گئے۔

پھر پاروتی نے بڑے شوق اور جستجو سے احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"تم کیا واقعی ارسلان کے چچا زاد بھائی ہو؟"

احمد نے مسکراتے ہوئے کہا:

"ہاں۔ ہم دونوں عمزاد ہیں۔"

اس پہ پاروتی پھر بولی:

"میں دیکھتی ہوں کہ ارسلان خاموش رہنے کے ساتھ ساتھ کہیں کھو بھی جاتے ہیں۔ اُن کی ان کی حالت اور کیفیت سے مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ان کے دل کے گوشوں اور ذہن کے کونوں میں زندگی کے تیز طوفان، وصل و ہجر کی داستانیں، اندیشۂ فردا اور حرمتِ ذات کے تفکرات اٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔

دورانِ سفر میں نے اکثر اندازہ لگایا کہ ایسے مواقع پر ان کی حالت کچھ ایسے ہو جاتی ہے جیسے حروفِ انفاس کی خوشبو اور بھیگے نکھرے بے کل لمحوں پر لہراتی خاموشی اور کومل راگوں کی بندش اور سوندھی مٹی کی خوشبو پر دکھ کے لہجوں کی تہ چڑھ گئی ہو۔

ان کے پیچھے پیچھے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے میں ان کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ کچھ اس طرح ہو جاتے تھے جیسے پھولوں کی آنکھوں سے اچانک پانی بہ نکلا ہو۔"

پاروتی جب خاموش ہوئی تو اس نے دیکھا کہ اس کی گفتگو سے احمد بھی بڑا فکر گیر اور غمزدہ ہو گیا تھا۔ پھر پاروتی کی طرف دیکھتے ہوئے احمد بولا:

"پاروتی! ہم دونوں بھائیوں کی داستان بڑی دکھ آمیز اور درد بھری ہے۔ سنو! میں تمہیں ارسلان کے حالات ٹھیک سے بتاتا ہوں۔"

اس کے بعد احمد نے آتش پرستوں کے ہاتھوں اپنے اور ارسلان کے خاندان کی تباہی و بربادی کی داستان تفصیل کے ساتھ کہہ دی۔ بعد میں اس نے ارسلان اور رما دھوری کی آپس میں محبت، پھر رما دھوری کے اچانک برہمنوں کے ہاتھوں قتل ہونے کی روداد بھی سنا ڈالی۔

یہ سارے واقعات سننے کے بعد حسین و جمیل پاروتی تھوڑی دیر تک احمد کے سامنے گردن جھکائے بیٹھی رہی اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے رہے۔

پھر پاروتی نے اپنی آنکھیں خشک کیں۔ کسی قدر اپنے آپ کو سنبھالا۔ اس لمحے احمد نے بڑے غور سے پاروتی کی طرف دیکھا اور اندازہ لگایا کہ ارسلان کی داستان سن کر پاروتی کا اجلا دلکش تن، جمیل جسم، پُر جمال چہرہ کرب کے چاند جیسا ہو گیا تھا۔ اس کی مچلتی، گنگناتی لہروں جیسی آنکھیں حسین یادوں کے جل تھل موسم جیسا جسم، سہانی شام کے جگ مگ مناظر اور جنگتی رات کی بہکتی ہوئی فضاؤں جیسا دلکش حسن درد کی مدھم لو اور جبر کی نذرات کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔

پاروتی کی اس کیفیت کو احمد دیر تک بڑے غور اور انہماک سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مدھم اور دھیمی آواز میں کہا:

"سنو پاروتی! اپنے بھائی ارسلان کے سلسلے میں اگر میں تم سے کوئی بات کہوں تو کیا تم میری بات مانو گی؟"

اس پر پاروتی نے چونک کر احمد کی طرف غور سے دیکھا پھر بڑے تجسس اور آرزومندی سے اس نے احمد سے پوچھا:

"ارسلان کے بارے میں تم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟"

احمد نے بکھرے بکھرے سے لہجے میں کہا:

"پاروتی! تم دیکھتی ہو میرا بھائی دکھی، مغموم اور پریشان حال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی ساری پریشانیاں، سارے تفکرات، سارے غم اس سے چھین کر اپنے دامن میں بھر لوں۔ میں اسے خوش دیکھوں۔ وہ مجھے ہنستا مسکراتا دکھائی دے۔

پاروتی! اگر تم چاہو تو اپنی محبت، اپنی الفت، اپنی چاہت سے میرے بھائی کے سارے غم ساری پریشانیاں اور سارے تفکرات دور کر سکتی ہو۔

پاروتی! کیا تم میرے بھائی کو چاہت، محبت اور الفت دے سکتی ہو؟" یہاں تک کہہ کر احمد خاموش ہو گیا۔

پاروتی تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی پھر کہنے لگی:

"احمد میرے بھائی! اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی اس موضوع پر بات کر لی۔ سنو! حقیقت یہ ہے کہ ارسلان جب مجھے تھانیسر کے مندر کی دوسری منزل سے نکال کر لائے تھے اور میں ان کے دونوں شانوں پر سوار ہوئی تھی تو اسی وقت مجھے ان کے قرب اور ان کی نزدیکی کا احساس ہوا میرے دل کے کونوں نے یہ تسلیم کیا تھا کہ پاروتی ارسلان کے لیے پیدا ہوئی ہے۔

پھر جب میں ان کے گھوڑے پر ان کے پیچھے سوار ہو کر سفر کرتی رہی تو ان کے اور میرے جسمانی لمس اور اتصال نے بھی بار بار مجھے آوازیں دیں کہ میری زندگی کی منزل ارسلان ہی ہے۔

پھر جب دریائے ستلج کی طرف آنے والی اس شاہراہ پر تھانیسر کے مسلح جوان ہمارا راستہ روک کر کھڑے ہوئے اور جس انداز میں ارسلان نے ان کے خلاف حرکت کی اور ان کا خاتمہ کیا اس سے میرے دل اور دماغ اور میرے ضمیر نے اس فیصلہ پر آخری مہر لگا دی کہ پاروتی! تم اپنے جذبات اپنے احساسات اپنی کیفیت کو دل کے نہاں خانوں میں چھپاتی رہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم ارسلان سے ٹوٹ کر پیار کرنے لگی ہو۔

لہٰذا احمد میرے بھائی! میں تمہارے سامنے یہ اقرار کرتے ہوئے شرمندگی محسوس نہیں کرتی کہ میں ارسلان سے محبت کرنے لگی ہوں"۔

پاروتی کی یہ باتیں سن کر احمد کی آنکھوں میں پسندیدگی کی چمک پیدا ہوئی۔ اس کے چہرے کے تفکرات پر خوشیاں اور اطمینان رقص کرنے لگے۔ پھر اس نے بڑی محبت سے پاروتی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے کہا:

"سنو پاروتی! آج سے تم میری بہن اور میں تمہارا بھائی ہوں۔ آج سے تم ارسلان کی امانت اور اس کی پسند ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنے حسن و جمال اور اپنی باتوں اور اپنی چاہت سے ارسلان کے سارے دکھ اور غم کے داغ دھو ڈالو گی"۔

تب پاروتی نے کچھ تفکر سے احمد کو مخاطب کر کے پوچھا:

"احمد میرے بھائی! اگر ارسلان میری طرف متوجہ نہ ہوئے اور انھوں نے میری محبت کا جواب محبت سے نہ دیا تو پھر میرا کیا انجام ہو گا؟"

اس پر احمد مسکرا کر کہنے لگا:

"اس کے متعلق تم فکر نہ کرو۔ میں نے اپنی زندگی میں تم جیسی خوبصورت اور جسمانی کشش و جذب رکھنے والی لڑکی نہیں دیکھی۔ اس سے پہلے مادھوری نام کی جس لڑکی سے ارسلان نے محبت کی وہ حسن و جمال، کشش اور جسمانی ساخت میں تمہارا دسواں حصہ بھی نہ تھی۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم ارسلان کی طرف محبت اور چاہت کا ہاتھ بڑھاتی ہو وہ ضرور تمہاری طرف مائل ہو گا ۔۔۔ اور ایسا ہونے پر اس کی زندگی خوشیوں سے بھر جائے گی"۔

احمد کی یہ باتیں سن کر پاروتی خوش ہو گئی اور اس نے اپنے چہرے پر مصمم ارادوں کی لہریں بکھیرتے ہوئے کہا:

"سنو احمد میرے بھائی! میں نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ میں ارسلان کے دُکھ مندر میں راحتِ دل و جاں، نقشِ کفِ پا، تھرکتی ساعت اور دھنک رنگ لمحوں کی طرح داخل ہوں گی۔ میں ان کے چہرے پر شبنم، ان کی آنکھوں میں محبت کی موج اور ان کے نفس میں چاہتوں کا صندل بکھیر دوں گی۔

احمد میرے بھائی! میں تمہارے ساتھ عہد کرتی ہوں کہ آج کے بعد میرا اور ارسلان کا ساتھ ایسے ہی ہو گا جیسے کشتی اور بادبان کا، جیسے تخم اور نمو کا، جیسے خوشبو اور پھول کا اور جیسے نکتہ اور ربط میں ہوتا ہے۔

یہاں ان کے سارے کیلے ذائقوں کی چاہتوں کے درپن میں ان کے ہجر اور دکھ کی کلفتوں کو دلربائی کے سحر میں ان کے بکھرے دکھ کے پتھروں کو سمیٹ کر سُکھ ساگر میں ان کے تپتے صحراؤں کی گھٹاؤں جیسے حالات کو امرت جل میں، ان کی کانٹوں کی سی خاموشی کو سحر کی چاپ میں اور ان کی جان کے ناسور کو میں زندگی کے ذائقوں میں تبدیل کر دوں گی"۔

پاروتی کی یہ گفتگو سن کر احمد کی خوشیوں کی کوئی انتہا اور حد نہ رہی۔ پھر اس نے بڑی انکساری اور عاجزی سے پاروتی کی طرف دیکھ کر کہا:

"پاروتی! تم نے اپنی گفتگو سے واقعی میری بہن ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر تم ارسلان کا دامن اپنی چاہتوں اور اس کا وجود اپنی محبت سے بھر دو تو پھر اس کے چہرے پر میں دنیا بھر

کی خوشیاں اور اطمینان دیکھ سکوں گا۔ پاروتی! اگر تم ایسا کرو تو میں سمجھوں گا یہ ایک بہن کا اپنے بھائی پر بہت بڑا احسان ہو گا۔"

اس بار پاروتی نے مسکراتے ہوئے کہا:

"احسان کیسا احمد بھائی! میں تو ویسے ہی دل و جان سے ارسلان کو چاہنے اور ان سے پیار کرنے لگی ہوں۔ یہ کام میں صرف آپ کے کہنے پر عارضی طور پر نہیں کر رہی ہوں بلکہ انہیں حاصل کرنے میں میرے دل، میرے ذہن اور میرے ضمیر کی پکار اور مانگ بھی شامل ہے۔"

اس پر احمد خوشیوں بھرے انداز میں کہنے لگا:

"سنو پاروتی میری بہن! کیا تم بھوک محسوس نہیں کر رہیں؟"

پاروتی نے جواب دیا:

"محسوس تو کر رہی ہوں پر یہاں کھانے کو ہمیں کیا ملے گا؟"

احمد نے کہا:

"تم فکر مند نہ ہو۔ ہمارے پاس کھانے کا سارا سامان ہے۔ میرے گھوڑے کی خرجین میں کھانے کی اشیا کے علاوہ پانی کا ایک مشکیزہ بھی ہے۔

میرا خیال ہے کہ جب ارسلان لوٹتے تو پہلے یہیں بیٹھ کر کھانا کھائیں گے پھر اپنے سفر پر روانہ ہوں گے۔

میرا یہ بھی خیال ہے کہ ارسلان کے آنے تک ہم کھانا لگا دیں تاکہ جب وہ آئے تو فوراً ہی ہم تینوں کھانا کھا کر سفر پر روانہ ہو جائیں۔"

پاروتی نے احمد کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اس پر احمد اٹھا اور اپنے گھوڑے کی خرجین سے اس نے ایک سفید رنگ کی چادر نکال کر پاروتی کو دی ۔۔۔ جو پاروتی نے دوہری کر کے زمین پر بچھا دی۔ اس کے بعد وہ دونوں مل کر کھانا اور پانی اس پر جانے لگے۔

پھر وہ دونوں بیٹھ کر ارسلان کی طرف دیکھنے لگے جو دریا کا آدھا حصہ عبور کرنے کے بعد واپس آ رہا تھا۔

اپنے گھوڑے کو دریا سے نکال کر بھگاتا ہوا جب ارسلان ان دونوں کے قریب آیا تو پاروتی فوراً

اپنی جگہ سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی آگے بڑھی۔

ارسلان کے گھوڑے کی اس نے باگ پکڑ لی۔ پھر اس نے کسی کے لمس کے مخملیں احساس، آہٹ، جھونکوں اور دائرہ در دائرہ لہروں کے سہانے انداز میں ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

"آپ چل کر چادر پر بیٹھیں۔ میں آپ کا گھوڑا باندھتی ہوں۔"

ارسلان چھلانگ لگا کر فوراً گھوڑے سے کود گیا اور بڑے غور سے پاروتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

"پاروتی! یہ تمہارا کام نہیں۔ میں اپنا گھوڑا خود باندھتا ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ ہم نے تھانیسر کے مندر سے تمہیں نکال کر تم پر کوئی احسان کیا ہے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ یہ احسان نہیں ہمارا فرض ہے جسے ہم پورا کر رہے ہیں اس لیے کہ یہ تمہاری ماں کے ساتھ ہمارے سلطان کا عہد ہے کہ تمہیں تھانیسر مندر سے نکال کر اس کے حوالے کیا جائے گا۔"

"اگر تم اس احسان تلے دب کر میری خدمت کرنا چاہتی ہو تو میں اسے پسند نہیں کرتا۔" ارسلان نے بات ختم کر دی۔

اس کی اس گفتگو پر حسین پاروتی تھوڑی دیر کے لیے اپنی آنکھوں میں محبت کی روشنی اور چاہتوں کے دیے روشن کیے ارسلان کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنی آواز کی ساری کشش، اپنے لہجے کی ساری جاذبیت کو مجتمع کرتے ہوئے کہا:

"میں کسی احسان تلے دب کر آپ کی سیوا نہیں کرنا چاہتی بلکہ آپ کی اس سیوا میں میری خوشی اور میرے دل کا اطمینان شامل ہے۔"

پاروتی کی بات سن کر ارسلان چونکا۔ پھر اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کچھ کہے بغیر وہ پاروتی کی بات مان کر آگے بڑھا اور چادر پر بیٹھنے لگا تو پاروتی اس کے گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھتے باندھتے بولی:

"آپ بیٹھنے سے پہلے میری بات سنیے گا۔"

ارسلان اس کی محبت بھری باتوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر رک گیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔

پاروتی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی:

"آپ کے جوتے، موزے اور لباس کا نچلا حصہ پوری طرح بھیگ چکا ہے۔ اگر آپ کے گھوڑے کی خرجین میں کوئی اور لباس ہو تو آپ وہ پہن لیں اور یہ لباس مجھے دیدیں۔ میں اسے خشک ہونے کے لیے ڈال دیتی ہوں"۔

پاروتی کی اس بات پر ارسلان نے عجیب طرح سے چونکتے ہوئے پاروتی کی طرف دیکھا، معصومیت کا پیکر بنا اپنی جگہ پر کھڑا رہ گیا۔

گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھ کر پاروتی پھر ارسلان کے پاس آئی اور انتہائی خوش اپنائیت اور محبت اور چاہتوں بھری بھرپور آواز میں اسے مخاطب کر کے بولی:

"کوئی دوسرا لباس پہن لیں اور یہ لباس اتار کر مجھے دیدیں تو میں اسے دھو کر خشک ہونے کے لیے لٹکا دوں لیکن آپ حرکت تک نہیں کر رہے۔ کیا ہو گیا آپ کو؟"

پھر مزید کچھ کہنے کے بجائے پاروتی کسی ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی ہوئی ارسلان کے گھوڑے کی طرف گئی اور اس کے دونوں طرف بندھی ہوئی خرجینیں اور پانی کا مشکیزہ اتار کر وہ ساری چیزیں اس نے چادر کے قریب لا رکھیں۔

پھر وہ خرجینوں کا جائزہ لینے لگی۔ ان میں ارسلان کا ایک خوبصورت لباس اس نے نکالا اپنے کندھے پہ رکھ لیا۔ دوسری خرجین سے اس نے سفید رنگ کی ایک چادر نکالی اور ارسلان کی طرف آئی۔

چادر اس نے ارسلان کے ایک کندھے پر رکھی اور اس کا لباس اس کے دوسرے کندھے پر رکھتے ہوئے بولی:

"آپ اس چادر کو لپیٹ کر صاف ستھرا لباس پہنیے۔ اور یہ کپڑے جو پہن رکھے ہیں اتار کر مجھے دیدیں۔ آپ کی چرمی خرجین میں پانی داخل نہیں ہوا۔ ہر شئے سوکھی ہے"۔

پاروتی کے اس انداز اور سلوک کو ارسلان خاموشی کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے خوابوں کے جھروکوں میں نئی آوازیں اور اس کی زندگی کی راہوں پر نئی سمتوں کے روشن مناظر ابھر آئے ہوں۔

وہ اپنے دل میں دکھوں کی بستیاں، مٹتے ہوئے اور سکوتِ ازل میں اَن گنت صداکاریاں ابھرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

وہ اپنے آپ کو اڑتے ہوئے بگولوں کی طرح محسوس کر رہا تھا جو الفاظ کے حجاب سے نکل کر ارمانوں کے خوابیدہ ہرن کی طرح رقص کناں ہو جاتے ہیں۔

ارسلان ابھی انہی خیالات میں گم تھا کہ اچانک پاروتی نے مزید پیشقدمی کی۔ اس نے ارسلان کا ہاتھ اپنے نازک اور گداز ہاتھ میں لیا اور اسے ہلاتے ہوئے کہا:

"آپ کہاں کھو گئے ہیں؟ میں آپ سے مخاطب ہوں۔ میں آپ سے ٹھٹھہ اور مذاق نہیں کر رہی۔ میں سنجیدہ ہوں"۔

ارسلان نے چونک کر پاروتی کی طرف دیکھا۔

اس نے محسوس کیا کہ اس لمحے اس کے گلابوں جیسے چہرے پر اس کے لیے خوشیوں کے تحفے تھے۔ اس کی حسین اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں صدف کے گوہر کی عنایت، اس کے لال سرخ چمکتے ہوئے شفاف و شاداب چکنے ہونٹوں پر پیمانِ فردا کی تمنائیں تھیں۔

ارسلان یہ بھی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ پاروتی کے گوشۂ دل میں اس کے لیے محبت فروزاں ہے۔

اس احساس نے ارسلان کے ذہن، دل اور ضمیر میں اندھیروں میں بھٹکتی یادوں کی جگہ خود شناسیاں کھڑی کر دی تھیں۔

اس کے ویران بستی کی راہوں جیسے اکتائے ہوئے چہرے پر اس وقت خیالات کے تالاب میں ہلچل جیسی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور اس کے ذہن کے افق کی ہتھیلیوں کو پاروتی کے سلوک اور اس کی گفتگو نے شفق رنگ بنا کر رکھ دیا تھا۔

اس لمحے ارسلان پاروتی کو اپنے لیے ناطورۂ بہار پہ ندوں کی چہک محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اس کے صحنِ گلشن میں بکھرے دکھ کے پتھروں کو سمیٹ کر اسے آمدِ بہار سے ہمکنار کیا تھا اور اس کی زندگی کے منجمد لمحوں کو وقت کی طنابوں سے آزاد کر کے اس کے لیے چاروں طرف محبت کے رنگ بکھیر دیے تھے۔

بہرحال ارسلان پاروتی کے اس سلوک، اس کی چاہتوں بھری آواز، اس کے رسیلے انداز، اس کی محبت سے لبریز گفتگو سے بے حد متاثر ہوا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ عجیب سی اپنائیت کے ساتھ پاروتی کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ حرکت میں آیا۔ اپنے گھوڑے کی اوٹ میں جا کر اور چادر لپیٹ کر اس نے چپ چاپ لباس تبدیل کیا، بھیگا ہوا لباس اس نے اتارا اور کسی معصوم بچے کی طرح لا کر پاروتی کو تھما دیا۔

پاروتی نے ارسلان کے اس اترے ہوئے لباس کا جائزہ لیا تو اس کے چہرے پر بڑی خوشگوار اور پیاری مسکراہٹ نمودار ہوئی اور ایک بار پھر چاہتوں بھرے انداز میں ارسلان کو مخاطب کر کے کہنے لگی:

"یہ آپ کو اچانک کیا ہو گیا ہے۔ راستے میں تو آپ اچھے بھلے میرے ساتھ سفر کرتے آئے ہیں۔"

"کیوں۔ کیا ہوا؟" ارسلان نے حیرت سے پوچھا۔

پاروتی مسکرا کر بولی:

"یہ لباس تو آپ نے تبدیل کر لیا لیکن اس میں آپ کی نقدی کی تھیلیاں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ تو آپ کو نکال لینی چاہییں تھیں۔"

اس کے ساتھ ہی نقدی کی دو تھیلیاں پاروتی نے نکال کر ارسلان کی طرف بڑھا دیں۔ جواباً ارسلان نے بھی اپنائیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"انہیں تم اپنے پاس ہی رکھو اور آؤ کھانا کھائیں۔ میں نے اپنی خرجینیں اور سامان اپنے کندھے پر رکھ لیا تھا اس لیے یہ سب خشک رہا۔"

ارسلان کی اس بات اور اس سلوک سے حسین و جمیل پاروتی کی روح میں سیال جذبے میں رنگ و خوشبو کے رشتے، جذبوں میں رسیلے گیت، ذہن میں رعنائیوں کی دھند اور بدن میں جو کی لطافت رقص کرنے لگی تھی۔

اس کے دل کی دھڑکنوں کی صداؤں میں جذبوں کی توقیر، اس کی جنبشِ چشم و لب پر شعلہ کی جال اور اس کی سلگتی سانسوں میں دل کے قرار کی خوشبو پھیل گئی تھی۔

تھوڑی دیر تک وہ بڑے پیار، بڑی چاہت، بڑی محبت اور بڑی اپنائیت کے ساتھ ارسلان کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر وہ دریا کی طرف گئی۔ کنارے پر بیٹھ کر اس نے بڑے محبت بھرے انداز میں ارسلان کا لباس دھویا۔ پھر اسے خوب اچھی طرح نچوڑ کر درخت کی شاخوں پہ لٹکا دیا۔ اس کے بعد وہ زمین پر بچھائی ہوئی چادر پر ارسلان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی اور وہ تینوں مل کر کھانا کھانے لگے۔



کھانا کھانے کے بعد ارسلان نے اپنے پہلو میں بیٹھی پاروتی کو مخاطب کر کے کہا:

"اب ہمیں وقت ضائع کیے بغیر یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے۔"

اس پر پاروتی نے ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے پیار بھرے جذبوں کو اپنی آنکھوں میں سمیٹتے ہوئے اور غور سے ارسلان کی طرف نظر ڈال کر انتہائی میٹھے لہجے، شیریں آواز اور بڑے دلکش انداز میں کہا:

"کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم تھوڑی دیر اس درخت تلے سستا لیں۔ آپس میں گفتگو بھی کر لیں۔ تب تک آپ کا لباس بھی خشک ہو جائے گا۔ پھر ہم یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔"

اس پر ارسلان کہنے لگا:

"سنو پاروتی! یہ مت خیال کرنا کہ ہم تھانیسر کے مندر سے پروہتوں اور برہمنوں کی گرفت سے نکل چکے ہیں۔ تمہیں حاصل کرنے کے لیے وہ ہندوستان کے ہر کونے تک ہمارا تعاقب کریں گے۔ گو اس وقت دریائے ستلج طغیانی پر ہے اور میں اس کا جائزہ لے چکا ہوں۔

میرے اور احمد کے گھوڑے بڑی آسانی سے دریا کی اس طغیانی کو چیرتے ہوئے ہمیں دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچا سکتے ہیں اور ہم سوہدرہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھ سکتے ہیں۔

یہاں زیادہ دیر قیام کرنا ہمارے لیے خطرات کا باعث بن سکتا ہے اور تھانیسر مندر کے محافظ ہمیں تلاش کرتے ہوئے یہاں بھی پہنچ سکتے ہیں لہٰذا ہمیں فوراً دریا کو عبور کر کے منزل کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے۔"

اس پر پاروتی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے حسین چہرے پر اس نے جذبوں اور کشش سے بھرپور مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے لہراتی مسکراتی آواز میں ارسلان سے کہا:

"ہم میں اتنی ہمت کہاں کہ ہم آپ کی بات کو ٹالیں لہٰذا ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کیا جائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی پاروتی نے جلدی جلدی کھانے کی جو چیزیں بچ گئی تھیں انھیں سمیٹ کر احمد کے گھوڑے کی خرجین میں ڈال دیں۔

ارسلان اور احمد بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پاروتی نے چادر کو تہ کیا اور اسے دوسری خرجین میں ڈال دیا۔ دونوں خرجینیں اس نے جلدی جلدی احمد کے گھوڑے کے ساتھ باندھ دیں۔

اس نے دیکھا اتنی دیر میں ارسلان نے اپنے گھوڑے کی دونوں خرجینیں اور مشکیزہ اٹھا لیا تھا۔ پاروتی بھاگتی ہوئی ارسلان کی طرف بڑھی اور اس سے دونوں خرجینیں اور مشکیزہ لے لیا۔ پھر خود یہ ساری چیزیں ارسلان کے گھوڑے کی زین سے باندھیں۔ اس کے بعد پاروتی بھاگتی ہوئی گئی اور درخت کی شاخوں سے ارسلان کا دھو کر خشک ہونے کے لیے ڈالا ہوا لباس اتار کر لپیٹا اور دائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔

جب وہ ارسلان کے قریب آئی تو ارسلان نے اس سے کہا:

"اس لباس کو تم نے کیوں پکڑ لیا ہے اسے بھی خرجین میں ڈال دو۔"

پاروتی مسکراتے ہوئے بولی:

"نہیں۔ یہ میرے ہی پاس رہے گا۔ دریا عبور کرنے کے بعد میں اسے زین کے پچھلے حصے میں باندھ دوں گی۔ اس طرح یہ سفر کے دوران خشک بھی ہو جائے گا۔"

پاروتی کی بات پر ارسلان مسکرا دیا۔ اتنی دیر میں احمد اپنے گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔ ارسلان بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ پھر اس نے پاروتی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ پاروتی نے لپک کر بڑی اپنائیت سے اپنا ہاتھ ارسلان کے ہاتھ میں دے دیا۔ ارسلان نے اسے اچک کر اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کرا لیا۔ پھر اس نے احمد کو مخاطب کر کے کہا:

"احمد۔ تم اپنے گھوڑے کو دریا میں میرے پیچھے پیچھے لانے کی کوشش کرنا۔"

جواب میں احمد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ دریا کے کنارے پر آ گئے۔ پہلے ارسلان نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈالا۔ اس کے بعد احمد نے بھی گھوڑے کو پانی میں اتار دیا۔

یوں ان تینوں نے دریائے ستلج کو عبور کیا اور دوسرے کنارے پر جا کر اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہوئے سوہدرہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔

○

دوسرے روز صبح ہی صبح ارسلان اور احمد، پاروتی کو لے کر سوہدرہ شہر میں کملا دیوی کی حویلی کے سامنے آ گئے۔

حویلی میں داخل ہونے سے پہلے ارسلان دروازے کے سامنے رک گیا۔ احمد نے بھی اپنے گھوڑے کو روک لیا۔

پھر ارسلان نے اپنے پیچھے بیٹھی پاروتی کو مخاطب کر کے کہا:

"سنو پاروتی! یہ حویلی جس کے دروازے پر ہم کھڑے ہیں، تمہاری ماں کملا دیوی کی ہے۔ ہم نے تمہاری ماں کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہیں تھانیسر کے مندر سے نکال کر سوہدرہ شہر میں پہنچائیں گے۔ سو ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ اب ہم تمہارے ساتھ اس حویلی میں داخل ہوں گے اور تمہیں تمہاری ماں کے حوالے کر کے یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔"

ارسلان کی گفتگو سن کر پاروتی بچاری کے چہرے پر گہرے تفکرات، پریشانیاں اور اندیشوں کی آندھیاں اور ہلچل برپا ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر اس نے انتہائی نرمی اور میٹھی آواز میں ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

"کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ چند روز یہاں اس حویلی میں قیام کریں تاکہ میں اپنی ماں کو بتا سکوں کہ تھانیسر کے مندر سے نکلنے کے بعد جو میں نے نئی زندگی شروع کی ہے اس کا رخ کس سمت ہوگا؟"

ارسلان نے ہاتھ بڑھا کر حویلی کا دروازہ کھول دیا۔ پھر پاروتی سے کہا:

"پاروتی! تمہاری خاطر تھوڑی دیر کے لیے ہم یہاں قیام کر سکتے ہیں اس کے بعد ہم دونوں

یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی پاروتی کے جواب کا انتظار کیے بغیر ارسلان اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے حویلی میں داخل ہو گیا۔ احمد بھی اس کے پیچھے تھا۔

ارسلان اور احمد کو دیکھتے ہی حویلی کے سارے خدمت گار اور خادمائیں بھاگتے ہوئے ان کے گرد آ جمع ہوئے۔ ارسلان، احمد اور پاروتی گھوڑوں سے اتر گئے۔ کملا دیوی کے خدام ارسلان اور احمد کے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گئے۔

پھر ایک خادمہ کو مخاطب کر کے ارسلان نے کہا:

"کملا دیوی کہاں ہیں؟ ان سے کہو ہم ان کی بیٹی پاروتی کو لے آئے ہیں۔"

ارسلان کے اس انکشاف پہ ایک خادمہ بھاگتی ہوئی حویلی کے اندرونی حصے کی طرف چلی گئی۔

چند ہی ساعتوں کے بعد حویلی کے اندرونی حصے سے کملا دیوی تقریباً بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ جب اس نے ارسلان اور احمد کے درمیان پاروتی کو کھڑے دیکھا تو دیوانہ وار آگے بڑھی اور پاروتی کو لپٹا کر طوفانی انداز میں پیار کرنے لگی۔

پھر وہ ارسلان، احمد اور پاروتی کو حویلی کے صدر دروازے سے دیوان خانے میں لے گئی۔ ارسلان اور احمد کو اس نے دو نشستوں پہ بٹھایا اور خود پاروتی کو لے کر ان دونوں کے سامنے بیٹھ گئی۔ پھر وہ بڑی خوش کن آواز میں کہنے لگی:

"سنو ارسلان میرے بیٹے! تم نے اپنے بھائی احمد کے ساتھ مل کر جو میری بیٹی کو تھانیسر مندر سے نکال کر سوہدرہ شہر میں یہاں پہنچایا ہے تو یہ ایک ایسا کام اور ایک ایسا معرکہ ہے جس کی تعریف کے لیے نہ میرے پاس الفاظ ہیں نہ اس احسان کا بدلہ چکانے کے لیے میرے پاس وسائل ہیں۔ تم نے میری بیٹی کو مجھ سے ملا دیا ہے جس کے بغیر میری زندگی ٹوٹتے ہوئے وعدے، زنگ آلود زنجیر، ہر پل ڈوبتی پرچھائیں جیسی تھی۔ اپنی اس بیٹی کے بغیر میں اس آبجو کی طرح تھی جو کسی کو فائدہ پہنچائے بغیر سمندر میں جا گرتی ہے۔

اپنی بیٹی پاروتی کی تلاش اور جستجو میں میں خود اپنی ذات کی جستجو ہو کر بھٹکتی رہی اور ایک عرصہ تک اپنی کلپناؤں کا ادھورہ جائزہ رہی۔ پر اب میں گزرے وقت کی محتاج نہیں رہی۔ اب میری

بیٹی میرے پاس ہے جس کے لیے میں نے ہر راجہ کے دروازے پر دستک دی۔ پر اس جگہ جہاں انسانی ضمیر بازار میں بکتے ہیں کوئی میری مدد اور سہائتا کے لیے تیار نہ ہوا۔

تم دونوں بھائیوں نے میرے لیے وہ کام کیا ہے جو دوسرے اپنے لیے ناممکن خیال کر تھے۔ اب میری یہ خواہش اور آرزو ہے کہ تم دونوں بھائی کچھ دن یہاں قیام کرو تاکہ کم از کم بر بیٹی کو اپنے محسنوں کی سیوا کرنے کا کچھ تو موقع ملے"۔

کملا دیوی کی گفتگو کے جواب میں ارسلان کہنے لگا:

"سنو خاتون! ہم نے تمہارے ساتھ وعدہ کر رکھا تھا کہ تمہیں تمہاری بیٹی تھانیسر مندر لاکر دیں گے سو ہم اپنے کام سے فارغ ہو چکے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم یہاں مزید قیام نہیں کر گے بلکہ آج ہی یہاں سے غزنی کی طرف نکل جائیں گے"۔

اس دوران اچانک ہی حسین پاروتی نے اپنی ماں کے کان میں کچھ کہا جس پر کملا دیوی ا جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

پاروتی بھی کھڑی ہو گئی اور ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:

"ہم دونوں تھوڑی دیر میں آتی ہیں۔ اس دوران آپ یہیں بیٹھیے"۔

اس کے ساتھ ہی پاروتی اپنی ماں کو لے کر دیوان خانے سے نکل گئی۔ کملا دیوی پاروتی کے اپنی خواب گاہ میں آئی اور اسے بٹھاتے ہوئے بولی:

"اب کہو پاروتی بیٹی۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

اس پر پاروتی نے کچھ شرماتے اور لجاتے ہوئے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور پھر بولی:

"سنو ماتا۔ ارسلان کی گفتگو سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ وہ ہمارے ہاں قیام نہیں کر بلکہ وہ آج ہی رخصت ہونے پر بضد ہیں۔ ان کی روانگی سے پہلے میں آپ سے کچھ ایسی باتیں کرنا ہوں جن پر میری زندگی کا انحصار اور بقا ہے"۔

کملا دیوی نے پیار اور شفقت سے پاروتی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انتہائی نرمی۔ جواب میں کہا:

"کہو میری بیٹی۔ میں سن رہی ہوں"۔

جواب میں پاروتی نے تھوڑی دیر کے لیے اپنی ماں کی طرف بڑے غور سے اور پیار بھری نگاہوں سے دیکھا پھر کہنے لگی:

"میری ماتا! میں تھانیسر کے مندر میں طوفانوں میں گھرے تنکے جیسی تھی۔ اب آزاد ہونے کے بعد میں نخلستانوں کی طرح آبروئے صحرا ہوں۔

تھانیسر کے مندر میں ماتا! میری حیثیت شبنم کے ایک جھونکے کی طرح تھی پر وہاں سے نکل آنے کے بعد اب میں ایک یادگار لمحہ کی طرح خوشگوار ہوں۔

گو اب تک تھانیسر کے اس مندر میں میری عزت میری عصمت میری عفت بالکل محفوظ رہی ہے اس لیے کہ میں ابھی تازہ ہی بچپن کی حدود سے نکل کر جوانی کے جنگل میں داخل ہوئی تھی لیکن اگر میں اور کچھ عرصہ اس مندر میں رہتی تو اس مندر کے برہمنوں، پجاریوں اور پنڈتوں کے ہاتھوں میری عزت کبھی محفوظ نہ رہتی۔

اس مندر میں رہ کر عزت کے ساتھ ساتھ نہ میرے پاس اسم نہ جسم باقی رہتا بلکہ میری حیثیت اک حرفِ فنا جیسی ہو کر رہ جاتی!

پر اے میری ماتا! اب میں اپنے سیال جذبوں کے ساتھ بالکل عام لڑکیوں کی طرح آزاد ہوں اور دوسری لڑکیوں کی طرح میں بھی اب نئی تخلیق کی راہ پر سفر کا آغاز کرنے لگی ہوں"۔

پاروتی کی ان باتوں سے کملا دیوی کے چہرے پر سوالات کو جنم دیتا ہوا تجسس پھیل گیا اور اس نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں پاروتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"بیٹی۔ تیری گفتگو، تیرے انداز اور تیری باتوں سے مجھے یوں لگتا ہے جیسے تو کسی کی کھوج، کسی کے پریم میں جل تھل ہو کر رہ گئی ہے"۔

اپنی ماں کی یہ بات سن کر پاروتی کے چہرے پر ایک زاہد شکن مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ تھوڑی دیر تک وہ ہلکے ہلکے مسکراتی رہی۔ پھر غور سے کملا دیوی کی طرف دیکھ کر بولی:

"سنو ماتا! یہ جیون ایک رین بسیرا ہے۔ انسان کا من اس جیون کا مندر ہے اور میں نے بھی اس من مندر کے لیے ایک مورت کا انتخاب کر لیا ہے۔

اے میری ماتا! مجھے اب ہر ستارے میں اس کی مورت، ہر درپن میں اس کی صورت دکھائی دیتی ہے

اب سارے جگ میں اس کی صورت ہی میری جستجو، میرے پریم، میری پسند، میری زندگی، میرے من اور میرے جیون کی اساس اور بنیاد ہے"۔

پاروتی کی یہ باتیں سن کر کملادیوی کھل کر مسکرانے لگی۔ پھر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے پیار سے کہا:

"پاروتی بیٹی۔ وہ کون خوش قسمت انسان ہے جو میری بیٹی پاروتی جیسی حسین و جمیل لڑکی کا انتخاب بنا ہے"۔

اس پر پاروتی بولی:

"سنو ماتا۔ اگر تم برا نہ مانو تو میں یہ کہتے ہوئے لاج محسوس نہ کروں گی کہ میں ارسلان کو پسند کرنے لگی ہوں۔ انہیں میں نے اپنی زندگی کا محور بنا لیا ہے۔ میں اپنا سارا جیون ان پر نچھاور کرنے کا عہد کر چکی ہوں۔

اور اے ماتا! اگر کوئی ایسا سماں آیا اور مجھے اپنے سارے جسم کا لہو، اپنی جان تک ارسلان پر سے قربان کرنا پڑی تو ماتا! تم دیکھو گی میں پیچھے نہیں ہٹوں گی"۔

یہاں تک کہنے کے بعد پاروتی تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہ کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر دوبارہ کہنے لگی:

"میری ماتا! ارسلان عام نوجوانوں کی طرح لفظوں کے بیوپاری نہیں ہیں بلکہ وہ عملی طور پر ایسے انسان ہیں جو دشمن کے خلاف پیش و عقب پر نگاہ رکھتے ہوئے کسی خود آشنا کی طرح اس کے خلاف حرکت میں آتے ہیں۔

صفِ دشمناں میں وہ پیلی رُتوں کے طوفان، لفظوں کے زہر اور حرفوں کے تیر کی طرح حرکت میں آتے ہوئے لمحوں کا طوفان کھڑا کر دیتے ہیں۔

ماتا! جب وہ مجھے تھانیسر کے مندر سے نکال کر لائے اور جس وقت ہم تھانیسر سے ٹھٹھا کی طرف آنے والی شاہراہ پر صبح کے وقت پہنچے تو تھانیسر مندر کے محافظوں نے ہمارا راستہ آ روکا۔ ان کے تیور بڑے خراب تھے۔

میری ماتا! وہ تعداد میں دس تھے جبکہ ہم صرف تین۔ اور ان تینوں میں بھی میں نہتی تھی اور

ارسلان یا احمد کی کوئی مدد نہ کر سکتی تھی لیکن ۔۔۔ ان دس محافظوں کو میری ماں تم یوں سمجھو کہ اکیلے ارسلان نے وحشت کے تیشے اور لمحوں کی سنگلاخی کی طرح حملہ آور ہو کر ان سب کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ یہ عجب معرکہ تھا۔

سنو میری ماتا! ارسلان نے میرے جسم کے طائر کو پابندیِ قفس سے نجات دی ہے۔ دورانِ سفر میں ان کی عادات، ان کے اطوار سے بھی آگاہ ہو چکی ہوں لہٰذا اے میری ماں! میں اپنے جسم، اپنی جان، اپنی روح، اپنے جیون اور اپنی جوانی کو ان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔

میری ماتا! مجھے امید ہے کہ آپ میرے اس فیصلے سے اختلاف نہیں کریں گی اور مجھے اپنی رضامندی اور خوشی کے ساتھ ارسلان سے بیاہ دینے کا فیصلہ کریں گی"۔

یہ ساری گفتگو سن کر تھوڑی دیر تک کملادیوی خاموش رہ کر ہلکے ہلکے مسکراتی رہی۔ پھر وہ کہنے لگی:

"سنو پاروتی۔ میری بیٹی! میں تمہاری راہ، تمہارے ارادے، تمہارے فیصلے سے اختلاف نہیں کرتی۔ تم میری بیٹی ہو۔ میری زندگی کا سرمایہ ہو۔ میرے جیون کی پونجی ہو۔ تم جو فیصلہ کرو گی میں اس سے مکمل طور پر اتفاق کر دوں گی لیکن مجھے ڈر اور خدشہ ہے کہ تمہاری یہ محبت، یہ چاہت، یہ پریم کہیں یک طرفہ نہ ہو۔

اگر ایسا ہوا میری بیٹی تو کہیں تُو کٹھنائیوں میں ڈوب کر نہ رہ جائے۔ میری بیٹی! اگر تم ارسلان کو پسند کرنے لگی ہو۔ اس سے پریم اور محبت کرنے لگی ہو تو پہلے اسے اپنی طرف مائل کرو۔ اسے آمادہ کرو کہ وہ بھی تمہارے ساتھ محبت کرنے لگے۔ پھر تم اس سے بیاہ کرو تو اسے میں تمہاری کامیابی اور کامرانی تصور کروں گی"۔

جواب میں پاروتی بولی:

"میری ماتا! مجھے یقینِ واثق ہے کہ میں ارسلان کو پوری طرح اپنی طرف مائل کر سکتی ہوں اور اس لئے میں دو ایک بار میں نے ایسا کرنے کی کوشش بھی کی تو مجھے ان کے رویئے ان کی باتوں سے دور دور تک اپنے لیے کامیابی نظر آئی۔

میری ماتا! ان کی زندگی اذیتوں اور تکالیف میں گزری ہے۔ پہلے میں آپ کو ان کے سارے

حالات تفصیل سے بتاتی ہوں۔ پھر آپ اندازہ لگائیے کہ میں انہیں اپنی طرف مائل کر سکی ہوں یا نہیں ۔۔۔؟"

اس کے بعد پاروتی نے ارسلان کے سارے حالات تفصیل سے سنا دیے جو احمد نے اسے بتائے تھے۔ پھر تھانیسر سے سوہدرہ شہر کی طرف سفر کرتے ہوئے راستے میں ارسلان کے پیچھے بیٹھ کر سفر کرنے کی روداد، اس کے کپڑوں کی تبدیلی، پرانے کپڑوں کو دھو کر اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش سے بھی پاروتی نے اپنی ماں کو آگاہ کر دیا۔

پاروتی خاموش ہوئی تو کملا دیوی کہنے لگی:

"سنو پاروتی میری بیٹی! جو حالات تم نے تھانیسر سے لے کر یہاں تک سفر کرنے کے ہیں ان کا بغور جائزہ لیا جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ تم اپنے لیے ارسلان کے دل میں محبت اور پریم کی چنگاری بھرنے میں کامیاب ہو چکی ہو۔ تاہم تم اس سلسلے میں کھل کر ارسلان سے گفتگو کر لو اس لیے کہ اب وہ یہاں سے رخصت ہونے کو ہے۔ اگر تمہارے اور اس کے درمیان چاہت اور پریم کا اظہار اور انکشاف ہو جائے تو پھر وہ تمہاری خاطر ضرور یہاں آیا کرے گا۔ پھر میں کسی مناسب وقت پر تم دونوں کا آپس میں بیاہ کر دوں گی۔ اور اگر آج تم نے اس پر اپنی چاہت کا اظہار نہ کیا تو پھر شاید وہ کبھی لوٹ کر یہاں نہ آئے۔"

اپنی ماں کی یہ باتیں سن کر پاروتی کے حسین نینوں میں سپنوں کی مالائیں اور دودیا لطف و طرب رقص کرنے لگا۔ اس کی حالت خوشی میں اٹھلاتی مست پون اور خوشبو بکھیرتے بے تال کے جادو سی ہو کر رہ گئی۔

خوشی اور مسرت سے مرعوب ہو کر اپنی جگہ سے وہ اٹھی اور والہانہ انداز میں اپنی ماں سے لپٹتے ہوئے کہنے لگی:

"ماتا جی۔ آپ نے میرا جی خوش کر دیا ہے۔ اب میں آپ سے کچھ نہیں مانگتی۔ میں سمجھتی ہوں کہ ارسلان نے مجھے جو آزادی دلائی ہے اس کے بعد مجھے جو سب سے زیادہ قیمتی شے ملی ہے وہ ارسلان کے ساتھ مجھے بیاہ دینے کا آپ کا یہ فیصلہ ہے۔"

کملا دیوی نے اس کی پیشانی چومی۔ پھر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"پاروتی! میں خادماؤں کو کھانا تیار کرنے کے لیے کہتی ہوں۔ ایک خادمہ کو میں بھیجتی ہوں کہ وہ ارسلان کو یہاں لے آئے۔ تم تنہائی میں کھل کر ارسلان سے گفتگو کر لو۔ اس طرح تم دونوں کے درمیان پریم اور چاہت کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

پاروتی نے ماں کے اس فیصلے سے اتفاق کیا۔ پھر کملا دیوی اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد ارسلان اس کمرے میں داخل ہوا۔ جس میں پاروتی بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ جونہی ارسلان اندر آیا، پاروتی نے پرجوش انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور اسے اپنے سامنے نشست پر بٹھایا۔ خود وہ اس وقت تک کھڑی رہی جب تک ارسلان بیٹھ نہیں گیا۔ ارسلان کے بعد وہ بھی بیٹھ گئی۔

ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ ارسلان نے پہل کی اور اس سے پوچھا:

"تم نے مجھے بلایا ہے۔ کیا تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

شرم اور لاج کے باعث پاروتی کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ شرماتی رہی۔ لجاتی ہوئی اپنی حالت پر قابو پاتی رہی۔ پھر وہ قدرے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولی:

"کیا آپ چند دنوں کے لیے رک نہیں سکتے؟"

ارسلان بڑی نرم آواز میں بولا:

"نہیں پاروتی۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میرا اور احمد کا یہاں سے آج ہی کوچ کرنا نہایت ضروری ہے۔"

پاروتی پھر ہمت کر کے بولی:

"اگر آپ آج ہی یہاں سے کوچ کرنا چاہتے ہیں تو کیا میں آپ سے یہ سوال کر سکتی ہوں کہ آپ اس حویلی میں دوبارہ کب تشریف لائیں گے؟"

پاروتی کے اس سوال پر ارسلان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نظروں کی گہرائی میں ان گنت سوالوں کا ایک طوفان تھا۔ پھر اس نے پاروتی سے پوچھا:

"پاروتی! تھانیسر کے مندر سے تمہیں نکال لینے کی جو نیکی میں نے تمہارے ساتھ کی ہے اس کو بھول کر، پس پشت ڈال کر، فراموش کر کے کیا تم دل سے چاہتی ہو کہ مجھے اس حویلی میں لوٹ کر کبھی نہ کبھی آنا چاہیے؟"

اس پہ پاروتی فوراً سنجیدہ ہوگئی اور گہری آواز میں اس نے کہا:

"اگر آپ مجھ سے میرے جذبوں کا اظہار کھل کر ہی سننا چاہتے ہیں تو میں آپ سے یہاں تک کہہ سکتی ہوں کہ آپ کے جانے کے بعد میں اپنے من اور اپنے دل کو یہ تسلی دے لیا کروں گی کہ آپ جہاں کہیں بھی ہیں میرے ہیں اور یہی بات میری خوشی اور اطمینان کا باعث بنی رہے گی۔ میں نے اپنی ماں کو بھی سارے حالات تفصیل سے سنا دیے ہیں اور ان پر یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ میں آپ سے چاہت اور پریم کرتی ہوں۔"

اس بات کو سن کر ارسلان بھی کچھ سنجیدہ سا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا:

"سنو پاروتی! میں خوشی، مسرت اور محبت کے معاملے میں اکثر عہدِ غیض و غضب اور گھُر کی چادر میں لپٹی سرما کی صبح کا ہی شکار رہا ہوں۔

میری زندگی ان جذبات کی وجہ سے تلاطم و اضطراب کی آماجگاہ بنی رہی ہے۔ اگر تم میرے ساتھ محبت اور چاہت کا رشتہ جوڑنا ہی چاہتی ہو تو اس کی ابتدا ہی میں میں تم سے یہ کہہ دوں کہ میرے ساتھ بے وفائی نہ کرنا۔ میرے ساتھ اگر تم رفاقت کی ڈوری باندھنا ہی چاہتی ہو تو اس رفاقت کو اس کی منزل اور انجام تک پہنچانا۔ میری زندگی پہلے ہی غموں اور دکھوں سے بھری ہوئی ہے اس میں میرے لیے مزید پریشانیوں کا اضافہ نہ کرنا!"

ارسلان کی اس بات پر بچاری پاروتی کی آنکھیں بھر آئیں اور ننھے ننھے آنسوؤں کے قطرے اس کی آنکھوں سے چھلکنے لگے تھے۔

پھر اس نے رقت آمیز آواز میں کہا:

"میں آپ سے عہد اور وعدہ کرتی ہوں کہ میں بھولی بسری یادوں کی خوشبو اور روشن لمحوں کی آسودگی بن کر آپ کی زندگی کی ٹیڑھی میڑھی راہوں کے سنگم کو اجال کر رکھ دوں گی۔

میں آپ کو دکھ کے صحرا اور روٹھی شاموں کی تنہائیوں سے نکال کر احساس کی رفاقت اور فضاؤں کی خوشبو کے سنگ اڑا دوں گی۔"

پاروتی کی باتیں سننے کے بعد ارسلان نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر پیار اور محبت سے پاروتی کے دونوں گداز، بھرے بھرے اور چکنے سرخی مائل ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ پھر اس نے بڑی

نرمی اور پیار سے کہا:

"سنو پاروتی! تمہارے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم اپنے آپ کو میری رفاقت میں دیتی ہو تو میں ہمیشہ تمہاری رفاقت پہ فخر اور ناز کروں گا۔ تمہارے ساتھ خلوص سے نباہ کروں گا۔ زندگی بھر تمہیں اپنی زندگی اور جیون کا ایک عزیز ترین ساتھی بنا کر رکھوں گا۔

سنو پاروتی! تمہارے ان شفق رنگ لبوں کی خوشبو مجھے ہمیشہ تمہاری طرف کھینچتی رہے گی۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں گا مجھے یہ احساس ہوگا کہ میں پاروتی کی امانت ہوں اور مجھے کسی بھی صورت اس امانت میں خیانت نہیں کرنی۔"

پاروتی، ارسلان کی باتوں سے کچھ ایسی مرعوب ہوئی کہ وہ آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی اور اس طرح جیسے راوی اور چناب ملتے ہیں۔ جیسے ستلج اور بیاس ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں۔ جیسے گنگا اور جمنا ایک دوسرے میں مدغم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

ارسلان سے لپٹنے کے بعد پاروتی نے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ پھر وہ بڑے خلوص، پیار اور اپنی جان کی پوری مٹھاس سے بولی:

"میرے لیے یہ احساس بھی زندگی کی جولان گاہوں کو سنوارنے کے لیے کافی ہوگا کہ آپ میرے، بس میرے ہیں۔"

پاروتی کی بات سے ارسلان کے چہرے پر گہری مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ پھر اس نے پاروتی کو مخاطب کر کے کہا:

"پاروتی۔ اب جبکہ ہم دونوں آپس میں پریم کا ایک عہد کر چکے ہیں تو اب تم مجھے یہاں سے جانے کی اجازت دو۔"

پاروتی اس سے علیحدہ ہوگئی اور کہنے لگی:

"میں آپ کی خواہش کے خلاف آپ کو یہاں رکنے پہ مجبور نہیں کروں گی لیکن ماتا کھانا تیار کروانے کے لیے گئی ہیں۔ آپ یہاں سے کھانا کھانے اور زادِ راہ لینے کے بعد ہی رخصت ہو سکیں گے۔ اتنی دیر میں میں آپ اور احمد بھائی کے گھوڑوں کی خرجینوں سے میلے کپڑے نکال کر دھو دیتی ہوں۔ اس کے بعد

آپ کھانا کھا کر کچھ دیر سستا لیجیے گا۔ اتنی دیر میں آپ کے کپڑے بھی خشک ہو جائیں گے آپ بھلے کوچ کر جائیے گا۔ میں آپ کی راہ نہیں روکوں گی۔"

یہ فیصلہ ہونے کے بعد ارسلان اٹھ کر احمد کے پاس دیوان خانے میں چلا گیا۔

پاروتی فوراً اپنی جگہ سے اٹھی۔ ارسلان اور احمد کی خورجینوں سے اس نے سارے میلے کپڑے نکال کر جلدی جلدی دھو ڈالے اور انہیں صحن میں بندھی رسی پر لٹکا دیا۔

اتنی دیر میں کھانا تیار ہو چکا تھا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ پھر وہ سب دیوان خانے میں باتیں کرتے رہے۔

اس دوران ارسلان اور احمد کے کپڑے بھی خشک ہو گئے جو پاروتی نے تہہ کر کے خورجین ڈال دیے۔

پھر وہ کوچ کرنے کے لیے اصطبل کی طرف آئے اور اپنے گھوڑے کھول کر اصطبل کے صدر در کے باہر آن کھڑے ہوئے۔

رخصت ہونے سے پہلے کملا دیوی ارسلان کو ایک طرف لے گئی اور بڑے پیار اور شفقت ساتھ کہنے لگی:

"سنو ارسلان بیٹے! پاروتی مجھے تفصیل کے ساتھ اور واضح طور پر بتا چکی ہے کہ تم دونوں سے پریم کرتے ہو۔

مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ تم نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا ہے۔ بیٹے! میں میرے پاس آج سے پاروتی تمہاری امانت ہے۔ تم جب چاہو اس امانت کو اپنے ساتھ لے جا ہو۔ ہاں اگر تم پاروتی کو کچھ عرصے کے لیے میرے پاس رہنے دو تو یہ تمہاری مہربانی ہوگی۔ میں اس کی رفاقت سے لطف اندوز ہو لوں گی۔ اور پھر ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ ابھی اس کا بچپنا طرح اس سے جدا نہیں ہوا۔

دیکھو بیٹے! جب کبھی تم اکیلے یا اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان کی طرف آؤ تو اس حویلی کی طر سمجھ کر آنا کہ یہ حویلی کسی اجنبی یا غیر کی نہیں بلکہ تمہاری اپنی ہے۔

اس لیے کہ پاروتی مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز اور قیمتی ہے اور چونکہ پاروتی تم سے

محبت کرتی ہے لہٰذا پاروتی کی طرح اب تم بھی مجھے اس جگ میں سب سے زیادہ عزیز ہو۔"

ارسلان نے کملا دیوی کی ان باتوں کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا:

"آپ میری طرف سے کوئی فکر نہ کریں۔ اگر آپ پاروتی کو میری امانت قرار دے چکی ہیں تو میں خیانت نہیں کروں گا۔ میں اسے ایسا ہی خوش اور مطمئن رکھوں گا جس طرح آپ اسے اپنے پاس خوش رکھنے کی کوشش کریں گی۔ پاروتی میرے جسم کا ایک حصہ، میری جان اور روح کا ایک جز بن کر میرے ساتھ رہے گی۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔"

ارسلان کی گفتگو سے کملا دیوی خوش اور مطمئن ہو گئی۔ باری باری اس نے ارسلان اور احمد کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ پھر وہ دونوں بھائی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

گھوڑوں کو ایڑ لگانے سے پہلے ارسلان نے ایک پیار بھری نگاہ پاروتی پر ڈالی۔ وہ بچاری ارسلان کی جدائی کے خیال سے کملائے پھول کی طرح زرد ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو امڈے چلے آ رہے تھے جنہیں وہ بڑی مشکل سے روک رہی تھی۔

جب ارسلان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے الوداعی انداز میں اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا تو پاروتی بچاری نے بھی اپنا ہاتھ فضا میں بلند کر دیا۔

اس سمے پاروتی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ اس وقت تک وہاں کھڑی رہی جب تک ارسلان اور احمد ایک گلی کا موڑ مڑ کر اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گئے۔

ارسلان اور احمد کے جانے کے بعد کملا دیوی نے اپنی بیٹی پاروتی کی طرف دیکھا۔ اس بچاری کا ہاتھ برابر فضا میں بلند تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ لگتا تھا کہ ارسلان کی جدائی اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو کر رہ گئی ہے۔

اپنی بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر کملا دیوی تڑپ کر رہ گئی۔

آگے بڑھ کر اس نے پاروتی کا ہاتھ نیچے کیا۔ پھر اسے اپنے ساتھ لپٹا کر وہ حویلی کے اندرونی حصے کی طرف چل پڑی۔

ملتان کے حاکم ابوالفتح داؤد کی گرفتاری کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کو غزنی میں سستانے کا موقع فراہم کیا۔ اس دوران ارسلان اور احمد بھی پاروتی کو تھانیسر مندر سے نکال کر سوہدرا شہر میں اس کی ماں کے حوالے کرنے کے بعد غزنی آن پہنچے۔

سلطان نے ایک بار پھر غزنی سے ہندوستان کا رخ کیا۔ ان کا ارادہ تھانیسر کے قلعے اور اس کے مندروں پہ حملہ آور ہونے کا تھا۔

تھانیسر پر حملہ کرنے کے لیے سلطان کو لاہور کے راستے سے مشرق کی طرف جانا پڑتا تھا اور لاہور پر ان دنوں راجا انند پال کی حکومت تھی۔

ماضی میں انند پال کے ساتھ سلطان کا یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ انند پال جب تک ان کا مطیع و فرمانبردار رہے گا سلطان اس پہ حملہ آور نہیں ہوں گے لہٰذا انند پال، اس کے لشکر یا اس کے علاقے کو نقصان پہنچائے بغیر سلطان لاہور کے راستے تھانیسر کی طرف بڑھے۔

اپنے لشکر کے ساتھ جب سلطان لاہور پہنچے تو انند پال نے ان کا استقبال کیا۔ راجا انند پال سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلطان سے درخواست کی کہ تھانیسر کے قلعے اور وہاں کے مندروں پہ حملہ آور نہ ہوا جائے۔ کیونکہ تھانیسر مہابھارت کے وقت سے ہندوؤں کا متبرک مقام تھا۔ وہاں کے دیوتا وشنو کا تانبے کا بت تھا۔ بت کے ہاتھ میں جنگی ہتھیار تھے۔ اس بت کا نام جگ سوامی یا چکر سوامی تھا۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق یہ کائنات کے وجود میں آنے کے وقت سے قائم تھا۔

راجا انند پال نے سلطان کو لالچ دیا کہ وہ اس مندر کو تباہ نہ کریں۔ اس کے عوض وہ انہیں دو ہزار سوار، ہاتھی، تحائف اور مال و دولت سے لدے ہوئے پچاس ہاتھی مزید پیش کرے گا۔

سلطان محمود نے یہ مال و دولت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

"تھانیسر پہ حملہ ہمارے اس لائحۂ عمل میں شامل ہے جو ہم نے بتوں اور بت کدوں کے خلاف شروع کر رکھا ہے"۔

راجا انند پال نے سلطان محمود کا یہ خشک جواب سن کر چپکے سے سارے ہندوستان کے راجاؤں کو برق رفتار قاصدوں کے ذریعے اطلاع کر دی کہ سلطان محمود تھانیسر کے متبرک مندروں پہ حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔

انند پال کے اس پیغام کا فوری ردعمل ہوا اور ہندوستان کے سارے راجہ حرکت میں آگئے۔ وہ تھانیسر کی حفاظت کے انتظامات کرنے لگے۔

ان سب راجاؤں نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے مرحلے میں جس قدر لشکر تیار ہوا سے کانگڑہ کے راجا رام کے حوالے کر کے سلطان محمود کی راہ روکنے پر مقرر کر دیا جائے۔ اس کے بعد مزید لشکر جمع کیے جائیں اور اگر سلطان محمود پہلے لشکر کو شکست دے کر تھانیسر کی طرف بڑھے تو پھر دوسرا لشکر سلطان کی راہ روک کر کھڑا ہو جائے۔

اس لائحۂ عمل کے تحت جلدی اور عجلت میں ہندو راجاؤں نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور اس لشکر کو کانگڑہ کے راجہ رام کی سرکردگی میں دینے کے بعد سلطان محمود کی راہ روکنے کا حکم دیا گیا۔

کانگڑہ کا راجہ رام اس بڑے لشکر کو لے کر دریائے ستلج کے مشرقی کنارے اس جگہ آ بیٹھا، جہاں سے دریا عبور کرنے کے بعد سلطان محمود کو تھانیسر کی طرف بڑھنا تھا۔

اس دوران ہند کے دوسرے راجا بڑی تگ و دو اور محنت کے ساتھ مزید لشکر تیار کرنے میں معروف رہے تاکہ دوسرے لشکر کو تھانیسر کے قریب مامور کر کے شہر کی حفاظت کے انتظامات کی تکمیل کر دی جائے۔

سلطان نے چند دن لاہور میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیا۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے۔ ابھی وہ دریائے ستلج سے دور ہی تھے کہ ان کے مخبروں نے اطلاع دی کہ ہندوستان کے سارے راجاؤں کے خلاف متحد ہو چکے ہیں اور انہوں نے ایک متحدہ لشکر تیار کیا ہے۔ جو دریائے ستلج کے کنارے اس جگہ گھات میں بیٹھا ہوا ہے جہاں سے گزر کر سلطان نے تھانیسر کی طرف جانا ہے اور یہ کہ اس جرار لشکر کا سپہ سالار کانگڑہ کا راجا رام ہے۔

سلطان نے یہ خبر سننے کے بعد شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد اسی شاہراہ پر سفر جاری رکھا جو لاہور سے بھٹنڈا کو جاتی تھی۔

رات کی تاریکیاں جب چاروں طرف پھیل گئیں تو اچانک سلطان آندھی اور طوفان کی طرح حرکت میں آئے۔ اپنے مخبروں کو انہوں نے اپنے لشکر کے چاروں طرف پھیلا دیا۔ پھر وہ سیدھا آگے بڑھنے کے بجائے بائیں طرف مڑے۔ بیس میل شمال کی طرف بڑھ کر انہوں نے وہاں سے دریائے ستلج کو عبور کیا۔ دوسرے کنارے پر جا نکلنے کے بعد سلطان نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کیا۔

اس حصے کو سلطان نے ارسلان کی کمانداری میں دیتے ہوئے حکم دیا کہ وہ مشرق کی سمت سے ایک لمبا چکر کاٹ کر ہندوستانی لشکر کی پشت پر نمودار ہو تاکہ وہ یہی خیال کرے کہ مسلمانوں کا لشکر اسی قدر ہے جو ان کے ساتھ ٹکرائے گا۔

لشکر کا ایک حصہ سلطان نے عبداللہ طائی کے حوالے کیا۔ اسے یہ حکم ملا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے مشرق میں گھات لگا کر بیٹھ جائے۔ جبکہ سلطان نے دوسرے دونوں جرنیلوں ابونصر اور التون تاشس کو اپنے ساتھ رکھا۔

دراصل سلطان کا مقصد یہ تھا کہ جنگ کی ابتدا ارسلان کی طرف سے ہو اور جب دشمن پوری طرح ارسلان کے ساتھ الجھ جائے تو مشرق کی طرف سے عبداللہ طائی اور دشمن کی پشت سے خود سلطان اپنے دو جرنیلوں ابونصر اور التون تاش کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہو کر اس کے ارادوں کو ادھیڑ کر رکھ دیں۔

اس تدبیر پر عمل کرنے کے لیے ارسلان تیزی سے جنوب کی طرف بڑھا اور دشمن سے دور رہ کر دشمن کے سامنے جنوب میں نمودار ہوا۔

ہندوستان کے متحدہ لشکر نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک انتہائی مختصر سا لشکر کسی طرح سے دریا کو عبور کر کے ان کے سامنے آ نمودار ہوا ہے تو راجہ رام کو بے حد خوشی اور اطمینان ہوا اس لیے کہ اسے پورا یقین تھا کہ وہ اس لشکر کو لمحوں میں ادھیڑ کر رکھ دے گا۔

لہٰذا۔ جونہی ارسلان، راجہ رام کے سامنے آیا، راجہ رام نے جنگ شروع کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے صفوں کو درست کیا۔

دوسری طرف ارسلان نے بھی اپنی صفوں کو درست کرتے ہوئے جنگ کی ابتدا کرنے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔

جنگ کی ابتدا کرنے سے پہلے ارسلان قبلہ رُو ہو کر اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے سجدے کے انداز میں جھک گیا۔ پھر اس نے بڑی انکساری اور عاجزی کے ساتھ اپنے خدا کے حضور دعا کرتے ہوئے دھیمے دھیمے الفاظ میں سسکتے ہوئے کہا:

"اے خدائے زندہ و بیدار!

تُو ہی مکان و لامکاں کا مالک، یسار و یمین کا خالق اور عرض و طول کا رب ہے۔ تُو حاصلِ جستجو اور کارہائے خود ہے۔ پھر بھی تو ہر بن ہر مُو میں موجود ہے۔

اے میرے خدا!

تو رازقِ نیک و بد، احد اور صمد ہے۔ یہ دھرتی یہ آسمان، یہ سائے، یہ اجالے، یہ سب تیرے کُن کے ہی باعث ہیں۔

اے میرے اللہ!

اپنی ذات، اپنی صفات کے طفیل دور و دراز کی ان زمینوں میں مجھے دشمن کے مقابلے میں کامیاب و کامران رکھنا!"

یہاں تک کہنے کے بعد ارسلان نے اپنی گردن سیدھی کی۔ ایک نگاہ اس نے اپنے پیچھے لشکر پر دوڑائی۔ پھر اپنے سامنے دشمن کی طرف دیکھا جو صف در صف اس پر حملہ آور ہونے کے لیے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے ارسلان نے اپنے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں ڈھال کی۔ یہ اس کے لشکر کے لیے جنگ کی ابتدا کرنے کا ایک اشارہ تھا۔

اشارہ پاتے ہی اس کے سارے لشکریوں نے یک زبان ہو کر پوری قوت پوری طاقت تکبیر بلند کی۔ اس کے ساتھ ہی ارسلان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ پیچھے ہی سارے لشکری اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا چکے تھے۔ اس کے بعد ارسلان دشمن پر حملہ آور ہوا۔

ہندوستان کے اس متحد لشکر پہ ارسلان قدرت کے احتساب، صدیوں کی رات جیسے ہجر ماہ وصال، دہکتے خوابوں کے نشتے اور برقِ تاب و تب کی طرح حملہ آور ہوا۔

راجہ رام نے اس خوفناک حملہ کو روکنے اور جوابی حملہ کرنے کی بیحد کوشش کی پھر بھی ارسلان اس کی پہلی صفوں پر خفتگانِ خواب، کرب و حادثات میں ڈھلتے آفتاب، حسنِ بے خد و خال، قامت اور مردہ نبضِ انقلاب جیسی حالت طاری کرنا شروع کر دی تھی۔

چاروں طرف پھر پھر کر، تکبیریں بلند کرتے ہوئے وہ اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھانے کے ساتھ انتہائی خوفناک انداز میں دشمن کی اگلی صفوں کو کاٹنے لگا تھا۔

جنگ کی ابتدا کے ساتھ ہی سلطان محمود بھی اپنے لشکر کے ساتھ شمال کی طرف سے نمودار ہوا۔ اس وقت شمال کی طرف راجہ رام کے لشکر کی پشت تھی لہٰذا دشمن کی پیٹھ کی طرف سے سلطان ظلمتوں دست و گریباں چاند، کڑے لمحوں کے طوفان اور گرد کے گھونگھٹ کی طرح حملہ آور ہوئے۔ راجہ کے لشکریوں کی حالت انہوں نے سر بریدہ آرزوؤں، زرد و ویران، بے کس و گمنام لمحوں جیسی بنا شروع کر دی تھی۔

عین اسی لمحے مشرق کی طرف سے عبداللہ طائی بے تحریر دکھ، شانوں پر سورج اٹھائے صبح ڈھلتی ذات کی کراہوں کی طرح دشمن پر حملہ آور ہو گیا — اور دشمن کے ساتھ بڑی دلیری اور جرأت سے زندگی اور موت کا کھیل کھیلنے لگا۔

تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد ہر طرف آگ و خون کے سحاب دکھائی دینے لگے۔ دریائے ستلج کے کنارے کی بنجر بانجھ زمین کی کوکھ میں خون پسینہ اترنے لگا تھا۔

مسلمان بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے دشمن کے صابوں ٹک کو کاٹتے ہوئے ساحل

گھروندوں کی طرح گرانے اور مٹانے لگے۔

کانگڑہ کا راجہ رام جو ہندوستان کے اس متحدہ لشکر کا کماندار تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ جنگ طول پکڑے اور مسلمانوں کو وہ تھکا کر شکست دینے میں کامیاب ہو جائے لیکن جواب میں مسلمانوں کے حملے ایسے تیز اور خوفناک تھے کہ راجہ رام زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔

ہر سمت سے مسلمانوں نے دشمن کو پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین اطراف سے مسلمان راجہ رام کے لشکر پہ ٹوٹ پڑے تو انہیں دریا کی کسی بھی سمت سے بھاگنے کی راہ نہ دکھائی دی۔

ایک بار انہوں نے ٹوٹ کر سلطان کے لشکر پر حملہ کیا تاکہ اپنے لیے کوئی راستہ بنا سکیں لیکن انہیں ناکامی ہوئی۔

جب انہوں نے دیکھا کہ شکست ان کا مقدر بن چکی ہے تو جدھر جس کے سینگ سمائے وہ ادھر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس بھاگ دوڑ میں کافی لشکری مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ بہت کم اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے اور باقی دریائے ستلج کو عبور کرنے کی غرض سے دریا میں ہی غرق ہو گئے۔

اس طرح دریائے ستلج کے کنارے ہندوؤں کے متحدہ لشکر کو مغلوب کرنے کے بعد سلطان محمود تیزی سے تھانیسر کی طرف بڑھنے لگے۔



ہندوستان کے تمام راجہ ایک لشکر کو ترتیب دینے کے بعد اب دوسرا لشکر جمع کر رہے تھے۔ جبکہ سلطان اس لشکر کو شکست دینے کے بعد تھانیسر کی طرف بڑھ رہے تھے لہٰذا ہندوستان کے تمام راجہ اپنے پہلے لشکر کی شکست کے بعد تھانیسر کا خاطر خواہ دفاع نہ کر سکے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان محمود نے آگے بڑھ کر تھانیسر پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کے تمام بت توڑ دیے۔ وہاں سے ایک بہت نایاب ہیرا روبی، جس کا وزن ۴۵۰ مثقال تھا سلطان کے ہاتھ لگا۔

تھانیسر کے قلعہ اور شہر کو فتح کرنے اور وہاں کے بت کدوں کو مسمار کرنے کے بعد سلطان محمود فارغ ہوئے ہی تھے کہ ان کے مخبروں نے اطلاع دی کہ ہندوستان کے سارے راجاؤں نے ایک اور

لشکر تیار کیا ہے جو کرنال سے سات میل شمال میں تراوڑی کے مقام پر جمع ہو رہا ہے اور جب ان راجاؤں کی طرف سے یہ بڑا لشکر جمع ہو جائے گا تو پھر وہ سلطان کے مقابل آنے کی کوشش کریں گے۔

یہ خبر سنتے ہی سلطان بڑی تیزی سے تراوڑی کی طرف بڑھے اور ہندوستان کے راجاؤں کے لشکر کو جمع ہونے سے پہلے ہی تتر بتر کر کے رکھ دیا۔

اپنے اس دوسرے لشکر کی تباہی و بربادی کے بعد ہندوستان کے راجاؤں نے پھر سلطان کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کی۔ لہٰذا سلطان کامیاب و کامران ہو کر بھٹنڈا اجودھن کے راستے غزنی کی طرف روانہ ہو گئے۔

⊙

غزنی کی طرف جاتے ہوئے جب سلطان نے تلنبہ کے مقام پر پڑاؤ کیا تو ارسلان کے خیمہ میں ایک دن مادھوری کا باپ روپ نرائن داخل ہوا۔

اسے دیکھتے ہی ارسلان اور احمد اپنی جگہ پہ کھڑے ہو گئے۔ روپ نرائن جب قریب آیا تو ارسلان نے اسے اپنے سامنے کی نشست پہ بیٹھنے کو کہا۔

اس نشست پر بیٹھتے ہی روپ نرائن ارسلان کو مخاطب کر کے بولا:

"میں نے اپنی بیٹی مادھوری کے قاتلوں کو تلاش کر لیا ہے۔ وہ دونوں برہمن اور دونوں مسلح جوان جو میری بیٹی کے قتل میں براہِ راست ملوث ہیں، ان دنوں گجرات شہر سے باہر دریائے چناب کے کنارے عین سوہدرہ شہر میں مقیم ہیں۔

میں اپنے ساتھیوں اور قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ ان سے انتقام لے سکتا ہوں لیکن اگر میں نے ایسا کیا تو میرے قبیلے کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہو گا اس لیے کہ ہم تو اچھوت ہیں اور ہندوستان کی دوسری ذاتیں برہمن، کھشتری اور ویش ہمیں اچھا نہیں سمجھتیں۔ اگر ہم نے برہمنوں اور ان کے مسلح جوانوں کو قتل کر دیا تو یہ ہندوستان میں اونچی ذات کے لوگ ہم اچھوتوں کا اس سرزمین میں جینا حرام کر دیں گے۔

لہٰذا میری آپ سے گزارش ہے کہ ان دونوں برہمنوں اور ان کے ساتھی مسلح جوانوں سے میری بیٹی کے قتل کا انتقام لیا جائے۔"

روپ نرائن کی باتیں سن کر ارسلان کا ہاتھ غصے اور غضب ناکی میں اپنی تلوار کے دستے پہ چلا گیا۔

پھر اس نے ایک عزم اور بھرپور ارادہ سے روپ نراش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"روپ نراش! مادھوری کا صرف تمہارے ساتھ ہی رشتہ نہیں تھا بلکہ اس کا میرے ساتھ گہرا تعلق اور رشتہ تھا لہٰذا اے روپ نراش! مطمئن رہو۔ میں مادھوری کے قاتلوں کو یوں آزادانہ انتقام لیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ میں ان کی آگہی پر خود فراموشی، ان کے دل کو ذنگار، ان کی آنکھوں کو پیاسا اور ان کے تمدن کو شب گزیدہ بنا دوں گا۔

سنو روپ نراش! کیا ایسا ممکن نہیں کہ تم دریائے چناب کے کنارے اس مندر تک میری رہنمائی کرو جہاں مادھوری کے قاتلوں نے پناہ لے رکھی ہے تاکہ مجھے انہیں پہچاننے اور ان سے انتقام لینے میں آسانی رہے"۔

جواب میں روپ نراش کے چہرے پر دور دور تک خوشیاں بکھر گئیں۔ پھر وہ بے پناہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے:

"آپ نے ان برہمنوں اور مسلح جوانوں سے میری بیٹی مادھوری کے قتل کا انتقام لینے کے ارادے کا اظہار کر کے میرا من خوش کر دیا ہے۔ میں تو اس مندر تک آپ کی رہنمائی نہ کر سکوں گا لیکن میرے ساتھ میرا ایک آدمی بھی ہے۔ وہ نوجوان ہے اور میرے ہی قبیلے سے اس کا تعلق ہے۔ وہ ان برہمنوں اور مسلح جوانوں کو پہچانتا بھی ہے جو مادھوری کے قتل میں ملوث ہیں۔ وہ اس وقت خیمے کے باہر کھڑا ہے۔ وہ اس مندر تک آپ کی رہنمائی کرے گا"۔

یہ سن کر ارسلان خوش ہو گیا۔ اس بار اس نے اپنے پہلو میں کھڑے احمد کو مخاطب کرتے ہوئے تیزی سے کہا:

"سنو احمد۔ تم میرے اور اپنے گھوڑے پر زین ڈال کر تیار کرو۔ اتنی دیر میں میں سلطان کے پاس جاتا ہوں اور ان سے اس معاملے پر گفتگو کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے سلطان کل یہاں سے غزنی کے لیے کوچ کر جائیں۔ میں ان سے اجازت لے لوں گا کہ میں اور تم برہمنوں اور ان مسلح جوانوں سے انتقام لینے کے بعد گجرات اور ہنڈ کی راہ سے غزنی پہنچ جائیں گے"۔

اس کے بعد ارسلان اپنے خیمے سے نکلنا ہی چاہتا تھا کہ ایک مسلح جوان خیمے میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ اور لباس گرد آلود تھا اور وہ حلیے سے گرد لگتا تھا۔

اسے دیکھتے ہی ارسلان اور احمد کے چہروں پر خوشیاں بکھر گئیں۔ ان کے تاثرات بتاتے تھے کہ وہ شخص نہ صرف ان کا رشتے دار ہے بلکہ ان کے لیے خوش خبریاں لانے والا ہے۔

ارسلان اس سے کچھ کہنے ہی کو تھا کہ وہ نوجوان بول پڑا اور کہنے لگا:

"میں آپ کے لیے ایک اور خوش خبری لے کر آیا ہوں۔ وہ دس قاتل جنہوں نے آپ کے خاندان کو قتل کیا تھا ان میں سے ایک کا خاتمہ آپ نے زرتشت کی قبر کے پاس کر دیا تھا۔ میں ان میں سے دو اور کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

ان دونوں کے نام تیرویہ اور حزمیل ہیں اور ان دونوں نے آجکل اشط شہر سے باہر شمال کی جانب ایک سرائے میں قیام کر رکھا ہے۔ ان کے ساتھ کچھ مسلح افراد بھی ہیں۔

جہاں تک میں ان سے متعلق معلومات رکھتا ہوں یہ لوگ قتلِ انسانی میں ملوث ہونے کے ساتھ ساتھ راہزنی بھی کرتے ہیں۔ اور گزشتہ کئی ماہ سے اسی سرائے میں مقیم ہیں اور آئندہ چند ماہ ان کا وہاں سے کوچ کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے لہٰذا آپ بآسانی اشط شہر کی سرائے میں ان دونوں سے نمٹ سکتے ہیں"۔

اپنے اس ساتھی کی گفتگو سن کر ارسلان کا جی خوش ہو گیا۔ احمد کے چہرے پر بھی ایک خوشگوار مسکراہٹ بکھر گئی۔

ارسلان آگے بڑھا اور اس جوان کو پُرجوش انداز میں لپٹاتے ہوئے کہا:

"ان دونوں کو تلاش کر کے تم یقیناً بہت بڑا معرکہ سر کر کے آ رہے ہو۔ اسی طرح ان کے دوسرے ساتھیوں کے پیچھے بھی پڑے رہو اور انہیں بھی تلاش کرنے کی کوشش جاری رکھو۔

دیکھو۔ میں ابھی تھوڑی دیر تک احمد کے ساتھ ایک مہم پر جا رہا ہوں۔ آج کی رات یہیں میرے خیمہ میں آرام کرو۔ شاید سلطان اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جائیں۔ تم بھی لشکر کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جانا اور سیدھا اشط شہر کی اسی سرائے میں جا کر قیام کرنا جس میں ان دونوں قاتلوں نے قیام کر رکھا ہے۔ وہاں ان پر نگاہ رکھنا۔ میں اپنی اس چھوٹی سی مہم سے فارغ ہونے کے بعد سیدھا احمد کے ساتھ اشط شہر کی طرف آؤں گا۔ پھر ان دونوں قاتلوں سے ایسا نمٹوں گا کہ وہ یاد رکھیں گے"۔

اس نوجوان نے ارسلان کی تجویز سے اتفاق کیا۔ اس کے ساتھ ہی ارسلان روپ نراش کو لے کر

باہر نکل گیا۔

خیمہ کے باہر ایک نوجوان کھڑا تھا اس کی طرف اشارہ کر کے روپ نرائن کہنے لگا:

"یہ میرے قبیلے کا آدمی ہے اور یہی اس مندر تک آپ کی رہنمائی کرے گا جس میں میری بیٹی کے قاتلوں نے پناہ لے رکھی ہے۔"

ارسلان نے تھوڑی دیر سوچا پھر روپ نرائن سے کہا:

"روپ نرائن! تم واپس اپنے قبیلے کی طرف لوٹ جاؤ اور اس نوجوان سے کہو کہ میرے خیمے پر جائے۔ میں سلطان سے بات کر کے آتا ہوں۔ اس کے بعد یہاں سے کوچ کرتا ہوں۔"

ارسلان کا اشارہ پا کر وہ نوجوان اس کے خیمے میں چلا گیا جبکہ روپ نرائن اس سے رخصت ہو کر اپنے قبیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

ارسلان نے اس سلسلے میں سلطان سے بات کی۔ اس کے بعد وہ احمد اور روپ نرائن کے آدمی کو لے کر اپنی منزل، اپنے ہدف کی طرف روانہ ہو گیا۔



ایک روز سرما کی پہلی دوپہر کے وقت ارسلان، احمد اور روپ نرائن کا آدمی دریائے چناب کے کنارے اس مندر کے قریب پہنچ گئے جس کی روپ نرائن نے نشاندہی کی تھی۔

انہوں نے دیکھا مندر سے باہر آموں کے پیڑوں کے گھنے جھنڈ کے اندر کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ روپ نرائن کے آدمی نے ان سے دور ہی اپنے گھوڑے کو روک لیا اور ارسلان کو بڑی رازداری سے مخاطب کر کے بولا:

"وہ سامنے درختوں کے جھنڈ میں جو لوگ بیٹھے ہیں ان میں سے وہ دو جو اتر کی طرف بیٹھے ہیں، وہی دونوں برہمن ہیں جنھوں نے مادھوری کو مسلح جوانوں کے ساتھ مل کر قتل کرا دیا تھا۔ میں ان لوگوں کے سامنے نہیں جاؤں گا اس لیے کہ اگر انھوں نے مجھے پہچان لیا تو پھر میری ہی نہیں ہمارے خانہ بدوش قبیلے کی بھی کم بختی آ جائے گی۔"

اس پر ارسلان نے اسے مخاطب کر کے کہا:

"تم اپنا فرض ادا کر چکے۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

اس کے ساتھ ہی اس نوجوان نے اپنے گھوڑے کو رخ پھیر کر ایڑ لگائی اور اسے سرپٹ دوڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

ارسلان اور احمد اپنے گھوڑوں کو میانہ روی سے چلاتے ہوئے ان لوگوں کے پاس گئے جو آم کے پیڑوں تلے کھجور کی بنی چٹائیوں پر بیٹھے تھے۔

اتر کی طرف بیٹھے ہوئے برہمنوں نے جب ارسلان کو دیکھا تو وہ وحشت زدہ سے ہو گئے اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاید ان دونوں نے اسے پہچان لیا تھا۔

ان دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ رنگ ان کے سرسوں کے سے ہو کر رہ گئے تھے اور وہ گھبراہٹ میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں کی طرف بڑی بے بسی سے دیکھنے لگے۔

اتنی دیر تک ارسلان ان کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ان دونوں برہمنوں کو مخاطب کر کے کہا:

"سنو رات کی کالی چمگادڑوں کے سے انسانو! تم نے کچھ مسلح جوانوں کے ساتھ مل کر خانہ بدوش قبیلے کے سردار روپ نرائن کی بیٹی مادھوری کو قتل کر دیا تھا، صرف اس وجہ سے کہ وہ چند قیمتی جانوں کو تمہارے ہاتھوں سے چھٹکارا دلانے کا باعث بن گئی تھی۔ تم نے اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ مل کر اسے قتل کر دیا۔ پر اس قتل کے انتقام سے کیا تم بچ سکو گے۔

سنو اے برہمنو! آموں کے ان پیڑوں تلے میں تم دونوں کی بھی گردنیں کاٹ کر مادھوری کے قتل کا بدلہ لوں گا۔"

ارسلان کی باتیں سن کر قریب بیٹھا ہوا ایک مسلح نوجوان اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی تلوار اس نے کھینچ لی اور ان دونوں برہمنوں سے پوچھنے لگا:

"یہ کون نوجوان ہے اور کیوں اس انداز میں تم سے مخاطب ہے؟"

اس پر ایک برہمن نے کہا:

"یہ دونوں مسلمان ہیں۔ ان کا تعلق مسلمانوں کے سلطان محمود کے لشکر سے ہے۔ انھوں نے پہلے بھی ایک بار ہمارے دھرم میں دخل اندازی کی تھی۔ اب یہ ہم دونوں کے قتل کے درپے ہیں۔ تم لوگ تو

تو جانتے ہی ہو کہ ہم نے خانہ بدوش اچھوتوں کی ایک لڑکی مادھوری کو دھرم بھرشٹ اندازی کے جرم میں قتل کر دیا تھا اور وہ یہی دونوں ہیں جن سے چھپتے اور ڈرتے ہم تمہارے پاس آ کر پناہ گزیں ہوئے ہیں:

اس پر اس نوجوان نے ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

"سنو نوجوان! میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔ تمہارے نام کیا ہیں لیکن یہاں آنے کے بعد تم دونوں کی حالت اب اس مچھلی جیسی ہے جو آب سے جال میں آ پھنسی ہو۔

سنو۔ اس گمان میں نہ رہنا کہ تم دونوں ان برہمنوں پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کر دو گے۔ یہ تمہاری بھول ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ نوجوان تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ پھر وہ اکتوبر کی سیمابی ہواؤں اور بحر کے حبس کے انداز میں دوبارہ بولا اور کہنے لگا:

"ہم تم دونوں پر نئی رُتوں کے عذاب کی طرح حملہ آور ہوں گے۔ تمہاری سانسوں کے سلسلے اور تمہارے ربط و ضبط کو کاٹ کر رکھ دیں گے۔

دیکھو اجنبیو! اپنے آپ کو خاموشی سے ہمارے حوالے کر دو ورنہ درختوں کے اس گمنام جھنڈ میں ہم تمہاری گردنیں کاٹ کر تمہاری لاشوں کو گدھوں کی خوراک بننے کے لیے لاوارث چھوڑ دیں گے۔"

اس نوجوان کے اس قدر سخت الفاظ سننے کے بعد ارسلان کے چہرے پر غضب ناکیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ اس نے اس جوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"ازل سے لے کر لمحۂ موجود تک تیرے جیسے بھیڑیے اور باؤلے کتے اپنی فطرت میں شامل طلب انا کی خاطر کبھی پت جھڑ کے ٹھہرے موسم کبھی آوارہ مزاج خوابوں کی طرح حقیقت کو چھپانے کے لیے باطل اور معصیت کا ساتھ دیتے رہے ہیں لیکن سن رکھو یہاں تمہاری کوئی تعبیر، کوئی بھی حیلہ میں کامیاب نہ ہونے دوں گا۔

اس لیے کہ درختوں کے اس جھنڈ میں ان دونوں برہمنوں کو مرنا ہی ہے۔ قضا ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔

سنو نوجوان! جب میں تمہارے اور ان برہمنوں کے خلاف سیلاب بلاخیز کی طرح حرکت میں آؤں گا تو تمہارے ہوسِ کار اور تحریکِ بغاوت کو غموں کی شدت میں ڈبو کر رکھ دوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان برق کے کوندے کی طرح حرکت میں آیا اور اس نے اپنی خرجین میں ہاتھ ڈال کر پوری قوت سے لوہے کا ایک گولا اس نوجوان کی طرف دے مارا اور دوسرا گولا نکال کر اس نے ایک برہمن کے سر پر دے مارا۔ پھر اپنے گھوڑے کو حرکت میں لاتے ہوئے اپنی تلوار دوسرے برہمن پر برساتے ہوئے اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔

اس طرح پلک جھپکتے میں ارسلان نے دونوں برہمنوں اور اس مسلح نوجوان کا خاتمہ کر دیا۔ پھر لوہے کے دونوں گولے سمیٹ کر اس نے دوبارہ اپنی خرجین میں رکھ لیے۔

اس صورت حال کے نمودار ہو جانے کے بعد اس مندر کی قریبی عمارت سے آٹھ دس مسلح جوانوں کا ایک گروہ انتہائی خونخواری کے عالم میں نکلا۔ ان سب کے ہاتھوں میں تلواریں اور ڈھالیں تھیں اور جس طرح ان گنت بھوکے بھیڑیے شکارگاہ کی طرف لپکتے ہیں اسی طرح وہ مسلح جوان ارسلان اور احمد کی طرف لپکے آ رہے تھے۔

عین اس وقت جبکہ مندر سے نکلنے والے وہ مسلح جوان اپنی آنکھوں سے چنگاریاں بکھیرتے ہوئے ارسلان اور احمد کی طرف بڑھ رہے تھے، جنوب کی طرف سے ایک سوار نمودار ہوا اور اپنے گھوڑے کو بڑی تیزی سے بھگاتا ہوا قریب آ گیا۔

پھر گویا اس نے ایک طوفان ہی کھڑا کر دیا۔

مندر کے قریب آتے ہی اس نے ایک ہاتھ میں اپنی ڈھال اور گھوڑے کی لگام تھامے رکھی جبکہ دوسرا ہاتھ جس میں تلوار تھی، وہ اس نے فضا میں بلند کرتے ہوئے عجیب سے انداز میں اور انوکھے لہجے میں بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا:

اللہ۔ اللہ۔ اللہ نور السمٰوٰت والارض

وہ آواز کسی نوخیز اور نوعمر لڑکی کی تھی جس سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ سوار کوئی مرد نہیں بلکہ لڑکی تھی۔

اس لڑکی کی آواز روحوں کی تابانی میں نرگسیت کے سیلاب کے جلوے اور شگوفوں کے گیت بکھیرتی وادیوں میں گلاب کی بے قرار خوشبو کی طرح پھیلتی چلی گئی تھی۔ اس کی آواز میں نئی آرائش کی بے تابی

اور سربستہ تکلم کا راز تھا۔

اس کے ان الفاظ کی ادائیگی سے یوں لگتا تھا جیسے نور کے ہالے مکان و لازمان سے اترتے ہوئے روحوں کے مسکن، سماوات کی پنہائیوں اور گرد آلود فضاؤں کے اندر فطرت کے تجبر کی حقیقت اور آفرینش کے تسلسل کی گواہی پھیلانے لگے ہوں۔

الفاظ کی ادائیگی میں لڑکی کا لہجہ بالکل عربوں جیسا تھا جو اپنی منفرد پہچان کو قائم رکھتا ہوا ہر طوفانوں کو سمت عطا کرتے ہوئے کچھ ایسا سماں برپا کرنے لگا تھا جیسے ماورائے حدِ نظر تک پھیلے ہوئے طوفانوں میں زرفشاں راستوں کا جال ہزاروں رنگ بکھیرنے لگا ہو۔

اس لڑکی کے قرآنِ مقدس کے الفاظ کی ادائیگی نے کچھ ایسا سماں باندھ دیا تھا گویا ہر سمت خوشبو سے مخمور ہونے لگی ہو۔ ہر سازِ سُر آپ سے آپ نغمہ سرا ہونے لگا ہو۔ اس لڑکی کی پُرکشش آواز ایسا اپنے اندر جذب رکھنے والے انداز تاتے تھے کہ وہ لڑکی گل اندامیوں کو رقص میں ڈھالنے، ابدی کی تمام قوتوں کو وقت کے دھارے میں ڈبو دینے کے لیے پیدا کی گئی ہو۔

اس لڑکی کی آواز، اس کے الفاظ کی ادائیگی میں، دلاسوں کا سندیس اور انسانیت کا لازوال پیغام تھا۔

قریب آ کر اس نوخیز و عجیب لڑکی نے سیاہ گھوڑے کو روکا جس کے جواب میں اس کا گھوڑا اگلی دونوں ٹانگیں اٹھاتا ہوا فضاؤں میں الف ہو کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ لڑکی دوبارہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتی ہوئی ان مسلح جوانوں کی پشت کی طرف آئی جو مندر سے نکل کر ارسلان اور احمد پہ حملہ آور ہونے کے لیے آئے تھے۔

عجیب سے انداز میں اس ناآشنا اور اجنبی لڑکی نے اپنی تلوار فضا میں بلند کی اور ساتھ ہی بلند آواز سے نعرۂ تکبیر کی صدا لگائی۔ پھر وہ، ان مسلح جوانوں پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھی۔

جس وقت اس اجنبی لڑکی نے تکبیر بلند کی تھی ارسلان اور احمد سمجھ گئے تھے کہ وہ حملہ آور ہونے لگی ہے لہٰذا اس کی آواز کے جواب میں "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے وہ بھی حملہ آور ہونے کے لیے پر تولنے لگے۔

حملہ آور ہونے میں اس لڑکی نے ابتدا کی۔ ان مسلح جوانوں کی پشت کی طرف سے وہ اچھلی ندی کے بھپرے پانی، کراں تا کراں ابر و کہسار اور دشت و شب میں پھیل جانے والے طوفانی تندر کی طرح حملہ آور ہوئی۔

بالکل اس اجنبی لڑکی کے ساتھ ہی ارسلان بھی حرکت میں آیا اور وہ بھی تقدیر کے دھارے، انتظار کے زخم اور طوفانِ الم کی طرح ان مسلح جوانوں پہ ٹوٹ پڑا۔

ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے احمد بھی حرکت میں آیا اور وہ بھی اس کے پیچھے لمحۂ آیند اور خوابیدہ رزدوں پر دستک دیتے ستم گروں کے قبیلے کے پاسبانوں کی طرح حملہ آور ہو گیا۔

دو مسلح جوانوں کو ان کے خون میں نہلانے کے بعد وہ لڑکی پینترا بدلنے کی خاطر پیچھے ہٹ گئی۔ اتنی دیر میں ارسلان تین اور احمد دو جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ باقی صرف دو جوان بچے تھے جو فرار ہونے کو تھے۔

اچانک ارسلان وقت کے کاتب اور بے خواب لمحوں کی طرح ان دو باقی بچنے والے جوانوں پر حملہ آور ہوا اور ایک ہی حملے میں ان دونوں کی گردنیں کاٹ ڈالیں۔

اسی لمحے لڑکی پینترا بدل کر مڑی۔ شاید وہ دوبارہ حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہی تھی لیکن جونہی اس نے دیکھا کہ باقی دو جوانوں کا ارسلان صفایا کر چکا ہے تو اس نے ایک بار پھر اپنے گھوڑے کی لگام ایک جھٹکے سے کھینچی۔

اس کا گھوڑا ایک بار پھر فضا میں الف ہوا۔ ساتھ ہی اس لڑکی نے بڑے بھرپور انداز میں تکبیر بلند کی۔ گویا دشمن کے خلاف وہ اس کی فتح کا نعرہ تھا۔ اس کی تکبیر کے جواب میں ارسلان اور احمد نے بھی پوری قوت سے تکبیریں بلند کی تھیں۔

ان تینوں کے اس انداز میں تکبیریں بلند کرنے سے کچھ ایسا سماں بندھ گیا گویا قطرہ قطرہ بنتی بوندوں کے اندر ہر بستی کا چہرہ، چہرۂ یوسف، فرعون کی دنیا کا سینہ، سینۂ منور اور نظامِ مہ و انجم رخِ رشیا نیلوفری کی قبائے ساز رنگ، رنگ میں تبدیل ہو کر رہ جائے گی۔

اس اجنبی لڑکی نے جب دیکھا کہ سب مسلح جوان ختم ہو چکے ہیں تو تھوڑی دیر تک اپنی جگہ رک کر بڑے غور سے ارسلان کی طرف دیکھتی رہی۔ اس نے اپنے جسم کو پوری طرح سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کے اوپر چمڑے کے سرخ پاجامے پر اسی رنگ اور چمڑے کا لبادہ تھا۔ سر پر آہنی خود تھا جس کا نقاب

اس نے اس انداز میں اپنے چہرے پر گرا رکھا تھا کہ اس کی شکل یا چہرہ دیکھا نہ جا سکتا تھا۔

ہاں جس وقت وہ ارسلان کے دشمنوں پر حملہ آور ہوئی تھی اس وقت جس ہاتھ میں اس نے تلوار رکھی تھی اس کا وہ ہاتھ اور بازو کا اگلا تھوڑا سا حصہ فضاؤں کے اندر چمکتے ہیرے اور سرخ گلاب کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اپنی جگہ پہ رک کر تھوڑی دیر تک وہ لڑکی محبتوں کے نگر، سکون کے سائباں، دھوپ جہازوں تا پتی لہروں، انجانے سفر اور گہری خاموشی کے فسوں کی طرح ارسلان کی طرف بڑے پیار اور انہماک کے ساتھ دیکھتی رہی۔ پھر دفعتاً وہ حرکت میں آئی۔ اپنے گھوڑے کو اس نے ایڑ لگائی اور سرپٹ دوڑاتی ہوئی اسی طرف بڑھنے لگی جدھر سے وہ آئی تھی۔

اس لڑکی کو جاتے ہوئے دیکھ کر ارسلان نے اپنے پہلو میں کھڑے احمد سے کہا:

"بھائی! ہمیں اس لڑکی کا تعاقب کرنا چاہیے اور جاننا چاہیے کہ یہ کون ہے۔ کیوں یہ ہمارا ساتھ دینے کے لیے آئی ہے اور ہندوستان کی سرزمین کے اندر اس لڑکی نے کس ناطے، کس تعلق کی بنا پر ہمارے حق میں یہ کردار ادا کیا ہے؟"

اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر ارسلان جب اس لڑکی کے تعاقب میں جانے لگا تو احمد نے ذرا آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور اسے سمجھانے کے انداز میں بولا:

"ارسلان میرے بھائی! ہمیں اس لڑکی کا تعاقب نہیں کرنا چاہیے۔ کیا ہمارے لیے یہ کافی نہیں کہ ان اجنبی زمینوں میں یہ لڑکی بر وقت ہمارے کام آئی ہے اور دشمن کے خلاف ایسے ہی صف آرا ہوئی ہے جیسے یہ ہماری ذات کا ایک حصہ ہو۔ لہٰذا تعاقب کر کے ہمیں اس کی راہ نہیں روکنی چاہیے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے اس لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے تاکہ اگر یہ لڑکی واقعی ہمارے حق میں ہے تو یہ ہماری حمایت اور ہماری مدد کے اس سلسلے کو مستقبل میں بھی جاری رکھے۔ اگر ہم نے اس کا تعاقب کر کے اسے عیاں کر دیا۔ اور اس کی چھپی ہوئی حقیقت کو آشکارا کر دیا۔ اس کے راز کو فاش کر دیا تو میں سمجھتا ہوں کہ آنے والے دور میں یہ لڑکی آڑے وقت میں ہمارے کام نہیں آئے گی۔

اس لڑکی کا ہمارے دشمنوں کے ساتھ صف آرا ہونا، پھر ان مسلح جوانوں کا خاتمہ کرنے کے بعد لگاتار تمہاری طرف دیکھتے رہنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ لڑکی نہ صرف تمہاری حمایت اور مدد

ہے بلکہ کوئی ایسی لڑکی ہے جو تم سے محبت کرتی ہے"۔

احمد کے یہ الفاظ سننے کے بعد ارسلان تھوڑی دیر تک گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے اپنا سر آہستہ سے اٹھایا اور بولا:

"نہ جانے یہ کون اجنبی اور ناآشنا لڑکی ہے جو ان سرزمینوں میں ہماری مدد اور حمایت کے لیے یوں نمودار ہوئی ہے جیسے غبار آلود موسم میں دیے کی شفتی لو، جیسے لمحہ آفاق گزرگاہِ محبت میں گرتے اڑتے آنچل۔

وہ اس مندر کے مسلح محافظوں پر ہماری حمایت میں اس طرح حملہ آور ہوئی جیسے شرمیلے چہرے کے تعاقب میں آنکھیں لگ جاتی ہیں۔ جیسے رات کے تعاقب میں لطیف چاندنی بکھر پڑتی ہے۔ یہ لڑکی ہمارے لیے گہری خاموشی کی صفوں میں شام کے فشار کی طرح رواں دواں ہوئی ہے جس طرح کوہساروں کے پس پردہ چپ وادی میں پرندوں، تتلیوں اور جھرنوں کے دلکش رقص کی ابتدا ہوتی ہے، ایسے ہی یہ لڑکی بھی ناآشنا سے انداز میں ہمارے ان دشمنوں پر نئے موسموں کے عذاب اور زرد پتے اڑاتی سرد ہواؤں کی طرح حملہ آور ہوئی ہے اور پھر نظروں میں ڈوبتے خوابوں، گئے دنوں کی دھوپ اور مسافر پرندوں کی طرح اچانک جس سمت سے آئی تھی اسی سمت چلی گئی۔

سنو احمد میرے بھائی! جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں یہ لڑکی ہندوستان کی سرزمین کی رہنے والی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ لڑکی مسلمان ہے۔

تیسری صفت یہ ہے کہ لڑکی عرب ہے کیونکہ وہ کلامِ مقدس کی آیت پڑھتی ہوئی ہماری حمایت اور مدد کے لیے ہمارے دشمنوں پہ حملہ آور ہوئی تھی اور اس کے قرآنِ مقدس پڑھنے کا انداز، اس کا لہجہ اور اس کا الحان خالص ترین عربوں جیسا تھا۔

پھر وہ جس طرح سے مندر کے محافظوں پر حملہ آور ہوئی اس کا وہ انداز بھی کلیۃً حجاز کے بدوؤں جیسا تھا۔ کاش میں جان سکتا کہ یہ لڑکی کون ہے۔ کاش مجھے یہ علم ہو جاتا کہ وہ کیوں میری حمایت اور میری مدد پر کمربستہ ہے۔

کاش کوئی حکیم اور دانا مجھ پر یہ انکشاف کر سکتا کہ ماضی میں اس لڑکی سے میری ملاقات کہاں ہو چکی

ہے۔ کاش میں یہ جان سکتا کہ یہ لڑکی کہاں رہتی ہے۔ اس کی پرورش کن زمینوں میں ہوئی ہے۔ کاش کوئی مخبر مجھے یہ بتا سکتا کہ اس لڑکی نے کیوں اور کیسے میرے ساتھ رابطے اور ضابطے استوار کیے ہیں؟"

ارسلان خاموش ہو گیا۔ تب احمد نے اس سے کہا:

"سنو ارسلان میرے بھائی! ہمارے حق میں اس لڑکی کا کردار واقعی عجیب سا محسوس ہوتا ہے لیکن اس لڑکی کی اصلیت کی جستجو میں پڑنے سے کیا یہ زیادہ بہتر نہیں کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ جس طرح آج ہماری مدد کے لیے آئی ہے آئندہ بھی ضرور آئے۔

مجھے یہ خدشہ اور ڈر ہے کہ اگر ہم نے اس لڑکی کا تعاقب کر کے اس کی اصلیت جاننے کی کوشش کی تو کہیں یہ ہمارا ساتھ چھوڑنے کا ارادہ نہ کر لے۔

اے میرے بھائی! تو نے دیکھا ہماری طرف آتے اور ہمارے دشمنوں پر حملہ آور ہوتے وقت اس لڑکی نے اپنے سارے جسم کے ساتھ ساتھ اپنے چہرے کو بھی ڈھانپ رکھا تھا جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ لڑکی اپنے آپ کو ہم پر عیاں نہیں کرنا چاہتی بلکہ چھپ کر اور پسِ پردہ رہ کر ہماری مدد کرنا چاہتی ہے لہٰذا اس کی حقیقت کی جستجو میں پڑنے کے بجائے ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے جب وہ اپنے آپ کو عیاں کر کے ہمارے سامنے آن کھڑی ہو"۔

احمد کی اس گفتگو کے جواب میں ارسلان پر تھوڑی دیر تک سوچ کا غلبہ رہا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا:

"احمد میرے بھائی! تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ اگر یہ لڑکی اپنے آپ کو چھپا کر اور اپنی ذات کو راز میں رکھ کر ہی ہمارا ساتھ دینا چاہتی ہے تو یوں ہی سہی۔ میں تمہارے کہنے پر اس وقت کا انتظار کروں گا جب یہ لڑکی آپ سے آپ خود کو ہم پر عیاں کرے۔ پھر میں اس سے سوال کروں گا کہ اس کا تعلق کن سرزمینوں سے ہے۔ کیسے وہ حجاز کی سرزمین سے ہندوستان میں وارد ہوئی۔ کیسے اسے میرے حالات کی خبر ہوئی کس کے کہنے پر وہ ہماری مدد اور ہماری حمایت پہ کمربستہ ہوئی؟"

ارسلان تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوا۔ پھر اس نے مندر کے سامنے درختوں کے جھنڈ تلے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"سنو اس مندر کے خدمت گارو اور پجاریو! ہماری تمہارے ساتھ کوئی دشمنی کوئی عداوت نہیں

جن برہمنوں کو ہم نے قتل کیا ہے یہ مجرم اور قاتل تھے۔ انھوں نے دریائے جہلم کے کنارے خانہ بدوشوں کی ایک لڑکی کو اس لیے قتل کر دیا تھا کہ اس لڑکی نے ہماری مدد سے اپنے باپ اور قبیلے کے کچھ ساتھیوں کو ان برہمنوں کی گرفت سے آزاد کروایا تھا۔

یہاں جمع ہونے والے لوگو! یہ دونوں برہمن اپنے دو مسلح جوانوں کے ساتھ بھیرہ کے قریب کے اس مندر سے بھاگ کر اس طرف آئے تھے۔ ان دونوں برہمنوں کا تو ہم نے خاتمہ کر دیا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی ہمیں یہ بتائے گا کہ ان دو برہمنوں کے ساتھ جو دو مسلح جوان آئے تھے وہ کہاں ہیں؟

اگر تم میں سے کسی نے ہماری بات کا جواب نہ دیا تو پھر سن رکھو کہ ہم تم لوگوں پر بھی سختی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے"۔

اس پر وہاں بیٹھے لوگوں میں سے ایک اٹھا اور ارسلان سے کہنے لگا:

"اے اجنبی۔ ان دونوں مسلح جوانوں کی تلاش میں تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ جب تم نے دونوں برہمنوں اور یہاں سے اٹھنے والے ایک مسلح جوان کو قتل کر دیا تھا اور اس کے جواب میں مندر سے دس مسلح جوان نکلے تھے تو ان دس میں ان مرنے والے دونوں برہمنوں کے دونوں ساتھی اور محافظ بھی شامل تھے۔ اب وہ بھی تمہارے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں لہٰذا ان دونوں کی تلاش میں تمہیں کہیں اور نہ جانا پڑے گا"۔

اس آدمی کی بات سن کر ارسلان خوش ہو گیا۔ پھر اس نے احمد کی طرف دیکھ کر کہا:

"احمد میرے بھائی! آؤ اب اشط شہر کی طرف کوچ کریں اور وہاں قیام کرنے والے اپنے چند خاندانی دشمنوں سے نمٹ کر اپنے فرائض کا بوجھ ہلکا کر لیں"۔

احمد نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

پھر دونوں بھائیوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور ان کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے مغرب کی طرف پیش قدمی کرنے لگے!

○

احمد اور اپنے مخبر کے ساتھ ارسلان منزل پہ منزل مارتا ہوا دریائے چناب سے روانہ ہونے کے بعد پشاور، غزنی، ہرات، مشہد، نیشاپور، جرجان اور رے شہر سے ہوتا ہوا ایک صبح کو انطاکیہ کی اس سرائے میں داخل ہوا جس کی نشاندہی اس کے مخبر نے کی تھی۔

جب وہ تینوں اس سرائے کے اصطبل کے قریب آئے تو ارسلان کا مخبر اپنا گھوڑا ارسلان کے قریب لایا اور رازداری کے ساتھ اس سے مخاطب ہو کر بولا:

"آپ دونوں بھائی اپنے گھوڑوں کو اصطبل میں باندھ کر میرا انتظار کریں۔ میں بھی اپنے گھوڑے کو اصطبل میں باندھ کر اپنے ان دونوں دشمنوں اور ان کے ساتھیوں کو دیکھتا ہوں کہ اس وقت وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟"

مخبر کی تجویز سے ارسلان نے اتفاق کیا۔ تینوں اصطبل میں داخل ہوئے۔ مخبر اپنا گھوڑا باندھ کر سرائے کے سکونتی حصے کی طرف چلا گیا جبکہ ارسلان اور احمد وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے لگے۔

تھوڑی دیر کے بعد مخبر لوٹا۔ اس کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کے تاثرات تھے۔ اصطبل میں آنے کے بعد وہ رازداری کے ساتھ ارسلان سے بولا:

"آپ کے دونوں دشمن اس وقت سرائے کے ایک کمرے میں اپنے دو محافظوں کے ساتھ بیٹھے کھا رہے ہیں۔ وہ پوری طرح مسلح ہیں۔ میرا خیال ہے ان لوگوں سے ہمیں سرائے کے اندر نہیں نمٹنا چاہیے"۔

مخبر کی اس اطلاع پر ارسلان نے مسکراتے ہوئے کہا:

"تمہاری یہ اطلاع کہ ہمارے دونوں دشمنوں نے اپنے دونوں محافظوں کے ساتھ ابھی تک سرائے میں قیام کر رکھا ہے میرے لیے اطمینان اور تسلی کا باعث ہے۔

سنو! ان دونوں سے ہم یقیناً اس سرائے میں نہیں نمٹیں گے کہ اس طرح ہمارے لیے خطرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان سے نمٹنے کے لیے میں نے یہ طریقہ کار وضع کیا ہے کہ ہم تینوں بھی اس سرائے میں قیام کریں گے۔ جب تک وہ دونوں اپنے محافظوں کے ساتھ اس سرائے میں ٹھہریں گے ہم بھی یہیں رکیں گے اور جب وہ یہاں سے کوچ کریں گے تو پھر ہم ان کا تعاقب کریں گے۔

سرائے میں قیام کے دوران ہمیں ان پر گہری نگاہ رکھنی پڑے گی۔ ہمیں ان کی ہر ہر حرکت پہ نظر رکھنا ہو گی تاکہ وہ جس وقت بھی سرائے چھوڑیں اسی وقت ہم ان کے پیچھے لگ جائیں۔ اس سرائے سے نکل کر وہ جس سمت کا بھی رخ کرتے ہیں ہم سائے کی طرح ان کا تعاقب کریں گے اور کسی مناسب جگہ ان کی راہ روک کر اپنے انتقام کی آگ کو بجھائیں گے"۔

چند ثانیے رکنے کے بعد ارسلان نے اپنے مخبر کو مخاطب کر کے دوبارہ کہا:

"سنو میرے دوست! میں اور احمد اسی اصطبل میں رک کر تمہارا انتظار کرتے ہیں۔ تم سرائے کے مالک کے پاس جاؤ اور اپنے لیے ایک کمرہ حاصل کرنے کی کوشش کرو جس میں قیام کر کے ہم اپنے دشمنوں پر نگاہ رکھ سکیں"۔

ارسلان کا یہ فیصلہ سن کر مخبر پیچھے ہٹا۔ پھر وہ سرائے کے سکونتی حصے کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ میں پیتل کی ایک بڑی سی چابی تھی جسے اس نے ارسلان کے سامنے لہراتے ہوئے کہا:

"میں سرائے میں ایک کمرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ کمرے کو کھلوا کر اس کی صفائی کروانے کے بعد میں آپ کی طرف آیا ہوں۔ ہم تینوں اس کمرے میں بڑے آرام اور سکون کے ساتھ قیام کر سکتے ہیں۔

میرے خیال میں آپ دونوں بھائی اس کمرے میں چل کر آرام کریں۔ میں گھوڑوں کی زینیں اور ڈھالیں اتار کر ان کے چارے کا بندوبست کرتا ہوں۔

اس کے بعد میں ان کی خرجینیں اتار کر کمرے میں لے آتا ہوں کیونکہ سرائے میں مقیم دونوں دشمن

آپ دونوں بھائیوں کو پہچانتے ہیں۔ اگر انھوں نے آپ کو دیکھ لیا تو محتاط ہو جائیں گے اور ہمارے خلاف تیار اور ہشیار ہو جائیں گے جبکہ مجھے وہ نہیں پہچانتے۔ میں اس سرائے میں قیام کے دوران پر گہری نگاہ رکھوں گا اور جب بھی وہ اس سرائے سے نکلے میں آپ دونوں کو فوراً اس بات کر دوں گا۔"

ارسلان نے مخبر کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر وہ اس سے کہنے لگا:

"تم ایسا کرو کہ ہمیں وہ کمرہ دکھاؤ جو تم نے کرائے پر لیا ہے۔ اس کے بعد تم اصطبل میں گھوڑوں کے چارے کا انتظام کرنا۔"

مخبر، ارسلان اور احمد کو لے کر ایک کمرے کے سامنے آیا۔ دروازے کا قفل کھولا اور ارسلان سے مخاطب ہو کر کہا:

"آپ دونوں بھائی اس کمرے میں آرام کریں۔ میں تھوڑی دیر تک گھوڑوں کے چارے کا انتظام کر کے لوٹتا ہوں۔ آتی دفعہ میں اپنے اور آپ کے لیے کھانا بھی لیتا آؤں گا۔"

ارسلان اور احمد اس کمرے میں داخل ہو گئے۔

مخبر نے تھوڑی دیر تک اصطبل میں رہنے کے بعد تینوں گھوڑوں کی زینیں اور ڈھالیں اتار کر کے چارے کا انتظام کیا۔ اس کے بعد وہ گھوڑوں سے لٹکتی ہوئی چرمی خرجینیں اتار کر چھوڑ کر سرائے کے مطبخ کی طرف چلا گیا۔

وہاں سے وہ تین آدمیوں کا کھانا لے کر آیا۔ تینوں نے مل کر پہلے کھانا کھایا۔ پھر احمد اور ارسلان کمرے میں آرام کرنے لگے جبکہ مخبر کمرے سے نکل کر سرائے کے اطراف میں گھومنے لگا تاکہ ان کے دشمنوں پر نگاہ رکھ سکے۔

○

اس سرائے میں ارسلان اور احمد اور ان کے مخبر کو لگاتار چھ روز تک قیام کرنا پڑا۔ ساتویں روز سورج کافی چڑھ آیا تھا ارسلان کا مخبر تقریباً بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے وہ جلدی جلدی کہنے لگا:

"ہمیں جس لمحے کا انتظار تھا وہ آن پہنچا ہے۔ آپ کے دشمن اور ان کے دونوں محافظ اس سرائے سے کوچ کرنے لگے ہیں۔ وہ اس وقت اصطبل میں ہیں۔ آپ دونوں بھائی جلدی جلدی تیار ہو جائیں۔ اتنی دیر میں میں آپ کے اور اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈالتا ہوں۔"

مخبر کی اس اطلاع پر ارسلان اور احمد تقریباً اچھل کر اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے۔ فوراً انھوں نے اپنے جنگی لباس پہنے اور ہتھیار درست کرنے لگے۔

اس دوران مخبر بھی حرکت میں آیا۔ گھوڑوں کی چرمی خرجینیں اٹھا کر وہ اصطبل کی طرف چلا گیا جبکہ ارسلان اور احمد کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا رکھ کر بڑے غور سے اصطبل کی طرف دیکھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد اصطبل سے چار سوار آہستہ آہستہ اپنے گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے نمودار ہوئے اور سرائے کے صدر دروازے کی طرف چلے گئے۔

اسی دوران مخبر بھاگتا ہوا پھر ارسلان کی طرف آیا اور بولا:

"یہ ابھی ابھی جو چار سوار نکلے ہیں ان میں سے دو آپ کے دشمن اور دو ان کے محافظ ہیں۔ میں تینوں گھوڑوں پر زینیں ڈال لینے اور انہیں دہانے چڑھانے کے بعد خرجینیں بھی زینوں کے ساتھ باندھ چکا ہوں لہذا اب ہمیں بھی سرائے سے نکل کر ان کے تعاقب میں چل دینا چاہیے۔"

اپنے مخبر کی اس اطلاع کے جواب میں کچھ کہے بغیر ارسلان کمرے سے نکلا اور اصطبل کی طرف لپکا۔ جبکہ احمد اور مخبر بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

تینوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ایک طرح سے گھات میں رہتے ہوئے اپنے دشمنوں کے تعاقب میں لگ گئے۔

○

ارسلان اور احمد کے خاندان کے قاتل شیرویہ اور خزمیل اپنے دونوں محافظوں کے ساتھ اشطخر کی اس بیرونی سرائے سے نکل کر مشرق کی طرف جانے والی شاہراہ پر بڑی تیزی سے سفر کر رہے تھے۔ وہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

ارسلان اور احمد بھی اپنے مخبر کے ساتھ مناسب فاصلہ رکھتے ہوئے شیرویہ، خزمیل اور ان کے

دونوں محافظوں کا تعاقب کرنے لگے۔ شاید ارسلان اپنے دشمنوں سے کسی مناسب وقت اور جگہ پر نپٹنا چاہتا تھا لہذا یہ تعاقب جاری رہا۔

دوپہر کے قریب جب سورج کی چلچلاتی دھوپ نے ہر شے کو تپتے ہوئے توے کی طرح گرم کر دیا تھا اچانک شیرویہ اور خرمیل کا تعاقب کرتے ہوئے ارسلان نے عجیب سے انداز میں احمد کی طرف دیکھا۔ اپنے گھوڑوں کو بھگاتے ہی بھگاتے دونوں بھائیوں نے آنکھوں آنکھوں میں کوئی مشورہ کیا پھر ارسلان نے مڑ کر مخبر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"ہم اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کرنے جا رہے ہیں۔ تم ہمارا ساتھ دو اس لیے کہ ہم دشمنوں سے نمٹنے کا ارادہ کر چکے ہیں"۔

جواب میں مخبر نے اپنی گردن کو خم کرتے ہوئے اپنی تائید کا اظہار کیا۔ پھر تینوں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے دشمن سے فاصلہ کم کرنے لگے۔

تھوڑی ہی دیر میں انھوں نے شیرویہ اور خرمیل اور ان کے محافظوں کو جالیا ان پر حملہ آور ہونے کے بجائے وہ ان سے آگے نکل گئے۔ پھر ایک میل آگے جا کر جہاں شاہراہ ایک چوراہا بناتی تھی وہاں وہ اپنے دشمنوں کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد شیرویہ، خرمیل اور ان کے دونوں محافظ بھی اس چوراہے پر پہنچ گئے جہاں بیک وقت تین سمتوں میں شاہراہیں ایک دوسرے سے گلے مل کر جدا ہوتی تھیں۔ ایک شاہراہ دائیں طرف رے اور قم شہروں سے ہوتی ہوئی اصفہان کی طرف چلی گئی تھی۔ دوسری شاہراہ بائیں جانب کرمان سے گزرتی ہوئی اور گنج کی طرف نکل گئی تھی اور تیسری سیدھی آگے جرجان، نیشاپور اور مشہد شہروں سے ہوتی ہوئی ہرات کے پاس سے گزر کر بست شہر کی طرف چلی گئی تھی

اس چوراہے پر آ کر شیرویہ اور خرمیل نے جب دیکھا کہ تین سواروں نے ان کی راہ روک لی ہے تو وہ بڑے متعجب اور پریشان ہوئے۔

○

انھوں نے ارسلان اور احمد کو پہچانا نہ تھا اس لیے کہ انھوں نے اپنے چہروں پر ابھی خود کے نقاب

گرا رکھے تھے۔ صرف ارسلان کے مخبر نے اپنا چہرہ ڈھانپا نہ تھا اور شیرویہ اور خرمیل اسے جانتے یا پہچانتے ہی نہ تھے۔

اس صورت حال میں شیرویہ حرکت میں آیا اور ارسلان اور احمد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان دونوں کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا:

"تم لوگ کون ہو اور ان سنسان راستوں پر کیوں تم ہماری راہ روک کر کھڑے ہو۔ اگر ہماری تمہاری کوئی دشمنی ہے اور ان ویرانوں کے اندر تم ہمارے ساتھ اپنی دشمنی کا اظہار کرنا چاہتے ہو تب بھی تم نقصان اور گھاٹے میں رہو گے اس لیے کہ تم تعداد میں تین ہو اور ہم چار ہیں۔ میرا نام شیرویہ اور میرے ساتھ یہ میرا ساتھی خرمیل ہے باقی دونوں ہمارے محافظ ہیں۔ ہم دونوں بے مثل تیغ زن ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے دشمنوں پر ضرب لگانے کا فن بھی خوب جانتے ہیں۔ یہ جو ہمارے دونوں محافظ ہیں یہ بھی ہماری طرح تلوار کے فن میں بے مثال ہیں لہذا میں تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ اگر ہمارے ساتھ تمہاری کوئی دشمنی بھی ہے تو اسے فراموش کر کے یہاں سے چلے جاؤ۔

اگر تم نے ہماری راہ روکے رکھی۔ ہمارے خلاف ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو پھر سن رکھو کہ ہم تم پر حملہ آور ہونے پر مجبور ہوں گے اور ایک بار ہم تم پر حملہ آور ہو گئے تو پھر تمہارے بچنے کا کوئی امکان نہ رہے گا۔ اس لیے کہ پھر ہم تمہیں معاف نہ کریں گے جب تک کہ ہم تمہیں تمہارے ہی خون میں نہلا کر ان ویرانوں کی ریت میں دفن نہ کر دیں"۔

شیرویہ خاموش ہو گیا۔

تب ارسلان حرکت میں آیا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے بولا:

"سنو! محبت و وفا کی کھیتی کی بربادی کے ذمے دارو! الفت کی پاکیزہ کلیوں کو پامال کرنے والو! گھر کی فصیلوں کو بے کراں چپ اور نایاب جلوں کو ادھوری خواہشوں کا شکار کرنے والو!

تم لوگ خوشی کے بھولے بھٹکے لمحوں کو زنگ آلود وعدوں کا لبادہ اوڑھانے والے ہو ۔۔۔ آج ہم تمہارے ان لبادوں کو چیرنے اور تمہاری ان زنگ آلود زنجیروں کو کاٹنے تمہاری راہ روک کر کھڑے ہیں"۔

اس کے ساتھ ہی ارسلان نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ اس کی دیکھا دیکھی احمد بھی اپنے چہرے سے اپنے نقاب کو ہٹا چکا تھا۔

تھوڑی دیر تک شیرویہ اور خرمیل کی طرف غور سے دیکھنے کے بعد ارسلان پھر بولا:

"سنو شیرویہ اور خرمیل! تم دونوں مجھے اور میرے عم زاد احمد کو پہچان چکے ہو گے اور تم یہ بھی جان چکے ہو گے کہ ہم نے تمہاری راہ کیوں روکی ہے؟

اگر تم دونوں کے ساتھ تمہارے دو محافظ بھی ہیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا ہمارے ساتھ ہمارا ساتھی بھی ہے مگر اسے ہم تمہارے ساتھ لڑائی میں شریک نہیں کریں گے بلکہ یہ ایک طرف کھڑا ہو کر ہمارے ہاتھوں در پیش تمہاری بے بسی اور لاچاری کا تماشہ دیکھے گا۔

ہم دونوں کو پہچان چکنے کے بعد تم یہ بھی جان چکے ہو گے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کیا دشمنی اور کیا عداوت ہے"۔

ارسلان کی گفتگو سننے اور دونوں بھائیوں کے پہچاننے کے بعد شیرویہ نے بڑے غور سے خرمیل کی طرف دیکھا پھر اس نے ارسلان اور احمد کو مخاطب کر کے کہا:

"اگر تم دونوں بھائیوں نے اس لیے ہماری راہ روکی ہے کہ تم ہم سے اپنے خاندان کے قتل ہونے والے افراد کا انتقام اور بدلہ لے سکو گے تو یہ تمہاری بھول اور غلط فہمی ہے۔ ہم وہ لوگ ہیں جو دلوں میں صحرا کا اضطراب اور بحر کے ماتھے پر درد کی دھوپ کا طوفان کھڑا کرتے ہوئے اپنے دشمنوں پر وارد ہوتے اور نازل ہوتے ہیں۔

سنو اور لکھ رکھو کہ ہم ان جنگجوؤں میں سے ہیں جو گھری خاموشیوں پر پامالی اور بدحالی اور بے رنگ ساعتوں پر پرانے اداس نوحے طاری کر دیتے ہیں۔

شکستہ روحوں کے خواب دیکھنے والو! مجھے غور سے سنو تم وہ لوگ ہو جو عقلی کشتی، ذہنی دنگل برپا کرنے کے ماہر ہو پر جب میں اور یہ میرے ساتھی قہرمانی اور دلسوزی کا طوفان بن کر تم پر وارد ہوں گے اور تم پر اپنی بربریت کے ساتھ نزول کریں گے تو تم ہماری راہ روکنا تو بہت دور کی بات ہے اپنی جانوں کی حفاظت سے معذور ہو کر رہ جاؤ گے۔

سنو خزاں کے رفیقو! میں اور میرے ساتھی سنگین لمحوں اور نفرت کا طوفان بن کر تمہارے شعور، تمہارے افکار اور تمہاری آگہی پر مہیب و تاریک راستوں کی کیفیت طاری کر دیں گے۔ یہاں سے چلے جاؤ اسی میں تمہاری بہتری ہے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر ان ویرانوں کے اندر تمہیں اپنی موت

کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا"۔

شیرویہ خاموش ہو گیا۔

تب ارسلان بولا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا:

"سنو شرافت کے لبادے میں اندھیروں کی سیاہی بکھیرنے والو! محبت کی قباؤں کی آڑ میں نفرت و حزن کے کھیل کھیلنے والو! سروں پر تقدیس کے عمامے باندھ کر حصولِ زر کی خواہشوں کی تکمیل کرنے والے بھیڑیو!

تمہارے ذمے چند مقدس رشتوں کا لہو ہے اور قسم ہے مجھے ازل کے حاکم اور ابد کے ناظم کی میں ان ویرانوں میں جب تم پر طوفانوں کی جولان گاہ اور افکار کے ہجوم کی طرح حملہ آور ہوں گا تو میں تمہارے دامن کو خوف اور ناکامی و رسوائی سے بھر دوں گا اور تمہاری تقدیر پہ مہیب خوابوں کے سلسلوں کی لہر لگاتا چلا جاؤں گا۔

سنو اے خونخوار قاتلو! تم سے انتقام لینے کی خاطر جب میں تم پر اپنی تلوار برساؤں گا تو تم اپنے سامنے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار محسوس نہ کرو گے۔

سنو غلیظ و بدکار انسانو! میرے سامنے تم لوگ بستی بستی پربت پربت نیند کی شہزادیوں اور کیف و لطافت کو تلاش کرو گے پر میرے مقابلے میں تمہیں آوارہ پریشان زمزموں اور بے رحم فسوں کے پھیلے جال کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا۔

ان ویران فضاؤں پر غور و انہماک کے ساتھ نظر ڈالو۔ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں ان دشت نما ویرانوں کے اندر حوریت کے بگولے اٹھ رہے ہیں کیا تم ان بگولوں کے اندر اپنی موت کے ہیولوں کو نہیں دیکھتے ہو؟ کیا تمہیں اس صحرا میں اپنی موت کی بو نہیں آتی؟

سنو اور لکھ رکھو۔ گو تم چاروں کے مقابلے میں میں اور میرا عم زاد احمد لاریب تمہیں کمزور نہیں دکھائی دیتے۔ پر یہ یاد رکھو جب اس ویرانے، اس دشت نما اجاڑ کو ہم تمہارے قبرستان میں تبدیل کر دیں گے تب ہم تمہارے مقابلے سے منہ موڑیں گے۔

سنو شیرویہ اور خرمیل! تم دونوں خود بھی تیار ہو جاؤ اور اپنے محافظوں کو بھی تیار کر لو۔ میں تم پر حملہ آور ہو رہا ہوں۔ پھر نہ کہنا کہ ہمیں اچانک موت سے ہمکنار کر دیا گیا لہٰذا میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں کہ

"اپنے آپ کو سنبھال لو۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے ان پر حملہ آور ہونا ابتدا کر دی تھی۔

ارسلان دیکھتے ہی دیکھتے شیرویہ، خزمیل اور ان کے دونوں محافظوں پر اک سیلِ بلاخیز گریۂ صحرا اور ان خوفناک رُتوں کی کہانیوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا جو ذہنوں کا رابطہ توڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ اپنے گھوڑے کو دشمنوں کی طرف بڑھاتے ہوئے اچانک ارسلان باری باری اپنا ہاتھ گھوڑے کی زین کے ساتھ دائیں بائیں بندھی ہوئی خرجینوں کی طرف لے گیا۔ اس نے ان میں سے لوہے کے گولے نکال کر باری باری شیرویہ اور خزمیل کے دونوں محافظوں پر برسائے اور ان کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد طوفانی انداز میں اس نے رسیوں کے ساتھ بندھے ہوئے اپنے وہ آہنی گولے سمیٹ اپنی خرجینوں میں ڈالے۔ پھر اپنی ڈھال اور تلوار پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے وہ شیرویہ اور خزمیل کے سامنے آیا اور انہیں مخاطب کر کے بولا:

"سنو شیرویہ اور خزمیل! تم دیکھتے ہو کہ میں نے تم دونوں کے محافظوں کا خاتمہ کر دیا ہے اور اب دونوں کی باری ہے۔

سن رکھو کہ تم دونوں کے محافظوں کو ختم کر کے میں نے تمہارے مرکز اور محور کو مٹا دیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ اپنے ساتھی کو تم پر حملہ آور نہیں ہونے دوں گا بلکہ میں اکیلا ہی تمہارے سامنے آؤں گا۔ اگر تم میرے حملوں کو روک کر میرا مقابلہ کر سکتے ہو تو تیار ہو جاؤ۔ اس لیے کہ جب میں اپنے دشمن پر حملہ آور ہوتا ہوں تو پھر زیادہ دیر اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیتا۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان نے احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"احمد، میرے بھائی سنو۔ تم اپنے مخبر کے ساتھ ایک طرف ہٹ کر ان دونوں کی بے بسی لاچارگی کا تماشہ دیکھو کہ اس دشت، اس ویرانے میں ان کی کج بختی اور الزام تراشیوں کو سیدھا کرتے ہوئے میں کیسے ان پر خوف اور رسوائی طاری کرتا ہوں۔"

جواب میں احمد ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

دوسری طرف ارسلان کی اس گفتگو سے شیرویہ اور خزمیل کی حالت کشکول میں گداگر کے آگے کترن کی آواز، نگاہ کی غم نوازیوں، سرگوشیوں کے پریشان کن درد اور لمحہ لمحہ پگھلتی زندگی جیسی ہو رہی تھی۔

عین اسی وقت ارسلان نے پھر ان سے کہا:

"سنو شیرویہ اور خزمیل۔ سنبھلو میں تم پر حملہ آور ہو کر تمہاری زندگی کے ہر عنوان کو خون آلود کرنے کی ابتدا کرنے لگا ہوں لہٰذا اگر تم دونوں میرے حملوں کو روک سکتے ہو تو روک دکھاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ پھر وہ عجیب سے انداز اور انوکھے دکھ کے ساتھ شیرویہ اور خزمیل پر حملہ آور ہوا۔

ان دونوں نے ارسلان کے دائیں بائیں بازوؤں کی طرف سے پرے ہٹتے ہوئے ارسلان کے تیز اور طوفانی حملے کو روکنے کی انتہائی کوشش کی لیکن وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لیے کہ ایک موقع پر ارسلان نے خزمیل کا اپنی ڈھال پر وار روکتے ہوئے اپنی ڈھال کو اس زور کا جھٹکا آگے کی طرف دیا کہ خزمیل گھوڑے سے گر پڑا۔

ارسلان نے فوراً اپنی تلوار شیرویہ کی تلوار سے جدا کی۔ ایڑ لگا کر اس نے اپنے گھوڑے کو عجب طرح سے پیچھے ہٹایا اور زمین پر گرے ہوئے خزمیل پہ اس انداز سے تلوار برسائی کہ پہلے ہی جھٹکے میں اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔

فضاؤں کے اندر خزمیل کی ایک بلند و بانگ چیخ کی آواز لہرائی اور پھر مایوسی اور خاموشی ہر سو چھا گئی۔

اب ارسلان کے سامنے کھڑے اکیلے شیرویہ کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے بے بس کھڑا تھا۔

ارسلان کے دائیں طرف احمد اور اس کا مخبر خاموش کھڑے تھے جبکہ ارسلان کے بائیں ہاتھ اس کا بھیڑیا تھا جسے اس نے خاص تربیت دے رکھی تھی۔

شیرویہ کی طرف تھوڑی دیر تک غور سے دیکھتے رہنے کے بعد ارسلان نے اسے مخاطب کیا اور گرمجوشی سے کہا:

"سنو شیرویہ! اب جبکہ تمہارے دونوں محافظوں اور تمہارے ساتھی خزمیل کا میں خاتمہ کر چکا ہوں۔ تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟"

اس پر شیرویہ مایوسانہ انداز میں بولا:

"سنو ارسلان! اگر تمہارے ساتھ میں اس مقابلے میں مارا بھی جاؤں تو مجھے کوئی دکھ اور افسوس نہ ہوگا اس لیے کہ ہمارا بھائی اور تمہارا سب سے بڑا دشمن توزون ابھی زندہ ہے اور تم جانتے ہو گے کہ توزون جہاں ایک بے مثل تیغ زن ہے وہاں ایک ناقابلِ شکست جنگجو بھی ہے۔

تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ تم اپنے ساتھ چاہے کتنے ہی محافظ ملا لو تم توزون کا مقابلہ نہیں کر سکو گے اور اگر کبھی تمہارے اور توزون کے درمیان انفرادی مقابلہ ہوا بھی تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ لمحوں کے اندر تمہاری گردن کاٹ کر زمین کو تمہارے خون سے رنگین کر دے گا۔

جس روز وہ ایسا کرے گا اس روز تمہارے ہاتھوں مارے جانے کے بعد میری روح بھی مطمئن ہو جائے گی کہ توزون نے تم سے ہمارا انتقام لے لیا۔"

ارسلان نے شیرویہ کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا اس لیے کہ فضاؤں اور ان ویرانوں کے اندر ایک انقلاب برپا ہو گیا۔

اچانک ــــ

اشنط شہر سے آنے والی اس شاہراہ پر وہی لڑکی نمودار ہوئی جس نے دریائے چناب کے کنارے برہمنوں کے مقابلے میں ارسلان کی مدد کی تھی۔

وہ پہلے کی طرح خالص عربی لحن میں اللہ نور السموات والارض کا ورد کرتی ہوئی اپنے سیاہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتی ہوئی ارسلان کی طرف آئی۔

طوفانی اور قہرمانی انداز میں وہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتی ہوئی قریب آئی اور ایسی چابکدستی کے ساتھ شیرویہ کے پاس سے گزرتے ہوئے اس پر حملہ آور ہوئی کہ ایک ہی جھٹکے میں شیرویہ کی گردن کاٹ کر آگے نکل گئی۔

ذرا آگے جانے کے بعد اس نے تھوڑی دیر کے لیے اپنے گھوڑے کو روکا، مڑ کر دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

ارسلان نے دیکھا چند ہی لمحوں میں وہ اجنبی و ناآشنا اور دشمنوں کو خون میں ڈبو دینے والی لڑکی بگولوں کی طرح نگاہوں سے اوجھل ہو کر مشرق کی طرف چلی گئی۔

اس لڑکی کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے تھوڑی دیر بعد تک ارسلان خاموش کھڑے درخت، کسی ہمزاد، کسی بت کی طرح چپ کھڑا اس سمت میں دیکھتا رہا جس سمت وہ لڑکی چلی گئی تھی۔ پھر اس نے رخ نورلا اور احمد کی طرف دیکھ کر بولا:

"سنو احمد میرے بھائی! یہ لڑکی کیسی عجیب کیسی پریشان کن ہے کہ ہمارے لیے دھرتی دکھ ہسار اور پھیلے بکھرے دشت میں بھوک کے دشمن گندم کے خوشوں، روح و قلب کے مستقر اور نور کی رفتار کی طرح نمودار ہو کر ہماری مدد کرتی ہے۔

بظاہر یہ لڑکی جگمگاتے موتیوں اور پھولوں کے مناظر پر منڈلاتی کوئی کمزور اور نازک تتلی لگتی ہے مگر جب یہ ہمارے دشمنوں پر حملہ آور ہوتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے وہ کہر آلود فضا، اوہام کی چادر اور اڑتے روشن لمحوں کی طرح ہر چیز کو لپیٹتی چلی جائے گی۔

اس کے حملہ آور ہونے کے انداز میں عجیب سی شدت اور عجیب سی ہیجان خیزی ہے اور جس پر بھی یہ لڑکی حملہ آور ہوتی ہے اس کی حالت اپنے سامنے جلتے معذور پتوں کی سی بنا کر رکھ دیتی ہے۔

سنو میرے بھائی احمد۔ کاش میں جان سکتا کہ یہ لڑکی کون ہے جو ہمارے لیے دیس بدیس میں رحمت کی بارش اور کائنات کا نجوم اور موتیے کا پھول بن کر نمودار ہوتی ہے اور ہمارے حق میں اپنا کام انجام دینے کے بعد فرطِ حیات کی سرخی کی طرح غائب ہو جاتی ہے۔

کاش۔ میں یہ جان سکتا کہ یہ لڑکی کہاں سے آتی ہے اور کیوں ہر جگہ ہماری مدد پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ لگتا ہے اس لڑکی نے پہلے ہی بستی بستی اور قریہ قریہ جھانک رکھا ہو۔ اس کا اس طرح دور دراز صحراؤں میں ہماری مدد کے لیے نمودار ہونا مجھے اور زیادہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

پہلی بار جب دریائے چناب کے کنارے مندر کے قریب یہ برہمنوں کے خلاف ہماری مدد کے لیے نمودار ہوئی تو میں سمجھا تھا کہ یہ ہندوستان میں رہنے والی کوئی عرب لڑکی ہے جو شاید کسی کے کہنے پر ہماری مدد پر آمادہ ہو گئی ہے لیکن اب میں اپنے خیالات کی نفی پر مجبور رہوں۔

سنو میرے بھائی! اشنط شہر کے باہر ان ویرانوں میں اس لڑکی کا نمودار ہونا اس بات کا غماز ہے کہ یہ لڑکی ہم پر کڑی نگاہ رکھتی ہے اور جہاں بھی ہم جاتے ہیں یہ وہاں کسی ہمزاد کے ہیولے کی طرح نمودار ہو کر ہماری مدد کرتی ہے۔ اس کے اس کردار، اس فعل نے مجھے جہاں ایک تجسس میں

ڈال رکھا ہے۔ وہاں اس کا یہ عمل میرے لیے ایک پریشانی کا باعث بھی ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ یہ لڑکی کیسے ایک تخیلِ چشم کی طرح ہر جگہ ہماری مدد کے لیے نمودار ہونے لگی ہے۔

میرے بھائی! آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا اور یہ لڑکی کب تک ہم پر احسانوں کا بوجھ بڑھاتی رہے گی۔"

ارسلان چپ ہوا تو احمد ہلکی ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا:

"اے میرے بھائی! تمہیں فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ زمانہ ہی ایک ساہوکار ہے اور اس ساہوکار کا ہر کوئی مقروض ہے۔ اگر ہم بھی اس لڑکی کے مقروض ہو گئے ہیں تو عنقریب وقت آئے گا کہ ہم اس کا قرض اتار دیں گے اور اس کے سارے احسانات کا بدلہ چکا دیں گے۔

ارسلان! میرے بھائی۔ میرے عزیز! فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اس لڑکی کا یہ فعل اور یہ عمل ہمارے لیے ایک خوش آیند اور خوش خبری کی بات ہے کہ ضرورت کے ہر لمحہ پر نمودار ہو کر یہ لڑکی ہماری مدد پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا میں تو اس لڑکی کے اس فعل اور عمل سے خوش اور مطمئن ہوں۔

پھر جب وہ خالص عربوں کے سے انداز میں قرآن مقدس کی تلاوت کرتی اور خداوند قدوس کے نام کی تکبیر بلند کرتی ہوئی حملہ آور ہوتی ہے تو اس کے اسی انداز سے میرا جی خوش اور میری روح مطمئن ہو جاتی ہے۔"

ذرا دیر رکنے کے بعد احمد نے دوبارہ کہا:

"ارسلان میرے بھائی! میں تمہیں ایک بار پھر یہی مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ فی الحال اس لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دو تاکہ یہ ہر ضرورت اور ہر موقع پر ہمارے کام آتی رہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آپ سے میں ایک لمحہ ضرور ایسا آئے گا جب اس لڑکی کی اصلیت ہم پر ظاہر ہو جائے گی اور اسی روز ہم اس کے سارے احسانات کا بدلہ چکا دیں گے۔"

احمد کی یہ باتیں سن کر ارسلان تھوڑی دیر گردن جھکا کے کچھ سوچتا رہا۔ پھر وہ احمد سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

"احمد میرے بھائی۔ آؤ ان لاشوں کو دشت کی ریت میں دفن کر دیں اور پھر یہاں سے کوچ کریں۔"

تینوں حرکت میں آئے۔ چاروں مرنے والوں کی لاشوں کو انہوں نے ریت میں دفن کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں ایڑ لگا دی۔

اب ان تینوں کا رخ غزنی کی طرف تھا۔

○

سلطان محمود غزنی میں اپنے ایوانِ شاہی میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا حاجب اندر داخل
سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"سلطانِ محترم! اورگنج سے ہمارا ایک مخبر آیا ہے جو فوراً آپ سے ملنے کا خواہش مند
وہ آپ کو کوئی اہم خبر دینا چاہتا ہے۔ میں نے اس سے پوچھنے کی بہتیری کوشش کی لیکن اس کا
ہے کہ وہ جو کچھ کہے گا آپ ہی سے کہے گا۔"

اس پر سلطان اپنی نشست پر پہلو بدلتے ہوئے بولا:

"اگر ایسا ہے تو تم نے اسے باہر کیوں روک رکھا ہے۔ اسے اندر لاؤ تاکہ میں جان سکوں کہ
کہنا چاہتا ہے۔"

یہ حکم سن کر حاجب باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ اس کے ساتھ مخبر تھا جس کا اس نے ذکر کیا تھا۔ سلطان کے سا
آکر اس نے سلام کیا جس کا جواب سلطان نے بڑی شفقت اور محبت سے دیا۔ پھر انہوں نے مخبر
مخاطب کر کے پوچھا:

"حاجب نے بتایا ہے کہ تم اورگنج سے کوئی اہم پیغام لے کر آئے ہو۔ کیا یہ پیغام میرے
کی طرف سے ہے۔ تم جانتے ہو کہ اورگنج کا حاکم ابوالعباس محمود بن محمد خوارزم شاہ میرا بہنوئی
اور میری عزیز بہن اس کے عقد میں ہے۔ کہو کیا پیغام لائے ہو۔"

سلطان کی بات سن کر اس مخبر کے چہرے پر افسردگی اور ویرانی چھا گئی۔ تھوڑی دیر اس نے

اس نے سلطان کی طرف دیکھ کر کہا:

"سلطانِ محترم! میں اورگنج سے آپ کے لیے اچھا اور خوش کن پیغام لے کر نہیں آیا بلکہ میں
جو کچھ آپ سے کہنے آیا ہوں وہ آپ کے لیے بری خبر ہی کہی جا سکتی ہے۔
سلطانِ محترم! اورگنج کے حاکم اور آپ کے بہنوئی ابوالعباس مامون بن محمود بن محمد خوارزم شاہ
قتل کر دیا گیا ہے۔"

یہ خبر سن کر سلطان محمود کی حالت عجیب سی ہو گئی۔ وہ اس شاخِ طلب کی طرح دکھائی دینے لگے تھے
جس سے کرنوں کے پھول تک چھین لیے گئے ہوں۔

غم و غصے اور غضب کی حالت میں سلطان اپنے سایوں سے جدا ہو جانے والے اشجار کی طرح نظر
آنے لگے تھے۔

یہ اندوہناک خبر سن کر ان کی نگاہوں میں سمندر، چہرے پر ناسپاس جذبوں کی صلیبیں رقص کرنے
لگیں۔ ان کی چبھتی سانسیں اس وقت کی بدترین بیڑیاں محسوس ہو رہی تھیں۔

ایسا لگتا تھا وہ نفس نفس میں انتقام کی ہولناکی دکھا کر وقت کی محرومیوں کو معصوم لمحوں سے جدا
کر دینے کا عزم کر چکے ہوں۔

خاموش رہ کر کچھ دیر سوچنے کے بعد سلطان نے مخبر سے کہا:

"تم واقعی میرے لیے بدترین خبر لے کر آئے ہو۔ ابوالعباس میرے لیے ایک مسیحا تھا اور
اس کا ماتم میں چپکا کر رہوں گا۔ پر یہ تو کہو کہ ابوالعباس کیسے قتل ہوا اور کس بدقسمت نے اسے قتل
کر کے اپنی موت کو آواز دی ہے؟"

اس پر مخبر نے بیان کرنا شروع کیا اور کہا:

"سلطانِ محترم! ابوالعباس کا انتہائی ہر دلعزیز اور قابلِ اعتماد ساتھی جس کا نام الپ تگین ہے، اسے
ابوالعباس بے حد پسند کرتا تھا۔ اہم امور میں اس پر بھروسہ اور اعتماد کرتا تھا لیکن الپ تگین انتہائی ناشکرا
اور نمک حرام ثابت ہوا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ ابوالعباس کی نوازشات کا جواب وہ اس کا خیر خواہ اور مخلص بن کر دیتا لیکن
اس نے احسان فراموشی کا ثبوت دیا۔ جب اس نے دیکھا کہ ابوالعباس اس کی ہر بات کو تسلیم کرتا ہے

اس پہ اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے تو اس نامراد اور نمک حرام نے ابوالعباس کو قتل کر دیا۔ آپ کی بہن اور ابوالعباس کی بیوی بھی اس حملے میں ماری گئیں۔

بانی الپ تگین کو فکر تھی کہ اگر ابوالعباس کی موت کے بعد لوگ اس کے خلاف ہو گئے تو اسے بھی اور گنج پر حکمرانی نہ کرنے دیں گے لہٰذا اس نے آپ کے ایک نواسے اور ابوالعباس کے بیٹے کو زندہ رہنے دیا اور اسے اور گنج کا برائے نام سربراہ بنا دیا جبکہ خود اس کا سرپرست بن کر اور گنج کی حکومت قبضے میں لے چکا ہے۔

اس طرح ابوالعباس کو قتل کرنے کے بعد وہ اس کے بیٹے کے حوالے سے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اور گنج کی حکمرانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد مخبر خاموش ہو گیا۔ تب سلطان محمود نے گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہا:

"تم جاؤ اور اپنے روزمرہ کے کام میں لگ جاؤ۔"

جب مخبر وہاں سے نکل گیا تب سلطان نے اپنے حاجب کو مخاطب کر کے کہا:

"تم فوراً جاؤ اور ارسلان اور عبداللہ طائی کو میرے پاس لاؤ۔"

حاجب موقع کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا لہٰذا جواب میں کچھ کہے بغیر فوراً پلٹا اور سلطان کے کمرے سے نکل گیا۔



سلطان اسی طرح فکرمندی کے عالم میں اپنے کمرے میں بیٹھے سوچ و بچار میں غرق تھے کہ کمرے میں ارسلان اور عبداللہ طائی داخل ہوئے۔

انہیں کمرے میں پا کر سلطان چونک سے پڑے اور اپنے پہلو میں دو نشستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلطان نے ان دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

جب وہ دونوں بیٹھ گئے تب سلطان نے وہ بڑی خبر جو مخبر اور گنج سے لے کر آیا تھا، پوری تفصیل سے ان دونوں سے کہہ دیا۔

سلطان کی بہن اور بہنوئی کے مارے جانے کی خبر سن کر ارسلان اور عبداللہ طائی تھوڑی دیر تک اپنی گردنیں جھکائے بیٹھے رہے پھر ارسلان نے بڑی ہمدردی اور راست مندی سے سلطان کی طرف دیکھ کر عرض کیا:

"سلطانِ محترم! ہم اور گنج کے حاکم اور آپ کے بہنوئی ابوالعباس اور آپ کی ہمشیرہ کے قاتل الپ تگین کو یوں نہ چھوڑ دیں گے کہ وہ اور گنج میں حکمرانی کرتے ہوئے اپنی من مانی کرتا ہے۔ عیش کرتا رہے۔

سلطانِ محترم! ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اپنے لشکر کے ساتھ اور گنج کی طرف کوچ کرنا چاہیے اور الپ تگین سے اس کے ہولناک جرم کا انتقام لینا چاہیے۔

سلطانِ محترم! آپ مطمئن اور بے فکر رہیں کہ ہم الپ تگین پر حملہ آور ہو کر اور اس پر تاب بھر وار کرتے ہوئے اس کی حالت گمنامی و خلوت کے لمحوں اور آندھی اور طوفانوں میں سرِ راہ جلتی زیست کی شمع جیسی بنا کر رکھ دیں گے۔

ہم اس کی خواہشوں کے نغمہ ساز خوابوں کے جزیروں پر رقص کرتے سمندر طاری کر دیں گے۔ اس کی مسرتوں کے جھونکوں پر ویرانی، اس کی شبستانِ آرزو کے چراغوں پر آندھیاں اور اس کے کوچہ و بازار کی سرگوشیوں پر صداؤں کا طوفان طاری کرتے ہوئے اس مجلس سے ہم خوباں کو کوچۂ قاتل میں تبدیل کر کے رکھ دیں گے۔

سلطانِ محترم! جب ہم اپنی پوری شادابی کے ساتھ الپ تگین پر حملہ آور ہوں گے تو وہ ہمارے سامنے اپنی ساری تازگیِ علم و فن، رعنائیِ فکر و خیال اور مہر و محبت کی ساری کیفیتوں کو اجڑا اور برباد کیا ہوا محسوس کرنے لگے گا۔"

ارسلان تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ کچھ سوچا۔ پھر دوبارہ گویا ہوا:

"سلطانِ محترم! ہمیں آپ کے بہنوئی اور آپ کی بہن کے مرنے کا از حد دکھ اور غم ہے پُران چیزوں کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اس لیے کہ یہ دنیا اور اس کی چند روزہ حیات تو ابتلا اور آزمائش کا ایک مرحلہ ہے۔ اس زیست کے لمحات میں کہیں شبنم ہے تو کہیں شعلہ۔ کہیں پتھروں کی سی ویرانی ہے کہیں خوابوں کے ان گنت رنگ۔ کہیں اندھیرا ہے تو کہیں اجالا۔ کہیں شب ہے تو

کہیں سحر۔ کہیں چمکتے ہیروں کا سماں ہے تو کہیں نہ درتہ غموں میں غلطاں خواب زار۔

سلطانِ محترم! یہ زندگی بھی عجیب ہے۔ اس کی راہوں پر، دوراہوں اور چوراہوں پر کہیں ... ہے وسعتِ راہ ہے کہیں انقلابِ دہر ہے۔ کہیں فسوں خیز شیریں تمنائیں ہیں اور کہیں خزاں ... اشجار۔ کہیں انتہائے وقت میں چھپے چھپے ہوئے بیکراں دریا ہیں کہیں غموں میں اسیر ... مراحل۔ کہیں نور و نغمہ، آہنگ و سرور، چاندنی راتوں کا بیکراں نور ہے اور کہیں اندھیروں کے ... حصار میں مشقتوں کے کارواں۔ کہیں خوشیوں کی صبح کا ہنگام ہے اور کہیں رینگتے سختیاں جھیلتے ... ناک لمحے ہیں۔

سلطانِ محترم! آپ مطمئن رہیں۔ آپ ہمیں صرف لشکر کے ساتھ کوچ کرنے کا حکم دیں۔ پھر دیکھیے کس طرح ہم سود و زیاں سے ماورا ہو کر سرخ فام شام کی طرح الپ تگین پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اس کی ذات اور اس کی نسل کے حصار کو توڑتے ہوئے اس پر اس چند لمحوں کی رفیق صبح جیسی زندگی ... ہیبت ناک موت طاری کر کے رکھتے ہیں۔"

ارسلان خاموش ہو گیا تو سلطان نے نگاہیں اٹھا کر بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر ... مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے:

"سنو جاذب کے بیٹے! میرے بہنوئی اور میری بہن کے مرنے پر تم نے اچھی طرح اور ... اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے اس کے لیے میں تمہاری ہمت افزائی اور تمہاری قدر دانی کرتا ہوں۔ ... بہنوئی اور بہن کے قتل کے بعد ہم الپ تگین کو یوں ہی کھلا نہیں چھوڑ دیں گے کہ وہ اپنی تمناؤں ... خواہشوں کے مطابق خونی کھیل کھیلتا رہے۔ اب ہم اپنے لشکر کے ساتھ اس کی طرف کل کوچ کریں گے ... اس نے اور گنج میں جو خونی کھیل کھیلا ہے اس کا اس سے پورا انتقام لیں گے۔"

تم دونوں اب جا کر آرام کرو۔ کیونکہ کل ہم یہاں سے اپنے لشکر کے ساتھ اور گنج کی طرف ... کریں گے۔"

سلطان کا یہ حکم سن کر ارسلان اور عبداللہ طائی دونوں اٹھے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

○

دوسرے روز سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ غزنی سے کوچ کیا۔ بڑی برق رفتاری سے فاصلوں کو سمیٹتے ہوئے سلطان غزنی سے بلخ پہنچے۔

بلخ میں سلطان نے اپنے لشکر کو تھوڑی دیر کے لیے سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ پھر بلخ سے کوچ کیا اور اپنے لشکر کے ساتھ قرمز شہر پہنچے۔

یہاں سلطان نے اپنے لشکر کے بہترین سوار اور تیر اندازوں کو عبداللہ طائی کی قیادت میں دیتے ہوئے دریائے آموں کے کنارے کنارے اور گنج کی طرف بڑھنے کا حکم دیا جبکہ باقی لشکر کو کشتیوں میں سوار کرا کے سلطان دریائے آموں کے بہاؤ پر اور گنج کی طرف بڑھنے لگے۔

دوسری طرف اور گنج کے باغی سردار الپ تگین کو بھی خبر ہو گئی کہ سلطان محمود اس کے خلاف حرکت میں آ چکے ہیں اور یہ کہ سلطان نے ہراول دستے کے طور پر عبداللہ طائی کو اور گنج کی طرف بھیجا ہے جبکہ سلطان دیگر لشکر کے ساتھ دریائے آموں میں کشتیوں کے ذریعے اور گنج کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے الپ تگین نے اپنے سپہ سالار خمرتاش کو حکم دیا کہ وہ سلطان کے ہراول دستے کے کماندار عبداللہ طائی کی راہ روک کر کھڑا ہو اور اسے شکست دے کر اسے فرار ہونے پر مجبور کر دے۔

خمرتاش پچاس ہزار کے ایک جرار لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا۔ بڑی تیزی سے وہ دریائے آموں کے کنارے کنارے آگے بڑھا تاکہ سلطان کے لشکر کے دونوں حصوں کے اکٹھے ہونے سے پہلے ہی وہ عبداللہ طائی پر حملہ آور ہو کر نہ صرف یہ کہ عبداللہ طائی کو نقصان پہنچائے بلکہ سلطان کے ہراول دستوں کو برباد کر کے سلطان کی عسکری طاقت کو کمزور کر دے۔

عبداللہ طائی اپنے ہراول دستوں کے ساتھ اور گنج کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے کافی آگے بڑھ گیا تھا جبکہ سلطان باقی حصے کے ساتھ کشتیوں میں سفر کرتے ہوئے پیچھے رہ گئے تھے۔ خمرتاش نے عبداللہ پر حملہ آور ہونے کے لیے ایک انتہائی نامعقول وقت کا انتخاب کیا۔

○

ایک روز صبح ہی صبح جبکہ عبداللہ طائی کے لشکر کا ایک حصہ دریائے آموں کے کنارے فجر کی نماز پڑھنے

میں مصروف تھا۔ دوسرا حصہ لشکر کی حفاظت کے لیے مامور تھا۔ خمرتاش نے عین اس وقت عبداللہ طائیؒ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔

عبداللہ طائیؒ کے لشکر کا وہ حصہ جو نماز پڑھنے والوں کی حفاظت کے لیے مامور تھا اس نے خمرتاش کے حملے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اس وقت تک عبداللہ طائی بھی باقی لشکر کے ساتھ نماز سے فارغ ہو گیا اور پھر اپنے لشکر کو متحد اور منظم کر کے خمرتاش کے مقابلے میں خم ٹھونک لیے۔

عبداللہ طائیؒ کے مقابلے میں خمرتاش کو لشکر کی عددی حیثیت سے بھی بڑی فوقیت حاصل تھی۔ بات یہ کہ وہ عبداللہ کے مقابلے میں جنگوں کا گہرا اور وسیع تجربہ رکھتا تھا لہٰذا دریائے آموں کے کنارے خمرتاش، عبداللہ طائیؒ پر رنج و اندوہ کے طوفان، گزرتے وقت کے سنگین لمحوں اور اپنی کامیابی میں نئی دھرتی، نئے آکاش کی تلاش میں دھندلا دینے والے آڑے وقت میں حملہ کر دیا تھا۔ میں عبداللہ طائیؒ نے بھی دھوپ میں مشقت کرتے، زیست سے بھری بیداری کی طرح خمرتاش کے جان لیوا حملوں کا مقابلہ کیا تھا لیکن خمرتاش کے مقابلے میں اس کی پیش نہ گئی اس لیے کہ خمرتاش کا لشکر اس سے تعداد میں کافی زیادہ تھا۔

عبداللہ طائیؒ نے جب دیکھا کہ خمرتاش اپنے لشکر کے ساتھ لحظہ بہ لحظہ اس پر سوار ہوتا چلا جا رہا ہے تو اس نے آہستہ آہستہ اپنے لشکر کو پسپائی کا حکم دے دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ پیچھے ہٹتے ہوئے سلطان کے لشکر سے جا ملے اور پھر متحدہ لشکر کے ساتھ خمرتاش کے لشکر کا مقابلہ کیا جائے۔

اس پسپائی کے دوران خمرتاش نے خوب جوش و خروش اور خونخواری کے ساتھ عبداللہ طائیؒ کے لشکر پر حملے کیے جس کے نتیجے میں عبداللہ کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔

بہرحال پسپائی اختیار کرتے ہوئے عبداللہ پیچھے ہٹنے لگا تو اس دوران سلطان کے مخبر ان کو خمرتاش کے مقابلے میں عبداللہ کی شکست اور پسپائی کی خبر دے چکے تھے۔

یہ خبر سنتے ہی سلطان نے دریائے آموں کے اندر کشتیاں رکوا دیں اور اپنے لشکر کو کنارے پر اترنے کا حکم دیا۔

جب لشکر کشتیوں سے کنارۂ دریا منتقل ہو گیا تب سلطان اس جگہ آئے جہاں ارسلان اپنے حصے کے لشکر کو منظم کر رہا تھا۔ سلطان اس کے قریب آئے اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"ارسلان میرے فرزند! شاید خمرتاش کے مقابلے میں تم عبداللہ طائیؒ کی پسپائی اور شکست کی خبر سن چکے ہو گے۔ اگر حالات اسی طرح رہے تو ہمارے مقابلے میں خمرتاش اور اس کا آقا الپتگین شیر ہو جائیں گے۔ ہمیں ہر صورت میں عبداللہ کے مقابلے میں ان کو شکست دینا ہو گی تاکہ خمرتاش کے حوصلے پست ہوں اور الپتگین کو یہ خبر پہنچ جائے کہ محمود کے خلاف بغاوت کرنا اتنا آسان نہیں اتنا سہل نہیں۔"

سلطان خاموش ہوئے تو ارسلان نے جواب میں کہا:

"سلطانِ محترم! ماضی میں ہم اس سے بھی زیادہ بھیانک بھیڑیے اپنے سامنے دیکھتے رہے ہیں جو انسانیت کا وقار چیر پھاڑ کر کے ہمیں وحشت زدہ کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے ہیں۔ ان بھیڑیوں کے سامنے الپتگین اور اس کے سالار خمرتاش کی کوئی حیثیت نہیں۔

اگر عبداللہ طائی وقتی طور پر اپنے لشکر کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے خمرتاش کے مقابلے میں پسپا ہو چکا ہے تو یہ معاملہ ہمارے لیے دل شکنی کا باعث نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمیں فوراً عبداللہ طائیؒ کی مدد کو پہنچنا چاہیے۔ یہ بہت ضروری ہے۔

میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ میں اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ وقت ضائع کیے بغیر عبداللہ طائیؒ کی طرف بڑھتا ہوں جبکہ باقی لشکر کے ساتھ آپ انتظام درست کرتے ہوئے اور سارا سامان سمیٹتے ہوئے میدانِ جنگ کی طرف بڑھیں۔"

ارسلان کی گفتگو سن کر سلطان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر وہ ارسلان سے کہنے لگے:

"میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔ تم وقت ضائع کیے بغیر اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ عبداللہ طائیؒ کی مدد کو بڑھو۔ کشتیوں سے اتارا جانے والا سارا سامان خچروں پر لدوانے کے بعد میں بھی باقی ماندہ لشکر کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف بڑھتا ہوں۔"

سلطان کا یہ حکم سننے کے بعد ارسلان نے اپنے حصے کے لشکر کو منظم کیا۔

پھر

وہ بڑی برق رفتاری سے دریائے آموں کے کنارے کنارے اور گنج کی طرف بڑھا۔

O

الپ تگین کے سپہ سالار کے مقابلے میں عبداللہ طائی ابھی تک پسپائی اختیار کیے ہوئے تھا آہستہ آہستہ دریائے آموں کے کنارے پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ اس طرح پیچھے ہٹتے ہوئے وہ سلطان کے قریب جا پہنچے گا لیکن اس دوران خمر تاش نے خونخواری کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوتے ہوئے اس کے لشکر کو کافی نقصان پہنچایا تھا۔

عین اس وقت جبکہ عبداللہ طائی انتہائی بے بسی کی حالت میں پسپا ہو رہا تھا' ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچا اور تھوڑا سا چکر لگاتے ہوئے وہ اپنے لشکر کے ساتھ بلند آوازوں میں تکبیریں بلند کرتا خمر تاش کے لشکر پر پہلو سے حملہ آور ہو گیا۔

ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ خمر تاش پر ایک سیلِ بلاخیز، سرد آہٹوں، گرم اشکوں سے لبریز طوفان روح کی آشفتگی، وارفتہ و آشفتہ حسرتوں کے خونی رقص اور سوزِ پیہم میں گرفتار وقت کے خونی لمحوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

اپنے تیز حملوں میں اس نے خمر تاش کے لشکر کے ایک حصے کو مکمل طور پر ادھیڑ اور خون آلود کر کے رکھ دیا۔ اس کے حملوں کے سامنے خمر تاش کے لشکریوں کی حالت محشر پُرجوش میں نالۂ شب گیں جیسی ہو رہی تھی۔

دشمن کے لشکر کے اندر دور تک گھستے ہوئے ارسلان نے خمر تاش کے لشکریوں کی کیفیت کچھ اس طرح کرنی شروع کر دی تھی جیسے نیر بہاتی ندیاں یا تنِ نازک کو جھلسا دینے والی دھوپ کی شدت!

ارسلان کی آمد سے قبل عبداللہ طائی اور اس کے لشکریوں کی حالت نگاہیں جھپکتی نیند کی بیزاری اور اجنبی راہوں، سنسان فضاؤں اور اسیرِ غمِ جاں جیسی ہو رہی تھی لیکن انہوں نے ارسلان کو اپنے لیے فریادِ اثر گیر کی آمد سمجھا اور اب ان کی حالت بعد بے کسی و یاس کے بجائے پُر فشاں شب اور جیسی چاندرات جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

اب انہوں نے احساسِ بضاعت اور ساحلِ ویراں جیسی کیفیت کو اتار کر نئے ولولے اور نئے جوش کے ساتھ خمر تاش کے لشکر پر حملہ کر دیا تھا۔

ارسلان نے پہلے ہی ایک عجیب سے انداز میں حملہ آور ہوتے ہوئے خمر تاش کے لشکریوں کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی۔ اب جو عبداللہ طائی کا لشکر بھی ارسلان کی آمد کے باعث تازہ دم ہو کر دشمنوں پر حملہ آور ہوا تو خمر تاش کے لشکر کی حالت عجیب سی ہو گئی۔ وہ بے بس ہو گئے۔ بائیں پہلو سے ارسلان ان پر موت بن کر سوار ہو رہا تھا جبکہ سامنے سے تھوڑی دیر قبل پسپا ہونے والا عبداللہ طائی کا لشکر انتہائی خونخواری کی کیفیت اختیار کر گیا تھا۔ وہ بھی حملہ آور ہوتے ہوئے اس طرح خمر تاش کے لشکر کے اندر گھسنے لگا تھا جیسے تیز نوک کا خنجر کچی سبزیوں میں اتر جاتا ہے۔

دوسری طرف خمر تاش کو اب بھی امید تھی کہ عبداللہ طائی کو ارسلان کی صورت میں کمک مل جانے کے باوجود وہ ارسلان اور عبداللہ طائی کے متحد لشکر کو شکست دے سکتا ہے لہٰذا وہ اپنے لشکر کے وسط میں رہ کر اپنے کمانداروں کو جنگی ہدایات جاری کر رہا تھا۔

اس کے بار بار چیخنے، چلّانے اور احکامات جاری کرنے سے ارسلان نے جان لیا تھا کہ وہ خمر تاش ہے لہٰذا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے لشکریوں کو کاٹتا اور ادھر ادھر دھکیلتا ہوا خمر تاش کی طرف بڑھنے لگا۔

خمر تاش کے لشکریوں نے جب دیکھا کہ ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ ان کے سالار خمر تاش کو اپنا نشانہ بنانا چاہتا ہے اور ایک خاص مقصد کے تحت بڑی تیزی سے خمر تاش کی طرف بڑھ رہا ہے تو انہوں نے پوری قوت سے ارسلان اور اس کے لشکر پر جوابی حملے شروع کر دیے تاکہ اسے خمر تاش کی طرف بڑھنے سے روک دیا جائے۔

خمر تاش کے لشکری بھی ارسلان کے انداز اور اس کے حملہ آور ہونے کے انداز، نیز اپنی سپاہ کی راہبری کرنے کے طور سے جان گئے تھے کہ نئے آنے والے لشکر کا سالار وہی ہے لہٰذا انہوں نے بھی ارسلان کے لشکر پر زیادہ زور ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس پر حملے بھی تیز کر دیے جبکہ ارسلان کا خاتمہ کرنے کے لیے خمر تاش کے چار جنگجو ایک ساتھ ارسلان پر ٹوٹ پڑے۔

اچانک ارسلان کے لشکر کے بیچ وہی اجنبی اور ناآشنا عرب لڑکی نمودار ہوئی۔ وہ اپنا وہی پرانا انداز اپنائے ہوئے تھی۔ وہ عجیب الحان میں پیغامِ انبساط اور خلد کے نغمات کی طرح بلند آواز میں اللہ نور السمٰوات والارض کا ورد کرتی ہوئی اپنے گھوڑے کو بڑی سرکشی کے ساتھ تیز تر

دوڑاتی ہوئی ارسلان کی طرف بڑھی۔

اس وقت سورج غروب ہونے کو تھا۔ سائے بڑھتے جا رہے تھے۔ مغربی افق آہستہ آہستہ سرخ گوں ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ لڑکی اس وقت سیاہ رنگ کے ایک انتہائی سرکش اور سینہ تانے گھوڑے پر سوار تھی۔

اس نے اپنے خود کے اوپر عمامہ باندھ رکھا تھا۔ خود کا نقاب منہ پر گرانے کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے عمامہ کے پلو سے بھی اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ انتہائی سرخ رنگ کا اور چمکتا ہوا چمڑے کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس کے اوپر اس نے اپنے سامنے اور پیٹھ کے اوپر کڑیوں دار زرہ پہن رکھی تھی، ان کڑیوں کا ایک حصہ اس کی ٹانگوں اور اس کی رانوں پر بھی پھیلا ہوا تھا۔

قریب آ کر اس عجیب اور اجنبی لڑکی نے اپنے گھوڑے کو روکا۔ اس کا گھوڑا بڑی سرکشی کے ساتھ رکتا ہوا ایک بار فضا میں الف ہو کر ہنہنایا۔ پھر وہ لڑکی ان چاروں کی طرف بڑھی جو ارسلان پر حملہ آور ہو رہے تھے۔

حملہ آور ہونے میں وہ عجیب سی چابکدستی کا مظاہرہ کرتی ہوئی آندھی اور طوفان کی طرح ان میں سے ایک کی طرف لپکی اور اس انداز میں اپنی ڈھال اپنے سامنے رکھتے ہوئے اپنا دفاع کرنے کے انداز میں اس نے اپنی تلوار گرائی کہ ایک ہی وار میں خداوند کریم کے نام کی تکبیر بلند کرتے ہوئے اس نے اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔

اتنی دیر میں ارسلان اپنے ساتھ جنگ آزما ہونے والوں میں سے دو کا خاتمہ کر چکا تھا۔ چوتھے نے جب اپنے تین ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اترتے دیکھا تو اس نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ اس وقت وہ عجیب لڑکی تیز طوفان اور سرکش ندی کی طرح آگے بڑھ کر اس پر حملہ آور ہوئی اور اس کے جسم کو درمیان سے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے اسے اس کے گھوڑے سے گرا دیا۔

ارسلان پر حملہ آور ہونے والے چاروں دشمنوں کا جب خاتمہ ہو گیا تو ارسلان نے دیکھا کہ وہ لڑکی سیاہ گھوڑے پر سوار اس کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس پر ارسلان نے اپنا تلوار والا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے عجیب و غریب لڑکی! میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔ تمہارا نام کیا ہے اور کن سرزمینوں سے تمہارا تعلق ہے؟ تاہم میں تیرا ممنون ہوں اور شکر گزار ہوں کہ تو ہر ضرورت کے موقعہ پر میری استقامت کو پہنچی ہے اور میری مدد کو لپکتی ہے جس کے لیے میں ہمیشہ تیرا احسان مند رہوں گا۔ کاش کوئی ایسا وقت آتا کہ میں پوچھتا تو کون ہے۔ تیرا نام کیا ہے۔ تو کہاں سے آتی ہے۔ کیسے مجھ سے متعارف ہوئی اور کیوں مجھ پر اس قدر احسانات کا بوجھ بڑھاتی چلی جا رہی ہے؟"

جواب میں اس عجیب اور انوکھی لڑکی نے کچھ بھی نہ کہا۔ اپنا تلوار والا وہ ہاتھ جس پہ اس نے سرخ دستانہ پہن رکھا تھا، اس نے شکریہ کے انداز میں فضا میں بلند کیا اور اسے ہلایا۔ اس کے انداز سے اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ مسکرا کر ارسلان کا شکریہ ادا کر رہی ہو۔

اس موقع پر ارسلان شاید اس سے کچھ اور بھی کہتا کہ وہ لڑکی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر حرکت میں لائی۔ پھر کسی ماہر شہسوار کے انداز میں اپنے گھوڑے کو بھگاتی ہوئی ارسلان کے لشکر کے وسطی حصہ کی طرف چلی گئی۔

اپنی جگہ کھڑا ارسلان تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر دشمن کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گیا۔



سورج چونکہ غروب ہونے کے قریب تھا لہٰذا ارسلان کے حملوں میں تیزی اور تندی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر عبداللہ طائی نے بھی اپنے حملوں میں زور پیدا کیا۔

خمرتاش جو یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ وہ ارسلان اور عبداللہ طائی کے متحدہ لشکر کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا، اس دو طرفہ خونخوار حملوں کے سامنے وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہا تھا اور جو تدبیر اس سے پہلے عبداللہ طائی نے اس کے خلاف استعمال کرتے ہوئے آہستہ آہستہ پسپا ہونے کا عمل شروع کیا تھا، وہی فعل اب خمرتاش نے شروع کیا۔

اپنے لشکر کو بچانے کی خاطر وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا تھا تاکہ اس طرح وہ اور گنج کے قریب پہنچ جائے لیکن ارسلان نے اس کے اس منصوبے کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ سامنے کی طرف سے عبداللہ طائی اب بری طرح اس پر حملہ آور ہو رہا تھا۔

ارسلان نے اس کے پہلو پر اس زور اور سختی کے ساتھ حملہ آور ہونا شروع کیا کہ خمرتاش نے پسپائی ترک کر دی اور ایک جگہ جم کر لڑنے لگا لیکن اب اس میں دو طرفہ حملہ برداشت کرنے کی قوت رہی تھی۔ لہٰذا ارسلان اور عبداللہ طائی نے دونوں طرف سے خمرتاش کے لشکر کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ یہ اس وقت جبکہ دور مغرب کی فناگاہوں کی طرف سورج غروب ہو رہا تھا ارسلان اور عبداللہ طائی نے خمرتاش کے لشکر کا صفایا کر دیا۔ خمرتاش کو زندہ گرفتار کر لیا گیا۔

خمرتاش کے لشکری ڈری ہوئی بھیڑ بکریوں کی طرح ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ان میں سے کچھ ارسلان اور عبداللہ طائی کے لشکریوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ کچھ دریائے آموں میں گر پڑے اور بہت کم دریا کے ساتھ ساتھ تیرتے ہوئے اپنی جانیں بچا کر فرار ہو سکے۔

اسی روز شام تک سلطان محمود بھی باقی لشکر کے ساتھ اس جگہ پہنچ گئے جہاں ارسلان اور عبداللہ طائی نے اور گنج کے حکمران الپتگین کے سالار خمرتاش کو بدترین شکست دی تھی۔

دوسری طرف الپتگین کو جب یہ خبر ملی کہ سلطان کے سپہ سالار ارسلان اور عبداللہ طائی نے دریائے آموں کے کنارے اس کے سپہ سالار خمرتاش کو بدترین شکست دی ہے تو وہ سیخ پا ہو گیا اور اس نے سلطان اور اس کے لشکریوں سے اپنی اس شکست اور ناکامی کا انتقام لینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

رات ہی رات میں اس نے اپنے سارے ادھر ادھر بکھرے ہوئے لشکر کو جمع کر کے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور دوسرے روز وہ گناہ کے تند و تیز شعلوں اور بدی کی موجِ فتنہ خیز کی طرح اور گنج سے اور اپنی ذوقِ عصیاں کی خاطر اہرمن کی طرب گاہوں کو سجاتا ظلم کی آلائشوں میں لتھڑا وہ اپنی بہیمانہ خواہش کے لیے دریائے آموں کے کنارے کنارے بڑی تیزی سے اس طرف بڑھا جس طرف سلطان محمود نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔

سلطان کو بھی اس کے مخبر یہ اطلاع دے چکے تھے کہ الپتگین برق رفتاری سے دریائے آموں کے کنارے کنارے ان کی طرف بڑھ رہا ہے اور یہ کہ وہ سلطان محمود سے خمرتاش کی شکست کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔

لہٰذا سلطان نے اس کا استقبال کرنے کے لیے اپنے لشکر کو تیار کر لیا۔

الپتگین اپنے جرار لشکر کے ساتھ جب اس جگہ پہنچا جہاں دریائے آموں کے کنارے سلطان نے

اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا تو اس نے دیکھا کہ سلطان اس کے ساتھ جنگ کے لیے تیار کھڑے تھے۔ سامنے کی طرف سے سلطان نے اپنے لشکر کے قلب اور عقبی لشکر کو متعین کر رکھا تھا۔ قلب انھوں نے خود اپنے پاس رکھا تھا اور التون تاش ان کے ہمراہ تھا جبکہ عقبی لشکر کی کمانداری امیر نصر کے حوالے کی گئی تھی۔

بائیں طرف لشکر کے میمنہ اور میسرہ کے ساتھ ارسلان اور عبداللہ طائی اپنے لشکر کی صفیں درست کیے کھڑے تھے۔ جس طرف سے الپتگین لشکر کے ساتھ آیا تھا وہ حصہ اور دریا کی طرف کو خالی چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ میدانِ جنگ میں حرکت کرنے کے لیے وسعت پیدا ہو سکے۔

الپتگین نے جب دیکھا کہ اس کی آمد سے قبل ہی سلطان اس کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہیں تو اس نے بھی جنگ کی ابتدا کے لیے اپنے لشکر کی صفوں کو درست کر لیا۔

اس نے لشکر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ اپنے دو کمانداروں کی سرکردگی میں دیتے ہوئے انہیں ہدایت کی کہ ارسلان اور عبداللہ طائی کا مقابلہ کریں۔

دوسرے حصے کے ساتھ اس نے خود سلطان محمود کے ساتھ ٹکرانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ جب وہ اپنی صفیں درست کر چکا تو پھر وحشیانہ انداز میں نعرے مارتے ہوئے اور اپنی فتح مندی کے خواب دیکھتے ہوئے الپتگین نے سلطان پر حملہ آور ہوتے ہوئے جنگ کی ابتدا کی۔

الپتگین کے لشکر کی تعداد چونکہ سلطان کے لشکر سے زیادہ تھی لہٰذا اسے امید تھی کہ دریائے آموں کے کنارے سلطان محمود اور اس کے سالاروں کو وہ زیادہ دیر تک اپنے سامنے ٹھہرنے نہ دے گا لیکن جنگ کی ابتدا ہوتے ہی سامنے کی طرف سے سلطان محمود، امیر نصر اور التون تاش نے کچھ اس طرح حملوں کی ابتدا کی جیسے کوئی صف شکن، مردِ جری اپنے پورے عزم و استقلال کی وابستگی کے ساتھ استعاروں کنایوں کی ہلکی چادر کی طرح اپنے مخالف اپنے مقابل پر چھا جاتا ہے۔ سلطان محمود، امیر نصر اور التون تاش نے بھی اندھیروں کو اجالوں کا لباس پہناتے ہوئے زہر بن کر، قہر بن کر، الپتگین کے لشکر کے سامنے کے حصے کو توڑنا اور پسپا کرنا شروع کر دیا۔

عین اسی وقت دریائے آموں کی مخالف سمت سے ارسلان اور عبداللہ طائی آرزوؤں کی اس آبشار کی طرح حرکت میں آتے ہوئے حملہ آور ہوئے تھے جو روزنِ فرازِ کوہ سے نکل کر وادیوں کے

نشیب کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے سامنے آنے والے پربتوں، ہر نقش اور ہر عکس کو زیر و زبر کرتی چلی جاتی ہے۔

دریائے آموں کے کنارے تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد الپ تگین یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ ان ریتلے میدانوں میں جنگ کے اجنبی چہروں کے اندر اس کی تمنائیں صبح و شام کی گردشوں میں کھو کر رہ گئی تھیں۔ اس کے مستقبل کا ہر رنگین خواب بجھ گیا تھا۔ اس کے ارادوں کا آہنگ و سرور اور اس کی آفاق گیر خواہشیں، نحیف و بے ثبات ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔

سلطان محمود اور اس کے سالاروں نے دو طرفہ حملوں سے الپ تگین کے ہر تضاد، ہر افتراق اور ہر انتشار کو مٹا اور دھو کر رکھ دیا تھا۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کرنے کے بعد الپ تگین کو یقین ہو گیا کہ اگر مزید جنگ جاری رہی تو اس کے لشکر کا مکمل طور پر صفایا ہو جائے گا لہٰذا اپنے ارد گرد کام کرنے والوں، اپنے سالاروں، امرا اور سرکردہ لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ جنگ سے منہ موڑ کر اورگنج کی طرف جانا چاہیے اور شہر کے اندر محصور ہو کر سلطان محمود کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

پر سلطان محمود اور اس کے سالار بھی سمجھ چکے تھے کہ الپ تگین کو تھوڑی دیر میں شکست ہونے والی ہے لہٰذا وہ میدانِ جنگ سے بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ اس بنا پر سلطان، ارسلان اور عبداللہ نے اپنے لشکریوں کو بائیں طرف سمیٹتے ہوئے الپ تگین کے فرار کی ساری کوششیں روک دیں۔ اب تین اطراف سے الپ تگین کے لشکر کا قتلِ عام شروع ہو گیا تھا اور چوتھی طرف ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریائے آموں ان کو دعوتِ اجل دے رہا تھا۔

جنگ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکی۔

الپ تگین کے لشکر میں شکست اور پسپائی کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اس سے سلطان محمود اور ان کے سالاروں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور تین اطراف سے یک وقت الپ تگین کے لشکریوں کا صفایا شروع کر دیا۔ اس کے کئی امرا اور سرکردہ لوگ گرفتار کر لیے گئے جبکہ الپ تگین کے بیشمار لشکری دریائے آموں میں کود گئے جن میں سے محض چند ایک کو دریا کے کنارے پہنچ کر جان بچانے کا موقع مل سکا۔ زیادہ تر دریائے آموں کی تند و تیز لہروں کا شکار ہو کر موت کے منہ میں جا گرے۔



دریائے آموں کے کنارے میدان ا، ا کے ایک طرف سلطان نے خیمے نصب کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ جب سلطان کا خیمہ نصب ہو چکا تو وہ اپنے خیمے کے سامنے ارسلان، عبداللہ طائی، امیر نصر، التون تاش اور دوسرے سالاروں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

پھر سلطان کے حکم پر الپ تگین خمر تاش اور الپ تگین کے دوسرے سالاروں اور سرکردہ لوگوں کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔

جب وہ سلطان کے سامنے آئے تو سلطان نے انہیں بڑے غور اور انہماک سے دیکھا۔ وہ سب ان کے سامنے گردنیں جھکائے کچھ اس طرح کھڑے تھے جیسے سرِ راہ گزر جلتی زیست کی شمع، جلتے بجھتے ہوئے اپنی سانسوں کا ساتھ دیتی ہے۔

وہ اس مسافر کی طرح لاچار کھڑے تھے جس کی زندگی کا سارا اثاثہ اور شہرتِ عام کی ہر خواہش اس سے لوٹ لی گئی ہو۔

ان کے چہروں سے، ان کی آنکھوں سے، ان کے ریزہ ریزہ ارادے اور تمنائیں واضح طور پر دیکھی جا سکتی تھیں۔

سلطان محمود تھوڑی دیر تک انہیں اسی طرح انہماک سے دیکھتے رہے۔ پھر انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے:

'سنو ظلمت کے تاجرو! تمہارے جیسے آمادۂ جنگ و جدل، دستِ شر پسند رکھنے والے انبار اور قوتِ باطل کی صف آرائیاں کرنے والے میں نے اپنی زندگی میں بہت دیکھے ہیں۔ خمر تاش! تو نے یہ نہ سوچا کہ آنے والے ہر لمحے کو بیت جانا ہوتا ہے۔ ہر شے کو ایک روز نا منی کا لبادہ اوڑھ لینا ہوتا ہے۔

کیا تو نے یہ نہ سوچا کہ تیری اور تیرے لشکر کی حالت، میرے اور میرے لشکر کے سامنے اس بچے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جو ہمیشہ دھوپ میں کھیلتے رہنے کے بعد اچانک چاندنی اوڑھ لینے کا ارادہ کر لیتا ہے۔

کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں کہ اس جنگ میں میں نے تمہاری حالت مٹیالے گندے کپڑے، جھوٹے خواب آذر کالے آنگن جیسی کر کے رکھ دی ہے۔

سنو چھچھورے، کم ظرف انسانو: کیا میں نے تمہارے دامن گھور اندھیروں سے نہیں بھر دیے، کیا اس بندۂ ناچیز پُر تقصیر نے اس تاریخی دور میں تمہارے ہر زاویے، تمہارے ہر دائرے اور تمہاری جراُت مندی کی ہر قوس کو فنا کی لہروں میں نہیں ڈبو دیا؟"

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان محمود تھوڑی دیر خاموش رہے۔ شاید وہ الپ تگین یا اس کے ساتھیوں کی طرف سے کسی جواب کی توقع رکھتے تھے۔ جب ان میں سے کسی نے بھی سلطان کی کسی بات کا جواب نہ دیا تو انھوں نے پھر کہا:

"سنو الپ تگین! تمہیں اور گنج میں سپہ سالار کی حیثیت سے ایک اعلیٰ منصب مقام اور ایک عزت اور تکریم حاصل تھی پھر تو کیوں بغاوت اور سرکشی پر اتر آیا؟ کیا تو نہیں جانتا کہ یہ زندگی عارضی اور لمحاتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا اور جانتا کہ اس دنیا کی ہر نظر فریب، تہذیب، شاندار تمدن ہر ایک کو ایک روز فنا اور برباد ہو جانا ہے۔

یہ زبردست سلطنتیں، عالی شان مناسب، یہ بے پناہ علوم و فنون، یہ انفاہ ادبِ لطیف، یہ علمِ کثیف کے ذخیرے، سب خلافِ واقعہ مفروضے ہو کر یہیں پڑے رہ جانے ہیں۔ اگر انسان صاحبِ ایمان ہے تو اس کی عبادتیں اور اس کی نیکیاں اور اس کے بڑے بڑے رفاہی اور خیراتی کارنامے اس کے کام آئیں گے ورنہ اے الپ تگین! اس زندگی کا ہر رشتہ، ہر لمحہ انسان سے بچھڑ کر رہ جاتا ہے۔"

الپ تگین اور اس کے سالاروں میں سے کسی نے اب بھی سلطان کی کسی بات کا جواب نہ دیا۔ سلطان خاموش ہوئے تو کچھ دیر بعد پھر بولے:

"سنو الپ تگین! تم نے اور گنج میں بغاوت اور سرکشی کی۔ تم نے اور گنج کے حاکم کو قتل کیا۔ اس کے بچوں اور اس کی اہلیہ کا کام تمام کیا۔ اس کے بعد تم نے میرے خلاف جنگ کی بھٹی گرم کی اور ان گنت لشکریوں کی موت کا باعث بنے۔ لہٰذا تم ایک ایسے مجرم ہو جسے معاف نہیں کیا جا سکتا اور تمہارے ساتھ یہ جو تیرے امرا اور سرکردہ لوگ ہیں یہ بھی تمہارے جرائم میں برابر کے شریک ہیں لہٰذا انہیں بھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

اس کے بعد سلطان حرکت میں آئے اور الپ تگین اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا گیا۔

سلطان نے اپنے ایک سالار التونتاش کو اور گنج کا حاکم مقرر کیا اور پھر اپنے لشکر کے ساتھ دریائے آمو کے ساحل سے غزنی کی طرف کوچ کر گئے۔

ایک روز شام سے تھوڑی دیر پہلے ارسلان مہا نہ روی سے اپنے گھوڑے کو ہانکتا ہوا سوہ شہر میں داخل ہوا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے وہ پاروتی کی حویلی کے سامنے آرکا۔ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر کر وہ آگے بڑھا اور حویلی کے دروازے پر دستک دی۔

تھوڑی دیر بعد خود پاروتی ہی نے دروازہ کھولا۔

یوں اچانک خلافِ توقع ارسلان کو اپنے گھوڑے کی باگ تھامے حویلی کے دروازے اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی۔

اس موقع پر وہ ایسی خوش اور شاداب ہوئی کہ ارسلان سے کچھ کہہ نہ سکی۔ ارسلان نے دیکھا کہ سرو قامت پاروتی اپنے پورے روپ کے ساتھ شام کی شفق، صبح کی کرنوں کی پھوار، شباب سے مہکتے پھول، شاخِ گل کی طرح لہکتی اور عارضِ گل کی طرح تر و تازہ اس کے سامنے سمٹی سمٹائی کھڑی تھی۔

حسین پاروتی، ارسلان کے سامنے عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ اس کے آنے کی خوشی میں اس کی حالت گیتوں کی بستی، بزمِ طرب اور ستاروں کی ضیا جیسی ہو گئی تھی۔ چپ چپ اور خاموش کا وہ انفاس کی خوشبو کے معطر اور آنکھوں میں لپکتے کوندوں کی سی مسرور ہو رہی تھی۔ اچانک حسین پاروتی ان گنت پائلوں کی جھنک، ہلکی ہلکی ہواؤں اور ناچتی اپسراؤں کی طرح حرکت میں آئی اور حویلی کے اندر حصے کی طرف بھاگی۔

وہ زور زور سے پکار رہی تھی: "ماتا۔ ماتا۔ دیکھو تو کون آیا ہے!"

اس موقع پر حسین پاروتی کی حالت لذتِ شب سے چور جسم جیسی ہو رہی تھی۔ وہ ابھی حویلی کے برآمدے ہی میں پہنچی تھی کہ اس کی ماں کملا دیوی نکل آئی۔ اس نے حیرت و استعجاب سے پاروتی کی طرف دیکھا پھر اس سے پوچھا:

"کیا ہوا بیٹی۔ کیوں اس طرح بھاگتی ہوئی آ رہی ہو اور تیری سانس کیوں پھولی ہوئی ہے۔ کون آیا ہے؟"

پاروتی بیچاری فی الفور اپنی ماں سے کچھ نہ کہہ سکی تاہم کملا دیوی نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی بات، کسی خوشخبری کی وجہ سے موسمِ نشاط، ایامِ نو بہار، بھولے ہوئے رنگین مناظر، مست گیت اور کالی گھٹاؤں کے اژدہام میں عشرت فشار موسم جیسی ہو رہی تھی۔

اس کے چہرے پر اک گلستانِ رنگ و نکہت اور اس کی آنکھوں میں سبزہ زاروں اور تاروں کے رقص تھے۔ پھر شاید پاروتی نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنی ماں کملا دیوی سے کہنے لگی:

"وہ آ گئے ماتا۔ ارسلان آ گئے ہیں"۔

کملا دیوی چونک پڑی اور حویلی کے دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں ارسلان ابھی تک اپنے گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر کملا دیوی نے غصے اور برہمی سے پاروتی کی طرف دیکھا اور پھر ملامت کے انداز میں اس سے کہا:

"بیٹی! مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔ میں نہیں جانتی کہ ارسلان کب آیا اور اس نے کس وقت ہماری حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ جب تم نے دروازہ کھولا تھا تو بجائے اس کے کہ بھاگ کر میری طرف آتیں اور مجھے اس کے آنے کی اطلاع کرتیں، چاہیے تھا کہ تم خود آگے بڑھ کر ارسلان کے گھوڑے کی باگ تھام لیتیں۔ گھوڑے کو اصطبل میں باندھ کر ارسلان کو میرے پاس لے آتیں۔ تب میں مانتی کہ تم نے مہمان نوازی کا حق ادا کیا ہے۔ تو ارسلان کو حویلی کے بیرونی دروازے پر چھوڑ کر کیوں بھاگتی ہوئی میری طرف چلی آئی۔ کیا ایسا کرنے میں تیرا حجاب اور تیری شرم مانع ہے؟ میری بیٹی دیکھ۔ تو جانتی ہے کہ میں تجھے ارسلان کے ساتھ منسوب کر چکی ہوں۔ اب وہ تیری

زندگی کا ساتھی ہے۔ تیرے جسم کا ایک حصہ ہے۔ اب تجھے اپنے دل و جان اور خوشی سے اس کی سیوا کرنی چاہیے۔"

"اگر تم ایسا کرتے ہوئے شرماتی اور لجاتی ہو تو میں خود اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اصطبل کی طرف لے جاتی ہوں۔"

اس پر پاروتی چونک سی پڑی۔ بے باکانہ انداز میں اس نے کملا دیوی کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا:

"نہیں ماتا۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میں خود ان کے گھوڑے کو اصطبل میں باندھ کر آتی ہوں۔ دراصل معاملہ یہ ہے کہ ان کے اچانک آ جانے کی وجہ سے میں ایسی خوش اور شاداب ہو گئی کہ میں ان کے گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے جانا بھول ہی گئی تھی اور ان کی اطلاع دینے کے لیے آپ کی طرف بھاگ اٹھی۔

اے میری ماتا! اپنے اس رویہ پر میں معذرت خواہ ہوں ورنہ آپ جانتی ہیں کہ دنیا میں دو ایسی ہستیاں ہیں جن کے لیے میں اپنی جان تک قربان کر سکتی ہوں اور وہ آپ اور ارسلان کی ذات ہے اور کوئی نہیں۔"

پاروتی کا یہ جواب سن کر کملا دیوی خوش ہو گئی۔

فوراً ہی پاروتی پھر خوشبوؤں سے سرشار ہرنی کے بچے کی طرح بھاگتی ہوئی حویلی کے صدر دروازے کی طرف دوڑ پڑی۔ اپنی زلفوں کی خوشبو اور عارضوں کی مہک کے ساتھ آئینوں کے طاق میں نور و نکہت کے جھونکے کی طرح وہ ارسلان کے قریب آئی اور بھیگے بھیگے لرزتے ہونٹوں سے اس نے کھلتوں کا سا، بکھرے بکھرے خوابوں کے سے انداز، تعبیر کی طرح نہائی اور رنگوں کے فشار میں ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"آپ حویلی کے اندرونی حصے میں جائیں۔ میں آپ کے گھوڑے کو اصطبل میں باندھتی ہوں۔"

پاروتی کی اس بات پر ارسلان مسکراتے ہوئے کہنے لگا:

"تمہاری ماتا نے تمہیں ڈانٹا ہو گا کہ تم مجھے اس طرح صدر دروازے پر چھوڑ کر واپس کیوں آ گئی تھیں۔ تبھی تم لوٹ کر آئی ہو اور میرا گھوڑا اصطبل میں باندھ کر آنے کی پیش کش کر رہی ہو۔"

ارسلان کی اس بات پر پاروتی بھی مسکرا رہی تھی۔ پھر وہ دھیمے دھیمے لہجے اور حیادار آواز میں اس سے کہنے لگی:

"آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ میں آپ کے آنے کی خوشی میں اپنے حواس میں نہ رہی تھی اور اندر کی طرف بھاگی کہ آپ کے آنے کی خبر ماتا کو سناؤں۔ پر میں یہ بھول گئی کہ سب سے پہلے مجھے آپ کے گھوڑے کو اصطبل میں باندھ کر پھر آپ کو اپنے ساتھ ماتا کے پاس لے کر جانا چاہیے۔ اس کے لیے میں آپ سے شرمندہ ہوں۔"

جواب میں ارسلان مسکرا کر کہنے لگا:

"سنو پاروتی اب جبکہ تمہاری ماتا ہم دونوں کو ایک رشتے میں جوڑ اور پرو چکی ہیں، نہ تم میرے لیے ناآشنا ہو اور نہ میں تمہارے لیے اجنبی ہوں لہٰذا تمہیں مجھ سے معذرت نہیں کرنی چاہیے۔ تم ماتا کی طرف جاؤ، میں گھوڑے کو باندھ کر آتا ہوں۔"

پاروتی نے کمالِ سجود و نیاز اور مرہمِ دل آویز کے انداز میں ارسلان سے کہا:

"ایسا کیونکر ممکن ہے کہ میں اکیلی اندر جاؤں۔ میں آپ کو اپنے ساتھ لے کر ہی ماتا کے پاس جاؤں گی ورنہ وہ مجھ پر ناراض ہوں گی۔ اگر آپ اپنا گھوڑا مجھے نہیں دینا چاہتے تو میں آپ کے ہمراہ اصطبل میں چلتی ہوں۔ پھر اکٹھے ماتا کی طرف چلیں گے۔"

ارسلان اس پر رضامند ہو گیا۔

دونوں اصطبل میں داخل ہوئے۔ گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہوئی خرجین اتار کر پہلے ارسلان نے ایک طرف رکھ دی۔ پھر اس نے گھوڑے کی پیٹھ سے زین الگ کی اور اس کے منہ سے دہانہ بھی اتار دیا۔

اتنی دیر میں، پاروتی نے گھوڑے کے آگے چارہ ڈال دیا اور زین اٹھا کر ایک کونے میں رکھ دی۔ پھر دیوار کے پاس پڑی ہوئی ارسلان کی چمڑے کی خرجین اٹھا لی اور کمالِ محبت اور نرمی سے ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"آئیے چلیں۔ ماتا بے چینی سے ہم دونوں کا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

ارسلان چپ چاپ پاروتی کے ساتھ ہو لیا۔

ارسلان اور پاروتی جب دونوں کملا دیوی کے پاس آئے تو اس نے مسکرا کر آگے بڑھتے ہوئے ارسلان کی پیشانی چوم لی اور کمال پیار و محبت اور شفقت سے اس کا استقبال کیا۔ پھر دونوں ماں بیٹی ارسلان کو ایک کمرے میں لے گئیں۔

وہاں بیٹھ کر دونوں ماں بیٹی تھوڑی دیر تک ارسلان سے اس کے احوال اور احمد کی خیریت کے متعلق پوچھتی رہیں۔ اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور پاروتی کو مخاطب کر کے بولیں:

"پاروتی! میری بیٹی تم ارسلان کے پاس بیٹھو۔ اسے بھوک لگی ہو گی میں اس کے کھانے کا اہتمام کرتی ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی کملا دیوی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد پاروتی ارسلان سے کہنے لگی:

"ماتا نے گھر کے سب ملازموں کو فارغ کر دیا ہے۔ اب سارا کام ہم دونوں ماں بیٹی ہی کرتی ہیں۔"

ارسلان نے ایک بار غور سے اپنے سامنے بیٹھی پاروتی کو دیکھا پھر بڑی نرمی اور محبت بھرے لہجے میں پاروتی سے کہا:

"پاروتی! میں تمہارے لیے کچھ تحائف لے کر آیا ہوں۔ اب پتہ نہیں تم انہیں پسند بھی کرتی ہو یا نہیں؟"

ارسلان کی بات سے پاروتی کچھ ایسی متاثر ہوئی کہ بے حد متانت سے ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا:

"اگر آپ میرے لیے کوئی تحفہ لائے ہیں تو وہ میرے لیے ایک فخر اور ناز کا باعث ہو گا۔ پر میرے دل میں اب جو آپ کا مقام ہے اس کو دیکھتے ہوئے مجھے آپ قیمتی تحفے کی جگہ لوہے کا کوئی چھلہ یا پیتل کی انگوٹھی بھی دے دیں تو وہ میرے لیے یاقوت اور ہیرے سے زیادہ قیمتی اور زیادہ محبوب ہوں گے۔ اس لیے کہ آپ نہیں جانتے آپ میرے لیے کیسی اور کس طرح کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

ارسلان نے جواب میں کہا:

"ذرا کھل کر کہو۔ میں تمہارے لیے کیا ہوں۔"

اس پر پاروتی بولی:

"میں بتاتی ہوں کہ آپ میرے لیے کیا ہیں۔ آپ طوفانِ ظلمات اور آنسوؤں اور آہوں کی گزرتی شب میں میرے لیے روح اور جان کا آہنگ، سرورِ بے کسی اور ناتوانی کے لہو اور سماج کی بے حسی میں آگہی کی شمعِ لرزاں، مبہم حروف اور درد کی گلیوں میں بیداری اور ایک جہتی کا دستک دیتا ہوا لمحہ، پل پل چڑھتی غم کی رات اور جیون کے اندھیارے، پتھریلے راستوں پر اجلی دیواروں پہ جیون کا عکس، بکھرتی تیرگی، سمٹتی شفق میں صبا کا ایک لطیف جھونکا اور چھاتی سحر کا نمود ہیں۔

آپ میرے لیے یقیناً بے سوز و رنگ و ناتواں ماحول اور عہدِ گزشتہ کے سکوتِ مرگ میں جرأت اور عزم کا آسمان اور راتوں کی افشاں ہیں۔"

کچھ دیر کے لیے پاروتی رکی، پھر اس نے تیز نگاہوں سے اور اپنے ہونٹوں پر بڑی قاتل ادا، خوبصورت اور شرمیلی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا:

"میرے خیال میں اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ آپ میرے لیے کیا ہیں!"

ارسلان نے بڑی سنجیدگی اور متانت سے کہا:

"سنو پاروتی! تم نے جو مجھے اہمیت دی ہے اس کے لیے میں تمہارا شکرگزار ہوں کہ تم نے مجھے اپنی نگاہوں میں اس قدر مقام اور وقعت دی ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ میں تو اس خداوندِ قدوس کا ایک ادنیٰ بندہ، خادم اور غلام ہوں جس کے لیے ساری مخلوقات اور سبھی موجودات و نباتات وظیفہ خواں رہتی ہیں۔"

پاروتی نے پھر مسکراتے ہوئے کہا:

"آپ اپنے لیے چاہے کیسے بھی انکسار اور عاجزی سے کام لیں لیکن میری نگاہوں میں آپ کا جو مقام ہے اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

آپ کو پانے اور حاصل کرنے کے لیے مجھے اپنی رفعتوں اور عظمتوں پر ناز ہے ورنہ میں جانتی ہوں اس سے پہلے جو میں مندروں کے اندر ایک مقدس دیوداسی کی حیثیت سے رہی ہوں تو وہاں میری کیا حیثیت اور میرا کیا مقام تھا!"

یہاں تک کہہ کر پاروتی تھوڑی دیر کے لیے رکی اس کے بعد وہ کمال سنجیدگی سے روہانسی آواز میں دوبارہ کہنے لگی:

"آپ کو ابھی تک ہندوستان کے معاشرے اور سماج کا پوری طرح علم نہیں ہے۔ ہندوستان کے ان مندروں میں کام کرنے والی دیوداسی کو رنگین غزل، نغموں پر درِ نگاہ، محصورِ جلوہ، مدہوش اعضا، جامِ رنگیں اور اطلسِ سنجاب میں ملبوس ایک نغمۂ رقص، موجِ خوشبو اور رنگِ خیال کیا جاتا ہے اور زمانے کی حسین رات میں ہر کوئی ان سے تازہ و نایاب مے کی طرح لطف اندوز ہوتا رہتا ہے اور اسے اپنا حق اور استحقاق خیال کرتا ہے۔

یہ پنڈت اور پروہت جو حقیقت میں قعرِ مذلت سے نکلے ہوئے لوگ ہیں اور اپنے آپ کو آسمان زادے اور عقل و خرد کے بہتے چشمے خیال کرتے ہیں بس ان ہی جیسے جعلی دیدہ وروں کو بہلانے کے لیے مندروں میں دیوداسیوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔"

پاروتی تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر شاید کچھ سوچتی رہی۔ اس کے بعد اپنے خیالات کو مجتمع کرتے ہوئے وہ پھر بولی:

"ہندو معاشرے میں دیوداسی ایک گالی بن کر رہ گئی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ زندگی کے سبھی شیدا ہوتے ہیں اور وقت کی گود میں ہر کوئی عروجِ حیات کا متمنی ہوتا ہے۔ دیوداسیاں بھی اپنا گھر آباد کر کے باعزت زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں لیکن انہیں مندروں میں کچھ اس طرح بے بس کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو پجاریوں اور دوسروں کی سوچوں پر گزارنے کے لیے مجبور ہو جاتی ہیں۔

میں اپنے آپ کو خوش قسمت خیال کرتی ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو بصد ضبط و احتیاط پنڈتوں، پجاریوں اور پروہتوں کی غلیظ خواہشوں کا شکار نہ ہونے دیا ورنہ میرے جسم میں بھی ذلالت، گندگی، بے آبروئی اَن گنت نشتر گڑ گئے ہوتے۔ شاید ان پنڈتوں اور پروہتوں نے مجھے میری کم عمری کی وجہ سے نظر انداز کیے رکھا یا ہو سکتا ہے کہ مجھے نہ چھیڑنے کے لیے ان کے پاس یہ بھی وجہ ہو کہ وہ مجھے مقدس دیوداسی سمجھتے تھے۔

ان کا خیال تھا کہ ان کے ہاں پہلے ایک ایسی دیوداسی گزری تھی جو انتہائی حسین تھی اور اس کی شکل ہو بہو میرے ساتھ ملتی تھی۔ اس لیے یہ لوگ مجھے یہ میری ماں سے چھین کر مندروں میں لے گئے اور مجھے مقدس

دیوداسی تسلیم کرنے لگے اور عام دیوداسیوں کی نسبت مجھے زیادہ عزت اور وقار دیتے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ آشاؤں کے میلے میں، جیون کی اس پھلواری، تلخیِ غمِ حیات میں فرقت کی ایک لمبی عمر کی نسبت رفاقت کی ایک رات زیادہ قابلِ ترجیح ہے۔

اہلنا کہ یہ بیچاری دیوداسیوں کو جنم مرگ کے بیچ ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کرتے ہیں کہ انہیں اپنی ذات سے نفرت اور ماحول سے وحشت ہو جاتی ہے۔

میں آپ کی انتہائی مشکور رہوں اور ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اس جہنم سے نکال کر میری ماں کے پاس پہنچا دیا ورنہ مندروں کے اندر روز و شب چنگھاڑتے چہروں کے درمیان میری منطقی تکمیل ادھوری رہ جاتی۔ میری کومل کے شبدوں میں زہر گھل جاتا۔ میرے جنم جنم کے بندھن ٹوٹ کر رہ جاتے اور میرے نرل کومل من کے آنگن کی آشائیں نگر نگر میں اور ڈگر ڈگر میں بکھر کر رہ جاتیں۔

مندروں کے اندر بیچاری دیوداسیوں کی زندگیاں برہا کے گھنگھور اندھیروں میں سنسار کے سنجوگ سے بھی بدتر ہو جاتی ہیں۔ ان مندروں کے اندر گپھاؤں میں بیٹھے سادھو بھجن گاتے، بیراگی اپرادھی و پاپی پنڈت اور پروہت سنسار کے دکھ کا روگ بن کر دیوداسیوں پر وار د ہوتے ہیں اور ان کے من کی دھرتی کو اپادھ اور اسنتوش اور اس کی آشاؤں کے مندر کو اپوتر اور ابھگت بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ دیوتاؤں کے تیرتھ کے یہ رکھوالے اور محافظ دیوداسیوں کے چندن کے ٹیکے میں من کی آگ لال لبوں کی آشاؤں میں ویرانیاں ان کے من مندر نینوں میں کھنڈر اور سندر بندیا میں بدنامی کی لہریں بھر دیتے ہیں اور اسی طرح یہ بیچاری دیوداسیاں ایک یگ کو پار کر کے دوسرے یگ کی طرف چلی جاتی ہیں۔

یہ پنڈت، یہ پجاری، بیراگی اور یہ سادھو اُن دیوداسیوں کے لیے بظاہر چیت کا چاند بن کر نمودار ہوتے ہیں لیکن یہ انہیں ان کی ذات کی عزت اور آبرو سے محروم کر کے ان کی حالت بھجن سے محروم پجاریوں کی طرح بے بس اور لاچار بنا کر رکھ دیتے ہیں۔

مندر میں دیوداسی کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے ہوئے مجھے میری ماں بہت یاد آتی تھی۔ اکثر میں سوچتی کہ میں مندروں سے بھاگ جاؤں۔ پھر میرے ذہن میں یہ خیال آتا کہ مندر سے بھاگ کر کہاں جاؤں گی؟ اس لیے کہ مجھے ابھی تک یہ ہی خبر نہ تھی کہ میری ماں کہاں رہتی ہے اور یہ بھی خطرہ اور خدشہ تھا کہ میں مندر سے بھاگی تو یہ پنڈت اور پروہت نہ صرف یہ کہ انتقامی کارروائی کے طور پر

مجھے بے آبرو کر دیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ مجھے موت کے گھاٹ ہی اتار دیں لہٰذا میں وہیں پڑی پڑی زہر بھرے دن گزارتی رہی۔

جس روز آپ پہلی بار مندر میں مجھ سے ملنے آئے تھے اور آپ نے مجھ پہ انکشاف کیا تھا کہ آپ مجھ سے ملنے آئے ہیں تو میں نے اسے اپنی ذات کے لیے ایک سپنا خیال کیا تھا اور میں من ہی من میں یہ سوچنے لگی تھی کہ کاش میرا یہ سپنا حقیقت کا روپ دھار جائے۔ اس لحاظ سے میں انتہائی خوش قسمت ہوں کہ میں مندروں کی قید سے نکل کر اب اپنی ماں اور آپ کی رفاقت میں دن گزارنے کی امید پہ زندہ ہوں"۔

پاروتی شاید مزید ارسلان سے کچھ کہتی لیکن اسی وقت اس کی ماں وہاں آ گئی۔ وہ کمرے میں آ کر ارسلان کے سامنے اور پاروتی کے پہلو میں بیٹھ گئی اور بولی:

"میں روٹیاں پکا کر پلٹ آئی ہوں۔ ہانڈی میں نے چولہے پر رکھی ہے۔ جونہی پکتی ہے تو تینوں بیٹھ کر کھاتے ہیں اور ہاں یہ تو کہو بیٹے! اس بار تمہارا بھائی احمد تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ کیا وہ غزنی گیا ہے؟"

اس پر ارسلان نے جواب دیا:

"نہیں۔ وہ لشکر ہی میں ہے۔ اس بار میں اکیلا ہی آپ لوگوں سے ملنے کے لیے آیا ہوں"۔

ارسلان کا یہ جواب سن کر کملا دیوی تھوڑی دیر خاموش رہی۔ شاید کچھ سوچتی رہی پھر دوبارہ ارسلان کی طرف دیکھ کر بولی:

"ارسلان میرے بیٹے! جیسا کہ تم جانتے ہو میں پاروتی کو تمہارے ساتھ منسوب کر چکی ہوں۔ میں ہر روز تمہارا انتظار کرتی رہی ہوں کہ تم کب آؤ گے اور پاروتی کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔ پاروتی تمہارے حوالے سے میرے پاس امانت ہے اور میں اس دن اپنی ذمے داریوں کے بوجھ سے سبکدوش ہوں گی جب تم اپنی یہ امانت مجھ سے لے جاؤ گے"۔

"سنو بیٹے! تمہاری خاطر پاروتی اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم کسی مناسب وقت پر اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور اپنے لشکر یا غزنی میں اپنے گھر میں لے جا کر اس سے نکاح کر لو اور اسے اپنے ساتھ رکھو۔ بولو تم کیا کہتے ہو؟"

کملا دیوی کی اس گفتگو پر ارسلان گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا جبکہ کملا دیوی کی باتوں سے اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی پاروتی کی حالت شرم و حیا کے باعث ڈھلتے خورشید کی کرنوں اور لمحوں کے وصال جیسی ہو گئی تھی اور اس کی پیاسی آنکھیں امید اور خواہشوں میں شبنم کے قطرے کی طرح چمکنے لگی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ارسلان نے کملا دیوی کی طرف دیکھا اور بولا:

"آپ مجھے چند دن کی مہلت دیجیے۔ پھر میں آپ کے پاس آؤں گا اور پاروتی کو اپنے ہمراہ لے جاؤں گا۔

میرا ارادہ ہے کہ جب تک جنگوں کا یہ سلسلہ جاری ہے، پاروتی میری بیوی کی حیثیت سے میرے ساتھ میرے لشکر میں ہی رہا کرے گی۔ لشکر کے دیگر سالاروں اور لشکریوں کی بیویاں بھی ان کے ساتھ رہتی ہیں۔

لہٰذا پاروتی لشکر میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو تنہا یا اجنبیت کے ماحول میں محسوس نہیں کرے گی بس مجھے چند دن کی مزید مہلت دیجیے پھر میں پاروتی کو آ کر آپ کے ہاں سے لے جاؤں گا"۔

ارسلان کی یہ گفتگو سن کر پاروتی کی حالت فرشِ فلک پر زینتِ ماہ، نجھے تاروں کی طرح خوش کن، زندگی کی تکریم اور قبولیت کی ساعت کی طرح پرکشش ہو کر رہ گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ دزدیدہ اور پیار بھری نگاہوں سے ارسلان کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ ایسے میں کملا دیوی پھر بولی اور ارسلان سے مخاطب ہو کر کہنے لگی:

"ارسلان بیٹے! پاروتی کے سلسلے میں میں زندگی کا ایک دورِ سیاہ دیکھ چکی ہوں اور اب تو میں پاروتی کے حوالے اور سلسلے سے اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ رشتے کیسے ہی قریبی اور گاڑھے کیوں نہ ہوں، کسی شخص کا بھی دوسرے کے ساتھ تمام عمر کا رابطہ نہیں ہوتا۔ میری زندگی، میری زیست کے ترشے میں بس پاروتی ہی میری ساری پونجی اور سرمایہ ہے اور اسے تمہارے حوالے کرنے کے بعد میں فخر محسوس کر رہی ہوں کہ میں نے اپنی بیٹی کے لیے ایک بہترین رفیق اور قابلِ رشک ساتھی چُنا ہے!

بیٹے! تمہارے بعد میں اکثر پاروتی کو سمجھاتی ہوں کہ شادی کے بعد ارسلان کے سامنے ہمیشہ سچ بولنا۔ اسے پیار کرنا۔ اس پر احسان کرنا۔ ارسلان کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی آنکھیں کھلی رکھنا اور مجھے

امید ہے میرے بیٹے کہ پاروتی اس کاروانِ زندگی میں صلے کی آرزو کیے بغیر اپنی محبت کی گرمی اور اپنے پیار کی خوشبو سے تمہیں خوش اور مطمئن رکھے گی۔

ارسلان میرے بیٹے! میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے فصل کے میوے، خواب گاہوں کا ریشم اور رُت کا پھل ہوتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میری بیٹی پاروتی ازل و ابد کی آرزوؤں اور صدیوں کی پلتی خواہشوں کی طرح دشت نوردی کی زندگی تک میں بھی اپنے سارے جیون کو تمہارے لیے دان کر دے گی۔

سنو ارسلان میرے بیٹے! دن ہو کہ رات، شام ہو یا سحر، دھوپ ہو کہ چھاؤں، برف ہو کہ پھوار، سلگتی راہ گزر ہو کہ خوشی کی سَت ہراہ، محرومی ہو یا حسرت! مجھے پختہ یقین ہے کہ وقت کی ہر لہر، وقت کی ہر الجھن میں زمانے کی ہر گردش میں میری بیٹی پاروتی ایک بیوی کی حیثیت سے تمہارے لیے جانِ انجمن اور تمہارے لیے روحِ محفل ثابت ہو گی اور زندگی میں کبھی تمہیں تکلیف یا دکھ دینے کا باعث نہ بنے گی۔"

کملا دیوی خاموش ہو گئی۔

تب ارسلان پھر بولا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا:

"پاروتی کی طرف سے آپ کسی قسم کی شکایت، کسی قسم کے غم، خدشے اور اندیشے کو اپنے جی میں نہ لائیں۔ مجھے اس بات پر فخر اور ناز ہے کہ پاروتی جیسی خوبصورت اور پُرکشش لڑکی کو میرے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں زندگی بھر پاروتی کو خوش اور مطمئن رکھوں گا اور اسے کوئی دکھ نہ . . . . ."

ارسلان کی بات کاٹتے ہوئے کملا دیوی نے کہا:

"تمہارے ساتھ رہتے ہوئے پاروتی کی طرف سے مجھے کوئی فکر نہیں ہو گی۔ تم مجھے یقین دلانے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتی ہوں کہ تم پاروتی کو پسند کرتے ہو اور یہ بھی جانتی ہوں کہ پاروتی دل کی گہرائیوں سے تمہاری پوجا کرتی ہے۔ بس مجھے خدشہ اور ڈر یہ ہے کہ یہاں سوہدرہ میں رہتے ہوئے بھی کچھ لوگ ہماری طرف سے مشکوک ہونے لگے ہیں بلکہ یہ بھی اندیشہ ہے کہ یہاں

کچھ نوجوان پاروتی کے حسن اور اس کی خوبصورتی سے متاثر ہیں اور اس کے آنے جانے کے موقع پر تاک جھانک کرتے ہیں لہٰذا میرے بیٹے! میں چاہتی ہوں کہ جس قدر جلد ممکن ہو تم پاروتی کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔

اور ہاں۔ یہ تو کہو کہ احمر اس وقت کہاں ہے اور تمہارے لشکر نے ان دنوں کہاں اور کس جگہ پڑاؤ کر رکھا ہے"۔

کملا دیوی کے سوال پر ارسلان نے اس کی طرف دیکھا اور کہا:

"ہمارا لشکر اب تک سلطان کی سرکردگی میں غزنی سے کوچ کر چکا ہو گا۔ میں اپنے لشکر کی روانگی سے چند دن پہلے غزنی سے نکلا تھا۔ میرا ارادہ آپ لوگوں سے ملنے کا تھا جبکہ سلطان اپنی ایک انتہائی اہم مہم پر مشرق کی طرف نکلے ہیں۔

وہ مہم یہ ہے کہ راجا انند پال نے اپنے آخری دنوں میں مکمل طور پر سلطان کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کر لی تھی لیکن چند ماہ پیشتر انند پال اپنی طبعی موت مر گیا اور اس کے بعد اس کی رعایا نے اس کے بیٹے ترلوکن پال کو اپنا راجا بنایا لیکن ترلوکن پال نااہل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کمزور اور بزدل آدمی تھا لہٰذا اس کی رعایا نے اس کے بیٹے یعنی انند پال کے پوتے نادر بھیم پال کو اپنا راجا بنا لیا۔ بھیم پال جوان اور توانا ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی گھمنڈی، متکبر اور ناعاقبت اندیش آدمی ہے تخت نشین ہوتے ہی اس نے اپنے دادا انند پال کے اس معاہدے کی اعلانیہ خلاف ورزی کرنے کا اعلان کر دیا جو اس نے سلطان محمود سے کر رکھا تھا ساتھ ہی اس نے سلطان کی مکمل نافرمانی کرتے ہوئے ان کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا ہے۔

اب سلطان اسی نادر بھیم پال کی سرکوبی کے لیے غزنی سے نکلے ہیں۔ میں بھی صرف ایک روز آپ کے ہاں قیام کرنے کے بعد سلطان کے لشکر میں جا شامل ہوں گا"۔

یہ سن کر کملا دیوی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی:

"ہنڈیا پک چکی ہو گی۔ میں کھانا لاتی ہوں"۔

کملا دیوی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد پاروتی نے ارسلان کی طرف غور سے دیکھا اور شکووں شکایتوں بھرے لہجے میں اس سے پوچھا:

"کیا آپ صرف ایک رات قیام کریں گے"۔

پاروتی کے اس شکوے اور اس کے پوچھنے کے اس انداز پر ارسلان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بکھر گئی۔ پھر وہ نرم اور محبت بھری آواز میں کہنے لگا:

"پاروتی! مجھے جلد لشکر میں جا کر شامل ہونا ہے۔ تم میری طرف سے فکر مند نہ ہو اگر وہ عنقریب میں لوٹوں گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

پاروتی، ارسلان کی اس گفتگو سے مطمئن ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد کملا دیوی کھانا لے آئی اور تینوں کھانا کھانے لگے۔

○

البیلی، کامنی رات، ستاروں کو بادبان بنا کر ریت کے ٹیلوں پر رقص کرتی ہوئی چاندنی، دھنک کے رنگوں، بوئے بہار اور ہر محویت و تفکر کو زیر و زبر کرتی ہوئی امید صبح اور سحر کے نشیب و فراز کی طرف بھاگ رہی تھی۔

رات کے چوکیدار طیور طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہوئے گہری نیند کی آغوش میں جا چکے تھے۔ اجڑے کھنڈروں میں عقاب نوحہ گر رہنے کے بعد خاموشی اختیار کر چکے تھے۔ شوخ و سحر فن کونجوں کی ڈاریں اجنبی علاقوں سے نکل کر غیر سرزمینوں کی طرف پرواز کرنے لگی تھیں۔

مشرق میں آہستہ آہستہ سحر کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ ویران بستیاں دھواں دھواں ہونے لگی تھیں۔ ہر شے کے دل میں گدگداہٹ اور سینے میں دل پسند سنسناہٹ ابھرنے لگی تھی۔ نہ جانے کس جگہ سے آنے اور کس نگر کو جانے طرح طرح کے پرندے عجیب سی آوازیں نکال کر فضاؤں کے اندر پرواز کرنے لگے تھے۔

ایسے میں پاروتی لچکتی ڈال کی طرح چلتی ہوئی اس کمرے میں داخل ہوئی جس میں ارسلان سویا ہوا تھا وہ مسہری کے پاس گئی۔ اس پر جھکی۔ اپنا رنگین ہاتھ اس نے ارسلان کی طرف بڑھایا اور بڑی آہستگی سے اس کے سر کو ہلاتے ہوئے اس نے بے خواب راتوں میں سنہری گھنٹیوں اور دھیمی دھیمی حدی کی کی آوازیں اسے مخاطب کر کے کہا:

"آپ نے سوتے وقت کہا تھا کہ آپ کو صبح سویرے اٹھا دیا جائے۔ سحر ہو گئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سورج طلوع ہو جائے گا۔ آپ نے عبادت کرنی ہو تو اٹھ کر کر لیں ورنہ وقت نکل جائے گا۔"

پاروتی کی آواز پر ارسلان اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس نے دیکھا پاروتی ہرے بھیگے پیڑ کی شاخ کی طرح اس پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کی زلفیں اس طرح بکھری تھیں جیسے فراق کی لمبی رات، اس کے برگِ زیتون اور لعلِ بدخشاں جیسے ہونٹ پُرطلسمات کی کہانیاں، تازہ آرزوؤں اور دل کے کاشانوں کے خیالِ نو کا رقص تھا۔ اس سے اس کی نشاط انگیز آنکھوں میں شنیدہ ناشنیدہ نغموں کا ایک آہنگ تھا۔

مجموعی طور پر اس وقت ارسلان کو پاروتی بھادوں میں جل تھل ندیوں جیسی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

پاروتی ایک بار پھر انتہائی میٹھے انداز میں بولی؛

"آپ اٹھیے۔ میرے ساتھ طہارت خانے چلیے اور اپنی عبادت کا اہتمام کرلیں!"

ارسلان فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ پاروتی اسے ساتھ لے کر طہارت خانے میں گئی۔ وہاں ارسلان نے وضو کیا اور اپنے کمرے میں آکر نماز ادا کرنے لگا۔ اس دوران پاروتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔



دعا مانگنے کے بعد ارسلان اپنی مسہری پر بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد پاروتی پھر اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور بڑی چاہت اور بڑی اپنائیت سے مخاطب کر کے بولی؛

"میرے ساتھ آئیے۔ ماتا کھانے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں!"

ارسلان چپ چاپ اٹھا اور اس کے ساتھ ہولیا۔ حویلی کا وہ کمرہ جو مہمان خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا وہاں کملا دیوی کھانے کے برتن لگائے ان دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔ دونوں کمرے میں داخل ہوئے اور کملا دیوی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔

کھانا کھانے کے بعد ارسلان ہاتھ دھو کر انگوچھے سے صاف کر رہا تھا کہ حویلی کے صدر دروازے پر کسی نے زوردار دستک دی۔

اس دستک پر کملا دیوی چونک اٹھی۔ اس نے عجیب سے انداز میں ارسلان کی طرف دیکھا اور کہا؛

"اس وقت ہمارے صدر دروازے پر کون دستک دے سکتا ہے اور اس زوردار انداز میں؟"

کملا دیوی کے ان الفاظ پر پاروتی بھی چوکنی سی ہوگئی۔

ارسلان نے کملا دیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"آپ فکرمند نہ ہوں۔ میں خود دروازہ کھولتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کون ہے۔ وہ جو بھی ہے، آپ دونوں کے لیے خطرے کا باعث نہیں بن سکے گا!"

ارسلان کمرے سے باہر نکلا تو پاروتی بھی اس کے ساتھ ہولی ہوئی بولی؛

"میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں"۔

پاروتی کے پیچھے پیچھے کملا دیوی بھی ان کے ساتھ ہولی۔ ارسلان نے آگے بڑھ کر حویلی کا صدر دروازہ کھول دیا۔

اس نے دیکھا کہ حویلی کے دروازے پر اس کا عمزاد احمد اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا۔ صبح سویرے اسے وہاں دیکھ کر ارسلان چونکا اور تیزی سے اس نے پوچھا؛

"احمد میرے بھائی خیریت تو ہے کہ تم صبح ہی صبح سوہدرہ شہر میں آنمودار ہوئے ہو۔ لگتا ہے میرے پیچھے ہی غزنی سے روانہ ہوئے ہو"۔

جواب میں احمد نے کہا؛

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو میرے بھائی! میں ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں تمہاری طرف آیا ہوں اس لیے کہ اس شہر میں تمہاری جان خطرے میں ہے"۔

احمد کے یہ الفاظ سن کر کملا دیوی اور پاروتی پیلی پڑ گئیں۔ ارسلان نے بھی غور سے احمد کی طرف دیکھ کر کہا؛

"پہلے اندر آکر آرام سے بیٹھو۔ کھل کر کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو"۔

جواب میں احمد نے پھر کہا؛

"میں حویلی میں داخل ہو کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا اس لیے کہ میں تمہیں لینے آیا ہوں اور اگر ہم نے وقت ضائع کیا تو ہم دونوں کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی"۔

ارسلان نے پھر غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"میرے بھائی! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ کھل کر کہو"

جواب میں پھر احمد بولا:

"میرے بھائی! غزنی سے تمہاری روانگی کے تھوڑی دیر بعد ہمارا ایک آدمی آیا اور مجھے اطلاع دی کہ ہمارے خاندان کے قاتلوں میں سے دو افراد ہماری جستجو میں ہیں اور وہ ہمارا خاتمہ کر کے ہمارے ہاتھوں مرنے والے اپنے جوانوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔

جو دو افراد ہمارے پیچھے لگائے گئے ہیں ان کے نام شہپال اور شاہ فرینہ ہیں اور یہ دونوں ہمارے سب سے بڑے اور طاقتور دشمن توزون کے سگے بھائی ہیں۔

ہمارے جس آدمی نے ان کے متعلق اطلاع دی ہے اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ توزون کے دونوں بھائی تمہاری اور میری تلاش میں ہندوستان کی طرف آئے ہیں۔ شاید ان کو خبر ہو گئی ہے کہ تم سوہدرہ شہر کی طرف گئے ہو لہٰذا یہ خبر پاتے ہی میں بھی سوہدرہ شہر کی طرف کوچ کر گیا۔ کل ہی یہاں پہنچا ہوں۔

سب سے پہلے میں نے شہر کے اندر اور اس کے اطراف ساری سراؤں کا جائزہ لیا۔ آخر شہر کی شمالی سرائے میں میں نے توزون کے دونوں بھائیوں شہبال اور شاہفرینہ کو پایا۔ میرے خیال میں وہ کل سے اپنے کام کی ابتدا کریں گے اور شہر میں تمہاری تلاش شروع کر دیں گے۔

میں اور تم، دونوں ان کو شکل سے جانتے ہیں جبکہ وہ بھی ہم دونوں بھائیوں کو جانتے ہیں۔ اے میرے بھائی اس وقت میں حویلی میں داخل نہیں ہوں گا اس لیے کہ میں نے رات سوہدرہ شہر کی شمالی سرائے میں گزاری ہے جس میں شہبال اور شاہفرینہ نے قیام کر رکھا ہے۔ میں ان پر نگاہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں صبح ہی صبح آیا ہوں تاکہ دونوں بھائی ان کی طرف جائیں اور ان سے نمٹیں تاکہ آنے والے دنوں میں یہ دونوں بھائی ہمارے لیے خطرہ نہ ثابت ہوں۔

اور ہاں میرے بھائی! میں تم سے یہ بات کہنا تو بھول ہی گیا کہ سلطان بھی اپنے لشکر کے ساتھ غزنی سے کوچ کر چکے ہیں۔ وہ مارگلا کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ قیام کریں گے تاکہ ہند کے راجہ بھیم پال کی سرکوبی کی جا سکے۔

سلطان نے مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تم مارگلا کے مقام پر اپنے لشکر میں شامل ہو جانا۔"

اپنے عم زاد بھائی کی یہ گفتگو سن کر ارسلان کی حالت پر تلاطم ساگر اور صحرا کے سرگرداں بگولوں جیسی ہو گئی تھی۔ اس کی پاسبان عقابی نگاہوں میں دشت و بیاباں کی وحشتیں رقص کرنے لگی تھیں۔ اس کے جسم کی رگیں تن گئیں اور اس کے سراپے میں سنسنی سی دوڑنے لگی۔

تھوڑی دیر تک اس کی یہی کیفیت رہی پھر وہ احمد کو مخاطب کر کے بولا:

"سنو احمد میرے بھائی! اگر توزون کے دونوں بھائی شہپال اور شاہفرینہ میرے تعاقب میں سوہدرہ شہر کی طرف آ گئے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہم دونوں بھائیوں کی خوش قسمتی ہے۔ اب انہیں بچ کر مغرب کی طرف جانا نصیب نہ ہو گا۔ دریائے چناب کے کنارے اس اجنبی شہر کو میں ان دونوں کا قبرستان بنا دوں گا۔

سن میرے بھائی! سوہدرہ شہر کی شمالی سرائے میں میں ان کا ہر اشتباہ اور شک، ان کی ہر تجلی اور حرارت نکال کر رکھ دوں گا۔ وہ اگر غول و بدروح ہیں تو میں ان کے سامنے آسیب، ایک وہم ایک چھلاوہ ایک وحشت بن کر نمودار ہوں گا۔

اے میرے بھائی! اگر وہ خناس کے وسوسوں کی طرح ہیں تو تو دیکھے گا کہ ان کی ساری آن بان نکال کر میں انہیں جادوئے بابل کی طرح تحلیل کر کے رکھ دوں گا۔ اور اگر وہ اپنی ذات میں جابر اور قاہر ہیں تو میں انہیں سحرِ سامری کی طرح بے وقعت بناؤں گا اور انہیں عقبیٰ کی سی عقوبت میں مبتلا کر کے رکھوں گا۔

اے میرے بھائی! تو تھوڑی دیر تک رک۔ میں اپنے گھوڑے پر زین ڈال لوں پھر دونوں بھائی سوہدرہ شہر کی شمالی سرائے کی طرف چلتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں کہ توزون کے دونوں بھائی کتنی دیر تک ہمارے سامنے ٹھہر سکتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان بھاگتا ہوا پہلے اس کمرے کی طرف گیا جس میں اس نے رات گزاری تھی جبکہ پاروتی اور کملا دیوی دروازے پر احمد کے پاس ہی کھڑی رہیں۔

ارسلان کے جانے کے بعد پاروتی نے بڑی ہمدردی سے احمد کو مخاطب کر کے کہا:

"احمد بھائی! آپ اندر تو آئیے۔ صبح کا کھانا آپ نے بھی نہیں کھایا ہو گا جب تک ارسلان تیار ہوتے ہیں میں آپ کے لیے کھانا تیار کر لاتی ہوں۔"

اس پر احمد کہنے لگا:

"نہیں میری بہن! میں صبح سرائے سے کھانا کھا کر آیا ہوں۔ ہمیں وقت ضائع کیے بغیر ان شہزادوں کی طرف جانا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم دیر کر دیں اور وہ سرائے سے نکل کھڑے ہوں اور ہمارے لیے خطرہ بن جائیں۔"

احمد کا یہ جواب سن کر پارونی خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد ارسلان بھی کمرے سے بھاگتا ہوا باہر آیا۔ وہ اب جنگی لباس پہنے ہوئے تھا۔ پھر وہ بھاگتا ہوا اصطبل کی طرف چلا گیا۔ پارونی تیزی سے اس کے پیچھے گئی۔

اس نے دیکھا کہ ارسلان اپنے گھوڑے پر زین ڈال رہا ہے۔ وہ آگے بڑھی اور قریب پڑی ہوئی لگام اس کے گھوڑے کو چڑھا دی۔ پھر اس نے پیار بھری اور ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز میں ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

"اپنے دشمنوں سے نمٹنے میں احتیاط سے کام لیجیے گا اور وہاں جلدی لوٹ آئیے گا۔ میں آپ کے بارے میں انتہائی پریشان اور فکرمند رہوں گی۔"

گھوڑے کا تنگ کستے ہوئے ارسلان نے مسکرا کر کہا:

"پارونی! فکرمند نہ ہو۔ ان دونوں سے نمٹ کر میں بہت جلد لوٹ کر آؤں گا اور تمہیں اپنی کامیابی کی خوش خبری سناؤں گا۔"

گھوڑے پر زین ڈال چکنے اور زین کے ساتھ اپنے ہتھیاروں کو سجانے کے بعد ارسلان اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے اصطبل سے باہر نکلا۔ پارونی بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گئی۔ ارسلان نے دروازے کے قریب کھڑی کملا دیوی کو مخاطب کر کے کہا:

"میں احمد کے ساتھ سوہدرہ کی شمالی سرائے کی طرف جا رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے دشمنوں سے نمٹ کر جلد واپس آؤں گا اور آپ لوگوں کو اپنے دشمنوں کی موت کی خبر دوں گا۔"

کملا دیوی نے ہاتھ اٹھا کر ارسلان کے لیے دعا کی۔ پارونی بھی اس دعا میں اس کے ساتھ شامل ہو گئی۔

اس کے بعد ارسلان ایک تیز جست کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور احمد کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا۔



تھوڑی دیر بعد ارسلان اور احمد دونوں بھائی سوہدرہ شہر کی شمالی سرائے میں داخل ہوئے۔ جونہی وہ سرائے کے صدر دروازے پر آئے احمد نے چونک کر اپنے پہلو میں آگے بڑھتے ہوئے ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اے ارسلان میرے بھائی۔ وہ سامنے دیکھو توزون کے دونوں بھائی شہبال اور شاہفرنہ اصطبل میں داخل ہو رہے ہیں۔"

ارسلان نے دیکھا کہ شہبال اور شاہفرنہ اس وقت سرائے کے اصطبل میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ دیکھتے ہی اس کے چہرے پر خونی مسکراہٹ، اس کی آنکھوں میں وحشتوں کا ایک رقص ابھر آیا۔ پھر اس نے احمد کو مخاطب کر کے کہا:

"احمد میرے بھائی۔ تم میرے ساتھ اپنے ہتھیاروں پر اپنی گرفت مضبوط رکھو۔ اصطبل سے باہر ہٹ کر ہم ان دونوں کا انتظار کرتے ہیں۔ جونہی یہ باہر آتے ہیں یہ دیکھیں گے کہ ہم کیسے اس سرائے میں ان کا خونی استقبال کرتے ہیں۔"

احمد نے اس کی تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر وہ دونوں اپنے گھوڑوں کو آگے بڑھاتے ہوئے اصطبل سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔

شہبال اور شاہفرنہ تھوڑی دیر تک اصطبل ہی میں رہے۔ پھر وہ اپنے گھوڑوں پر زین ڈال کر باہر نکلے۔ وہ دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔

اصطبل سے باہر آتے ہی جب ان کی نگاہیں اپنے سامنے کھڑے ارسلان اور احمد پر پڑیں تو وہ چونک پڑے اور انہوں نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔

قبل اس کے کہ وہ دونوں بھائی بولتے ارسلان پہلے ہی بول پڑا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"توزون کے بھائیو! تمہیں ہم دونوں کو تلاش کرنے کی زحمت نہیں کرنی پڑے گی کیونکہ

میں خود ہی تمہیں تلاش کرتا ہوا اس سرائے میں آ گیا ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں اے توزون کے بھائیو! کہ یہی سرائے تمہارا قبرستان بنے گی۔"

ارسلان کی یہ گفتگو سن کر شہبال اور شاہفرینہ دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ پھر ان میں سے ایک نے ارسلان کو جواب دیتے ہوئے کہا:

"تُو نے اب تک ہمارے سگے اور چچا زاد بھائیوں کا قتلِ عام کیا لیکن دیکھنا آج تو اس سرائے سے بچ کر بھاگ نہ سکے گا۔ ہم تیرا خاتمہ کر دیں گے تاکہ تُو آنے والے دنوں میں ہمارے لیے مزید خطرہ نہ بن سکے۔ ہم نے ہر جگہ تجھے تلاش کیا۔ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس سرائے میں ہم دونوں کا سامنا تم دونوں بھائیوں سے ہو گیا ہے۔ اب تلواریں ہی یہ فیصلہ کریں گی کہ کون کس کا خونی استقبال کرتا ہے!"

توزون کا بھائی خاموش ہوا تو ارسلان اور احمد ایک دوسرے کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گھوڑوں سے کود گئے۔

پھر ارسلان طلسمات کی دنیا کے اس کیمیاگر کی طرح آگے بڑھا جو سات سمندر پار سے کبرِ ابلیس پر برہمی کا رنگ، اور برہا کی آگ طاری کرنے آیا تھا۔

اپنی تلوار اور ڈھال ان کے سامنے لہراتے ہوئے ارسلان ان کے قریب گیا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے بولا:

"سنو توزون کے بھائیو! کسی وہم یا کسی غلطی یا کسی گھمنڈ میں نہ رہنا۔ اس سرائے کے صحن کو ہم تمہارے لیے میدانِ کارزار بنانے لگے ہیں۔ اس سرائے کے آنگن میں تمہارے اسلوب، دہنر کو، تمہاری عاری شعلہ کی سی بے تابی کو، عاری سحر انگیزی اور ریا کے اضطراب کو میں بے کار اور ناپاک بنا کر رکھ دوں گا۔ یہ جو تم دونوں ریچھ کے سے انداز میں مستی بھری جھاگ اڑاتے ہو اور گرم رو بادِ صرصر کا سا مظاہرہ کرتے ہو، یہ سب میرے سامنے بے کار اور عبث ثابت ہوگا۔ سرائے کے اس آنگن میں اے توزون کے بھائیو! تمہاری رگوں میں مچلتے ہوئے خون کو میں غبار راہ اور نقشِ پا میں تبدیل کر دوں گا۔ سنسار کی اس رن بھومی میں تمہاری بنفیس تمہارا ساتھ نہ دیں گی۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا۔ احمد بھی اس کے ساتھ تھا۔ دوسری طرف شہبال اور شاہفرینہ بھی تیار اور مستعد ہو گئے تھے۔

ارسلان ترانۂ ملکوتی اور رعنائے لاہوتی کے سے پُرسکون انداز میں آگے بڑھا اور نمائش و ریاکاری کے عذاب و کرب کی طرح شاہفرینہ پر حملہ آور ہوا۔ اس لمحے اس کے عرق عرق اور پُرعنیف و برہم چہرے پر کئی مخفی اسرار رقص کر رہے تھے۔

ارسلان کا یہ حملہ ایسا خوفناک اور زبردست تھا کہ شاہفرینہ ارسلان کے پہلے ہی وار کو برداشت نہ کر سکا اور ارسلان نے اس کی گردن اڑا دی۔

دوسری طرف احمد، شہبال پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ شاہفرینہ کا خاتمہ ہو گیا تو ارسلان نے احمد کو مخاطب کر کے کہا:

"احمد میرے بھائی، تم اس کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں یہ کتنی دیر تک میرے سامنے ٹھہرتا ہے"۔

ارسلان کی بات مانتے ہوئے احمد ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا تو ارسلان نے شہبال کو مخاطب کر کے کہا:

"سنو شہبال! دیکھو تمہارے بھائی شاہفرینہ کا تو میں نے ایک ہی وار میں خاتمہ کر دیا اور اس سرائے کے آنگن میں اب تو اپنے اس بھائی کی لاش کو لت پت دیکھ رہا ہے۔ اب تو ہمارے سامنے اکیلا ہے اور ہمارے لیے سمندر کے ساحل کی گیلی ریت کی طرح بے ضرر ہے۔

سنو شہبال! تم دونوں بھائیوں کا اسی سرائے کے آنگن میں قبرستان بنے گا اور خدائے قدوس کا آسمان سدا تم پر لعنت برساتا رہے گا۔"

ارسلان خاموش ہوا تو شہبال نے کہا:

"سنو جاذب کے بیٹے! اس میں کوئی شک نہیں کہ تو نے شاہفرینہ کو اپنے پہلے ہی حملے میں زمین بوس کر کے رکھ دیا ہے لیکن تو اپنی اس فتح مندی اور کامیابی پر اترا مت۔ میں جانتا ہوں تو اس سے پہلے ہمارے تین بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے اور یہ چوتھا بھائی تیرے ہاتھوں سے قتل ہوا ہے لیکن ایک بات اپنے قرطاسِ دل اور صفحۂ ذہن پر لکھ رکھ کہ ہمارا بڑا بھائی توزون تجھ سے ضرور اپنے بھائیوں کا بدلہ ضرور لے گا۔

سنو جاذب کے بیٹے! تو جانتا ہوگا کہ توزون ایک ایسا جوانمرد ہے کہ جب وہ رازِ یزدانی کی طرح

اپنے دشمنوں کے سامنے آتا ہے تو بڑے بڑے مقرب و محرم اور بڑے بڑے مجد و شرف رکھنے والے جنگجوؤں اور سورماؤں کو مغلوب کر دیتا ہے۔

اے جاذب کے بیٹے! توزون اپنے دشمنوں پر سیلِ فنا بن کر وارد ہوتا ہے اور ان کے دکھوں کا جال بنتے ہوئے ان پر حرف و حکایت اور شفق و برق کی طرح چھا جاتا ہے۔ وہ زمین کے گرانمایہ عناصر کے تجمل و شوکت اور تمکنت و حشمت کی طرح حملہ آور ہوتا ہے اور اپنے دشمنوں کے ہوس رنگ نگار خانے میں داخل ہوتے ہوئے اسے خانۂ ماتم میں بدل دیتا ہے۔

جاذب کے بیٹے۔ اس وقت سے ڈر جب توزون سمیت ہمت و عزیمت کا سیلاب اور ریگ رواں بن کر تم پر حملہ آور ہو گا، خمارِ شام کی طرح تم پر چھا جائے گا اور تمہاری جوع الکلب اور نفس کی آگ کو سیاہ گوشۂ شب میں تبدیل کر دے گا۔

اے جاذب کے بیٹے! اس لمحے سے ڈر جب توزون کے سامنے تو بے بس اور لاچار کھڑا ہو گا اور تیری گردن کاٹنے کے لیے اس نے اپنی تیز دھار تلوار کو تیرے حلقوم پر رکھا ہو گا۔“

شہیال کے خاموش ہونے پر ارسلان جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسے اپنی پشت پر کسی گھوڑے کے زور سے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر پشت پر دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ اس کے پیچھے سرائے کے صحن میں وہی لڑکی اپنے گھوڑے پر سوار کھڑی تھی جو اللہ نور السماوات والارض کی تلاوت کرتی ہوئی کئی مواقع پر ارسلان کی مدد کر چکی تھی۔

وہ سیاہ رنگ کے ایک خوب دراز قامت اور توانا گھوڑے پر سوار تھی۔ اس نے اپنا روایتی چمڑے کا لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر اس کا چمکتا ہوا سفید رنگ کا آہنی خود تھا جس کا نقاب اس نے اپنے چہرے پر ڈال رکھا تھا۔

ارسلان کے دیکھتے ہی دیکھتے اس عجیب اور انوکھی لڑکی نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے سیاہ رنگ کے گھوڑے کی باگیں کھینچیں۔ جواب میں اس کا گھوڑا اپنی اگلی دونوں ٹانگوں پر ہوا میں بلند ہو گیا۔

اس کے بعد اس لڑکی نے بڑے پیارے اور محبت بھرے انداز میں ارسلان کے لیے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ ایک بار پھر اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچیں تو اس کا گھوڑا اپنے

چاروں پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔

اس کے بعد اس نوخیز، گمنام اور عجیب لڑکی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اسے وہاں سے دوڑاتے ہوئے چلی گئی۔

جب تک ارسلان اس لڑکی کی طرف متوجہ رہا، احمد نے شہیال کو اپنی کڑی نگرانی میں رکھا کہ کہیں وہ دھوکہ دہی سے کام لیتے ہوئے ارسلان پر حملہ آور نہ ہو جائے۔

اس عجیب لڑکی کے جانے کے بعد ارسلان پھر پلٹا اور شہیال کی طرف دیکھتے ہوئے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا:

”سنو شہیال۔ اپنے بھائی توزون کی جن الفاظ میں تو نے تعریف کی ہے میں اسے ایک لاف زنی اور بکواس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔

سنو جب کبھی بھی تمہارا بھائی توزون مجھ سے مقابلہ کرنے کے لیے میرے سامنے آیا تو میں اس شریک ابلیس کے رگ و پے میں زہر گھول دوں گا اور اس غلام شکم کے گناہ و ظلم کی کھیتی میں حق اور صداقت کے علم گاڑ کر رکھوں گا۔

سن شیطان کے گماشتے! تو تو ابھی میرے ہاتھوں اپنے ابد کی طرف کوچ کر جائے گا لیکن جب کبھی بھی تمہارے بھائی توزون سے آمنا سامنا ہوا تو دیکھنے والے دیکھیں گے کہ میں توزون کے دل کے سکون زاروں سے اس کی ساری حرارت، ہمت، عزیمت و استقامت ختم کر دوں گا اور اس کے شوقِ عاق و طرم و شوکت میں سوز و سلام و حزن ٹھہرا کے رکھ دوں گا۔

سنو شہیال! تم لوگوں نے میرے خاندان کا خاتمہ کیا۔ میں تمہاری نسل کا خاتمہ کر کے رہوں گا یہ میرا عزم ہے۔“

اس کے بعد ارسلان حرکت میں آیا۔ ترانۂ ملکوتی اور رعنائے لاہوتی کے سے انداز میں اس نے تکبیر بلند کی۔ پھر وہ وقت کی یلغار کی طرح شہیال پر حملہ آور ہوا۔

شہیال نے بڑی تیزی سے اس کے پہلے حملہ کو اپنی ڈھال پر روک لیا۔ ابھی وہ جوابی حملے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ارسلان نے اس پر دوسرا وار کر دیا جو شہیال کی توقعات کے خلاف تھا۔ شہیال بروقت دفاع نہ کر سکا اور ارسلان کی تلوار اس کے شانے کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔

فضاؤں میں ایک بار شہیال کی زوردار چیخ بلند ہوئی۔ پھر وہ سرائے کے آنگن میں گر کر ڈھیر ہو گیا تھا۔

شہیال کا خاتمہ کرنے کے بعد ارسلان نے اپنی تلوار صاف کر کے نیام میں کر لی۔ پھر وہ احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"بس میرے بھائی! تو نے دیکھا وہ لڑکی جو گزرے دنوں میں مشکل مواقع پر میری مدد کرتی رہی ہے وہ اس سرائے میں بھی آ نمودار ہوئی تھی۔ سمجھ نہیں آتی یہ کیسی عجیب و غریب لڑکی ہے جو ہر جگہ میری مدد کو آ نمودار ہوتی ہے۔ نہ جانے یہ کوئی چھلاوہ ہے یا آسیب، غولِ بیابانی ہے یا کوئی ہیولہ کہ ضرورت کے ہر موقع پر وہ میرے پاس آ موجود ہوتی ہے۔

تو نے دیکھا کہ جب وہ اس سرائے کو چھوڑ رہی تھی تو میرے اطمینان اور تسلی کے لیے وہ اپنا ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے یہاں سے رخصت ہوئی تھی۔"

یہاں تک کہہ کر ارسلان خاموش ہو گیا کیونکہ ان دونوں بھائیوں کے ارد گرد لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ارسلان نے ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"یہ دونوں جوان جو ہمارے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ یہ ہمارے خاندان کی تباہی و بربادی کا باعث تھے لہٰذا ہم نے ان کا خاتمہ کر کے اپنا انتقام لے لیا ہے۔ اب تم چاہے انہیں اس سرائے کے صحن میں دفن کر دینا چاہے کہیں پھینک دینا۔ ہمیں کوئی غرض نہیں۔"

اس کے ساتھ ہی دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔ پھر وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں ایڑ لگا کر بڑی تیزی سے سرائے سے نکل گئے۔



تھوڑی دیر کے بعد احمد کے ساتھ ارسلان نے پاروتی کی حویلی پر دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ ارسلان نے دیکھا کہ پاروتی اور کملا دیوی دونوں دروازے پر کھڑی تھیں۔

جونہی ارسلان اپنے گھوڑے کی باگ تھامے احمد کے ساتھ حویلی میں داخل ہوا پاروتی نے فوراً حویلی کا صدر دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ تیزی سے ارسلان کی طرف آئی اور بڑی تیزی اور جستجو سے اسے

مخاطب کر کے پوچھنے لگی:

"آپ جس مہم پر گئے تھے اس کا کیا بنا؟"

پاروتی کے سوال پر ارسلان نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہا:

"ہم نے ان دونوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔"

ارسلان کا یہ جواب سن کر حسین پاروتی کے پُرکشش چہرے پر خوشیاں ہی خوشیاں اور معصوم مسکراہٹیں ناچ اٹھیں۔

ارسلان کی کامیابی پر وہ شبنم کی آسودگی، خوشبوئے عروساں جیسی خوش و خنداں، شب کی درازوں سے نکلتے سویرے اور رگوں میں مچلتے خون جیسی سحر انگیز اور قوسِ قزح کے بنفشی، آسمانی، سرخ، نیلے، سبز، نارنجی اور زرد رنگوں جیسی شاداب اور پُرکشش ہو گئی۔

ارسلان اور احمد جب اپنے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے جانے لگے تو پاروتی بھی ان کے ساتھ ہو لی۔ کملا دیوی وہیں رک کر ان کا انتظار کرنے لگی۔

اصطبل میں جا کر ارسلان اور احمد اپنے گھوڑوں سے زینیں اور خرجینیں علیحدہ کرنے لگے۔ پاروتی بھی بڑی تیزی سے حرکت میں آئی۔ اس نے ان دونوں کے گھوڑوں کی لگامیں اتار کر ان کے آگے چارہ ڈال دیا۔

پھر اچانک پاروتی نے ارسلان کو مخاطب کر کے پوچھا:

"میں آپ سے ایک بات پوچھنا بھول ہی گئی اور وہ یہ کہ اس بار آپ اپنے گھوڑے کے ساتھ اپنا بچھیرا لے کر نہیں آئے۔"

پاروتی کے سوال پر ارسلان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے بڑے غور سے پاروتی کی طرف دیکھا اور کہا:

"سنو پاروتی۔ وہ بچھیرا اب جوان اور خوب توانا گھوڑا بن چکا ہے۔ اس بار میں اُسے لشکر کے اس حصے میں چھوڑ آیا ہوں جو جنگ میں میرے ساتھ ہوتا ہے۔ میرے لشکری اس کی خوب دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اب میں اس پر سواری کرتا ہوں اور گزشتہ ایک جنگ میں اسے استعمال بھی کر چکا ہوں۔ وہ بہترین رفیق اور بہترین ساتھی کی حیثیت سے میرے ساتھ کام کرنے کے لیے تربیت یافتہ

ہو چکا ہے۔"

ارسلان کا جواب سن کر پاروتی مطمئن ہو گئی۔ پھر وہ تینوں اصطبل سے باہر آ گئے۔ اس کے بعد کملا دیوی اور پاروتی ان دونوں کو حویلی کے سکونتی حصے کی طرف لے گئیں۔

ارسلان اور احمد دو روز تک اس حویلی میں رکے۔ اس کے بعد دونوں بھائی اپنے لشکر میں شامل ہونے کے لیے سوہدرہ شہر سے کوچ کر گئے۔



انند پال کی موت کے بعد اس کا بیٹا ترلوکن پال ہنڈ کا راجہ بنا۔ پر ترلوکن پال نہ صرف یہ کہ جسمانی طور پہ کمزور تھا بلکہ جنگوں کا بھی کوئی تجربہ نہ رکھتا تھا۔ ہنڈ کے لوگ اس سے نالاں ہی نہیں بلکہ اس کے خلاف ہو گئے۔

دوسری طرف ترلوکن پال کا بیٹا نادر بھیم پال بڑا دلیر، بڑا جوشیلا اور جنگی فنون کا ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ جنگوں کا وسیع تجربہ بھی رکھتا تھا اس لیے کہ وہ اپنے دادا انند پال کے ساتھ بہت سی جنگوں میں حصہ بھی لے چکا تھا۔

اس صورت حال میں ہنڈ کی رعایا نے انند پال کے بیٹے ترلوکن پال کو معزول کر کے اس کے پوتے نادر بھیم پال کو ہنڈ کا راجا بنا دیا۔

حکومت سنبھالتے ہی بھیم پال، سلطان محمود غزنوی کے خلاف حرکت میں آیا۔ اس کے دادا انند پال نے سلطان محمود کے ساتھ چند شرائط کے عوض ایک صلح نامہ کر رکھا تھا۔ بھیم پال نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس صلح نامہ کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا اور ایک طرح سے اس نے سلطان محمود کے خلاف بغاوت اور سرکشی کا اظہار کرتے ہوئے بڑی تیزی کے ساتھ اپنے لشکروں میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔

دوسری طرف سلطان محمود کو خبر ہو گئی تھی کہ ہنڈ کے نئے راجا نادر بھیم پال نے ان کے خلاف بغاوت کر دی ہے لہٰذا وہ بڑی برق رفتاری کے ساتھ اپنے لشکر کو لے کر غزنی سے نکلے اور کوہستانِ مارگلا کی وادیوں میں آ کر خیمہ زن ہو گئے۔ اتنی دیر میں ارسلان اور احمد بھی سوہدرہ سے آ کر سلطان محمود کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

دوسری طرف ہنڈ کے راجا نادر بھیم پال کو جب خبر ہوئی کہ سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ نندنا سے مارگلا کے کوہستانی سلسلے میں پہنچ گئے ہیں تو اس نے نہ صرف اپنے لشکر کو سمیٹا بلکہ اطراف کے راجاؤں سے بھی مدد حاصل کی۔ اس طرح اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور کوہستانِ مارگلا کی وادیوں میں وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ سلطان محمود کے سامنے خیمہ زن ہو گیا۔ اب دونوں لشکروں میں جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دوسرے روز جنگ کی ابتدا کرنے کے لیے ہنڈ کا راجا نادر بھیم پال اپنے لشکر کو ترتیب دینے لگا۔ اس کا اپنے لشکر کو ترتیب دینا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ جنگ کی ابتدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سلطان نے بھی اپنے لشکر کی ترتیب درست کرنا شروع کر دی۔

اس بار سلطان نے کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔ ہراول لشکر کو سلطان نے عبداللہ طائی کی سرکردگی میں دے دیا۔ لشکر کے بائیں حصے پر امیر نصر کو سالار مقرر کیا جبکہ لشکر کے دائیں بازو پر، جس میں لشکریوں کی تعداد تقریباً سب سے زیادہ تھی، ارسلان کو کمانڈار مقرر کیا۔

سلطان اور بھیم پال کے لشکر میں تعداد کے لحاظ سے کوئی مقابلہ نہ تھا اس لیے کہ بھیم پال کا لشکر سلطان کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھا۔ تاہم مارگلا کے کوہستانی سلسلے کی وادیوں میں دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہو گئے تھے۔

جنگ کی ابتدا ہنڈ کے راجا نادر بھیم پال نے اپنے لشکر کے وسطی حصے کو آگے بڑھاتے ہوئے کی تھی جبکہ اس نے اپنے دائیں اور بائیں پہلو کے لشکریوں کو تھوڑا سا وقفہ رکھ کر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا۔

دوسری طرف سلطان محمود بھی اپنے لشکر کے وسطی حصے میں کھڑے تھے عین اس وقت جبکہ ہنڈ کا راجا نادر بھیم پال علم اڑاتا، طبل بجاتا ہوا غرور و فخر و تعصب و تکبر، گھمنڈ اور استکبار کا مظاہرہ کرتا ہوا فنا و عدم کی خواہشیں لیے آگے بڑھ رہا تھا۔

سلطان محمود انتہائی انکساری اور عاجزی کے ساتھ اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے سجدے کے انداز میں زین پر جھک گئے تھے۔ وہ خداوند قدوس کے حضور دعا مانگ رہے تھے۔ ان کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے:

"اے خدائے دائم و لایزال!

اے قائم و قیوم! ان اجنبی سرزمینوں میں دشمن کے مقابلے میں میری ایسی مدد فرما جیسی تو نے جبل، صفا اور طور کی وادیوں میں، احد کی متبرک چٹانوں میں، بدر کے مقدس میدانوں میں مسلمانوں کو اوج و سرفرازی عطا کی تھی۔

اے خداوندِ زندہ و بیدار!

اے اللہ! بھول چوک پر میری گرفت نہ کرنا۔ میرے معاملے میں اے رب! سختی سے کام نہ لینا۔ ان صورت پرستوں اور عباد الصنم کے مقابلے میں اے اللہ! میرے قلبِ سلیم کو فکر و فہم اور میری قلت و ذلت کو عزم صمیم عطا فرما۔

اے اللہ! میرے فکر کو صراطِ مستقیم سے دوچار کر دے۔

اے اللہ! تو ہی نقش گرِ اوّل ہے۔ ان اجنبی سرزمینوں کے میدانِ جنگ میں تیرے سوا ہمارا کوئی انیس، کوئی آشنا، کوئی محرم، کوئی رفیق نہیں ہے۔ ان بدن پرستوں، ہوس پرستوں کے مقابلے میں میرے اللہ! میں تیری ہی مدد اور تیری ہی عنایت کا طلب گار ہوں۔

اے اللہ! میں تیری حاکمیتِ اعلیٰ کو تسلیم کرتا ہوں۔ تجھے ہی قوت و عظمت کی پُرشکوہ علامت خیال کرتا ہوں۔

اے اللہ! تو ہی ان گمبھیر سناٹوں میں ہمیں عزیمت و استقامت عطا فرمانے والا ہے، غم و حزن کی ان ساعتوں میں ہمیں جرأت و ہمت عنایت فرما۔ دلِ شکستہ کی غمازی کرنے والے ان جنگی نعروں میں میرے اللہ! تو ہمیں ثابت قدم رکھنا۔

اے اللہ! اس گرم و سرد میں، تنگی و فراخی میں، تلخی و مایوسی میں مجھے ایسی ہمت، ایسی توانائی عطا فرما کہ میں اپنے قلب و نظر کی تطہیر، اپنے فکر و کردار کی ترتیب کرتے ہوئے ایک فردِ فرید مجاہد کی طرح دشمن کے حدیثِ دل پر مفلسی کے گرداب، مخدوش اور شکستہ جذبات کے نقوش ثبت کرتا چلا جاؤں۔

اے اللہ! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں دشمن کے اخلاقی زوال پر اضطراب انگیزی

طاری کردوں۔ اس کے مادی اضمحلال پر تابناکی و درخشندگی کی ضرب لگاؤں۔

یا اللہ! دشمن کی ان مادی لذتوں کے مقابلے میں ہمیں زندگی کی معراج کے منطقی اثرات اور ہمارے ذہنی افق کو افلاک کی رفعت عطا فرما۔

اے اللہ! اگر تو ہمارے ساتھ ہے تو پھر ہماری ہمت اور ہماری عزیمت کرد نہیں ہے۔

اے اللہ! اگر تو ہمارا ساتھ دے تو میں دین کے ان دشمنوں کو گھن کی طرح کھا جاؤں۔

اے اللہ! ان پرستارانِ باطل کی ہولناک یلغار کے سامنے تو اپنے ان فرزندانِ توحید کو بلند ہمتی سے سرفراز فرما کہ تو ہی زبردستوں کے لیے ہیبت گاہ اور زیردستوں کے لیے پناہ گاہ ہے!"

یہاں تک کہہ کر سلطان محمود خاموش ہو گئے اس لیے کہ راجا نادر بھیم پال اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے ان کے قریب آ گیا تھا۔ لہٰذا اپنے گھوڑے پر سلطان محمود چھاتی تان کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر انہوں نے مڑ کر اپنے لشکریوں پر نگاہ ڈالی۔

ان کے لشکریوں پر اس لمحے ایک عجیب جلال اور فتح مندی سے بھرپور امیدیں طاری تھیں۔ اپنے لشکریوں کی حالت دیکھ کر سلطان محمود کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اپنی چمکتی ہوئی بھاری پھل کی تلوار فضا میں بلند کرتے ہوئے انھوں نے اپنے لشکر کو دشمن پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا۔

سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ ایک عجیب جامع و مربوط سحر طرازی: ایک درویش صفت مجاہد کی طرح اپنے چہرے پر خشیتِ الٰہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نادر بھیم پال کے لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے ہمراہ فرزندانِ جلیل بھی سلطان کے ساتھ عجیب سی جفاکشی کے ساتھ قانونِ فطرت، قعرِ مذلت، اور مہیب عفریت کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے اور اس پر ذلت و مسکنت طاری کر کے اس کے حسد، نسلی تعصب، اس کے شجرِ اقبال، اس کے اتحادِ عمل کو بری طرح کاٹتے ہوئے ایک افسوسناک باب میں تبدیل کرنے لگے۔

مجموعی طور پر سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ مہیب طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں نفرت کا طوفان اور عناد کی آگ بن کر حملہ آور ہوئے اور دشمن کی صفوں کی صفیں کاٹتے ہوئے ان کی تنظیم و ترتیب کو درہم برہم کرنے لگے۔

سلطان محمود کے راجا نادر بھیم پال کے لشکر کے وسطی حصے پر حملہ آور ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد دائیں اور بائیں پہلوؤں سے ارسلان اور امیر نصر بھی گروہ در گروہ، انبوہ در انبوہ دشمن پر حملہ آور ہوتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑے۔ دونوں نے دائیں بائیں سے دشمن پر بھرپور ضرب لگاتے ہوئے ان کی درندگی و سفاکی، ان کی وحشتِ نیم خوابی پر دکھوں کے آسیب طاری کرنے شروع کر دیے۔

دونوں اپنے تیز حملوں سے راجا نادر بھیم پال کے لشکریوں کے سینے دھواں دھواں، دل کھر کھر اور ان کی خواہشوں اور امیدوں کو زنگ آلود آئینے کی طرح بنانے لگے۔

مارگلا کے کوہستانی سلسلوں کی وادیوں میں تھوڑی دیر تک خوفناک جنگ جاری رہی۔ راجا بھیم پال اور جنگ میں اس کی مدد کرنے والے ہندوستان کے دیگر راجاؤں کا خیال تھا کہ ان کا متحدہ لشکر چونکہ سلطان کے لشکر سے کئی گنا زیادہ ہے لہٰذا اس بار وہ ضرور ہی سلطان کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیں گے۔ لیکن اس بار بھی ان کی ساری امیدیں الٹی ہی پڑیں۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد ان کے لشکری ڈوبتے سورج کا منظر پیش کر رہے تھے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں سلطان کے جانثار سپاہی کچھ اس طرح تازہ دم اور بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہو رہے تھے جیسے دکھ کا قہری سورج جلتا چڑھتا آتا ہے اور ہر شئے کی ہتھیلی پر دستِ اجل بکھیرتا چلا جاتا ہے۔

راجا بھیم پال کے لشکری آہستہ آہستہ کچھ اس طرح مزید بدہمت اور نڈھال ہوتے جا رہے تھے جس طرح برف کے میناروں کے پگھلنے کا عمل شروع ہوتا ہے۔

دوسری طرف سلطان اور ان کے سارے سالار راجہ نادر بھیم پال کے لشکر پر غم کی یلغار، جوہرِ انتشار اور ہجر کی سیاہ رات کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے اپنے دشمن کے لیے حسرتوں کے انبار اور زندگی کی محرومیوں کے ڈھیر لگانے لگے تھے۔

کوہستانِ مارگلا کی سانولی مٹی کے ان میدانوں میں راجہ بھیم کے لشکری ٹوٹے دل اور اداس رات کا سماں پیش کر رہے تھے۔

سلطان محمود نے بھی راجہ بھیم پال کے لشکریوں کی اس بدحالی کا اندازہ لگا لیا تھا لہٰذا وہ للکار للکار کر اپنے سالاروں کو اور زیادہ پُرجوش اور باعزم ہو کر حملہ آور ہونے کی ترغیب دینے لگے تھے۔

اس کے جواب میں ارسلان، عبداللہ طائی، امیر نصر اور التون تاش اپنے اپنے لشکریوں کے ساتھ سمندر کا سینہ چیرنے اور کوہستانوں کا جگر شق کرنے والے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہونا شروع ہو گئے تھے۔ وہ بھیم پال کے لشکریوں پر سرمئی بادلوں کے دبیز ٹکڑوں کی طرح چھانے لگے تھے اور ان کے لیے انھوں نے عقوبت کا سمندر اور دکھ کا جیتا صحرا کھول کر رکھ دیا تھا۔

خود راجہ نادر بھیم پال اور اس کے لشکری جو تھوڑی دیر قبل تک دریدہ دہن و جنبوار کی طرح سلطان کے لشکر پر حملہ آور ہوتے تھے اب ان کی حالت اس خزاں رسیدہ بوڑھے درخت کی طرح ہو رہی تھی جو تپتے صحرا میں خاموش اور تنہا کھڑا ہو۔

سلطان، اُن کے سالاروں اور لشکریوں نے روشنی کی پہلی کرن کی طرح راجہ بھیم پال کے لشکریوں کے سارے منفی خیالات کو اپنی کامیابی اور کامرانی کے اجالوں میں ڈبو کر رکھ دیا تھا مارگلا کے ان میدانوں میں تھوڑی دیر مزید جنگ جاری رہی۔ اس کے بعد راجہ بھیم پال نے مکمل طور جائزہ لے لیا کہ اگر یہ جنگ اسی طرح جاری رہی تو اسے مسلمانوں کے سامنے بدترین شکست اور ذلت آمیز ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا اس نے سلطان کے سامنے سے پسپا ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

اپنے اس فیصلے سے اندر ہی اندر راجہ بھیم پال نے اپنے چھوٹے کمان داروں کو اطلاع کر دی تھی اور انہیں سختی کے ساتھ ہدایت کی تھی کہ مسلمانوں کے سامنے سے پسپا ہو کر سیدھا دریائے جہلم کا رُخ کرنا ہے۔

جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کی پسپائی کے احکامات اس کے سارے چھوٹے کمانداروں تک پہنچا دیے گئے ہیں تو اس نے اپنے لشکر کو پسپائی کا حکم دے دیا۔

بڑی تیزی کے ساتھ راجہ بھیم پال اپنے لشکر کو سمیٹتا ہوا دریائے جہلم کی طرف بڑھا سلطان نے بھی فوراً اپنا پڑاؤ اٹھا لیا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

دریائے جہلم کے کنارے آنے کے بعد راجہ نادر بھیم پال نے اپنا رخ دائیں طرف موڑ کر کوہستان بال ناتھ[1] کا رُخ کیا۔ اس کوہستانی سلسلے کے اندر نندونا نام کا ایک انتہائی مستحکم اور مضبوط قلعہ تھا۔ یہ قلعہ کوہستانی سلسلے سے گھری ہوئی ایک بلند وادی میں تھا اور کوہستانی سلسلے کے اندر صرف دو ہی درّے تھے جن میں سے گزر کر اس مستحکم قلعے کی طرف جایا جا سکتا تھا۔

سلطان محمود کے تعاقب سے جان چھڑانے کے لیے راجہ بھیم پال کوہستانِ بال ناتھ میں اس نندونا نامی قلعے کی طرف بھاگا۔ کوہستانی سلسلے میں داخل ہو کر راجہ بھیم پال نے دونوں پہاڑی دروں پہ اپنے حفاظتی دستے مقرر کر دیے اور خود اپنے لشکر کے ساتھ نندونا قلعے کے اندر محصور ہو گیا تھا۔

کوہستانی سلسلے کے اندر دروں اور راستوں کو بند کرنے کے بعد راجہ بھیم پال کو ایک طرح کا اطمینان ہو گیا تھا کہ اب سلطان اس کا تعاقب نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ قلعے میں پناہ لینے کے بعد اس نے پہاڑی سلسلے کے ساتھ ساتھ اوٹ اور گھات میں اپنے لشکری بٹھا دیے تھے تاکہ کسی بھی سمت سے مسلمان کوہستانی سلسلے کو عبور کر کے نندونا قلعہ کی طرف نہ بڑھ سکیں۔

اس کے علاوہ راجہ نادر بھیم پال نے اس کوہستانی سلسلے کے دونوں دروں کی حفاظت کے لیے جنگی ہاتھی اور کئی لڑاکا دستے کھڑے کر دیے تھے۔

سلطان کی فوج جونہی آگے بڑھتی اس پہ زبردست تیر اندازی کی جاتی۔ جنگی ہاتھی پہاڑ کی طرح راستوں پر قائم تھے۔ اس طرح مسلمانوں کو ان دروں کے ذریعے ان کوہستانی سلسلوں میں داخل ہو کر نندونا قلعے کی طرف بڑھنے کا راستہ نہ مل رہا تھا۔

ارسلان، عبداللہ طائی، امیر نصر اور التون تاش حتیٰ کہ خود سلطان نے بھی کئی بار حملہ آور ہو کر

---

[1] یہ ضلع جہلم کا موجودہ ٹلا جوگیاں ہے جو شاہراہِ اعظم کے قریب کوہستانِ نمک سے تیس میل کے فاصلے پر ہے۔

ان دروں کے ذریعے سے اس کوہستانی سلسلے میں داخل ہو کر نندونا قلعے کی طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن اس کوہستانی سلسلے کے دونوں راستوں پر راجہ بھیم پال نے ایسے مستحکم انتظام کر رکھے تھے کہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ ہر پتھر کے پیچھے راجہ بھیم پال نے اپنے تیر انداز بٹھا رکھے تھے اور جونہی مسلمان دروں کی طرف بڑھتے پتھروں کے پیچھے بیٹھے ہوئے یہ تیر انداز ان پہ اندھا دھند تیر اندازی کر کے ان کی پیش قدمی کو روک دیتے اور اگر کوئی لشکری یا دستہ دروں کے پاس پہنچ بھی جاتا تو ہاتھی ان پہ حملہ آور ہو کر انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے۔

جنگ کا یہ سلسلہ کئی روز جاری رہا۔

خود راجہ بھیم پال بھی اس جنگ کو طول دے رہا تھا اس لیے کہ اس نے ہندوستان کے سارے راجاؤں سے سلطان کے خلاف کمک طلب کر لی تھی لہٰذا وہ زیادہ سے زیادہ دن سلطان کے لشکر کو اپنے ساتھ الجھائے رکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ اس دوران ہندوستان کے راجاؤں کی طرف سے اسے مدد مل جائے اور وہ ایک بار پھر کھل کر سلطان کے لشکر کا مقابلہ کر سکے۔

حملوں کا یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ سلطان کے لشکری بار بار حملہ آور ہو کر دشمن کو لڑائی کے لیے مجبور کر رہے تھے لیکن نادر بھیم پال نندونا قلعے سے باہر نہ نکل رہا تھا۔

سلطان کے لڑاکا دستے رات کی تاریکی میں پہاڑوں پہ چڑھ جاتے اور دشمن کو نقصان پہنچا کر واپس آجاتے۔

اس دوران بھیم پال کو دریائے جہلم کے ذریعے سے ہندوستان کے دیگر راجاؤں سے کمک مل گئی لہٰذا وہ اپنے لشکر کو منظم اور مستحکم کرنے کے بعد کوہستانی دروں سے نکلا اور سلطان سے جنگ کے لیے اس نے کھلے میدانوں میں پڑاؤ کر لیا۔

سلطان نے بھی اپنے لشکر کو نادر بھیم پال کے لشکر کے سامنے صف آرا ہونے کا حکم دیا اور ابھی یہ صف آرائی جاری ہی تھی کہ نادر بھیم پال نے موقع و محل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان محمود کو اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کا موقع بھی فراہم نہ کیا اور سلطان کے لشکر پہ کسی منقطع خواب، کرب ناک بیداری، ادبار کی لامتناہی پرچھائیوں اور زندگی کے کفن میں موت کے مناظر کی طرح حملہ آور ہو گیا۔

دراصل سلطان جس وقت اپنے لشکر کی صف بندی میں مصروف تھے اس وقت چونکہ ان کا نظم و ضبط درہم برہم تھا، اسی کیفیت سے فائدہ اٹھانے کی خاطر بھیم پال نے حملہ کر دیا تھا۔ چاہتا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کا موقع ہی نہ ملے اور وہ اس سے پہلے ہی ان پہ حملہ کر کے ان کو میدان سے بھگا دے۔

لیکن ایسا کرتے ہوئے بھیم پال کو قطعی طور پہ مایوسی ہوئی۔ اس لیے کہ جیسے سمندر کبھی نہیں سوتا اور اس کی بیداری محرومِ خواب رہتی ہے اسی طرح مسلمان بھی بھیم پال کے سامنے فطرت کا ایک معمہ ثابت ہوئے۔

جس وقت بھیم پال نے اچانک مسلمانوں پہ حملہ کر دیا تو انھوں نے صفیں درست کیے بغیر ہی جاں نثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھیم پال کے اس حملے کو روکا اور پھر جنگ کے دوران انھوں نے کمالِ ہوشیاری اور دانشمندی سے کام لیتے ہوئے اپنی صفیں بھی درست کر لیں۔

وسط میں سلطان کے ساتھ لڑنے والا لشکر آ گیا تھا اور اس کے پیچھے اپنے اپنے حصے کے لشکروں کے ساتھ عبداللہ طائی اور التونتاش جم گئے تھے جبکہ دائیں اور بائیں پہلوؤں پہ ارسلان اور میر نصر اپنے اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے تھے۔

جنگ کرتے کرتے اپنی صفیں درست کرنے کے بعد مسلمانوں نے ویرانوں کا دل روشن کر دینے والی کرنوں کی طرح راجہ بھیم پال پر جوابی حملہ کیا جس کے نتیجے میں کوہستانِ بال ناتھ کی وادیوں میں زمین اپنے رخسار سرخ ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

یہ جوابی حملہ ایسا ہولناک اور زوردار تھا کہ بھیم پال کی اگلی صفوں کو اپنی حرکت پہ قابو اور گویائی کا چارہ تک نہ رہا۔

اپنی صفوں کو پوری طرح درست کر لینے کے بعد سلطان محمود اور ان کے لشکری کوہستانِ بال ناتھ کی ان وادیوں میں بلند آوازوں میں تکبیریں بلند کرتے اور نغمہ ہائے عبودیت گاتے، بھیم پال کے لشکر پہ ارادوں کو سلب کر لینے والی طاقت، سحر آفریں قوت، رعد سے مشابہ آوازوں، محرومیٔ تمنا اور گہر آلود سمندر کی طرح حملہ آور ہوئے۔

سلطان محمود کے اور ان کے سالاروں کے اس انوکھے اور عجیب حملہ میں ایسا زور، ایسی

قوت تھی کہ راجہ نادر بھیم پال کے لشکر کی اگلی صفیں مکمل طور پہ درہم برہم ہو گئیں۔

دوسری طرف بھیم پال نے بھی اپنے لشکر کے اندر ایک فوری تبدیلی کی۔ وہ یہ کہ جنگ شروع کرنے سے پہلے ہی اس نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ اپنے ذاتی لشکر کو اس نے دو حصوں میں بانٹ کر ایک حصہ اپنے ساتھ رکھا اور اسے وہ وسطی لشکر کے طور پہ استعمال کر رہا تھا دوسرے حصے کو اس نے ابھی جنگ میں نہیں جھونکا تھا اور اسے عقب میں محفوظ دستوں کے طور پہ رکھا ہوا تھا۔

ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کی طرف سے اسے جو لشکر موصول ہوئے تھے ان سارے لشکروں کو ملا کر اس نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور میدانِ جنگ کے دائیں اور بائیں طرف صف آرا کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔

جنگ کے اس موقع پر جبکہ بھیم پال کی اگلی صفوں کو مسلمانوں نے مکمل طور پر ادھیڑ کر رکھ دیا تھا بھیم پال نے یہ اہم فیصلہ کیا کہ اپنے لشکر کا وہ حصہ جو عقب میں ابھی تک محفوظ دستوں کے طور پہ رکھا ہوا تھا اسے اس نے حکم دیا کہ وہ میدانِ جنگ کے دائیں طرف سے ہوتے ہوئے ایک چکر کاٹ کر مسلمانوں کے پہلو پر ایسا زوردار حملہ کرے کہ ان کی زیادہ تر توجہ اُن کی طرف ہو جائے۔ ایسے موقع پر وہ سامنے کی طرف سے بھی زوردار حملے شروع کر دے گا اور مسلمانوں کے پاؤں اکھاڑنے کی کوشش کرے گا۔

راجہ بھیم پال کے ساتھ جنگ کرتے کرتے ہی سلطان محمود اور ان کے سالاروں نے بھی دیکھ لیا تھا کہ راجہ بھیم پال کے لشکر میں نقل و حرکت ہو رہی ہے۔ اس کے محفوظ دستے دائیں طرف سے چکر کاٹنے لگے ہیں۔ وہ یہ بھی جان گئے کہ بھیم پال مسلمانوں کے پہلو پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا ہے۔

ایسے موقع پر سلطان محمود نے فوراً ارسلان کو پیغام بھجوایا کہ راجہ بھیم پال کے جو محفوظ دستے مسلمانوں کے پہلو پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں ان پر جوابی حملہ کر کے انہیں میدان سے بھاگنے پر مجبور کرے۔

جونہی بھیم پال کے یہ محفوظ دستے مسلمانوں کے پہلو پر ضرب لگانے کے لیے قریب آئے

ارسلان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ علیحدہ ہو کر ان کی طرف بڑھا جبکہ میدانِ جنگ میں اس کی جگہ عبداللہ طائی اور التون تاش نے اپنے دستوں کے ساتھ لے لی۔

ارسلان شاید راجہ نادر بھیم پال کے محفوظ دستوں کے ساتھ زیادہ دیر الجھ کر اپنا وقت ضائع نہ کرنا چاہتا تھا لہٰذا وہ عمیق رازوں کے امین، انوکھی پُراسرار قوتوں اور سُکر و خود فراموشی کی طرح بھیم پال کے اس لشکر پہ حملہ آور ہوا اور لمحوں کے اندر اس نے ان پہ بادلوں کی پرچھائیں، فنا کے آنچل اور سلگتی خوشبوؤں کی مہک کی طرح چھانا شروع کر دیا۔

ارسلان کا یہ حملہ ایسا زوردار تھا کہ اس نے پہلی ہی جھڑپ میں بھیم پال کی صفوں کے اندر اضطراب اور بیزاری کے آثار پیدا کرنے شروع کر دیے۔

عقب سے آنے والا راجہ بھیم پال کا یہ لشکر زیادہ دیر ارسلان کے سامنے جم کر نہ لڑ سکا۔ اس لیے کہ اپنے زوردار حملوں میں ارسلان نے ان کی صفوں کو ادھیڑ کر زمین کو سرخ اور ان کی تعداد کو بڑی تیزی سے کم کرنا شروع کر دیا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ بھیم پال کا وہ عقبی لشکر بھاگ کر واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ ارسلان پھر مڑا اور پہلے کی طرح پوری قوت کے ساتھ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ راجہ بھیم پال کے لشکر کے بائیں پہلو پہ حملہ آور ہو گیا۔

اس کے بعد تھوڑی دیر تک مزید جنگ جاری رہی۔ سلطان اور ان کے سالار اپنے لشکریوں کے ساتھ حیات سے عجیب تر، موت سے عمیق تر، کہر کے غلاف اور سحر کی کرنوں کی طرح حملہ آور ہوتے رہے۔ وہ جاوداں اور شعلہ افشاں آگ اور تیز و تند ہنگامہ خیز طوفانوں کی طرح بڑی برق کے ساتھ راجہ بھیم پال کے لشکر پہ حملہ آور ہوتے ہوئے مکمل طور پہ ان پہ چھانے اور حاوی ہونے لگے تھے۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد راجہ بھیم پال خود محسوس کرنے لگا کہ سلطان اور ان کے سالاروں نے اس کی ساری انتہا پسندی اور تصور پرستی کو پابجولاں مجرم اور مجبور اسیرِ زنداں جیسا بنا کر رکھ دیا ہے۔ جس طرح اس نے مارگلا کے کوہستانی سلسلہ کی وادیوں میں سلطان کے سامنے سے پسپا ہونے کا فیصلہ کیا تھا اسی طرح سے اب وہ کوہستانِ بالا ناتھ کی وادیوں میں بھی تباہی اور

بربادی سے بچنے کے لیے سلطان کے سامنے سے پسپا ہونے کا ارادہ کر چکا تھا۔

عین اس وقت جبکہ کوہستانِ بالاناتھ کی حسین وادیوں کے اندر سلطان اور راجہ نادر بھیم پال کے درمیان جنگ اپنے عروج پر تھی۔ ارسلان بڑی تیزی اور جرأت کے ساتھ پیچھے ہٹنے اور پسپائی اختیار کرتے ہوئے دشمن پر ضربیں لگا رہا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ اپنے بائیں طرف اٹھ گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہی اجنبی، ناآشنا اور عجیب لڑکی بھرپور طریقے سے جنگ میں حصہ لیتے ہوئے ارسلان کے لشکر میں اپنے گھوڑے کو دوڑاتی ہوئی نادر بھیم پال کے سپاہیوں پر ضربیں لگا رہی تھی۔

اس کے حملہ آور ہونے کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے غم کے قفس کو توڑنے کے لیے کوئی اپنے سامنے اپنے ہدف پہ لپکتا ہے۔ اپنے سامنے بھاگتے ہوئے دشمنوں پہ حملہ آور ہوتے ہوئے وہ گہرآلود شام اور تصورات کی صبحِ کاذب کی طرح ان پر چھاتی چلی جا رہی تھی۔

وہ پرانے اساطیری قوانین و قواعد، قدیم رسموں اور کہنہ ہدایات کو توڑتی ہوئی ایک عجیب سے جاہ وجلال اور شاہانہ وقار کے ساتھ حملہ آور ہو رہی تھی اور اپنے سامنے آنے والے ہر بندۂ حرص و ہوس کو اپنی ضربوں کا اسیر بناتی ہوئی اسے بے وقعت، بے نصیب، بے شرف اور بے توقیر بناتی چلی جا رہی تھی۔

ارسلان نے اپنے سامنے سے بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب ترک کر دیا اور بڑے غور اور انہماک سے اس عجیب لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

اس لڑکی نے بھی دیکھ لیا کہ ارسلان اس کی طرف متوجہ ہو چکا ہے لہٰذا اس نے بھی دشمن پر ضربیں لگانا اور حملہ آور ہونا بند کر دیا۔ اپنی تلوار اور ڈھال دونوں اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لیں اور دایاں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے اپنا چہرہ جو اس نے خود کے نقاب میں چھپا رکھا تھا ارسلان کی طرف موڑتے ہوئے اپنا ہاتھ خوشی اور مسرت کے انداز میں ہلایا۔

تھوڑی دیر تک ارسلان کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد وہ اسی طرح اپنا ہاتھ فضا میں لہراتی رہی پھر دوبارہ حرکت میں آئی اور دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے اور اللہ نور السموات والارض کا ورد کرتے ہوئے لشکر کے وسطی حصے میں جا کر ارسلان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

گو وہ لڑکی اب ارسلان کو دکھائی نہ دے رہی تھی لیکن پھر بھی ارسلان ساکت و صامت بیٹا وہ اسی سمت دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی روح کے اندر دھیرے دھیرے ترنم پیدا کر دینے والی آواز ابھی تک اس کے دل، اس کے ذہن اور اس کی نس نس میں ایک مٹھاس اور شیرینی گھول رہی تھی۔ وہ آواز ایسی ہی تھی جسے بند کانوں سے بھی سنا جا سکتا تھا۔

پھر ارسلان نے دھیمی دھیمی آواز اور عجیب سے لہجے میں اس لڑکی سے متعلق اپنے خیالات اظہار کرتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں کہا:

اے عجیب و اجنبی لڑکی! ان مجروح و حرماں نصیب لمحوں اور درماندہ و فرماندہ ساعتوں میں میرے لیے ایک ابدی آرزو اور عرفانی جذبہ بن گئی ہے۔ وطن سے کوسوں دور اس پردیسی زمین میں زندگی کے درد و کرب کے سارے باب بند کر کے تُو نے میرے لیے اطمینان کے اور سلامتی کے گوشے کا روپ اختیار کر لیا ہے۔

اے ناآشنا لڑکی! میں ان سرزمینوں میں جو ایک مسافرِ بے وطن ہوں تُو اب میرے لیے اس اجنبی ماحول میں زندگی کا خمار اور پیاس کے صحراؤں میں چاہتوں کے چشمے کی صورت اختیار کر گئی ہے۔

کاش! میں تجھے دیکھ سکتا، تجھ سے ہم کلام ہو سکتا اور یہ جان سکتا کہ تُو کون ہے تیرا نام کیا ہے تیرا تعلق کن سرزمینوں سے ہے اور تُو کیوں اور کس وجہ سے مجھ پر اس قدر مہربان ہے۔"

یہاں تک کہہ کر ارسلان خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر تک مزید وہ اسی سمت دیکھتا رہا جہاں وہ لڑکی تھوڑی دیر قبل اس کی نگاہوں سے روپوش ہو گئی تھی۔ پھر وہ سنبھلا اور پہلے ہی کی طرح بڑی تیزی و تندی اور جانثاری کے ساتھ بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کرنے لگا۔

راجہ نادر بھیم پال اب مکمل طور پر سلطان کے لشکر کے سامنے پسپا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ پسپا ہونے اور بھاگنے میں وہ اپنے لشکر میں سب سے آگے آگے تھا۔

اس کے لشکریوں نے جب دیکھا کہ ان کا راجہ واپس نندونا قلعے کی طرف بھاگ رہا ہے تو اس کا پورا لشکر کچھ اس طرح اپنی پشت پر کوہستانی سلسلے کے دروں کی طرف بھاگا جس طرح وہ بھیڑیں

منتشر ہو کر بھاگتی ہے جن کے اندر بھوکے بھیڑیے گھس آئے ہوں۔

راجہ بھیم پال سرکش آندھی، ظلم و جبر کی سیاہ پُر ہجوم اور بدبلا کی طرح قلعہ سے نکل کر سلطان محمود کے مقابل آیا تھا لیکن اب وہ اس سے بھی زیادہ بدحواسی میں پسپا ہو کر بھاگ رہا تھا۔

سلطان اس کا تعاقب کرتے ہوئے ایسی تلواروں سے اس پر ضربیں لگا رہے تھے جو کاٹنا جانتی تھیں اور ایسے تیروں سے ان کی تواضع کر رہے تھے جو سینے میں پیوست ہونا جانتے تھے۔

راجہ بھیم پال میدانِ جنگ سے فرار ہوتا ہوا کوہستانِ بال ناتھ کے دروں سے ہوتا ہوا قلعہ نندونا کی طرف بھاگا۔ سلطان بھی اپنے لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں تھے۔

اس تعاقب میں راجہ بھیم پال کے کافی لشکری موت کے گھاٹ اتر گئے اور بچے کھچے لشکر کے ساتھ راجہ قلعہ نندونا میں محصور ہو گیا۔



رات کی تاریکی میں سلطان محمود نے اپنے لشکر کے ساتھ قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے بعد ہلکی منجنیقوں کے ذریعے قلعے پر سنگ باری شروع کی گئی۔ اس کے علاوہ قلعے کی دیواروں تلے سرنگیں بھی کھودی جانے لگیں۔

اس دوران راجہ بھیم پال کے قلعے کی فصیل پر پہرہ دینے والے فوجیوں نے سلطان کے لشکر پر تیز اور لگاتار تیر اندازی کی جس سے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ منجنیقوں کے ذریعے نہ تو فصیل پر پتھر برسا سکیں اور نہ ہی فصیل تلے سرنگیں کھود کر ان کے قلعے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں لیکن بھیم پال کے لشکری اور تیر انداز اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ وہ اس لیے کہ مسلمانوں نے بھی جواب میں ایسی زوردار تیر اندازی کی کہ بھیم پال کے تیر اندازوں کو قلعے کے اوپر برجوں کے اندر پناہ لینی پڑی۔

اسی دوران سلطان کے لشکریوں نے ایسی جانثاری کے ساتھ قلعہ کی فصیل پر سنگ باری کی کہ قلعے کی فصیل کا ایک حصہ ٹوٹ گیا اور سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ بند توڑنے والے سیلاب کی طرح نندونا قلعے میں داخل ہو گئے۔

راجہ بھیم پال کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں نے فصیل کا ایک حصہ توڑ دیا ہے تو وہ فوراً اپنے ...افظ دستوں کے ساتھ قلعہ نندونا سے بھاگ نکلا۔

سلطان نے قلعہ کے محافظ لشکر کا لمحوں کے اندر صفایا کر دیا۔ جو باقی بچے انھوں نے ہتھیار ...ال دیے۔ اس طرح نندونا کا وہ قلعہ جسے راجہ بھیم پال ناقابلِ تسخیر خیال کرتا تھا، سلطان محمود ...ے ہاتھوں فتح ہوا۔

سلطان کو بے شمار مالِ غنیمت کے علاوہ کافی تعداد میں جنگی ہاتھی بھی ملے۔ اس کے علاوہ ...ردنا قلعے کے راج مندر میں ایک بت تھا جس پر کندہ تحریر کے مطابق یہ بت چالیس ہزار ...ل پرانا تھا۔

سلطان محمود نے اپنے ہاتھ سے اس بت کو ریزہ ریزہ کر دیا۔

قلعہ نندونا کے حالات درست کرنے اور وہاں اپنا حاکم مقرر کرنے کے بعد سلطان نے بھیم پال ...عاقب شروع کیا۔ بھیم پال قلعہ نندونا سے نکل کر بھمبر کی طرف بھاگا تھا۔ سلطان بھی اپنے لشکر کے ...ہ آندھی اور بگولوں کی طرح اس کے تعاقب میں لگ گئے۔

عبداللہ طائی کو چند دستوں کے ساتھ سلطان نے اپنے آگے آگے روانہ کیا تاکہ وہ بڑی تیزی ...ساتھ بھیم پال کا تعاقب کرے۔ عبداللہ طائی دریائے جہلم کے کنارے کنارے بڑی تیزی کے ساتھ ...ل کی طرف بڑھا۔ جب وہ شمال کی طرف بڑھتے ہوئے موجودہ میر پور کے قریب آیا تو کشمیر کے راجہ ...پہ سالار تنگا اس کی راہ میں آ کھڑا ہوا۔

دونوں لشکروں کے درمیان معرکہ ہوا جس میں تنگا کو کامیابی ہوئی اور عبداللہ طائی کو پسپائی ...یار کرنا پڑی۔ وہ اس لیے کہ تنگا کے مقابلے میں تعداد کے لحاظ سے عبداللہ طائی کے لشکر کی تعداد ...ن کے برابر تھی۔ تاہم پسپا ہوتے ہوئے عبداللہ طائی اپنے بچے کھچے لشکریوں کے ساتھ سلطان ...ساتھ آ ملا۔

کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کا سپہ سالار تنگا اپنی جگہ پر بڑا خوش اور مطمئن تھا۔ عبداللہ طائی ...پسپا کرنے کے بعد وہ یہ خیال کرنے لگا تھا کہ اس نے حقیقی معنوں میں سلطان محمود کے لشکر کو شکست ...ی ہے۔

تنگا کا اندازہ تھا کہ اس کے ہاتھوں پسپا ہونے کے بعد دوبارہ مسلمان اس کے مقابلہ پر نہیں آئیں گے لہٰذا اس نے اپنی اس کامیابی پر کشمیر کے راجہ کو مبارکباد دینے کے لیے قاصد بھی روانہ کر دیے تھے۔

عبداللہ طائی تنگا کے مقابلے میں پسپا ہونے کے بعد جب سلطان سے آن ملا تو بھیم پال کے تعاقب کو ترک کر کے سلطان نے کشمیر کے راجہ کے سپہ سالار تنگا سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

عبداللہ طائی کشمیر کے راجہ کے سپہ سالار تنگا سے شکست کھانے کے بعد جب سلطان کے پاس واپس آیا تو سلطان نے وقت ضائع کیے بغیر فوراً ردعمل کے طور پر اپنے لشکر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ سلطان نے اپنے پاس رکھا جبکہ دوسرا حصہ انھوں نے ارسلان کی کمانداری میں دیدیا۔ اپنے جرنیلوں میں سے سلطان نے التونتاش اور امیر نصر کو اپنے ہمراہ رکھا جبکہ عبداللہ طائی کو ارسلان کے نائب کی حیثیت سے اس کے ساتھ کر دیا۔

اس کے بعد سلطان نے ارسلان کو حکم دیا کہ راجہ کشمیر کے سپہ سالار تنگا کے مقابلے میں جائے اور اس سے عبداللہ طائی کا انتقام لے۔ خود سلطان ایک مناسب جگہ پر اپنے لشکر کے ساتھ گھات میں بیٹھ گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ جب ارسلان اپنے لشکر کے حصے کے ساتھ تنگا سے ٹکرائے گا اس دوران کشمیر کے راجہ یا کسی اور سمت سے اگر تنگا کو کمک پہنچتی ہے تو سلطان نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ مناسب جگہ اور مناسب وقت پر کمک کے طور پر آنے والے اس لشکر سے نمٹ سکے۔ یہ سارا معاملہ طے کرنے کے بعد ارسلان، سلطان کے حکم کے مطابق تنگا کی طرف بڑی برق رفتاری سے بڑھا۔



عبداللہ طائی کو پسپا کرنے کے بعد تنگا ابھی تک میر پور کے نواح میں اپنی فتح اور کامیابی کا جشن منا رہا تھا اسے امید تک نہ تھی کہ مسلمانوں کا ایک اور لشکر اس کے مقابل آن کھڑا ہو گا۔

عبداللہ طائی کی راہنمائی میں جب ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ اس جگہ آیا جہاں تنگا نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا تو تنگا مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر پہلے تو دنگ رہ گیا پھر اس نے جلدی

پنے لشکر کو سنبھالا۔ فتح کا جشن ترک کیا اور تیاری کرنے لگا۔

دوسری طرف ارسلان نے اپنے لشکر کا پڑاؤ کرنے کے بعد آرام کرنے کے بجائے تنگا کے سامنے اپنے لشکر کی صفوں کو درست کرنا شروع کر دیا۔

تنگا نے جب دیکھا کہ مسلمان اس کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہیں تو اس نے بھی فی الفور صفوں کو درست کرنا شروع کر دیا۔

تنگا کے لشکر کی تعداد اب بھی ارسلان کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی اور اسے اب بھی امید تھی کہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ وہ مسلمانوں کے دوسرے لشکر کو بھی مار بھگانے میں کامیاب ہو جائے گا ی جلدی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کے بعد تنگا نے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے میں پہل کر دی۔ ید ایسا کرکے وہ اپنے لیے فوائد اور کامیابی کے دروازے کھلنے کی امید رکھتا تھا۔

تنگا اپنے لشکر کے ساتھ جنگل کی کالی رات، آگ کے دریا، ظلم کی آندھی اور بدی کی قوت کی طرح لمان کے لشکر پر حملہ آور ہوا لیکن ارسلان اس کے سامنے صبر کی چٹان کی طرح جم گیا۔

تنگا کا خیال تھا کہ اس اچانک اور فی الفور حملے سے اسے اسی طرح کے فوائد حاصل ہوں گے جس طرح نے اس سے پہلے عبداللہ طائی کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا، وہ ارسلان کو بھی میدانِ جنگ سے گ جانے پر مجبور کر دے گا۔ لیکن اس مرتبہ معاملہ کچھ الٹ اور اس کی امیدوں کے خلاف ہی ثابت رہا تھا۔

ارسلان نے کمال مہارت اور چابک دستی کے ساتھ تنگا کے اس حملہ کو روک دیا تھا۔ پھر اپنے نا کو مکمل کرنے کے بعد ارسلان جارحیت پر اتر آیا۔ وہ اپنے عظیم و عجیب مجاہدوں کے ساتھ سناٹوں کی گونج، لمحوں کے طوفان اور صدیوں کے سربستہ رازوں کی طرح حملہ آور ہوا۔ اپنے تیز اور ن لہرا حملوں کے باعث اس نے تنگا کے لیے جنگل جنگل ہزیمت، صحرا صحرا پیاس کے طوفان کھڑے ر دیے تھے۔ اس کے ان حملوں نے تنگا کے ساتھ ساتھ اس کے لشکریوں کو بھی مضطرب و حیران کر ے رکھ دیا تھا۔

اپنے دفاع کے ساتھ ساتھ اپنے تیز حملوں، بر وقت ضرب اور اپنے شعور فنِ حرب سے ارسلان نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ یقیناً وہ ان مجاہدوں میں سے ایک ہے جو ستاروں سے کہکشاں، ذروں سے

صحرا، قطرے سے سمندر پہ بھی کمندیں ڈالنے اور حاوی و غالب ہونے کا فن خوب جانتے ہیں۔

میر پور سے باہر کوہستانی سلسلوں سے گھری ہوئی اس وادی میں ارسلان اور تنگا کے درمیان کافی دیر تک جنگ ہوتی رہی۔ اس جنگ کے طول پکڑنے کی وجہ یہ تھی کہ ارسلان کے لشکر سے تنگا کا لشکر کئی گنا زیادہ تھا تاہم دوپہر سے لے کر سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے تک ارسلان نے تنگا کے لشکر کو کاٹ کر اس کی تعداد اب پہلے سے بہت زیادہ کم کر دی تھی۔

دوسری طرف تنگا نے جب دیکھا کہ اس کی تعداد پہلے کی نسبت کافی گھٹ گئی ہے اور اس نے یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ اگر یہ جنگ اسی طرح جاری رہی تو لمحوں کے اندر اندر اس کے لشکر کی تع مسلمانوں کے لشکر کی تعداد سے بھی گر کر نیچے آجائے گی تو اس نے مسلمانوں کے سامنے سے باعز طور پر منہ پھیرنے کا ارادہ کر لیا۔

تنگا نے یہ چال چلی کہ اپنے لشکر کو پیچھے ہٹاتا ہوا اپنے دائیں ہاتھ کوہستانی درے کی طرف ل اس کا خیال تھا کہ اس درے کی تنگ وادی میں داخل ہو کر وہ اپنے لشکر کو دو حصوں میں بانٹ کر در کے دائیں بائیں پھیلے کوہستانی سلسلوں کے ساتھ ساتھ کھڑا کر دے گا اور جب مسلمان ان کا تعاقب کر ہوئے اس کے درمیان میں آئیں گے تو وہ دو طرفہ حملہ کر کے مسلمانوں کو اپنے درمیان پیس کر رکھ دے اپنے اسی لائحہ عمل کو مکمل کرنے کے لیے تنگا نے اسی درے کی طرف اپنے لشکر کو آہستہ آہستہ پسپا ہو کا حکم دے دیا۔

دوسری طرف ارسلان بھی تنگا کے کسی جنگل میں نہ آنے کا عہد کیے ہوئے تھا۔ جونہی تنگا نے ا لشکر کے ساتھ پسپائی شروع کی، ارسلان نے خداوند قدوس کی وحدانیت اور اس کی کبریت کے زوردار نعرے بلند کرتے ہوئے اپنے حملوں میں اس قدر تندی و تیزی پیدا کر دی کہ اس کے لشکر نے ایک تند خو عذاب اور فنا کی آگ کی طرح تنگا کے لشکر پر وارد ہونا شروع کر دیا اور تنگا کا لشکر پسپائی اختیار کر چکا تھا اس کا تعاقب کرتے ہوئے ارسلان اور اس کے لشکریوں نے مکمل طور پہ ان کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

تنگا کے لشکر کی تعداد پہلے ہی کافی گھٹ چکی تھی اس کوہستانی سلسلے تک پہنچتے پہنچتے ارسلا نے تنگا کے باقی بچنے والے لشکر کی آدھی نفری کو مزید موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ صورت حال دیکھ

تنگا نے جان لیا کہ اب مسلمان مکمل طور پہ ان پر حاوی ہو چکے ہیں اور اگر اس نے مسلمانوں کے ساتھ مزید مقابلہ جاری رکھا تو اسے دو صورتوں میں سے ایک ضرور پیش آئے گی۔

اول یہ کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا جائے گا۔

دوم یہ کہ اگر ایسا نہ ہوا تو اسے گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اسے بدترین سزا دی جائے گی۔

ان خیالات کے آتے ہی تنگا نے اپنے چند قابلِ اعتماد جاں نثاروں کو اپنے ساتھ لیا اور خفیہ طور پر اپنی جان بچاتے ہوئے میدانِ جنگ سے بھاگ گیا۔

اس کے لشکریوں کو جب خبر ہوئی کہ تنگا انہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر بھاگ گیا ہے تو انھوں نے ارسلان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

تنگا کے لشکر سے نمٹتے نمٹتے میدانِ جنگ میں ارسلان کو شام ہو گئی۔ مسلمانوں نے تنگا کے لشکر سے فارغ ہونے کے بعد میر پور کے اس کوہستانی سلسلے میں ہی مغرب کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد ارسلان اپنے لشکر کو لے کر اس سمت بڑھا جہاں تھوڑی دیر قبل تنگا نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔

ارسلان نے تنگا کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا۔ اسے بے شمار مالِ غنیمت کے علاوہ زندہ جانور اور خوراک کا ذخیرہ بھی ہاتھ لگا۔ تنگا کے پڑاؤ کو اپنے قبضہ میں لینے اور اس کے سارے سامان کو جانوروں پہ لادتے لادتے عشا کا وقت ہو گیا۔ اپنے لشکر کے ساتھ ارسلان نے میدانِ جنگ میں ہی نمازِ عشا ادا کی۔ اس کے بعد وہ تنگا کے پڑاؤ سے ملنے والے سارے سامان کو سمیٹتا ہوا واپس سلطان کی طرف کوچ کر گیا۔



سلطان محمود کے پاس واپس پہنچنے کے بعد جس وقت ارسلان کے لشکری سلطان کے پڑاؤ کے پہلو میں اپنا پڑاؤ ڈالنے کے لیے خیمے گاڑنے لگے تھے اسی لمحے سلطان محمود کا ایک مخبر بھاگا بھاگا اس جگہ آیا جہاں آگ کے ایک الاؤ کے پاس ارسلان اور اس کا عم زاد احمد کھڑے تھے۔ چونکہ رات

تیزی سے ڈھلتی جا رہی تھی اور سرما کے آغاز کا موسم تھا اس لیے فضا میں خاصی خنکی اور سردی پھیل گئی تھی۔ اس بنا پر ارسلان اور احمد آگ کے اس الاؤ کے پاس کھڑے تھے اور اپنے ہاتھ گرم کرتے ہوئے خیمے نصب ہونے کا جائزہ لے رہے تھے۔

سلطان کا وہ مخبر بھاگا بھاگا ارسلان کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"آپ کو سلطان نے فی الفور طلب کیا ہے"۔

ارسلان نے دیکھا کہ مخبر کے چہرے پر اداسیاں اور پریشانیاں بکھری تھیں۔ اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے ارسلان نے نرمی اور شفقت سے پوچھا:

"کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے۔ تمہارے بات کرنے کے انداز میں گھبراہٹ اور پریشانی نمایاں ہے۔ میں دیکھتا ہوں تم مجھے بدحواس بھی دکھائی دے رہے ہو"۔

اس پر اس مخبر نے ارسلان کو جواب دیا:

"بس یوں سمجھیے کہ بات ہی کچھ ایسی ہے اور اس معاملے میں آپ کے لیے ایک بُری خبر

مخبر کے یہ الفاظ سن کر ارسلان اور احمد دونوں چونک پڑے۔ پھر ارسلان نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا:

"کھل کر کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

اس پر مخبر پھر بولا اور کہنے لگا:

"آپ پاروتی کو جانتے ہیں؟"

مخبر کے ان الفاظ پر ارسلان اور احمد دونوں کے چہروں پہ ہوائیاں اور پریشانیاں اڑنے لگی تھیں۔ پھر ارسلان نے کہا:

"ہاں۔ میں پاروتی کو جانتا ہوں۔ کیا ہوا اسے؟"

اس پر وہ مخبر کہنے لگا:

"پاروتی اس وقت سلطان کے خیمے میں ہے۔ وہ بے چاری ماحول کے ظلم اور زمانے کی کا شکار ہو گئی ہے۔ جو کچھ اس نے سلطان سے کہا ہے اس کے مطابق سوہدرہ شہر میں کچھ لوگوں نے اچانک رات کے وقت ان کی حویلی پہ حملہ کر دیا۔ پاروتی تو کسی طرح بچ گئی لیکن حملہ آوروں نے اس

ماں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

پاروتی بے چاری نے وہ رات سوہدرہ شہر کے کسی نیک دل شخص کے ہاں گزاری اور دوسرے روز وہ صبح سویرے وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی اور سیدھی یہاں آ گئی۔

لشکر میں داخل ہو کر اس نے آپ کا پوچھا۔ آپ چونکہ سپہ سالار کشمیر تنگا کے مقابلے کے لیے گئے ہوئے تھے لہٰذا وہ لشکری جن سے اس نے آپ کے متعلق پوچھا تھا، اسے سلطان کے پاس لے گئے۔

سلطان نے پاروتی کو کافی تسلی و تشفی دی ہے لیکن اس کی حالت یہ ہے کہ سسک سسک کر رو رہی ہے اور کسی بات کا جواب نہیں دیتی"۔

مخبر خاموش ہو گیا۔ ارسلان نے اس سے مزید کچھ نہ کہا نہ پوچھا بلکہ بدحواسی کے عالم میں وہ سلطان کے خیمے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ احمد بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔



ارسلان اور احمد دونوں آگے پیچھے بھاگتے ہوئے جب سلطان کے خیمے میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ خیمہ کے وسط میں آگ کا جو چھوٹا سا الاؤ جل رہا تھا اس کے پاس حسین اور خوبصورت پاروتی غربت کی تصویر بنی، ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح گردن جھکائے سسکیاں اور سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی جبکہ سلطان اس کے قریب کھڑے تھے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے بیٹی بیٹی کہہ کر تسلی و تشفی دے رہے تھے۔

اس لمحے بچاری پاروتی کی حالت جسم و روح کی زخمی وحشت بھری تنہائیوں، زندگی کی بے کراں مسافتوں، یادوں کے سوکھے شجر، درد کے قلزم میں ڈوبی اداس پتوں کی زرد رُت جیسی ہو رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ عذاب رُتوں کے سرد لمحوں، اذیتوں کے سمندروں، نفرت کے اداس موسموں نے اس کے خون کی حدتوں میں افسردگیاں اور رگ و ریشے میں اداسیاں بھر دی ہوں۔

وہ بچاری خیمے کے وسط میں جلتے الاؤ کے پاس آس کے جنگل کے تنہا درخت کی اس جھکی ہوئی شاخ کی طرح بیٹھی تھی جو اجل کے سیاہ خانوں میں تمناؤں کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئی ہو اور اس کی سوچوں کے پتے جھڑ گئے ہوں۔

پاروتی کے حسن اور خوبصورتی کی جو ایک روایتی سحر اور زندگی کی تڑپ کی سی کیفیت اس کے چہرے پر رہتی تھی، اس لمحے وہ کیفیت اس کے چہرے پہ ناپید تھی۔

خیمہ کے دروازے پہ رک کر ارسلان تھوڑی دیر تک پاروتی کو دیکھتا رہا پھر وہ احمد کے ساتھ آگے بڑھا۔ سلطان بھی پاروتی کے پاس سے ہٹ کر ارسلان کے پاس آئے اور سے مخاطب

کر کے کہنے لگے:

"سنو ارسلان میرے فرزند! پاروتی پہ ایک اور قیامت اور ایک اور عذاب گزر گیا ہے۔ اس کے دشمنوں نے اس کی ماں کو قتل کر دیا ہے۔ وہ اس کی جان بھی لینا چاہتے تھے پر یہ بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی ہے۔"

سلطان نے جس وقت ارسلان کا نام لے کر پکارا تھا پاروتی نے چونک کر ارسلان کی طرف دیکھا تھا۔ پھر ارسلان اور احمد دونوں کو اپنے سامنے اور قریب دیکھ کر وہ بچاری کچھ ایسی بے بس سی گئی کہ پہلے کی نسبت زیادہ زوردار انداز میں ہچکیاں اور سسکیاں لے کر رونے لگی۔ احمد آگے بڑھا۔ پاروتی کو شانوں سے پکڑ کر اسے اوپر اٹھایا۔ پھر اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ لے جا کر اس کا چہرہ اوپر کیا اور بڑے پیار اور چاہت سے بولا:

"پاروتی کھل کر کہو تمہاری ماں اور تمہارے ساتھ کیا گزری۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جن اوباشوں نے تمہاری ماں کو قتل کیا ہے اور اب تمہاری جان کے درپے ہیں میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ قسم خداوندِ قدوس کی، وہ میرے انتقام سے نہیں بچ سکیں گے۔ وہ کہیں بھی چلے جائیں میں انہیں کے سائے کی طرح ان کا تعاقب کروں گا اور ان سے تمہارا انتقام لوں گا۔"

احمد خاموش ہوا تو ارسلان نے پاروتی کے قریب آ کر کہا:

"پاروتی۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ میں ارسلان تم سے مخاطب ہوں۔ تم جانتی ہو کہ تمہاری ماں تمہیں مجھ سے منسوب کر چکی ہے۔ اب تمہارا دکھ میرا دکھ، تمہارا غم میرا غم اور تمہاری خوشی میری خوشی ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالو اور ساری داستان مجھ سے کھل کر کہو۔"

ارسلان کے کہنے پر پاروتی نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اپنے بہتے ہوئے آنسوؤں کو روک کر اس نے اپنا چہرہ صاف کیا۔

اس کی یہ کیفیت دیکھ کر سلطان اس کے قریب آئے۔ پاروتی کا ہاتھ انھوں نے پکڑا اور بڑے پیار اور شفقت سے بولے:

"میری بیٹی تُو میرے ساتھ آ۔ خیمے کے اس کونے میں طہارت خانہ ہے۔ پہلے تُو وہاں جا۔

ہاتھ منہ دھو، پھر اس الاؤ کے پاس بیٹھ کر پورے حالات کہہ۔"

پاروتی نے سلطان کی بات فوراً مان لی۔ وہ خیمے کے طہارت خانے میں گئی۔ پہلے اس نے ہاتھ منہ دھو کر پونچھا، پھر ارسلان کے پاس چلی آئی۔

ارسلان نے کہا:

"یہاں الاؤ کے پاس بیٹھو اور پوری تفصیل سے مجھے واقعہ بتاؤ۔"

ارسلان کے کہنے پہ پاروتی وہاں بیٹھ گئی۔ پھر وہ ارسلان کو مخاطب کر کے بولی:

"آپ جانتے ہیں کہ میں اور میری ماں دونوں سوہدرہ شہر میں اپنی حویلی میں مطمئن اور پُرسکون زندگی بسر کر رہی تھیں۔ میرے تھانیسر مندر سے آنے پہ ماں کو جو خوشی حاصل ہوئی تھی اس خوشی میں اس وقت اور اضافہ ہو گیا جب اس نے مجھے آپ سے منسوب کر دیا۔ ماتا بے حد خوش اور مطمئن تھی کہ اب وہ میری آپ کے ساتھ شادی کرنے والی ہے پر اُسے یہ دن، یہ خوشی دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔

ایک رات میں اور ماتا دونوں سو رہی تھیں کہ آدھی رات کے وقت کچھ لوگوں نے ہمارے گھر پہ بلوا کیا۔ میں ان لوگوں کو پہچان گئی۔ ان میں سے دو تو تھانیسر مندر کے پنڈت تھے اور ان کے ساتھ تھانیسر مندر کے ہی مسلح جوان تھے۔

انہوں نے میری ماں کو قتل کر دیا اور مجھے اپنے ساتھ تھانیسر مندر لے جانا چاہتے تھے پر میں ان کے ہاتھ نہ آئی اور حویلی کے پچھواڑے میں ایک کمرے سے کود کر بھاگ نکلی۔

رات کے وقت میرا کوئی ٹھکانہ نہ تھا جہاں میں پناہ لیتی۔ جب کہ وہ دونوں پنڈت اور مسلح جوان میرے تعاقب میں تھے۔ وہ مجھے ہر صورت حاصل کرنا چاہتے تھے پر ایسا ہوا کہ میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ وہ یہ کہ سوہدرہ شہر کا ایک لکڑہارا ہے جس کا نام بنواری لال ہے۔ اس نے ایک عدد بیل گاڑی رکھی ہوئی ہے۔ دریا کے کنارے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر وہ شہر کے گھروں میں دیتا ہے اور اس کے بدلے لوگ اسے معاوضہ دیتے ہیں جس سے اس کا اچھا گزارا ہو جاتا ہے۔

بنواری لال ہمارے ہاں بھی لکڑیاں دیا کرتا تھا۔ میری ماں اسے سب سے زیادہ معاوضہ دیا کرتی تھی لہٰذا اسے ایک طرح سے میری ماں سے عقیدت ہو گئی تھی۔ وہ میری ماں کی بڑی عزت و احترام

کیا کرتا تھا۔

رات کے وقت جب ان وحشیوں نے میری ماں کو قتل کر دیا اور میں سوہدرہ شہر میں اکیلی رہ گئی تو میں نے اسی بنواری لال کے ہاں پناہ لینے کا ارادہ کر لیا۔

رات کی تاریکی میں ان پنڈتوں اور ان کے مسلح جوانوں کے آگے آگے بھاگتی ہوئی میں مختلف گلیوں کے چکر لگا کر ان کے اور اپنے درمیان فاصلہ زیادہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ میں انہیں چکمہ دے کر بنواری لال کے ہاں گھس گئی۔

میں نے بنواری لال سے سچائی اور حقیقت کے ساتھ ساری داستان کہہ دی۔ وہ بھلا مانس مجھے پناہ دینے پہ رضامند ہو گیا۔ اس کے ساتھ گھر میں اس کی ماں، بیوی بچے اور ایک بھائی بھی رہتا ہے۔

رات کی تاریکی میں بنواری لال کے چھوٹے بھائی نے بڑی ہمت اور جرأت مندی سے کام لیا۔ جب تھانیسر مندر کے پنڈت اور مسلح جوان مجھے سوہدرہ شہر کی گلیوں میں تلاش کر رہے تھے بنواری کا چھوٹا بھائی جس کا نام شیام تھا، بھاگا بھاگا ہماری حویلی میں گیا اور وہاں اصطبل سے میرا گھوڑا کھول لایا۔ یہ اس کا بڑا کارنامہ تھا۔

اب تھانیسر مندر کے ان پنڈتوں اور مسلح جوانوں کو یقین ہو چکا تھا کہ میں نے سوہدرہ شہر ہی میں کہیں پناہ لے رکھی ہے لہٰذا انھوں نے شہر سے باہر جانے والے تمام راستے بند کر دیے تاکہ میں شہر سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکوں۔

میں نے بنواری لال کی منت کی کہ کسی طرح مجھے شہر سے باہر نکال دے تاکہ وہ پنڈت مجھے نہ پا سکیں اور میں کسی محفوظ جگہ جانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ وہ بھلا مانس میری یہ بات ماننے پر بھی تیار ہو گیا۔

اگلی صبح اس نے اپنی بیل گاڑی تیار کی اور اپنی گاڑی کے نیچے مجھے باندھ دیا۔ پھر وہ اپنے بیلوں کو ہانکتا ہوا جنگل کی طرف چل دیا۔

سب لوگ اسے جانتے تھے کہ وہ لکڑہارا ہے اور روزانہ جنگل سے لکڑی کاٹنے دریائے چناب کی طرف جاتا ہے لہٰذا تھانیسر مندر کے مسلح جوان جنھوں نے شہر سے باہر جانے والے تمام

راستوں کی ناکہ بندی کر دی تھی انہوں نے بھی بنواری لال سے کچھ نہ کہا اور بنواری لال جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کے لیے چلا گیا۔

وہاں پہنچ کر اس نے مجھے بیل گاڑی کے نیچے سے کھولا اور میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئی۔ پھر طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق تھوڑی دیر کے بعد جبکہ سورج چڑھ آیا تھا تو تیام شہر سے میرا گھوڑا لے کر جنگل میں آ گیا۔ یوں میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔

پاروتی جب خاموش ہوئی تو ارسلان نے بڑے پیار سے اسے مخاطب کر کے کہا:

"سنو پاروتی! تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب تم میرے پاس ہو اور بالکل محفوظ ہو اب تمہیں ان لوگوں سے کوئی خطرہ نہیں پر یہ لکھ رکھو کہ وہ پنڈت اور ان کے محافظ ہمارے انتقام سے نہیں بچ سکیں گے۔

ہاں! تم یہ تو کہو کہ وہ پنڈت اور ان کے مسلح جوان اب تک تھانیسر واپس جا چکے ہوں گے یا اب تک سوہدرہ ہی میں ہوں گے"۔

اس پر پاروتی نے کہا:

"میرے خیال میں وہ سب ابھی تک سوہدرہ شہر ہی میں مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے سوہدرہ شہر کا وہ مندر ہماری حویلی کے قریب ہی ہے جس مندر کے کسی پنڈت یا پروہت نے تھانیسر مندر والوں کو اطلاع دی تھی کہ میں سوہدرہ شہر میں اپنی ماں کے ساتھ رہ رہی ہوں لہٰذا تھانیسر مندر کے پنڈت اور پروہت مجھے لینے کے لیے سوہدرہ شہر میں چلے آئے"۔

اس پر ارسلان نے چھاتی تانتے ہوئے کہا:

"سنو پاروتی! تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ان لوگوں کو تلاش کروں گا اور انہیں جہنم رسید کر کے ان سے تمہارا انتقام ضرور لوں گا۔ میں صبح ہی احمد کے ساتھ اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤں گا اور لوٹ کر تمہیں خبر دوں گا کہ میں نے تمام مجرموں کا صفایا کر دیا ہے"۔

ارسلان خاموش ہوا تو سلطان محمود بولے:

"سنو ارسلان میرے فرزند۔ میں تمہاری ہمت، تمہاری جرأت، تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں لیکن سوہدرہ شہر کی طرف تمہارا اور احمد کا جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کم از کم دس جوان تمہارے ساتھ جائیں گے تاکہ تم آسانی ان مجرموں سے اپنا انتقام لے سکو"۔

اس پر ارسلان نے سلطان کی طرف دیکھ کر کہا:

"سلطانِ محترم! میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں اور آپ کی تجویز کے مطابق عمل کروں گا"۔

ارسلان کے جواب پر سلطان خوش ہوئے پھر وہ دوبارہ بولے:

"اور ہاں۔ تمہاری روانگی سے قبل دوسرا کام یہ ہو گا کہ تمہاری اور پاروتی کی شادی کر دی جائے جیسے کہ پاروتی خود بتا چکی ہے کہ اس کی ماں نے اسے تمہارے ساتھ منسوب کر دیا تھا لہٰذا اس منسوبیت کی تکمیل میں خود کروں گا"۔

اس کے ساتھ ہی سلطان نے اپنے ایک محافظ کو آواز دی۔ محافظ اندر آیا تو سلطان نے اسے مخاطب کر کے کہا:

"لشکر کے قاضی کو بلا کر لاؤ۔ ابھی اور اسی وقت ارسلان اور پاروتی کا نکاح ہو گا"۔

پہرے دار خوشی اور مسرت کا اظہار کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

پہرے دار جا چکا تو پاروتی نے سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"سلطانِ محترم! میں آپ کے اس فیصلے کی قدر اور اس کا اتباع کرتی ہوں لیکن ارسلان سے نکاح سے پہلے میری آپ سے ایک گزارش ہے"۔

سلطان نے بڑے غور سے پاروتی کی طرف دیکھا اور بڑی شفقت سے پوچھا:

"اے میری بیٹی! بولو تمہاری کیا شرط اور خواہش ہے؟"

پاروتی نے جواب میں کہا:

"ان سے نکاح سے پہلے میری سب سے بڑی خواہش ہے کہ مجھے آپ دائرۂ اسلام میں داخل کیجیے تاکہ میں ایک مسلمان عورت کی حیثیت سے ان کی بیوی بنوں"۔

پاروتی کی بات پر سلطان بے حد خوش ہوئے پھر وہ اس سے مخاطب ہو کر بولے:

"اے پارونی! تیری اس خواہش اور آرزو کی تکمیل ضرور ہوگی۔ پہلے ہم تجھے دائرۂ اسلام میں داخل کریں گے پھر ارسلان کے ساتھ تیرا نکاح ہوگا۔"

ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ پھر بیدار لشکر کے قاضی کو لے کر لوٹ آیا۔ سب سے پہلے پارونی کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا گیا۔ پھر سلطان نے پارونی کا اسلامی نام سارہ تجویز کیا اور پھر اس کا نکاح ارسلان کے ساتھ کر دیا گیا۔

اس کے بعد ارسلان اسے سلطان کے خیمے سے اپنے خیمہ میں لے گیا۔



دوسرے روز پارونی یعنی سارہ سو کر اٹھی تو اس نے دیکھا کہ ارسلان خیمے میں نہیں تھا اور اس کے پہلو میں ارسلان کا بستر خالی پڑا تھا۔

وہ اٹھ کر خیمے کے دروازے پر آئی۔ سورج چڑھ آیا تھا اور چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ خیمہ سے ملحق طہارت خانے میں گئی۔ وہاں گرم پانی رکھا تھا۔ وہ جی بھر کے نہائی پھر جب وہ خیمہ کے وسط میں پہنچی تو ارسلان خیمے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر سارہ نے بڑی حیرت، تعجب و پریشانی سے پوچھا:

"آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

اس پر ارسلان مسکراتے ہوئے کہنے لگا:

"میں سلطان سے ملنے گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں احمد اور دس مسلح جوانوں کے ساتھ سوہدرہ شہر کی طرف کوچ کر رہا ہوں۔"

اس پر سارہ نے فوراً کہا:

"میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی تاکہ ان اوباشوں سے نمٹنے میں آپ کی مدد اور رہنمائی کر سکوں۔"

اس پر ارسلان نے بڑی چاہت اور محبت سے کہا:

"تمہیں میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خواہ مخواہ تم زحمت میں پڑو گی۔ اس کے

علاوہ اگر تم ساتھ چلو گی تو مجھے دو کام کرنے پڑیں گے۔

اول یہ کہ مجھے ان اوباشوں سے انتقام لینا ہوگا۔

دوسرا یہ کہ مجھے تمہاری حفاظت بھی کرنا پڑے گی اور میں یہ نہیں چاہتا۔ تم یہیں رہو لشکر میں اور بہت سی عورتیں بھی ہیں جو تمہارے سے دل کو بہلاتی رہیں گی۔

یہاں تمہیں کسی قسم کی تکلیف اور اندیشہ نہیں ہوگا۔ میری واپسی تک سلطان لشکر کے ساتھ یہیں پڑاؤ رکھیں گے۔ مجھے امید ہے کہ میں بہت جلد تم سے آن ملوں گا۔ امید ہے اب تم میرے جانے پہ بضد نہیں ہوگی۔ جونہی میں اس مہم سے واپس لوٹوں گا لشکر غزنی کی طرف کوچ کر جائے گا۔

اور سنو سارہ! غزنی میں سلطان کے محل کے قریب ہی وہ حویلی ہے جس میں احمد اور میں نے قیام کر رکھا ہے۔ یہ حویلی بھی ہمیں سلطان نے ہی مہیا کی ہے۔ اس حویلی میں تم ہمارے ساتھ رہوگی۔"

اس پر سارہ بولی:

"میں آپ کے ساتھ جانے پہ ضد نہیں کروں گی لیکن آپ سے یہ التماس ضرور کروں گی کہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ خطرات میں نہ ڈالیے گا۔ اگر وہ اوباش آپ کو ملتے ہیں تو ان سے انتقام لے کر جلدی واپس لوٹیے گا۔ میں بڑی بے چینی سے ہر روز لشکر گاہ سے باہر آپ کا انتظار کروں گی۔ اگر وہ بدمعاش سوہدرہ شہر سے تھانیسر واپس جا چکے ہوں تو آپ ان کے تعاقب میں تھانیسر نہ جائیے گا۔

اگر آپ نے واپس آنے میں دیر لگائی تو میں یہ سمجھ لوں گی کہ آپ سوہدرہ سے تھانیسر چلے گئے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو میں بھی لشکر سے نکل کر آپ کے پیچھے تھانیسر پہنچنے کی کوشش کروں گی۔ لہٰذا آپ تھانیسر جانے کے بجائے سیدھا لشکر میں واپس آ جائیے گا۔"

اس پر ارسلان مسکراتے ہوئے بولا:

"تم فکر نہ کرو سارہ۔ مجھے امید ہے کہ انہوں نے ابھی تک سوہدرہ شہر ہی میں قیام کر رکھا ہوگا اور میں ان سے انتقام لینے میں کامیاب رہوں گا۔ اور اگر وہ تھانیسر کی طرف روانہ ہو چکے ہوئے تو پھر میں لشکر میں ضرور واپس آ جاؤں گا اور مزید مسلح دستے لے کر تھانیسر کے اس

حملہ آور ہوں گا جس کے پنڈتوں نے تیری ماں کو قتل کیا ہے۔ میں کسی بھی صورت انہیں انتقام لیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔

اور سنو سارہ اب میں کوچ کرتا ہوں لہٰذا باہر احمد اور میرے وہ جوان جنہوں نے ہمارے ساتھ جانا ہے وہ بھی تیار کھڑے ہیں۔ تھوڑی دیر میں چند عورتیں اس خیمے میں آئیں گی جو کہ نہ صرف ہر وقت یہاں تمہارے ساتھ رہیں گی بلکہ تمہارے کھانے اور تمہاری ہر ضرورت کا خیال بھی رکھیں گی۔"

ارسلان کی اس گفتگو پر سارہ مطمئن ہو گئی۔ پھر ارسلان اسے الوداع کہتا ہوا خیمے سے باہر نکلا۔ سارہ بھاگ کر خیمے کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔ اس نے دیکھا خیمے سے ذرا ہٹ کر احمد اپنے اور ارسلان کے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ہی دس مسلح جوان بھی کھڑے تھے۔ جونہی خیمے سے نکل کر ارسلان ان کی طرف گیا، ارسلان کا اشارہ پا کر وہ سب اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

ارسلان بھی ایک تیز جست کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ پھر وہ احمد اور اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

سارہ بیچاری خیمے کے دروازے پہ کھڑی ہو کر اس وقت تک ارسلان کو دیکھتی رہی جب تک وہ دکھائی دیتا رہا۔ جب وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ خیمے کے وسط میں لگے اپنے بستر پہ آ بیٹھی۔ تھوڑی دیر تک پانچ چھ عورتیں اس کے خیمے میں داخل ہوئیں۔

پہلے ان سب نے مل کر سارہ کو کھانا کھلایا۔ پھر وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر اس کا دل بہلانے کی خاطر اس سے گفتگو کرنے لگیں۔



ارسلان اور احمد اپنے دس مسلح جوانوں کے ساتھ ایک روز سہ پہر کے قریب سوہدرہ شہر میں داخل ہوا۔

مختلف گلیوں سے گزرتا ہوا اور راستے میں ملنے والوں سے پوچھتا ہوا آخرکار وہ ایک مکان

کے سامنے رک گیا۔ پھر اس نے دروازے پر دستک دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک جوان نے دروازہ کھولا۔ اپنے گھوڑے پہ بیٹھے ہی بیٹھے اس جوان کی طرف دیکھتے ہوئے ارسلان نے کہا:

"میرا نام ارسلان ہے۔ میرے ساتھ میرا یہ بھائی احمد ہے اور میرے پیچھے جو کھڑے ہیں یہ میرے ساتھی ہیں۔

اگر میں غلطی پہ نہیں تو تم بنواری لال ہو۔ تم پاروتی کو ضرور جانتے ہو گے۔ کیا میرا اندازہ درست ہے؟"

اس پر اس نوجوان نے فوراً اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر رازدارانہ انداز میں کہا:

"میں آپ کو اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہوں میں ہی بنواری لال ہوں۔ پاروتی کا نام آہستہ لیں۔ اگر کسی نے سن لیا تو آپ کے ساتھ ساتھ میری بھی کم بختی آ جائے گی اور تھانیسر مندر کے پنڈت اور ان کے مسلح جوان میرے سارے گھر کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے"۔

اس پر ارسلان بنواری لال کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہنے لگا:

"تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان پنڈتوں اور ان کے مسلح جوانوں کی ایسی تیسی۔ یہاں کا کچھ اس طرح سے حلیہ بگاڑوں گا کہ ان سب کو تمہاری طرف نگاہ اٹھانے کی جرأت اور ہمت تک نہ ہوگی"۔

پھر ارسلان اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ وہ بنواری لال کے قریب گیا اور بے حد رازداری سے اسے کہنے لگا:

"دیکھ بنواری لال۔ میں تیرا بڑا ممنون اور شکر گزار ہوں کہ تو نے پاروتی کو اپنے ہاں پناہ دینے کے ساتھ ساتھ اسے سوہدرہ شہر سے نکالا۔ پر اب تو ہم پہ ایک احسان اور کر اور یہ بتا کہ وہ پنڈت اور ان کے مسلح جوان جو تھانیسر مندر سے آئے تھے اور جنہوں نے پاروتی کی ماں کو قتل کر دیا تھا کیا ابھی تک وہ یہیں ہیں یا تھانیسر واپس جا چکے ہیں"۔

یہاں تک کہنے کے بعد جب ارسلان خاموش ہوا تو بنواری لال رازداری اور سرگوشی میں ارسلان کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"تھانیسر مندر کے وہ پنڈت، پروہت اور ان کے مسلح جوان ابھی تک سوہدرہ سے گئے نہیں۔ انہوں نے یہیں قیام کر رکھا ہے۔ انہیں یقین ہے کہ پاروتی نے یہیں کہیں ہاں پناہ لے رکھی ہے لہٰذا وہ یہیں قیام کر کے پہرہ دے رہے ہیں تاکہ پاروتی کو حاصل کر کے وہ ہر صورت میں اسے اپنے ساتھ تھانیسر مندر لے جانا چاہتے ہیں۔"

اس پر ارسلان نے کہا:

"سنو بنواری لال! کیا تم بتا سکو گے کہ وہ تعداد میں کس قدر ہیں اور انہوں نے قیام کہاں کر رکھا ہے؟"

اس پر بنواری لال نے غور سے ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"سوہدرہ شہر سے مغرب کی سمت دریائے چناب کے کنارے ایک مندر ہے، اس میں انھوں نے قیام کر رکھا ہے۔ جہاں تک ان کی تعداد کا تعلق ہے تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دو تو پنڈت ہیں جن کا تعلق تھانیسر مندر سے ہے اور باقی پندرہ کے قریب ان کے محافظ ہیں شاید ان کا تعلق بھی تھانیسر مندر ہی سے ہے۔ ان میں سے دو پنڈت اور پروہت ہیں ان کے نام گردھاری لال اور دیال رام ہیں۔ رہے ان کے مسلح جوان تو اُن کے نام میں نہیں جانتا۔ بہر حال ان سب نے دریائے چناب کے کنارے والے مندر میں قیام کر رکھا ہے۔"

اس پر ارسلان نے پہلے بنواری لال کا شکریہ ادا کیا پھر وہ کہنے لگا:

"سنو بنواری لال۔ اگر میں اس وقت دریائے چناب والے اس مندر کی طرف جاؤں تو گردھاری لال اور رام دیال کے علاوہ وہ مسلح جوان بھی مجھے وہاں مل جائیں گے؟"

اس پر بنواری لال نے بڑے وثوق سے کہا:

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ وہ شام تک اسی مندر میں قیام کرتے ہیں۔ شام کے بعد وہ باہر نکلتے ہیں اور صبح تک شہر کے ارد گرد گھوم کر پہرہ دیتے ہیں تاکہ پاروتی اگر رات کی تاریکی میں کہیں بھاگ جانے کی کوشش کرے تو کامیاب نہ ہو سکے۔"

بنواری لال کی یہ باتیں سن کر ارسلان خوش ہوا۔ پہلے اس نے اس کے دونوں شانوں کو تھپ تھپا کر اس کا شکریہ ادا کیا پھر چند سنہری سکّے زبردستی اس نے بنواری کو تھمائے۔ اس

کے بعد وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا — اور احمد اور اپنے دس جوانوں کو لے کر سوہدرہ شہر سے نکل کر دریائے چناب کے کنارے والے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔



دریائے چناب کے کنارے اس مندر کے صدر دروازے کے قریب جا کر ارسلان نے اپنے گھوڑے کو روک دیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی رک جانے کا اشارہ کیا۔ جب اس کے ساتھیوں نے بھی اپنے گھوڑے روک لیے تو اس نے انہیں مخاطب کر کے کہا:

"تم سب یہیں رک کر میرا انتظار کرو۔ میں اور احمد مندر کے اندر جاتے ہیں۔ ہمارے جانے کے تھوڑی دیر بعد تم لوگ بھی اپنے گھوڑوں کو یہیں باندھنے کے بعد اکا دکا ہو کر مندر کے اندر داخل ہو جانا اور ہم دونوں پر نگاہ رکھنا۔ جب ہمارے اور ان دشمنوں کے درمیان مقابلے اور لڑائی کی نوبت آئے تو تم اپنی گھات سے نکل کر سامنے آ جانا یا موقع و محل کے لحاظ سے کارروائی کر لینا۔" ان دس ساتھیوں کو یہ ہدایت کرنے کے بعد ارسلان احمد کو ساتھ لے کر مندر میں داخل ہو گیا۔

مندر کے اندرونی حصے میں جا کر دونوں بھائی اپنے گھوڑوں سے اترے اور گھوڑوں کو انہوں نے قریبی درختوں کے ساتھ ساتھ باندھ دیا تھا۔ اس دوران باہر کھڑے ان کے تمام ساتھی بھی اپنے گھوڑوں کو باہر ہی باندھ کر اکا دکا مندر میں داخل ہوئے اور مندر کے اندر جگہ جگہ دیواروں کی اوٹ میں بیٹھ کر رونما ہونے والے حالات کا انتظار کرنے لگے۔

اپنے گھوڑوں کو درختوں کے ساتھ باندھنے کے بعد ارسلان اور احمد مندر کی راہداری میں سے گزرنے والے ایک پنڈت نما نوجوان کے پاس آئے اور اسے مخاطب کر کے ارسلان نے بڑی نرمی سے کہا:

"ہم دونوں بھائی ان سرزمینوں میں اجنبی ہیں اور ہم اس مندر میں تھانیسر سے آنے والے پنڈت گردھاری لال اور رام دیال سے ملنے آئے ہیں۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ اپنے پندرہ کے قریب محافظوں کے ساتھ انھوں نے اسی مندر کے اندر قیام کر رکھا ہے۔"

اس پر وہ نوجوان پنڈت ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

"تمہارا اندازہ درست ہے۔ گردھاری لال اور رام دیال دونوں اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ اسی مندر میں مقیم ہیں پر میں کس حوالے سے انہیں تمہارے آنے کی اطلاع دوں کیا تمہیں ان کا دشمن جانوں یا انہیں یہ کہوں کہ ان کے دوست اور چاہنے والے ان سے ملنے آئے ہیں"۔

اس پر ارسلان نے اپنے عمامہ کے نیچے اپنے آہنی خود کو درست کرتے ہوئے کہا:

"سن نوجوان! پنڈتوں کے ساتھ ہماری دوستی یا دشمنی میں سے کیا چیز عیاں ہوتی ہے یہ تو ان سے گفتگو کرنے کے بعد ہی فیصلہ ہوگا۔ بس تم انہیں یہ اطلاع کرو کہ دو نوجوان ان سے ملنا چاہتے ہیں"۔

اس پر اس نوجوان پنڈت نے مزید کچھ نہ کہا بلکہ خاموشی سے عمارت کی راہداری میں آگے بڑھ گیا۔

ارسلان اور احمد تھوڑا سا پیچھے ہٹے اور اپنے گھوڑوں کے قریب آ کھڑے ہوئے اور رام دیال اور گردھاری لال کا انتظار کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد ڈھلتی عمر کے دو اشخاص باہر آئے۔ ان کے عقب میں پندرہ کے قریب مسلح جوان بھی تھے۔

ارسلان سمجھ گیا کہ اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ آگے آگے گردھاری لال اور رام دیال ہیں۔ وہ دونوں ارسلان اور احمد کے قریب آئے پھر ان میں سے ایک بولا:

"میرا نام گردھاری لال ہے اور میرا یہ ساتھی رام دیال ہے۔ کہو تم دونوں کس سلسلے میں ہم سے ملنا چاہتے ہو؟"

اس پر ارسلان نے ایک بار گہری نگاہوں سے اپنے عزاد احمد کی طرف دیکھا پھر گردھاری لال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا:

"سنو تھانیسر مندر کے گردھاری لال اور رام دیال! تم نے اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ سوہدرہ شہر کی ایک عورت کملا دیوی کے گھر پر چھاپہ مارا تھا اور اسے قتل کر دیا تھا اور اس کی

بیٹی پاروتی کو اٹھا کر تم اپنے ساتھ تھانیسر لے جانا چاہتے تھے۔

پر اس پاروتی کی خوش قسمتی تھی کہ وہ بھاگ کر ہمارے پاس چلی گئی۔ اب ہم دونوں اس لیے آئے ہیں کہ تم سے پاروتی کی ماں کے قتل کی باز پرس کریں"۔

یہاں تک کہنے کے بعد جب ارسلان ذرا رکا تو رام دیال نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ پھر وہ ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

"تمہاری گفتگو سے مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم اپنا دماغی توازن کھو بیٹھے ہو اس لیے کہ تم دونوں اس مندر میں داخل نہیں ہوئے بلکہ موت کی کچھار میں آن گھسے ہو۔ تم جانتے ہو کہ تم دونوں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میرے ایک اشارے پر یہ ہمارے مسلح جوان تمہارے خلاف حرکت میں آئیں گے اور تم دونوں کا خاتمہ کر کے رکھ دیں گے"۔

یہاں تک کہنے کے بعد جب رام دیال رکا تو اس بار گردھاری لال بولا اور ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا:

"سنو اجنبی۔ مجھے لگتا ہے کہ تم دونوں وہی ہو جو پاروتی کو تھانیسر مندر سے نکال کر لے گئے تھے۔ اب جو تم دونوں اس مندر میں آن گھسے ہو تو لگتا ہے کہ تم دونوں اپنی تمناؤں کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئے ہو۔ ہم اس مندر میں تمہیں تمہاری اس تھکاوٹ سے بے نیاز کر دیں گے۔ ہم تم دونوں کو راتوں میں ڈوبتے چاند سے دکھ کی چھاگل اور بے نام ستارے بنا کر رکھ دیں گے۔

سنو دونوں اجنبیو! اس مندر کے خاموش دریا کے سے سناٹوں میں بہت جلد تم دونوں کی موت کی چیخیں بلند ہونے لگیں گی۔

اپنے ذہن میں لکھ رکھو کہ تم جیسے آوارہ صفت نوجوان حدِ ازل سے لے کر آج تک ہم پر وارد ہوتے رہے ہیں اور حدِ ابد تک نزول کرتے رہیں گے اور ہم تم جیسے نوجوانوں کی غضب کی آتش سیال اور وحشی جذبوں کو سیاہ بختی کے سایوں میں تبدیل کرتے رہیں گے"۔

گردھاری لال تھوڑی دیر کے لیے رک کر دم لینے لگا۔ پھر اس نے دوبارہ ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

"سنو دونوں اجنبیو! میرے ایک ہی اشارے پر میرے یہ پندرہ مسلح جوان جب سنسناتے تیروں

اور کوندتی شمشیروں کی طرح حملہ آور ہوں گے تو تمہاری قرنا کی آوازوں جیسی دھونس اور دھمکی اور تمہاری ساری سرفروشی و صف شکنی کو تمہاری مرگ میں تبدیل کر کے رکھ دیں گے۔ تم دونوں اپنی ملک کی تقدیر اور قوم کی توقیر بنے پھرتے ہو۔ ہم تمہارے ان سارے جذبوں کو خواب کی تعبیر اور خوفناک تحریر میں تبدیل کر دیں گے۔

سنو۔ اس مندر کی چار دیواری میں تم دونوں کی ساری صاعقہ برداری، آہنی دیوار کی سی دلیری، تمہاری عظمتوں کے شاہکار اور تمہاری جراتوں کے لالہ زار کو ہمارے یہ مسلح جوان طوفانوں میں موجوں کے پیچ و تاب اور طوفانوں کے شباب میں غرق کر کے رکھ دیں گے۔"

گردھاری لال جب رکا تو ارسلان نے اسے تھوڑی دیر کھا جانے والے انداز میں دیکھا پھر اسے مخاطب کر کے بولا:

"سنو گردھاری لال! ہم لوگ امن میں انگبیں اور جنگ میں آتشِ سیال ہوا کرتے ہیں۔ تم ہمیں جس باد و باراں کی جھلک اور برق و شعلہ کی لپک اور زبان کے طلسم کی دھمکی اور دھونس دیتے ہو اسے ہم وقت کے فاصلوں، درد کے رابطوں اور شامِ الم کے رازوں میں تبدیل کر کے رکھ دیں گے۔

سنو گردھاری لال۔ اپنے ان پندرہ مسلح جوانوں پر اترانا اور بھروسہ مت کرنا۔ جب ہم ان پر دھاروں دھار برسنے مینہ، وحشتوں کے غبار اور موت پر کمند ڈالنے کے انداز میں حملہ آور ہوں گے تو ان کے رشتوں کے پیوند کاٹ کر ان کے چہروں کی رونق ان سے چھین کر تمہاری اور ان سب کی حالت سرابوں کے دشت میں بھٹکے مسافر، جمود کے عہد اور بحران کے درد جیسی بنا دیں گے۔

لہٰذا قبل اس کے کہ ہم تم سب پر اپنے حملوں کی ابتدا کریں، کہو تم نے کیوں پاروتی کی ماں کملا کو قتل کیا تھا؟"

گردھاری لال ارسلان کی اس گفتگو کے جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ایک دم وہ رک گیا۔ دوسری طرف ارسلان اور احمد چونک پڑے اس لیے کہ فضاؤں کے اندر سرد اور کہر آلود رات میں تھرتھراتے الفاظ کی طرح ایک آواز بلند ہوئی تھی:

"اللہ نور السموٰت والارض"

ارسلان اور احمد نے جب چونک کر مندر کے صدر دروازے کی طرف دیکھا تو دنگ رہ گئے۔

وہی اجنبی اور ناآشنا لڑکی جو مختلف مواقع پر ارسلان اور احمد کی مدد کرتی رہی تھی۔ وہ چمڑے کے لباس میں ملبوس اپنے چہرے پر اپنے آہنی خود کا نقاب ڈالے اور اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتی ہوئی مندر میں داخل ہوئی اور بڑی بلند آواز میں وہ اللہ نور السموٰت والارض کا ورد کرتی چلی آ رہی تھی۔

اس کے پڑھنے کا لہجہ اور الفاظ کی ادائیگی ایسی تھی جیسے آزادی اور زندگی کے جوہر میں حمد کے دھارے، کشمکشِ دہر میں سنگم کی سنہری رت اور آفاق کے اسرار میں صبحِ درخشاں کی لہریں بہ رہی ہوں۔ اس کی آمد اور اس کی آواز کی لہروں سے یوں لگتا تھا گویا وہ شکست کے غبار کو فطرت کی درخشندگی، بزمِ ارواح کو متانت، سحابوں کو ابدیت، ہوا کو سفر، ادھورے خوابوں کو تعبیر، بے چہرہ تصویروں کو چہرگی، اذیت پر لکھی تحریروں کو دوام اور بھٹکے راہگیروں کو تنویرِ شمع عطا کرنے کے لیے اس مندر میں داخل ہوئی ہو۔

اپنے گھوڑے کو دوڑاتی ہوئی اس لڑکی نے احمد اور ارسلان کے قریب آ کر اپنے گھوڑے کی باگوں کو اس انداز سے کھینچا کہ اس کا گھوڑا پوری قوت اور سرکشی کے ساتھ ہنہناتا ہوا اپنی اگلی ٹانگیں اٹھا کر الف ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی اس لڑکی نے کمالِ شہسواری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے ہاتھ میں تلوار فضا میں بلند کرتے ہوئے اللہ اکبر کا پُرجوش نعرہ بلند کیا۔ گویا اس کی طرف سے یہ ردِعمل اس بات کا اظہار تھا کہ وہ جنگ کرنے کے لیے بالکل مستعد اور تیار ہے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر گردھاری لال نے اپنے مسلح جوانوں سے کہا:

"قبل اس کے کہ ان دونوں کا کوئی اور ساتھی بھی اس مندر میں داخل ہو کر ہمارے لیے مصیبت کا باعث بنے، آگے بڑھ کر ان تینوں کی گردنیں کاٹ ڈالو۔"

گردھاری لال کے الفاظ پر ارسلان، احمد اور وہ اجنبی لڑکی بالکل مستعد اور تیار ہو گئے۔ اسی لمحے پندرہ جوان اپنی ڈھالیں اور تلواریں سونتتے ہوئے آگے بڑھے۔ عین اس موقع پر مندر کے سامنے والے باغیچے کی اوٹ سے تیروں کی بوچھاڑ ہوئی اور گردھاری لال کے ان پندرہ میں سے تقریباً دس جوان تیروں سے چھد کر لہولہان ہو کر زمین پر گر پڑے۔

اسی وقت ارسلان برق کے کوندے کی طرح حرکت میں آیا اور گردھاری لال اور اس کے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولا:

"سنو منا انجام انسانو! تمہاری موت اور تمہارے خاتمہ کا وقت آگیا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی وہ ہر نفس میں طوفان اور ہر سانس میں زلزلہ کھڑا کر دینے والے انداز میں آگے بڑھا اور باقی بچ جانے والے پانچ جوانوں پر حملہ آور ہو گیا۔

اس کی دیکھا دیکھی احمد بھی ان پر ٹوٹ پڑا جبکہ اس لڑکی نے بھی اپنے گھوڑے کو اس طرح ایڑ لگائی جیسے وہ ہر شے کو ایک اضطراب اور ارض و سما کو جنبش میں مبتلا کرنے کے ارادے لے کر آگے بڑھی ہو۔

ارسلان اور احمد کے بعد وہ لڑکی بھی گردھاری لال اور رام دیال کے مسلح ساتھیوں پر حملہ آور ہو گئی۔ ارسلان، احمد اور اس لڑکی نے لمحوں کے اندر باقی بچنے والے پانچوں مسلح جوانوں کا خاتمہ کر دیا۔ ان کے سامنے گردھاری لال اور رام دیال انتہائی بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں کھڑے تھے۔ اپنی تلوار کو صاف کرنے کے بعد ارسلان گردھاری لال کے سامنے آیا اور ان دونوں سے بولا:

"سنو گردھاری لال اور رام دیال! اپنے ان پندرہ مسلح جوانوں کا انجام تو تم نے دیکھ لیا، اب تم دونوں کی باری ہے اس لیے کہ تم ایک بے بس اور مجبور عورت کے قاتل ہو۔"

ارسلان کی بات پر گردھاری لال اور رام دیال کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے ان کے جسم و جان کو دیمک اور ان کی نبض و نفس کو گھن لگ گیا ہو۔ وہ ابر کا سایہ تلاش کرتے پرندوں اور شجر کی گود سے خزاں رسیدہ پتوں کی طرح پریشان حال ہو کر رہ گئے تھے۔

اسی دوران وہ عجیب و ناآشنا لڑکی حرکت میں آئی۔ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ آگے بڑھی اور پے بہ پے اپنی تلوار سے وار کرتے ہوئے گردھاری لال اور رام دیال کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر وہ دوبارہ حرکت میں آئی۔ اپنے گھوڑے کو اس نے موڑا، پھر اسے ایڑ لگا کر دوڑاتی ہوئی مندر سے نکل گئی۔

ارسلان اپنی جگہ پر کھڑا رہ کر اس لڑکی کو جاتے ہوئے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ جب وہ لڑکی مندر سے نکل گئی تو ارسلان اور احمد بھی اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔

جب وہ صدر دروازے کے قریب آئے تو گھات میں بیٹھے ہوئے ان کے سارے ساتھی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب مندر سے باہر آئے اور اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

پھر ارسلان اور احمد اپنے ان دس ساتھیوں کو لے کر سوہدرہ شہر سے واپس میرپور کی طرف کوچ کر گئے۔ جہاں سلطان اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔



سلطان محمود کے ہاتھوں کشمیر کے راجہ کے سالار زنگا کی بدترین شکست اور مسلمانوں کی کشمیر میں جگہ جگہ کامیابیوں اور فتوحات کی اطلاع جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے لگی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقامی حکمرانوں اور کئی چھوٹے چھوٹے راجاؤں نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔ بے شمار لوگوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا تھا۔

اس صورت حال میں سلطان محمود نے اپنے چند علما وہاں چھوڑے جو نو مسلموں کو اسلام کی تعلیم دینے لگے۔ اس کے علاوہ سلطان نے وہاں بہت سی مساجد بھی تعمیر کرانا شروع کر دیں۔

ایک روز جبکہ رات کے لمحوں کے طوفان، غلامی کی دھن کے جمود اور سناٹوں کی گونج سے لپٹی بھاگی جا رہی تھی، سارہ یعنی پاروتی میرپور سے باہر سلطان کے پڑاؤ میں اپنے خیمے کے وسط میں جلتے الاؤ کے پاس لشکر کی دیگر عورتوں میں بیٹھی گفتگو کر رہی تھی۔

سرما کا موسم اپنے عروج پر تھا اور خیموں سے باہر پت جھڑ کی تیز اور رطوبتی ہوائیں ٹکرا کر وحشت انگیز آوازیں پیدا کر رہی تھیں جبکہ اداس پتوں کی زرد رُت میں لپٹی رات متحرک بدلیوں اور ریشمی خواہشوں کو سمیٹتی ہوئی تیزی سے بھاگی چلی جا رہی تھی۔

ایسے میں ایک لشکری خیمہ کے دروازے پر آیا اور بلند آواز میں بولا:

"خیمہ کی خاتون کو مطلع کیا جاتا ہے کہ امیر ارسلان ہندوستان کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد لشکر میں واپس آ چکے ہیں۔"

یہ اعلان سنتے ہی سارہ کے پاس جمع لشکر کی دوسری عورتیں اپنے خیموں میں واپس چلی گئیں۔

ارسلان کے آنے کا سن کر سارہ یادوں کے صنم خانوں میں پر اسرار شمعوں جیسی خوش آہنگ مقرب سحر جیسی شاداب، قطرۂ سیماب کی طرح بے چین اور بے تاب ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر نوید صبح کے پیغام، انمول خزانوں کے تجسس، زندگی کی تڑپ اور بکھرتے رنگوں کے سے جذبے رقص کرنے لگے تھے۔

خیمہ کے وسط میں جلتے الاؤ کے پاس سارہ ابھی ایسی ہی کیفیت میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ارسلان خیمہ میں داخل ہوا۔

سارہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ پھر وہ بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔ ارسلان نے بڑے پیار اور چاہت سے اس کے شانوں اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔

سارہ نے ایک دم علیحدہ ہو کر ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

"آپ کا گھوڑا کہاں ہے۔ میں اسے چھپر کھٹ میں باندھ کر چارہ ڈال دوں۔"

ارسلان اس کا ہاتھ تھام کر خیمہ کے وسط میں جلتے آگ کے الاؤ کی طرف بڑھا اور کہنے لگا:

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں گھوڑے کو چھپر کھٹ میں باندھ کر اس کی زین علیحدہ کرنے اور اسے چارہ ڈالنے کے بعد آیا ہوں۔ تم یہاں میرے پاس آگ کے قریب بیٹھو۔ باہر تو آج بے حد ٹھنڈ ہو رہی ہے۔"

ارسلان کا جواب سن کر سارہ کے چہرے پر خوش کن مسکراہٹ بکھر گئی۔ پھر وہ دونوں میاں بیوی خیمہ کے وسط میں جلتے الاؤ کے پاس آ بیٹھے۔

خیمہ میں تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر سارہ بولی:

"آپ جس مہم پر گئے تھے اس کا کیا بنا؟"

اس پر ارسلان نے جواب دیا:

"سنو سارہ۔ پہلی مہموں کی طرح اس مہم کے سلسلے میں بھی میں خوش قسمت ہوں۔ میں اور احمد اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ بڑی تیزی سے کوچ کرتے ہوئے سوہدرہ شہر میں داخل ہوئے۔ وہاں ہم نے ہزاری لال سے بات کی۔ اس نے ہماری بہترین راہنمائی کی اور بتایا کہ تھانیسر مندر کے پنڈت گردھاری لال اور رام دیال اپنے پندرہ مسلح جوانوں کے ساتھ دریائے چناب کے کنارے ایک مندر میں ٹھہرے ہوئے

ہیں۔ ہم شام سے ذرا دیر قبل اس مندر میں داخل ہوئے اور گردھاری لال اور رام دیال کے ساتھ ہم نے ان کے پندرہ مسلح جوانوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کر کے ہم نے یقیناً تمہاری ماں کا انتقام ان سے لے لیا ہے۔ یہ ہے ہماری مہم کی داستان"۔

ارسلان کی گفتگو سن کر سارہ کے چہرے پر بے پناہ خوشیاں بکھر گئیں۔ پھر وہ اپنی مسرت کا ضبط کرتے ہوئے بولی:

"میں کس کس موقع کے لیے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ میری زندگی کے ہر موڑ پر آپ نے مجھ پر وہ احسانات کیے ہیں جنہیں میں بیان تک نہیں کر سکتی"۔

سارہ کے ان الفاظ نے ارسلان کو چونکا سا دیا۔ اس نے تیز نگاہوں سے سارہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا:

"سنو سارہ۔ کیا ایسا کر کے میں تم پر احسانات کر رہا ہوں۔ تم میری بیوی ہو۔ تمہارا نفع و نقصان تمہارا سکھ دکھ، سب میرا ہے اور مجھے ہی ان سب چیزوں سے عہدہ برآ ہونا ہے"۔

اس پر سارہ نے سنجیدگی سے کہا:

"کچھ بھی ہو۔ آپ کے اس قدر احسانات ہیں مجھ پر کہ میں انہیں شمار نہیں کر سکتی۔ آپ کا یہ احسان ہی فراموش کرنے کے قابل نہیں کہ آپ نے نہ صرف مجھ سے شادی کی بلکہ مجھے حلقہ بگوش اسلام کیا۔ بہرحال جس طرح آپ نے میری ماں کے قتل کا انتقام لیا ہے اس کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں اپنے جذبات اور اپنے تشکر آمیز جذبوں کا اظہار کر سکوں"۔

اس پر ارسلان نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں اس لیے ہم دونوں اب زندگی بھر کے ساتھی ہیں، کیا ایسا نہیں ہے؟"

اس پر سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا:

"ہاں۔ ایسا ہی ہے"۔

اس کے بعد سارہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی حالت سے ایسا لگتا تھا جیسے اسے کچھ یاد

آگیا ہو۔ ارسلان نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

اس پر سارہ کہنے لگی:

"آپ کے آنے کی خوشی میں تو میں ہر شے بھول بھول گئی۔ آپ یہیں آگ کے پاس بیٹھیے۔ میں آپ کے کھانے کا بندوبست کرتی ہوں"۔

اس پر ارسلان نے پھر سارہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا:

"تمہیں اس زحمت کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں آتی دفعہ کھانے کا کہہ کر آیا تھا۔ ابھی کوئی لشکری میرا اور تمہارا کھانا لے کر خیمہ میں پہنچ جائے گا۔ تم آرام سے میرے پاس بیٹھو"۔

اس پر سارہ مسکرائی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

ارسلان تھوڑی دیر تک سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا پھر بولا:

"سنو سارہ۔ ایک عرصے سے میں ایک بات تم سے بار بار کہنے کا ارادہ کرتا ہوں پر اس خیال سے باز رہتا ہوں کہ کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ یا مجھ سے روٹھ نہ جاؤ"۔

اس پر سارہ نے چونک کر ارسلان کی طرف دیکھا۔ پھر فکرمندی سے بولی:

"ایسی کیا بات ہے۔ آپ جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں بلا جھجک اور بے فکر ہو کر کہیے۔ آپ سے خفا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ میری زندگی، میری روح اور میری جان ہیں اور کوئی بھی شخص اپنی ذات اپنی روح اور اپنی زندگی سے بیزار اور ناراض نہیں ہو سکتا"۔

اس پر ارسلان خدشے بھرے لہجے میں بولا:

"معاملہ ہی کچھ ایسا ہے سارہ کہ جس میں تمہارے ناراض ہونے کا اندیشہ ہے"۔

اس پر سارہ بڑے پیار سے اپنا سر ارسلان کے شانے پر رکھتے ہوئے اور اس کے دونوں ہاتھ تھام کر چومتے ہوئے بولی:

"کیا مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ آپ بلا جھجک کہیے۔ میں کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں آپ سے ناراض نہیں ہو سکتی"۔

اس پر ارسلان نے کہا:

"سنو سارہ۔ اگر یہ بات ہے تو میں ایک لڑکی کے بارے میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

سارہ نے چونک کر کہا:

"کیسی لڑکی اور کس قسم کی گفتگو؟"

اس پر ارسلان پھر بولا:

"سنو سارہ۔ ایک عرصہ ہوا ایک لڑکی میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ جب بھی میں کسی مہم پر جاتا ہوں یا کسی جنگ میں حصہ لیتا ہوں نہ جانے وہ ہیولوں اور آسیب کی طرح یا میرے ہمزاد کا روپ دھار کر کیسے اس جگہ پہنچ جاتی ہے اور میرے ہر معاملہ میں میری مدد اور حمایت کرتی ہے۔ جنگوں میں یہ حفاظت کا سامان کرتی ہے۔

جب میں اپنے خاندانی دشمنوں سے ٹکراتا ہوں تو وہ وہاں بھی میرے پہلو بہ پہلو دشمنوں پر ضرب لگاتی ہے۔

ابھی یہ جو تمہاری ماں کے قاتلوں سے میں انتقام لینے گیا تھا تو وہاں بھی وہ لڑکی پہنچ گئی اور اس نے کمال طوفانی انداز میں ان پر حملہ آور ہو کر میرا اور احمد کا ساتھ دیا۔"

ارسلان خاموش ہوا تو سارہ نے فکر مند الفاظ میں ارسلان کو مخاطب کر کے پوچھا:

"آپ مجھے یہ بتائیے کہ وہ لڑکی کون ہے۔ اس کا نام کیا ہے۔ کہاں کی رہنے والی ہے شکل و شباہت کی کیسی ہے۔ اس کے ماں باپ کون ہیں۔ وہ کیسے آپ کو جانتی ہے اور کس جگہ کا آپ سے تعارف ہوا۔ وہ آپ سے کیا چاہتی ہے؟"

اس پر ارسلان مسکراتے ہوئے بولا:

"تم نے بیک وقت اتنے سوالات مجھ سے کر دیے ہیں جن میں سے کسی ایک کا جواب میرے پاس نہیں ہے نہ میں ان کا جواب دے سکتا ہوں کیونکہ نہ میں اس کا نام جانتا ہوں نہ مجھے اس کے ماں باپ کا پتہ ہے کہ وہ کون ہیں۔ نہ میرے علم میں یہ بات ہے کہ وہ کہاں سے آتی ہے۔ کہاں رہتی ہے۔ نہ ہی میں نے اس کی شکل و صورت دیکھ رکھی ہے کہ وہ کیسی ہے اور کس عمر کی ہے۔"

اس پر سارہ نے بڑے تعجب اور حیرت سے کہا:

"کمال ہے۔ وہ لڑکی جنگوں میں آپ کے ساتھ حصہ لیتی ہے۔ ہر ضرورت کے وقت آپ کی مدد کرتی ہے۔ آپ کے دشمنوں کے خلاف حرکت میں آتی ہے۔ پھر بھی آپ کہتے ہیں آپ اسے نہیں جانتے۔ اور اس کا چہرہ تک نہیں دیکھا۔"

اس پر ارسلان بے بسی سے بولا:

"ہاں سارہ۔ بات کچھ ایسی ہی ہے اس لیے کہ جب وہ میری مدد کو آتی ہے اور جنگوں میں میرے پہلو بہ پہلو حصہ لیتی ہے تو اس نے سر پہ لوہے کا خود پہن رکھا ہوتا ہے اور خود کا نقاب پوری طرح اپنے چہرے پر ڈالا ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوئی اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے علاوہ وہ سر سے لے کر پیروں تک چمڑے کا لباس پہنے ہوئے ہوتی ہے اور جن ہاتھوں میں تلوار اور ڈھال پکڑتی ہے ان پر اس نے کبھی سرخ اور کبھی سیاہ دستانے پہن رکھے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسے پہچاننا انتہائی مشکل اور محال ہے۔

پھر وہ لڑکی گھوڑے بدل بدل کر نمودار ہوتی ہے۔ کبھی سرخ، کبھی سیاہ اور کبھی سفید گھوڑے پر نمودار ہوتی ہے۔

کہاں سے آتی ہے۔ کدھر جاتی ہے۔ کیوں آتی ہے۔ میری مدد کرنے میں اس کا کیا مقصد ہے؟ ان باتوں کا مجھے کوئی علم نہیں۔ کس طرح وہ میدانِ جنگ میں پہنچ جاتی ہے۔ اسے کس طرح یہ علم ہو جاتا ہے کہ میں دشمنوں سے ٹکرانے والا ہوں؟ میں نہیں جانتا۔

وہ لڑکی ہے۔ کوئی آسیب ہے یا میرا ہمزاد ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ میری ذات ہی کا حصہ ہو یا میرا سایہ، میرا ہمزاد ہو۔ جس بات کا میں عزم کرتا ہوں اس کی اسے بھی خبر ہو جاتی ہے۔ اب کہو تم کیا کہتی ہو؟"

ارسلان کی باتوں کے جواب میں سارہ تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی پھر اس نے ارسلان سے مخاطب ہو کر کہا:

"کیا کبھی اس لڑکی کے ساتھ آپ کی گفتگو بھی ہوئی؟"

ارسلان نے بے بسی سے جواب دیا:

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اس سے زیادہ جو میرے ساتھ گفتگو کی ہے وہ یہ کہ دور ہی سے

کبھی کبھی میری طرف دیکھ کر اپنا ہاتھ ہلا دیا کرتی ہے۔

ہاں اس کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ جب میرے دشمنوں کے مقابلے میں میری مدد کے لیے آتی ہے تو اللہ نور السموات والارض کا ورد کرتی ہوئی آتی ہے۔ ان الفاظ کی ادائیگی اور لہجے سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ اس لڑکی کا تعلق ہندوستان سے نہیں۔ کیونکہ اس کی قرأت خالص عربی ہوتی ہے۔

جب میں اس کی قرأت کو سنتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے صحرائے عرب کے ریگزاروں میں کوئی انتہائی خوش الحان اور جید قاریہ وقت کے لمحوں میں طوفان کھڑا کرنے کے لیے سنہری حروف کا جال بننے لگی ہو۔

کاش! میں یہ جان سکتا کہ اس لڑکی کا نام کیا ہے۔ اس کا تعلق کن سرزمینوں سے ہے۔ وہ مجھے کیسے جانتی ہے۔ کیوں میری مدد کرتی ہے اور اس کی اس مدد میں کیا مقصد اور کیا مدعا پوشیدہ اور پنہاں ہے؟"

ارسلان کی یہ کیفیت دیکھ کر سارہ بھی کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ پھر وہ اپنے ذہن میں کوئی اہم فیصلہ کرتے ہوئے کہنے لگی:

"میں تو اس بات سے بے حد خوش ہوں کہ وہ ضرورت کے ہر موقع پر آپ کی مدد اور حمایت کرتی ہے۔ یہ بات یقیناً آپ کے حق میں جاتی ہے۔ رہی اس کی مدد کرنے کی وجہ تو اس سے میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ وہ آپ سے محبت کرتی ہے آپ کو پسند کرتی ہے۔ آپ کو چاہتی ہے۔

ان ساری باتوں کے نچوڑ کے طور پر میں آپ سے کہہ سکتی ہوں کہ جب کبھی وہ لڑکی اپنے آپ کو آپ کے سامنے عیاں کرے۔ آپ کے سامنے اپنا چہرہ بے نقاب کرے آپ سے اپنا تعارف کرائے تو میری طرف سے آپ کو اجازت ہے کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔ میں کبھی بھی آپ کے اور اس کے درمیان دیوار نہ بنوں گی۔

اس لیے کہ ایسی لڑکی یقیناً یہ حق رکھتی ہے کہ وہ آپ کی زوجیت میں آئے کیونکہ آپ کی ہر جگہ مدد اور حمایت کر کے یقیناً اس نے اپنے آپ کو آپ کا حقدار تسلیم کروالیا ہے۔ لہٰذا آپ کی بیوی کی حیثیت سے میں آپ کے سامنے یہ تسلیم کرتی ہوں کہ وہ لڑکی آپ کی حقدار ہے۔ جب

کبھی بھی وہ آپ کے سامنے آئے تو میں آپ کو اجازت دیتی ہوں کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔ میں اسے اپنی بہن کی طرح سمجھوں گی اور جانوں گی۔ میں خیال کرتی ہوں کہ ہم دونوں مل کر بہتر طور پر آپ کی خدمت کر سکیں گی"۔

سارہ کی اس ساری گفتگو کے جواب میں ارسلان مسکرایا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے خوشدلی سے کہنے لگا:

"شادی اس سے کیا کرنی ہے۔ ابھی تو مجھے یہ ہی پتہ نہیں ہے کہ وہ لڑکی کون ہے۔ اس کا نام کیا ہے۔ اس کا حسب و نسب کیا ہے۔ وہ کہاں کی رہنے والی ہے۔ میری مدد کرنے میں اس کا کیا مقصد اور مدعا ہے؟

بہرحال ایسا لمحہ آیا بھی تو سنو سارہ! سب سے پہلے میں تم سے مشورہ کروں گا۔ اس لڑکی کا تم سے تعارف کراؤں گا۔ چند دن تمہارے ساتھ رہے گی تو اس کی گفتگو، اس کے انداز، اس کے اٹھنے بیٹھنے کا خوب جائزہ لینا۔

پھر جب تم خیال کرو گی کہ واقعی وہ ہمارے ساتھ رہ سکتی ہے تب میں تمہاری اجازت سے اس سے شادی کروں گا ورنہ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا"۔

ارسلان کی باتوں کا سارہ شاید کچھ جواب دینا چاہتی تھی کہ ایک لشکری ان دونوں کا کھانا لے آیا اور دونوں میاں بیوی خاموشی سے آگ کے الاؤ کے پاس بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔

دو یوم تک مزید سلطان نے لشکر کے ساتھ میرپور سے باہر وادیوں میں پڑاؤ کیے رکھا۔ اس کے بعد وہاں سے کوچ کر کے سلطان غزنی کی طرف روانہ ہو گئے۔



غزنی میں قیام کے دوران سلطان کو ان کے مخبروں نے اطلاع دی کہ مفرور راجہ نادر بھیم پال نے کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کے ہاں پناہ لے رکھی ہے۔

سلطان کو یہ خبر بھی ملی کہ نادر بھیم پال کا باپ ترلوکن پال بھی ایک بہت بڑی کمک اور رسد کے سامان کے ساتھ اپنے بیٹے بھیم پال کی مدد کے لیے کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کے پاس اس کے مرکزی شہر لوہ کوٹ پہنچ گیا ہے۔

سلطان نے ارادہ کر لیا کہ وہ بھیم پال اور ترلوکن پال کو یوں ہی کھلا نہیں چھوڑیں گے بلکہ ان کی بغاوت اور سرکشی کے جذبوں کو ضرور فرو کر کے رہیں گے۔

اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سلطان نے اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور پھر ایک روز وہ غزنی سے کشمیر کی طرف کوچ کر گئے۔

دوسری طرف کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کو بھی اطلاع ہو گئی کہ سلطان محمود اس کی سرکوبی کے لیے اور بھیم پال اور اس کے باپ ترلوکن پال کو حاصل کرنے کے لیے غزنی سے اس کی طرف کوچ کر چکے ہیں اور تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

لہٰذا سلطان سے مقابلہ کرنے کے لیے اس نے بڑی تیزی سے لشکر کی تعداد بڑھانے کے ساتھ ساتھ دوسری جنگی تیاریاں بھی عروج پر کر لیں۔

فضاؤں کو نڈھال، دشت کو ویران اور کوہِ گراں کو زیر کر دینے والی کسی ابدی مسافت اور موجِ کارواں کی طرح سلطان نے بڑی برق رفتاری سے کشمیر کی طرف پیش قدمی کی تھی اور مشرق کی جبینِ گہر پر آفاق کے اسرار منکشف کرنے کی خاطر انھوں نے لوہ کوٹ کے قریب پونچھ اور کوٹلی کے درمیان کوہستانِ مینڈھر کے بلند اور طویل سلسلوں کے سامنے اندھیری اور گمنام وادیوں کے اندر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا۔

کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کو بھی سلطان کی آمد کی اطلاع ہو گئی تھی لہٰذا وہ بھی اپنے لشکر کو لے کر انہیں وادیوں میں سلطان کے لشکر کے سامنے پڑاؤ کر چکا تھا۔

تھوڑی دیر تک دونوں لشکر اپنی اپنی صفیں درست کرتے رہے۔ اس کے بعد رائے سنگرام نے حملہ کرنے کی ابتدا کرنے کا ارادہ کر لیا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ حملہ کے شروع ہی میں وہ مسلمانوں پر زور اور دباؤ ڈالتے ہوئے اپنے لیے متوقع فوائد حاصل کر لے گا لہٰذا وہ حکایاتِ خونچکاں، کرب و الم اور یورشِ ظلم و ستم کی طرح سلطان کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا۔

سلطان نے اپنے لشکر کی ترتیب پرانی ہی رکھی تھی۔ وسطی حصے میں وہ خود تھے۔ بائیں پہلو پر ارسلان، دائیں پہلو پر عبداللہ طائی تھے۔ التون تاش کو سلطان نے اپنے ساتھ رکھا تھا جبکہ عقبی حصے کا سالار امیر نصر کو مقرر کیا گیا تھا۔

رائے سنگرام کے اس حملہ کو سلطان اور ان کے سالاروں نے بے رنگ و بے نام قصبوں میں حرکت میں آنے والے صدا فتنوں کے سمندر اور بدلتے موسم کے تیز دھاروں کی طرح آسانی سے روک لیا تھا۔

اس کے بعد سلطان نے مصحفِ یزداں کی آیت کی طرح پورے جذب و کشش سے بھرپور ہو کر چشمِ فطرت کی طرح سطوت کے چراغ اور فخرِ یزداں کی طرح اُبل پڑنے والے بحرِ انقلاب کی طرح راجہ رائے سنگرام پر جوابی حملہ کیا۔

سلطان کے ساتھ ان کے سالار اور لشکری بھی کمالِ ابنِ آدم، رازِ مشیت اور طوفانوں کے آثار بن کر رائے سنگرام کے لشکر پر حملہ آور ہوئے اور اس کے لشکریوں کے بے سوز سینوں میں انھوں نے آگ کی لپٹیں بھرنا شروع کر دیں۔

تھوڑی دیر تک جب سلطان، ارسلان، عبداللہ طائی اور التون تاش اور امیر نصر نے اپنے لشکریوں کے ساتھ مل کر رائے سنگرام کے لیے جنگ کے دوران ہر موڑ پہ الجھن، ہر دوراہے پہ صلیب، ہر قدم پہ ٹھوکر، ہر پہلو پہ کرب و ابتلا کھڑی کرنی شروع کر دی تب رائے سنگرام کی آنکھیں کھلیں اور اسے بڑی تیزی سے یہ احساس ہونے لگا کہ اس نے سلطان محمود سے جنگ چھیڑ کر اپنی زندگی کی بدترین حماقت اور غلطی کی ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں رائے سنگرام پر مکمل طور پہ یہ واضح ہو گیا کہ اگر جنگ کچھ دیر اور جاری رہی تو اسے بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑے گا اور اسے اپنے لشکر سمیت میدانِ جنگ سے بھاگنا پڑے گا۔

فرار کے بعد اگر سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کا تعاقب کیا تو پھر لوہ کوٹ تک جانے والی شاہراہ پر اس کے لشکریوں کی لاشیں ہی لاشیں پڑی دکھائی دیں گی۔ لہٰذا رائے سنگرام نے عقل مندی اور فہم و فراست کا ثبوت دیا۔ اس نے اپنے لشکر کے اندر سفید جھنڈے بلند کرنے کے ساتھ ہی اپنے لشکر کو جنگ بندی کا حکم دے دیا۔

اس کے ساتھ ہی رائے سنگرام نے اپنے کچھ قاصد سلطان کی طرف روانہ کیے اور ان کے سامنے غیر مشروط طور پہ ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کی۔

سلطان نے یہ پیش کش قبول کر لی۔

جنگ رک گئی۔ سلطان کا لشکر پڑاؤ میں واپس چلا گیا جبکہ رائے سنگرام کا لشکر بھی جو مکمل طور پر زخموں سے چور اور نڈھال تھا، اپنے پڑاؤ میں لوٹ گیا۔

چونکہ سلطان کو اس جنگ میں مکمل فتح نصیب ہوئی تھی اس لیے انھوں نے کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کو طلب کیا۔ رائے سنگرام اپنے چند سالاروں کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت سلطان اپنے چند سالاروں اور ارسلان، عبداللہ طائی، التون تاش اور امیر نصر کے ساتھ اپنے خیمے سے باہر فرشی نشست پہ براجمان تھے۔

رائے سنگرام اپنے سالاروں کے ساتھ سلطان سے ذرا فاصلے پہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے گھوڑے سے اترا۔ پھر سلطان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ سب، سلطان اور ان کے جرنیلوں کو اس طرح

کھجور کے پتوں سے بنی سادہ چٹائی پر بیٹھے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

سلطان نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بھی اسی چٹائی پہ بیٹھنے کا حکم دیا۔ رائے سنگرام اور اس کے جرنیل فوراً اس چٹائی پہ بیٹھ گئے۔

اس دوران سلطان نے بڑے غور سے رائے سنگرام کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت بڑی عجیب ہو رہی تھی۔ اس کے مردم گزیدہ چہرے پہ ساگر کی گہرائی کی سی نمی اور اس کے لاغر جسم پہ زخموں کے پیوند نمایاں تھے۔

اس کا افسردہ دل خوابیدہ شام کی طرح اداس اور اس کی پُرنم آنکھوں میں خزاں کے جھکڑ دکھائی دے رہے تھے۔

سلطان کے سامنے چٹائی پہ بیٹھا کشمیر کا راجہ رائے سنگرام اس وقت اس گدائے بے زر کی طرح لگ رہا تھا جس کے پاؤں امیدوں کے سراب، خوف زدہ کر دینے والی آوازوں اور زہریلی صداؤں میں دھنس کر رہ گئے ہوں۔

سلطان محمود کچھ دیر تک رائے سنگرام کو بڑے غور سے دیکھتے رہے۔ اس لمحے ان کے سفید رخ چہرے پہ معراجِ آدم کی عظمت، عزمِ راسخ، عہدِ محکم اور اعتمادِ عظیم لہریں مار رہے تھے۔ پھر انہوں نے رائے سنگرام سے پوچھا:

"تم کچھ کہنا چاہتے ہو رائے سنگرام؟"

سلطان کے اس سوال پر رائے سنگرام اس طرح چونک پڑا جیسے اس کے لہو کی گردش اور اس کی زبان کی حرکت میں انجماد سا پیدا ہو گیا ہو۔ پھر وہ آہستہ سے بولا:

"سلطانِ محترم! میں آپ کے سامنے اپنی ناکامی، اپنی شکست کی دلیلیں اور وضاحتیں پیش نہیں کروں گا بلکہ کھلے دل سے کہوں گا کہ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ اور آپ کے سالارِ جنگ کے قہر جیسی خاموش ظلمت میں میرے اور میرے لشکر کے سامنے پتھروں کی طرح اور ناقابلِ تسخیر دیوار ثابت ہوئے ہیں۔

سلطانِ محترم! میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کے لشکریوں جیسے لشکری بھی میں نے آج تک نہیں دیکھے۔ تاریخ کے آئینے میں ایسے مجاہد کبھی بھی میری نگاہوں سے نہیں گزرے جو اس طرح

عالمِ عشق و مستی میں آہنی بیڑیوں کی جھنکار کی طرح نعرے بلند کرتے ہوئے بے عکس ہیروں اور نزع کے لمحات کی طرح دشمن پر حملہ آور ہو کر اس کے دل کے صحرا میں محرومیوں کی داستانیں رقم کر دیتے ہوں۔

قسم بھگوان کی۔ اس جنگ سے مجھے یہ تجربہ حاصل ہوا ہے کہ آپ جیسے سلطان سے جنگ کرنا توہینِ مشیت ہے اس لیے کہ آپ کے لشکری پت جھڑ کے تیوروں کی طرح دشمن پر چھاتے ہوئے اس کے خوابوں کو مسمار اور اس کی جرأتوں کو جاں سوز کراہوں میں تبدیل کر دینے کا فن جانتے ہیں۔

ایسے لشکریوں کے سامنے جنگ جاری رکھ کے میں اپنے لشکریوں کو اشکوں کے پیالوں کا زہر نہیں پلانا چاہتا تھا۔ میں انہیں ٹوٹتے ستاروں کی لپک اور لہر لہر لپکتے شعلوں کا شکار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس بنا پر میں نے جنگ رکوا دی۔ اپنی شکست تسلیم کر لی اور آپ سے صلح کی گزارش کرنے یہاں چلا آیا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد راجہ رائے سنگرام تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ پھر اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا:

"سلطانِ محترم۔ میں آپ سے وعدہ اور عہد کرتا ہوں کہ آپ کے ساتھ جو میں نے جنگ کرنے کی غلطی کی ہے میری یہ غلطی اگر آپ معاف کر دیں تو میں آیندہ نہ صرف یہ کہ مکمل طور پر آپ کا مطیع اور فرمانبردار بن کر رہوں گا بلکہ آنے والے دور میں ہندوستان کی سرزمین پر جو بھی جنگیں ہوں گی، ان میں آپ کے ایک فرمانبردار جرنیل کی حیثیت سے آپ کا ساتھ دوں گا۔ آپ کے ہر دشمن کو اپنا دشمن اور آپ کے ہر رفیق اور دوست کو اپنا رفیق اور دوست خیال کروں گا۔"

رائے سنگرام کے یہ الفاظ سن کر سلطان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ پھر انہوں نے بڑے غور اور انہماک سے رائے سنگرام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"سنو سنگرام! آج تو تم مجبور اور بے بس ہو کر ہمارے سامنے یہ عہد کر رہے ہو لیکن کل کو جب تم نے اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کر لیا تو مجھے ابھی سے بتا دو کہ کس میدان میں تمہارے ساتھ ٹکراؤ اور سامنا ہو گا۔"

اس پر رائے سنگرام بغیر توقف کے بولا:

"سلطانِ محترم! دنیا بھر کے دین و دھرم، آکاش و سورگ، پون و پرماتما کی قسم۔ میں کچھ ایسا بدچلن، راکشش، شیطان، ابھگت و ناپاک اور اپرادھی و فسادی نہیں ہوں کہ آپ کے کیے ہوئے بندھن و ناطے اور وعدے اور عہد کو توڑ کر رکھ دوں۔

میں مستقبل میں آپ کے ساتھ ایک فرمانبردار ساتھی کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے ہمیشہ آپ کو بھاگوان خیال کروں گا۔"

اس پر سلطان نے اسے مخاطب کر کے پوچھا:

"کوئی پکا عہد کرنے سے پہلے یہ تو کہو تمہارا نام کیا ہے؟"

اس پر راجہ نے جواب دیا:

"سلطانِ محترم۔ آپ جانتے ہیں میرا نام سنگرام ہے۔"

سلطان نے تیز نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا:

"سنگرام کے کیا معنی ہیں؟"

راجہ نے کہا:

"جنگ!"

اس پر سلطان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر انہوں نے کسی قدر استفہامیہ انداز میں اس سے پوچھا:

"کیا تم آنے والے دنوں میں اپنے نام کے حوالے سے ہمیں جنگوں میں تو نہیں الجھائے رکھو گے راجہ سنگرام؟"

اس پر اس نے بڑی انکساری اور عاجزی سے کہا:

"سلطانِ محترم۔ آپ بدھا اور راجیت ہیں۔ آپ میرے پردھان اور راہنما ہیں۔ آج کے بعد آپ میرے لیے جہاں پرشش و مقدس انسان ہیں۔ اب میری سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ آنے والے دنوں میں آپ کا مددگار اور معاون بن کر ہمیشہ ضرورت کے وقت آپ کی مدد کروں۔"

رائے سنگرام خاموش ہوا تو سلطان اسے مخاطب کر کے بولے:

"سنو سنگرام۔ اپنے لیے میری طرف سے آخری فیصلہ سننے سے قبل یہ تو کہو کہ تمہارے ہاں جو ہنڈ کے راجہ نادر بھیم پال اور اس کے باپ ترلوکن پال نے پناہ لے رکھی ہے، ان دونوں کا کیا بنا؟"

اس پر رائے سنگرام نے بڑی عاجزی اور خلوص سے کہا:

"سلطانِ محترم! مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ ترلوکن پال اور بھیم پال نے میرے ہاں پناہ لے رکھی تھی۔ میں اپنی اس غلطی کا اقرار کرتا ہوں جو اُن دونوں کو پناہ دے کر میں نے کی تھی۔ لیکن جب ان دونوں باپ بیٹے نے یہ سنا کہ آپ ان کی وجہ سے مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں تو ان دونوں کو یقین ہو گیا کہ اس جنگ میں مجھے شکست ہو گی لہٰذا وہ دونوں باپ بیٹا اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر اندرونِ ہند کی طرف بھاگ گئے۔

اُن کا ارادہ یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے دیگر راجاؤں کے پاس جائیں گے اور انہیں مدد کے لیے آمادہ کرتے ہوئے آپ کے خلاف ایک بہت بڑا لشکر جمع کریں گے تاکہ ہندوستان کے سارے راجہ مل کر سلطان کو شکست دے سکیں۔"

اس پر سلطان نے پوچھا:

"اگر ہندوستان کے سارے راجا ہمارے خلاف متحد ہو جاتے ہیں تو ایسے موقع پر تمہارا کیا ردِ عمل ہو گا؟"

رائے سنگرام نے فوراً جواب دیا:

"سلطانِ محترم! میں تو آپ کے ساتھ عہد کر چکا ہوں کہ میں آنے والے دنوں کی ہر جنگ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ ہندوستان کے سارے راجا آپ کے خلاف متحد ہو جائیں تو بھی میں آپ کو قول دیتا ہوں کہ ان کے خلاف میں آپ ہی کا معاون و فرمانبردار بن کر ان کے خلاف جنگ کروں گا۔"

اس پر سلطان مسکرائے اور بولے:

"سنگرام۔ اگر یہ معاملہ ہے تو ہم تمہاری ساری غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کرتے ہیں، تمہاری یہ عمل داری اور حکومت تمہیں واپس کرتے ہیں۔ تم پہلے کی طرح کشمیر پر حکومت کرو۔ ہم آج ہی اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جائیں گے لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ ترلوکن پال اور بھیم پال کہیں بھی چلے جائیں

ہم سے بچ نہیں سکیں گے۔

ہم سائے کی طرح ان کا تعاقب کریں گے۔ چاہے کسی بھی میدان میں وہ ہمارے سامنے کیسا لشکر لے آئیں ہم ان کے مقدر میں ذلت اور ان کے دامن میں شکست ڈال کر رہیں گے۔"

سلطان کے جواب پر رائے سنگرام بے حد خوش ہوا۔ اس نے میدانِ جنگ ہی میں سلطان اور ان کے لشکر کی بہترین ضیافت کا اہتمام کیا۔

اسی روز شام کے قریب سلطان اپنے لشکر سمیت کشمیر سے غزنی کی طرف کوچ کر گئے۔



کشمیر سے غزنی کی طرف جاتے ہوئے اپنے لشکر کے لیے کھانے کا انتظام کرنے اور لشکر یو
کو ستانے کا موقع فراہم کرنے کے لیے سلطان نے غوربند کے مقام پر پڑاؤ کیا۔

سلطان کے حکم پر ایک ندی کے کنارے کے ساتھ ساتھ آناً فاناً خیموں کا ایک شہر آباد کر دیا گ
سردی کا موسم عروج پر تھا لہٰذا پڑاؤ کے اندر جگہ جگہ آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن کر دیے گ
لشکر کی حفاظت کے لیے پہرے دار اُن الاؤ کے پاس بیٹھ کر لشکر اور پڑاؤ کی نگہ داری کر
لگے تھے۔

سورج اس وقت اپنی آنکھوں میں منزل کا غبار لیے اور ہر شئے کے پاؤں میں امید ولا
سراب باندھتا ہوا آئینے میں ڈھلتے عکس اور پانی میں جلتے چراغ کی مانند غروب ہو رہا تھا۔ ندی
کنارے سے اڑتی کونجوں کی قطاریں خوفزدہ آوازیں نکالتی ہوئی نہ جانے کن منزلوں کی طرف اڑی جا
رہی تھیں۔

خوابیدہ شام زلفوں کی گھنی چھاؤں کی طرح حرکت میں آئی اور چاروں طرف لہراتی تاریکیا
بکھیرتے ہوئے اس نے آکاش کے تیور بدلتے سموں میں رات کے دشتِ عقوبت کے مارے
کھولنے شروع کر دیے۔

زندگی کے نغموں پر نیند کے پیوند لگنے لگے تھے۔ پڑاؤ کے اندر اور اس کے اطراف میں قـ
جیسی خاموشی تھی۔ ظلمت اور موت کے اندھیروں میں آگ کے جلتے الاؤ روشنی کا پیغام بن کر نمودا
ہو رہے تھے۔

تاریکیاں اور پھیلتی نیند میں ہر جاندار کی زبان کی حرکت اور لہو کی گردش پر قابو پانے لگیں۔
کے صحراؤں میں بے عکس ہیولے اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے تیرگی کے زخم تلاشِ سحر میں
مارے مارے پھرتے ہیں۔

ایسے میں ارسلان اور سارہ دونوں اپنے خیمے کے وسط میں جلتے ہوئے آگ کے چھوٹے
الاؤ کے پاس بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ خیمے کے دروازے پر باہر سے کسی نے
ان کو پکارا۔

ارسلان پہچان گیا کہ وہ احمد کی آواز تھی۔ اس نے بلند آواز میں کہا:

"اندر آ جاؤ احمد۔ باہر کیوں رک گئے؟"

اس کے ساتھ ہی احمد خیمے کے دروازے کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا۔ ارسلان نے ہاتھ کے
اشارے سے الاؤ کے قریب ہی ایک نشست کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"آؤ بیٹھو۔ باہر تو اب کافی سردی ہو گئی ہے"۔

اس پر احمد نے متفکر اور پریشان آواز میں کہا:

"میں بیٹھنے نہیں آیا۔ میں تم دونوں کے لیے ایک انتہائی اہم خبر لے کر آیا ہوں"۔

اس پر ارسلان اور سارہ نے چونک کر احمد کی طرف دیکھا۔ خیمے کے اندر جلتی ہوئی چھوٹی سی صندلیں
الاؤ کی روشنی میں ارسلان نے اندازہ لگایا کہ اس لمحے احمد کے چہرے پر خوشیوں اور تفکرات کا
امتزاج رقصاں تھا۔

ارسلان نے اسے مخاطب کر کے کہا:

"احمد میرے بھائی۔ تم جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہو یہاں ہمارے پاس بیٹھ کر کہو"۔

اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے ہی احمد نے کہا:

"ارسلان۔ میرے عزیز میرے پیارے بھائی۔ ہمارا ایک مخبر ہمارے دشمن کے ساتھ ساتھ ہماری
خاندان سے متعلق بھی اطلاع لے کر آیا ہے"۔

احمد کے اس انکشاف پر ارسلان طوفانی انداز میں چونک کر کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ احمد کی طرف
دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

"اگر ایسا معاملہ ہے تو تم اس مخبر کو باہر کیوں کھڑا کر آئے ہو۔ اپنے ساتھ اسے اندر کیوں نہ لے کر آئے؟"

احمد بے چارگی اور پیار سے بولا:

"میں اپنی بہن سارہ کی وجہ سے اسے اندر لے کر نہیں آیا۔"

احمد کے الفاظ سن کر سارہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھی اور خیمہ کے بائیں طرف لباس تبدیل کرنے کے لیے جو پردہ لٹکا رکھا تھا، اس کی اوٹ میں چلی گئی۔

ارسلان نے احمد کو مخاطب کر کے کہا:

"میرے بھائی! اس مخبر کو اندر لے آؤ۔"

ارسلان کی بات سن کر احمد لپک کر باہر گیا اور اس مخبر کو لے کر اندر آ گیا۔ ارسلان نے آگے بڑھ کر مخبر کا استقبال کیا۔ گلے لگا کر اسے ملا۔ پھر اس نے احمد اور اس مخبر کو آگ کے الاؤ کے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

جب وہ دونوں بیٹھ گئے تب ارسلان نے بھی ان کے سامنے بیٹھ کر مخبر سے کہا:

"کہو میرے عزیز۔ تم میرے لیے کیا خبر لے کر آئے ہو؟"

اس پر وہ مخبر بولا:

"جاذب کے بیٹے! اس بار میں تمہارے لیے انتہائی اہم خبریں لے کر آیا ہوں۔ ان خبروں میں سب سے اچھی خبر یہ ہے کہ میں نے تمہاری اس ماں کا پتہ چلا لیا ہے جو تمہارے خاندان کی تباہی اور بربادی کا باعث بنی تھی۔

ساتھ ہی میں نے تمہاری بہن امانہ کو بھی تلاش کر لیا ہے"۔ مخبر کے اس انکشاف پر ارسلان چونک پڑا۔

لپک کر وہ اس مخبر کی طرف بڑھا اور بڑی بے تابی سے بولا:

"کہو کہو۔ وہ دونوں ماں بیٹی کہاں ہیں؟"

اس پر مخبر نے جواب دیا:

"وہ اس وقت نیشاپور سے باہر حصار نام کے ایک قصبے میں مقیم ہیں۔ وہاں چھوٹی سی

ایک حویلی ہے جس میں تمہاری سوتیلی ماں اپنی بیٹی امانہ کے ساتھ رہ رہی ہے اور تمہارے وہ دس دشمن جو تمہارے خاندان کے قاتل ہیں ان میں سے دو ہر وقت تمہاری اس سوتیلی ماں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

میری حاصل کردہ معلومات کے مطابق امانہ اپنی سگی ماں اور تمہاری سوتیلی ماں سے سخت نفرت کرتی ہے۔ وہ اب بھی تمہیں جنون کی حد تک چاہتی ہے اور تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ تمہاری سوتیلی ماں نے اسے زبردستی اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔

میں نے سنا ہے کہ اس نے تین چار بار بھاگ کر غزنی جانے کا ارادہ کیا مگر ہر بار وہ بیچاری پکڑی گئی۔ اس پر بڑے مظالم بھی کیے گئے اور اب تمہاری سوتیلی ماں نے اسے اپنی اور اپنے محافظوں کی سخت نگرانی میں رکھا ہوا ہے تاکہ وہ بھاگ کر تمہارے پاس نہ چلی جائے اور تمہیں ان کی موجودگی کی اطلاع نہ دیدے۔

تمہارے خاندان کے دس قاتلوں میں سے جو دو تمہاری بہن امانہ کی نگرانی کرتے ہیں ان میں سے ایک کا نام مرزبان اور دوسرے کا نام شاخسرو ہے۔ دونوں آپس میں سگے اور سب سے بڑے دشمن توزون کے چچازاد بھائی ہیں"۔

مخبر خاموش ہوا تو ارسلان نے اسے مخاطب کر کے کہا:

"سنو میرے عزیز! تم نے واقعی مجھے انتہائی اہم اطلاعات فراہم کی ہیں۔ آج کی رات تم ہمارے ہاں قیام کرو اور آرام کرو۔ صبح ہم یہاں سے نیشاپور کی طرف کوچ کریں گے"۔

اس کے ساتھ ہی احمد اپنی جگہ سے اٹھا اور ارسلان سے بولا:

"میرے بھائی۔ میں اپنے اس رفیق اور ساتھی کو اپنے خیمہ میں لے جاتا ہوں اور اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔ آپ اپنے کل کے کوچ کیلئے سلطان محترم سے بات کریں"۔

ارسلان نے احمد کی تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر احمد اس مخبر کو اپنے ساتھ خیمے میں لیجانے کے لیے وہاں سے نکل گیا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد سارہ فوراً پردے کے پیچھے سے نکل آئی اور الاؤ کے پاس دوبارہ ارسلان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ ارسلان نے تھوڑی دیر تک اسے غور سے دیکھا پھر اسے مخاطب

کر کے کہنے لگا:

"سنو سارہ۔ تم تھوڑی دیر بیٹھو۔ میں سلطان کے پاس جاتا ہوں۔ اس مخبر کی اطلاع کی روشنی میں میں سلطان سے بات کر کے آؤں تو پھر تفصیل کے ساتھ تم سے بات کرتا ہوں"۔

اس کے ساتھ ہی ارسلان اٹھا اور خیمے سے باہر نکل گیا جبکہ سارہ وہیں آگ کے الاؤ کے پاس بیٹھی بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔



خیمے میں بیٹھ کر سارہ کو کافی دیر تک ارسلان کا انتظار کرنا پڑا۔ رات اب گہری ہوتی جا رہی تھی۔ کوہستانی سلسلوں کے اندر سردی عروج کو پہنچ چکی تھی۔ تیز ہوائیں خیموں کے پردوں سے ٹکرا کر عجیب طرح کی خوف زدہ کرنے والی آوازیں اور صدائیں نکال رہی تھیں۔ سارہ اسی طرح آگ الاؤ کے پاس بیٹھ کر ارسلان کا انتظار کر رہی تھی۔

اچانک ارسلان خیمے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی سارہ اپنی جگہ پر بے چین سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا:

"آپ نے اتنی دیر لگا دی۔ میں نے یہ وقت بڑی بے چینی سے گزارا ہے۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آپ نے سلطان کے ساتھ بات کر کے کیا فیصلہ کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس مہم میں بھی آپ کے ساتھ چلوں"۔

سارہ کی یہ گفتگو سن کر ارسلان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ سارہ کا ہاتھ پکڑ کر اس نے اُسے الاؤ کے پاس بٹھایا۔ پھر وہ خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا اور بڑی نرمی اور محبت سے کہنے لگا:

"سنو سارہ۔ تمہارا میرے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں سے نمٹتے ہوئے نہ جانے مجھے اور احمد کو کن حالات کا سامنا کرنا پڑے اس لیے میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھتا۔

اس سلسلے میں سلطان سے میں تفصیلی گفتگو کر کے آیا ہوں۔ میں اور احمد صبح سویرے یہاں سے

نیشاپور کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ سلطان بھی شاید کل شام تک اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے غزنی کی طرف کوچ کریں۔

تم لشکر میں ہی رہو گی۔ لشکر کی عورتیں تمہارے خیمے میں رہا کریں گی۔ غزنی پہنچ کر سلطان میری حویلی کے اندر تمہاری رہائش کا انتظام کر دیں گے۔ سلطان کے اہل خانہ میں سے کچھ خواتین اس حویلی میں تمہارے ساتھ رہیں گی تاکہ تم تنہائی محسوس نہ کرو۔

مجھے امید ہے کہ میں بھی بہت جلد نیشاپور کے نواح میں اپنے دشمنوں سے نمٹنے کے بعد غزنی پہنچ جاؤں گا"۔

ارسلان تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ پھر وہ دوبارہ سلسلۂ کلام جاری کرتے ہوئے بولا:

"سنو سارہ۔ شاید اس سے پہلے میں آج تک تمہیں یہ نہیں بتا سکا کہ بچپن ہی سے میری بہن امانہ کی نسبت احمد سے طے ہو چکی ہے۔ اب جبکہ مجھے امانہ کے ملنے کی امید ہو چکی ہے تو مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ میں امانہ کو اپنے ساتھ غزنی لاؤں گا اور یہاں اس کی شادی احمد کے ساتھ کروں گا۔ اور اپنی زندگی کے اس بڑے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا"۔

ارسلان کے اس انکشاف سے سارہ کے حسین چہرے اور خوبصورت سرخ لبوں پر مسکراہٹ اور مسرت پھیل گئی۔ پھر وہ ارسلان کو مخاطب کر کے بولی:

"میری دلی خواہش تو یہی تھی کہ میں آپ اور احمد بھائی کے ساتھ نیشاپور کی طرف جاؤں اور عملی طور پر اس مہم میں حصہ لوں لیکن اگر آپ مجھے اس مہم میں اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تو پھر میں غزنی میں آپ کا بے چینی سے انتظار کروں گی"۔

آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ وقت ضائع کیے بغیر امانہ کو لے کر غزنی پہنچیں گے۔ آپ کے آنے سے پہلے پہلے میں امانہ کی شادی کی تیاریاں مکمل کر لوں گی"۔

سارہ کی اس گفتگو کو ارسلان نے بے حد پسند کیا۔ تھوڑی دیر دونوں میاں بیوی وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر آرام کرنے کے لیے بستروں میں چلے گئے۔

دوسرے روز صبح ہی صبح منہ اندھیرے ارسلان اور احمد غوربند کے اس کوہستانی سلسلے سے نیشاپور کی طرف کوچ کر گئے۔

ایک روز سورج غروب ہوتے وقت ارسلان اور راحم اپنے اس مخبر کے ساتھ نیشاپور شہر سے باہر ایک چوراہے پر آ کر رک گئے۔ یہاں سے ایک شاہراہ سیدھی شمال کی طرف نکلتی ہوئی مرو شہر سے دریائے آمو کو پار کرتی تھی۔

دوسری جنوب کی سمت یزد شہر سے ہوتی ہوئی شیراز کی طرف جاتی تھی۔

تیسری شاہراہ کا رخ مغرب کی طرف تھا اور یہ جرجان اور رے شہر سے ہوتی ہوئی ہمدان شہر کی طرف جاتی تھی۔

اور چوتھی شاہراہ کا رخ مشرق کی طرف تھا جو ہرات سے ہوتی ہوئی غزنی کی طرف جا رہی تھی۔
اسی شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے ارسلان اور راحم نیشاپور سے باہر اس چوراہے پر پہنچے تھے۔

سورج اس وقت مشیت کے پیالوں کا زہر پی کر اشکوں کے جزیروں اور خوابوں کے ساحلوں میں یادوں کے بادبان کھولتا اور بدلتے موسموں کے تیز دھاروں کو راستہ دیتا ہوا غروب ہو رہا تھا۔

اس چوراہے پر رک کر مخبر نے ارسلان سے کہا:

"اے جاذب کے بیٹے! تم دونوں بھائی دیکھ رہے ہو کہ سورج اس وقت غروب ہو رہا ہے جس چوراہے پر اس وقت ہم کھڑے ہیں اس چوراہے سے اگر ہم شمال کی طرف جانے والی شاہراہ پر صرف دو میل آگے جائیں تو حصار نام کا وہ قصبہ آئے گا جس میں تمہاری سوتیلی ماں نے تمہاری بہن ثناء کے ساتھ قیام کر رکھا ہے۔

اس موقع پر میرا مشورہ یہ ہے کہ پہلے ہمیں یہاں کی قریبی سرائے میں چل کر کھانا کھانا چاہیے اور اس کے بعد قصبہ حصار کا رخ کرنا چاہیے۔ اتنی دیر میں سورج بھی غروب ہو جائے گا اور رات چھا جائے گی۔ رات کی تاریکی میں ہم اپنے دشمنوں کے خلاف آسانی سے حرکت میں آ سکیں گے۔"

ارسلان نے اپنے مخبر کی تجویز سے اتفاق کیا۔

اس چوراہے سے بائیں طرف وہ ایک سرائے میں داخل ہوئے۔ وہاں تینوں نے کھانا کھانے

کے بعد اپنے گھوڑوں کو سستانے اور انہیں چارے سے پیٹ بھرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد وہ سرائے سے نکلے اور شمال کی طرف جانے والی شاہراہ پر اپنے گھوڑوں کو میانہ روی کے ساتھ ہانکنے لگے۔

عشاء کے بعد وہ تینوں مرد شہر کی طرف جانے والی شاہراہ کے کنارے دائیں طرف حصار نام کے اس قصبے میں داخل ہوئے۔

شہر کے شمالی حصے کی ایک حویلی کے سامنے مخبر نے اپنے گھوڑے کو روکا اور ارسلان کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"یہی ہے وہ حویلی جس میں آپ کی بہن اور سوتیلی ماں رہ رہی ہیں۔"

رات کی تاریکی میں ارسلان نے اس حویلی اور اس کے اطراف کا جائزہ لیا۔ پھر وہ اپنے مخبر کو مخاطب کرتے ہوئے بولا:

"ہمیں اپنے گھوڑوں کو یہاں کھڑا کرنے کے بعد حویلی میں داخل ہونا پڑا تو یہ ہمارے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ ہمیں اپنے گھوڑوں سمیت اس حویلی میں داخل ہو کر اپنے دشمنوں سے نمٹنا ہوگا۔"

اس پر مخبر فوراً گھوڑے سے کود گیا۔ دیوار پھلانگ کر وہ حویلی میں داخل ہوا اور صدر دروازے کی زنجیر ہٹا کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ پھر وہ بڑی رازداری کے ساتھ ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا:

"پہلے اپنے گھوڑوں سمیت اس حویلی میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے دشمنوں سے نمٹتے ہیں۔"

ارسلان اپنے مخبر کی اس کارروائی پر خوش ہو گیا تھا۔ تینوں اپنے گھوڑوں کو حویلی کے اندر لے گئے اور حویلی کا صدر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ پھر سکونتی حصے کے قریب ایک تاریک حصے میں انہوں نے گھوڑوں کو باندھ دیا۔ اس کے بعد وہ مخبر ارسلان اور راحم کو حویلی کے بائیں حصے میں ایک کمرے کی طرف لے گیا۔

اس کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا اور اس کے اندر چھوٹی سی ایک مشعل روشن تھی جس کی مدھم روشنی میں کمرے کے اندر سوئے ہوئے دو جوانوں کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔

کمرے کے دروازے پر رک کر مخبر نے بڑی راز داری سے ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

"یہی دونوں آپ کے دشمن مرزبان اور فنا خسرو ہیں۔ اس کمرے کے سامنے والے کمرے میں آپ کی سوتیلی ماں اور بہن امانہ خواب آلودہ ہیں۔ دونوں کمروں کے درمیان بیچ کا ایک راستہ بھی ہے۔۔۔۔"

مخبر ابھی یہیں تک کہنے پایا تھا کہ ارسلان نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کرا دیا۔ پھر اپنی پیٹھ سے اپنی تلوار اور ڈھال اتار لی۔ ایک جھٹکے سے اس نے تلوار نکالی اور کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔

احمد اور مخبر بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ احمد نے احتیاطاً کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔

ارسلان نے آگے بڑھ کر کمرے میں سوئے ہوئے دونوں جوانوں کو جگانا ہی چاہا تھا کہ اس کے قدموں کی آہٹ پا کر وہ خود ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

ارسلان، احمد اور مخبر کو دیکھ کر مرزبان اور فنا خسرو دونوں بھائیوں نے بستر کے قریب ہی پڑی اپنی تلواریں اور ڈھالیں سنبھال لی تھیں۔ پھر اپنے سروں پہ آہنی خود رکھتے ہوئے وہ مستعد اور تیار ہو گئے تھے۔

ان تینوں کو اپنے کمرے میں دیکھ کر کچھ دیر کے لیے وہ بوکھلاہٹ کا شکار ضرور ہوئے تھے لیکن جلد ہی انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر ان میں سے ایک ارسلان، احمد اور مخبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

"میرا نام فنا خسرو ہے اور میرے ساتھی کا نام مرزبان ہے۔ یہ میرا سگا بھائی ہے۔ کہو تم لوگ کون ہو اور رات کی اس تاریکی میں کیوں تم تینوں نے ہمارے اس کمرے میں داخل ہونے کی جرأت کی اور کیسے تم نے حویلی کا دروازہ کھول کر اندر آنے میں کامیابی حاصل کی"۔

اس کے جواب میں ارسلان کسی بارود گھر کی طرح گرجا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے بولا:

"اس کمرے میں اطمینان کی گہری نیند سونے والو! مجھے غور سے دیکھو اور پہچاننے کی کوشش کرو۔ رات کی تاریکی میں تم سے پوچھے بغیر اس حویلی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ میں اس لیے داخل

تمہارے شوقِ ادراک پر خوابیدگی، تمہارے کردار کی رگوں میں زہر، تمہارے تدبّر کے تیشے پر ناتوانی اور تمہاری ذات میں رخنہ ڈال سکوں اور تم سے اپنے مقدر کی جنگ کروں"۔

ارسلان یہاں تک کہنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوا۔ پھر وہ طوفانی انداز میں کہتا چلا گیا:

"سنو منبر کی سربلندی کو پامال کرنے والو۔ مسجد کے وقار کو ناپاک، کلیساؤں کی بستیوں کو آباد کرنے والو۔ سنو صداقتوں کی امانت میں بددیانتی کرنے والو۔ میں تم دونوں کے لیے بربادی کا ایک ورق، ایک عنوان ہوں۔ میں تمہاری موت و مرگ کی ایک جلد ایک کتاب ہوں۔ زمانے کی زبان پتھر کی بنانے والو۔ لوگوں کی سماعتوں پر پہرے بٹھانے والو تم کیا سمجھتے تھے کہ کوئی تم سے بازپرس نہیں کرے گا۔

یاد رکھو ہر شخص کو کبھی نہ کبھی اپنے اعمال کا احتساب ضرور کرانا پڑتا ہے۔ آج رات کی تاریکی میں وقت کا احتساب تم دونوں پر وحشت کی پت جھڑ، طیش کے انگاروں، کالی خاموشیوں اور وحشی صدیوں کے رازوں کی طرح امڈ آیا ہے"۔

ارسلان کی گفتگو پر مرزبان بولا اور سودخوروں کے سے انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے نخوت سے کہنے لگا:

"سنو اجنبی۔ رات کی تاریکی میں ہمیں پہیلیاں اور بجھارتیں نہ بجھواؤ۔ کھل کر کہو تم کون ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو۔ تیری ہم سے کیا دشمنی ہے؟"

اس پر ارسلان بآوازِ بلند بولا:

"ظالم کے بچو۔ مجھے پہچاننے اور جاننے کی کوشش کرو۔ میں جرجان کا ارسلان بن جاذب ہوں، وہی ارسلان ــــ جس کے خاندان کے قتل کے تم ذمّے دار ہو۔ تم جانتے ہو کہ تم سے پہلے میں تمہارے پانچ ساتھیوں کو موت کی گہری نیند سلا چکا ہوں اور آج رات میں تم دونوں کو کاسنی رنگ کے کفن میں ڈبونے آیا ہوں"۔

ارسلان کے اس انکشاف پہ مرزبان بڑے تند و تیز لہجہ میں اسے مخاطب کر کے بولا:

"سنو جاذب کے بیٹے۔ حیرت ہے کہ ہمارے ہی کمرے میں تم ہمارے لیے ایسی زبانِ تلخ پر

استعمال کر رہے ہو اور ہمیں دھمکی دینے کے انداز میں ہم پر انکشاف کر رہے ہو کہ اس سے پہلے تم ہمارے پانچ بھائیوں کا خون کر چکے ہو۔

سنو، ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم خود چل کر ہمارے پاس آ گئے ہو۔ ہم سے ہمارے ہی کمرے میں تم بار دگروں اور شور خوردں کے لہجے میں گفتگو کر رہے ہو۔ ہم تو اس کمرے کے اندر تمہاری امیدوں کے ایوان گرا دیں گے اور جس طرح دیمک زدہ بام و در پر تیز ہوا دستک دے کر اس پر لرزہ طاری کر دیتی ہے اسی طرح ہم آندھیوں کی شدت کی طرح تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہارے زمزمۂ سیال جیسے ارادوں اور نمودِ انقلاب جیسے عزم کو خون آلود کر کے رکھ دیں گے۔

سنو جاذب کے بیٹے! اس کمرے میں تمہارے دستِ طلب، تمہارے حرفِ دعا کو تمہارے نصیب کے نایاب گدلے پانی میں ہم ڈبو دیں گے اور تمہاری سوچوں کے بوجھ کو دکھوں اور غموں کے زخموں کا شکار بنا کر رکھ دیں گے۔

سنو جاذب کے بیٹے: رات کی اس تاریکی میں ہم تم سے تمہارے ہاتھوں مرنے والے اپنے پانچوں بھائیوں کا انتقام لیں گے۔"

ارسلان نے تلوار اپنے سامنے لہراتے ہوئے کہا:

"سنو مرزبان۔ یہ تمہاری لاف زنی اور بے حقیقت امید ہے کہ تم مجھے مار ڈالو گے۔ یہ کمرہ تو میں تم دونوں بھائیوں کا قبرستان بنا کر رکھ دوں گا۔ لو دیکھو میں تم دونوں پر حملہ آور ہو رہا ہوں۔ اگر اپنا دفاع کر سکتے ہو تو کر لو۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان اپنی تلوار اور ڈھال لہراتا ہوا آگے بڑھا۔ احمد بھی اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر اس کے پہلو بہ پہلو آگے بڑھنے لگا۔ جبکہ ان کا مخبر بھی اپنی تلوار اور ڈھال پہ گرفت مضبوط کر کے دائیں پہلو سے ہوتا ہوا مرزبان اور فنا خسرو کے پشت پر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ دیکھ کر ارسلان نے اسے مخاطب کیا اور کہا:

"سنو میرے عزیز۔ تم دروازے کے پاس کھڑے ہو کر ان دونوں کی بے بسی اور لاچارگی کا تماشہ دیکھو کہ کس طرح ہم ذبح ہونے والے بیل کی سی حالت ان دونوں کی کرتے ہیں۔"

ارسلان کے الفاظ پر مخبر پیچھے ہٹا اور دروازے کے باہر خاموش کھڑا ہو کر رونما ہونے والے واقعات اور حالات کا انتظار کرنے لگا۔

ان دونوں کی طرف بڑھتے ہوئے اچانک ارسلان نے اپنے بائیں پہلو میں احمد کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہا:

"احمد میرے بھائی! تم بھی مخبر کے پاس چلے جاؤ اور دیکھو میں مرزبان اور فنا خسرو کے ساتھ کیسے نمٹتا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ یہ دونوں میرے سامنے اس تاریک کمرے میں کٹھ پتلیوں کی مانند ناچتے ہوئے اپنی موت سے بغل گیر ہوں گے۔"

ارسلان کے کہنے پر احمد بھی پیچھے ہٹ کر مخبر کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس موقع پر مرزبان نے ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

"سنو جاذب کے بیٹے! تم جو اپنے ساتھیوں کو پیچھے ہٹنے کا کہہ کر اکیلے ہم پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہے ہو تو ایسا مظاہرہ کر کے تم ہمیں مرعوب اور زیر نہیں کر سکو گے۔ اگر تم اکیلے ہم دونوں کے سامنے آتے ہو تو قسم سورج کی، سوگند آگ کی، ہم دونوں کی طرف آتے ہوئے تم نیزوں کی چمکدار نوکوں اور تباہی کی آگ کا رخ کرو گے۔

ہم خواب کی طرح اس کمرے میں تمہاری ذات، تمہارے ارادے اور تمہارے عزم کو پل بھر میں سرابِ بے حقیقت بنا کر رکھ دیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی مرزبان اور فنا خسرو دونوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔ پھر وہ دونوں بپھرے ہوئے خوک کی طرح ارسلان پر حملہ آور ہو گئے۔

ارسلان تھوڑی دیر تک جم کر ان کے خلاف لڑتا رہا۔ وہ دونوں بھی ارسلان کے حملوں سے اپنا بچاؤ کرتے رہے اور اس پر اپنی جارحیت کا مظاہرہ بھی کرتے رہے۔ اچانک ارسلان نے ان دونوں کو پچھاڑتے ہوئے مرزبان پر اس انداز سے تلوار گرائی کہ اس کی تلوار مرزبان کا شانہ چیرتی ہوئی نکل گئی۔ مرزبان موت سے بغل گیر ہو گیا۔

اس کا خاتمہ کرنے کے بعد ارسلان فنا خسرو کی طرف توجہ دینا چاہتا تھا کہ اچانک ایک خنجر باہر سے آیا اور فنا خسرو کے سینے میں اتر گیا۔ کمرے میں اس کی ایک بھیانک اور خوفناک چیخ بلند ہوئی اور

پھر وہ زمین پہ گر کر دم توڑ گیا۔

اسی لمحے ارسلان نے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ رات کی تاریکی میں ایک ہیولے کی صورت میں وہی نقاب پوش اجنبی اور ناآشنا لڑکی اسے دکھائی دی جو ہمیشہ ضرورت کے وقت اس کی مدد کیا کرتی تھی۔

پھر ارسلان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ لڑکی دروازے سے ہٹ کر اندھیروں میں روپوش ہوتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

ارسلان نیچے بیٹھا۔ اس نے فناخسرو کے سینے سے نکال کر خنجر کا جائزہ لیا۔ وہ بھاری پھل کا خنجر تھا لگتا تھا اس کا پھل زہر میں بجھایا گیا ہے جبھی تو فناخسرو اس تیزی کے ساتھ موت سے بغل گیر ہو گیا تھا۔

زہر میں بجھا ہوا وہ خنجر ارسلان نے وہیں پھینک دیا اور جب وہ اٹھ کر پیچھے کو پلٹا تو اس نے دیکھا کہ اس کمرے اور ساتھ والے کمرے کے بیچ میں جو دروازہ تھا وہاں پہ ایک عورت اور ایک جوان لڑکی کھڑی بڑی حیرت اور تعجب سے اس سارے خونی منظر کو دیکھ رہی تھیں۔

ارسلان پہچان گیا۔

وہ عورت اس کی سوتیلی ماں اور لڑکی اس کی بہن امانہ تھی۔ امانہ کو دیکھتے ہی ارسلان کے چہرے پر مسکراہٹیں بکھر گئیں۔

احمد بھی ان دونوں کو دیکھ کر بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ پھر ارسلان نے امانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا:

"امانہ۔ میری بہن! کیا تو نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں تیرا بھائی ارسلان ہوں اور وہ دائیں طرف کھڑا ہمارا عمزاد احمد ہے۔"

امانہ شاید ان دونوں کو پہلے ہی پہچان چکی تھی کیونکہ اس کے چہرے پر مسرت رقص کر رہی تھی۔ وہ دیوانہ وار ارسلان کی طرف بڑھی اور پکارنے لگی:

"میرا بھائی۔ میرے باپ کی نشانی!"

اس کے ساتھ ہی وہ بری طرح ارسلان سے لپٹ گئی۔

ارسلان نے ایک بار بھرپور شفقت اور پیار سے اس کی پیشانی اور آنکھیں اور بال چومے
ے علیحدہ کیا اور مخاطب کر کے کہنے لگا:

"دیکھ میری بہن۔ آخر وقت نے کیسی کروٹ لی ہیں نے اپنے ان دونوں دشمنوں کا خاتمہ
ا۔ اب میں تجھے لے جاؤں گا۔"

امانہ نے ارسلان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ مرے ہوئے مرزبان کی تلوار اٹھا کر اچانک
رازے کی طرف بھاگی۔ پھر اس نے وہاں کھڑی اپنی سوتیلی ماں پر ایک ایسا وار کیا کہ اس کی
اٹ کر رکھ دی۔ پھر وہ خون آلود تلوار اس نے دوبارہ مرزبان کی لاش پر پھینک دی۔

امانہ کی یہ حرکت ارسلان، احمد اور مخبر کے لیے پریشان کن اور فکرمندی کا باعث بن گئی۔ پھر
نے بڑے پیار سے امانہ سے کہا:

"امانہ۔ یہ تو نے کیا کیا۔ اپنی ماں کو تو نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

اس پر امانہ کہنے لگی:

"اے میرے بھائی، یہ ماں نہیں تھی۔ ماں کے بھیس میں ایک چڑیل اور ڈائن تھی۔ اس نے
ے ان سالوں میں کبھی بھی میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ یہ مجھے ہمیشہ طعنہ دیا کرتی تھی کہ
ٹ ارسلان بزدل اور احمق ہے جو ابھی تک اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لے سکا۔ میں اکثر
ب دیا کرتی تھی کہ سن! ایک نہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب میرا بھائی ارسلان میرے
لی تباہی اور بربادی کا انتقام ضرور لے گا۔

میں اسے یہ بھی کہا کرتی تھی کہ جب وہ دن آئے گا تو وہ تیری موت کا دن بھی ہوگا لہذا
ال محافظ کتوں کے ساتھ ساتھ میں نے خود اسے بھی ختم کر دیا ہے۔ یہ ماں نہیں تھی بلکہ ایک
ی تھی۔ ایک ابتلا تھی۔ گزشتہ کئی ماہ سے یہ مجھ پر بے پناہ مظالم اور جبر کر رہی تھی۔ یہ
کے ساتھ زبردستی میری شادی کرنا چاہتی تھی لیکن میں اسے ہمیشہ بتاتی تھی کہ میرے باپ
ا ہی میری منگنی میرے عمزاد احمد سے کر دی تھی لیکن یہ میری کسی بات کو مانتی ہی نہ تھی۔
ر کرتی تھی۔ مجھے اذیتیں دیتی تھی۔ اور مجبور کرتی تھی کہ میں اس مرنے والے مرزبان سے
اؤں۔

لہٰذا اسے میرے بھائی۔ میں نے اپنی ماں کو قتل نہیں کیا بلکہ میں نے ایک ایسی عورت کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ جو نہ صرف میرے باپ، میرے چچا بلکہ میرے خاندان کے دوسرے افراد کے قتل اور بربادی کا باعث تھی"۔

امانہ تھوڑی دیر کے لیے رکی۔ پھر اس نے ارسلان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے بولی:

"اے میرے بھائی۔ اے میرے باپ کی نشانی! میرے اثاث البیت اور اس دنیا میں میری آخری پونجی۔ ہمیں زیادہ دیر یہاں قیام نہیں کرنا چاہیے بلکہ فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیے کیونکہ اس بستی میں ان مرنے والوں کے رشتے دار اور عزیز و اقارب بہت ہیں۔ اگر کسی کو ان کے قتل اور خاتمے کا علم ہو گیا تو وہ لوگ ہمارے خلاف کے لیے ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ لہٰذا اے میرے بھائی ہماری عافیت اسی میں ہے کہ وقت ضائع کیے بغیر یہاں سے نکل چلیں"۔

امانہ کی اس تنبیہ پر ارسلان فوراً حرکت میں آیا۔ چاروں اس کمرے سے باہر آئے۔ مخبر اور احمد اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ ارسلان نے بھاگ کر حویلی کا دروازہ کھولا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ امانہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اس کے بعد وہ حویلی سے باہر نکل آئے۔ پہلے وہ اس شاہراہ پر آئے جو نیشاپور کی طرف جاتی تھی۔ پھر وہ نیشاپور سے واپس مشہد کی سے ہوتی ہوئی ہرات اور غزنی کی طرف جانے والی شاہراہ پر پہنچے اور اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑانے لگے۔



دوپہر سے ذرا دیر پہلے ایک روز ارسلان اور احمد اپنے مخبر اور امانہ کے ساتھ غزنی شہر کے مغربی حصے میں ایک حویلی کے سامنے آ کر رکے۔

مخبر نے گھوڑا روک کر ارسلان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا:

"اگر آپ اجازت دیں تو میں جا کر آرام کروں"۔

ارسلان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنی کمر سے نقدی کی ایک تھیلی کھول کر اسے تھما دی۔

نقدی لے کر مخبر وہاں سے چلا گیا۔

ارسلان نے حویلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امانہ سے کہا:

"امانہ میری بہن۔ یہ سامنے جو حویلی تم دیکھ رہی ہو اس میں احمد اور میں رہتے ہیں۔ میں اتنے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں ایک لڑکی سے شادی کر چکا ہوں جو پہلے ہندو تھی اور اس کا نام پاروتی تھا اب وہ اسلام قبول کر چکی ہے اور اس کا نام اب سارہ ہے۔ آؤ اب حویلی کے اندر چلیں۔ سارہ تمہیں دیکھ کر بے حد خوش ہو گی اور مجھے امید ہے کہ تم بھی اس سے مل کر خوشی اور مسرت کا اظہار کرو گی"۔

وہ تینوں حویلی میں داخل ہوئے۔ ابھی انہوں نے صحن کا آدھا حصہ ہی طے کیا تھا کہ اندر سے سارہ بھاگتی ہوئی باہر نکلی۔

ارسلان اور احمد دونوں نے اپنے گھوڑے روک لیے۔ سارہ کی طرف دیکھ کر امانہ بھی اپنے گھوڑے سے اتر گئی۔ پھر وہ بھاگ کر سارہ سے لپٹ گئی۔ جب اس سے جدا ہوئی تو ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی:

"میرے بھائی۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو یہی سارہ ہے"۔

اس پر ارسلان مسکراتے ہوئے سارہ سے بولا:

"سارہ یہ میری بہن امانہ ہے"۔

سارہ ایک بار پھر آگے بڑھی۔ بڑی شدت کے ساتھ اس نے امانہ کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے اس کی پیشانی، اس کے بال، اس کے گال، اس کی آنکھیں چومنا شروع کر دیں۔

ارسلان اور احمد مسکراتے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر امانہ اور سارہ علیحدہ ہوئیں اور انہوں نے ایک دوسری کا ہاتھ تھام لیا۔

ارسلان اور احمد اپنے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گئے۔ وہاں گھوڑوں کو باندھا۔ ان کے ہانے کھولے اور ان کی زینیں علیحدہ کر دیں۔ پھر ان کے آگے چارہ ڈالا اور اپنی اپنی خورجینیں اٹھا کر دونوں سارہ اور امانہ کی طرف لوٹے جو ان کے انتظار میں صحن ہی میں کھڑی تھیں۔

وہ چاروں حویلی کے اندر داخل ہوگئے۔

اسی روز ــــ

شام سے پہلے پہلے احمد اور امانہ کا نکاح پڑھا دیا گیا!



سلطان کو غزنی میں کشمیر سے واپسی کے بعد آرام کرنے کا موقع نہ ملا۔ اس لیے کہ شمالی علاقوں میں اُن کے خلاف بغاوت ہوگئی تھی۔

اس بغاوت کی ابتدا گرجستان سے ہوئی تھی۔ یہ علاقہ مرو کے جنوب مشرق میں دریائے مرغاب کے دونوں کناروں پر پھیلا ہوا تھا۔ افنشن اس امارت کا دارالخلافہ تھا جو مرو شہر سے ۵۰ میل جنوب مشرق میں تھا۔

یہاں کے حاکم اور اس کے بیٹے شاہ محمد نے سلطان کے خلاف نہ صرف بغاوت کردی تھی، بلکہ پے در پے انہوں نے سلطان کے مفادات کو نقصان پہنچانے کی بھی کوشش کی تھی۔ ان دونوں باپ بیٹے کی یہ جرأت دیکھ کر سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ غزنی سے افنشن کی طرف کوچ کیا تاکہ ان دونوں باغی سرکش باپ بیٹے کی سرکوبی کی جاسکے۔

افنشن شہر سے باہر کھلے میدانوں میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ گرجستان کے حاکم کا بیٹا شاہ محمد گرجستان کے لشکر کی سپہ سالاری کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ لگتا تھا کہ یہ لوگ کافی عرصہ پہلے سے سلطان کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے اس لیے کہ سلطان کے مقابلے کے لیے جو لشکر پہلے لائے تھے اس کی تعداد سلطان کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی۔

لیکن ــــ سلطان محمود اپنے مٹھی بھر جانبازوں کے ساتھ اپنے سے کئی گنا زیادہ لشکریوں کے ساتھ جنگ کرنے اور انہیں حسرت انگیز شکست سے دوچار کرنے کے عادی ہوچکے تھے لہٰذا یہاں بھی انہوں نے شاہ محمد کے سامنے آنے میں کوئی پس و پیش نہ کیا۔

دونوں لشکروں کے درمیان کھلے میدانوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ شاہ محمد کا خیال تھا چونکہ اس کے مقابلے میں سلطان کے لشکر کی تعداد کافی کم ہے لہٰذا وہ سلطان پر غلبہ اور فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے تو پہلے ہی حملے میں سلطان نے شاہ محمد اور اس کے لشکریوں کے پاؤں تلے سے زمین نکال کر رکھ دی۔

ایسا لگتا تھا کہ میدانِ جنگ کی طنابیں سلطان نے اپنے ہاتھوں میں لے رکھی ہوں۔ پھر انہوں نے دشمن کے پاؤں تلے سے یہ طنابیں کھینچتے ہوئے زمین ہلا کر رکھ دی تھی۔

سلطان نے اس جنگ میں تین اطراف سے حملہ کیا تھا۔ درمیانی حصے سے وہ خود آگے بڑھے۔ بائیں حصے سے انھوں نے ارسلان کو حملہ آور ہونے کا حکم دیا اور دائیں جانب سے عبداللہ طائی کو دشمن پر ضرب لگانے کی ہدایت کی۔

التون تاش کو اپنے نائب کی حیثیت سے سلطان نے اپنے ساتھ رکھا جبکہ امیر نصر کو عقبی حصے میں مقرر کیا تھا تاکہ کسی بھی ناگہانی صورت میں امیر نصر کو عقبی حصے میں پورے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

تھوڑی دیر ہی کی جنگ نے گرجستان کے شہزادے شاہ محمد کی ساری امیدوں اور آرزوؤں پر پانی پھیر کر رکھ دیا اس لیے کہ جب سامنے کی طرف سے خود سلطان محمود، بائیں طرف سے ارسلان اور دائیں طرف سے عبداللہ طائی بھیڑیوں اور بھوکے شاہینوں کی طرح اس پر حملہ آور ہوئے تو اس کے لیے لشکر کی صفیں درست رکھنا اور اپنے لشکریوں کو پسپائی سے روکنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا۔

سلطان محمود، ارسلان اور عبداللہ طائی نے اس کے لشکر پر ایسی ضربیں لگائیں کہ اس کی اگلی تمام صفیں منتشر اور درہم برہم ہو کر رہ گئیں۔ جب ان اگلی صفوں کے لشکری پسپا ہوتے ہوئے پچھلی صفوں کی طرف بھاگے تو پچھلی صفوں کی تنظیم بھی بکھر کر رہ گئی۔

ایسے موقع پر سلطان، ارسلان اور عبداللہ طائی نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی پیدا کر دی جس کے نتیجہ میں شاہ محمد کو بدترین شکست ہوئی۔

شاہ محمد کو جنگ کے میدان میں گرفتار کر لیا گیا۔ گرجستان کی بغاوت کو فرو کر دیا گیا۔ حاکم گرجستان نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔

سلطان محمود نے شاہ محمد کو کوئٹہ کے قریب مستونگ کے قلعہ میں قید کر دیا جہاں وہ چند سالوں کی اسیری کے بعد اپنی طبعی موت مر گیا۔

⊙

اب سلطان نے خضدار کی امارت کی طرف توجہ دی۔ خضدار کی یہ امارت موجودہ بلوچستان کے شمال مشرقی علاقے کے نصف حصہ پر مشتمل تھی۔

ان علاقوں کے حکمرانوں نے ترکستان کے حاکم ایلک خان سے تعاون کرتے ہوئے سلطان کے خلاف خواہ مخواہ مخاصمانہ رویہ اختیار کر لیا تھا اور ہر موقع پر انہوں نے سلطان کے مفادات کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

اس صورت حال میں سلطان اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی اور برق رفتاری سے خود خضدار کی جانب بڑھے۔ انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

خضدار کے حاکم کو جب یہ خبر ہوئی کہ سلطان نے اس کے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے اور یہ کہ سلطان سزا دیے بغیر واپس نہیں جائیں گے تو وہ صلح کا پرچم بلند کرتا ہوا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے سالانہ خراج دینے کے علاوہ کچھ ہاتھی بھی فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ کئی لاکھ بطور تاوان سلطان کو ادا کیے۔

خضدار کے حاکم نے چونکہ سلطان کی اطاعت کر لی تھی لہٰذا سلطان نے اسے معاف کر دیا۔ اس کے بعد سلطان کو غور کے علاقے کی طرف توجہ دینا پڑی۔

غور کا علاقہ ہرات کے مشرق اور جنوب مشرقی حصے پر مشتمل تھا۔ یہ علاقہ پہاڑی تھا اور بے حد دشوار گزار تھا۔ وہاں کی صرف شہری آبادی مسلمان تھی اور کوہستانی سلسلوں میں دور دور تک پھیلے ہوئے علاقوں کے اندر غیر مسلم آباد تھے۔

غور پر سلطان محمود کے والد کے دور میں قبضہ ہوا تھا۔ اب تک تو یہ علاقہ سلطان محمود کا باجگزار اور مطیع چلا آ رہا تھا لیکن اب اچانک ہی نہ جانے غور کے حاکم امیر ابن ثوری کے ذہن میں کیا آیا کہ اس نے سلطان محمود کے خلاف نہ صرف بغاوت و سرکشی اختیار کی بلکہ اس نے سلطان کے مفادات

کو بھی نقصان پہنچانا شروع کر دیا تھا۔ پھر اس کی ہمت یہاں تک بڑھی کہ اس کے علاقوں کے پاس سے جو تجارتی کارواں اور قافلے گزرتے تھے اس نے ان کو لوٹنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں سلطان نے غور کے حکمران امیر ابن ثوری پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا۔

سلطان اس علاقے پر حملہ آور ہوئے اور انہوں نے غور کے حکمران امیر ابن ثوری کو بدترین شکست دی اور پورے علاقے میں پھر سے امن و امان قائم کر دیا۔

ان مہموں سے فارغ ہو کر سلطان غزنی پہنچے اور وہاں محض چند دن ہی ان کو آرام کرنے کا موقع ملا۔



ایک روز سلطان اپنی مجلسِ عدل ختم کرنے کے بعد اپنے سالاروں اور جرنیلوں میں ارسلان، عبداللہ طائی، امیر نصر اور التون تاش کے ساتھ بیٹھے کسی اہم موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ ان کا ایک محافظ اندر داخل ہوا۔

سلطان اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ محافظ نے کہنا شروع کیا:

"سلطانِ محترم! کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کے دو قاصد حاضر ہوئے ہیں اور وقت ضائع کیے بغیر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے راجہ کی طرف سے سلطان کے لیے انتہائی ضروری پیغام لے کر آئے ہیں"۔

سلطان نے فوراً دونوں قاصدوں کو اندر لانے کے لیے کہا۔ محافظ یہ سنتے ہی سلطان کے ذاتی کمرے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کے دونوں قاصد سلطان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ جوں ہی وہ سامنے آئے، سلطان نے بڑی بے چینی سے پوچھا:

"تم راجہ رائے سنگرام کی طرف سے میرے لیے کیا خبر لائے ہو؟"

سلطان کے استفسار پر ان دونوں میں سے ایک بولا:

"سلطانِ محترم۔ ہمارے راجہ رائے سنگرام نے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی تھی اور انہوں نے نیک نیتی سے آپ کے ساتھ یہ عہد کیا تھا کہ آیندہ جنگوں میں ہند کے راجاؤں کے خلاف آپ کی مدد اور حمایت کریں گے بلکہ کشمیر میں رہ کر آپ کے مفادات کے لیے بھی کام کرتے رہیں گے۔

اپنے اس عہد کو نبھاتے ہوئے سلطانِ محترم! ہمارے راجہ نے آپ کیلئے یہ اہم پیغام دے کر ہمیں بھیجا ہے کہ آپ کے بدترین دشمن نادر بھیم پال اور اس کے باپ ترلوکن پال دونوں نے اپنے بہت بڑے لشکر کے ساتھ سرداوہ[1] کے راجہ چاندرائے کے ہاں پناہ لے رکھی ہے۔

چاندرائے، نادر بھیم پال کا سسر بھی ہے۔ فوجی اور عسکری لحاظ سے وہ ہندوستان میں بے حد اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ اس کے پاس بہترین لشکر موجود ہے۔

سلطانِ محترم! مزید خبر یہ ہے کہ نادر بھیم پال اور اس کے باپ ترلوکن پال نے سرداوہ میں قیام کے دوران اپنی سرگرمیاں اور تیز کر دی ہیں۔ ان دونوں باپ بیٹے نے ہندوستان کے دیگر راجاؤں کو بھی آپ کے خلاف ابھار کر جنگ پر آمادہ کرنا شروع کر دیا ہے جس کے نتیجے میں برن[2] کا راجہ ہردت، مہابان[3] کا راجہ رائے مل چند، قنوج کا راجہ راج پال، بورانسی[4] کا راجہ رائے چندل، کالنجر کا راجہ رائے نندہ ان کے ہم خیال ہو چکے ہیں۔

ان سب راجاؤں نے مل کر ایک بڑا لشکر تیار کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان کا لائحہ عمل یہ ہے کہ ہندوستان میں آپ کے جو مقبوضہ جات ہیں ان پر قبضہ کیا جائے۔ اس کے بعد متحدہ لشکر کے ساتھ غزنی کی طرف کوچ کیا جائے اور جس طرح سلطان نے ہندوستان کے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے، اسی طرح غزنی کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔

۱۔ موجودہ میرٹھ سے پندرہ میل دور ایک شہر
۲۔ موجودہ بلند شہر
۳۔ موجودہ بھرت پور
۴۔ موجودہ فتح پور

قاصد کے اس انکشاف پر سلطان محمود تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتے رہے۔ پھر ان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے ان دونوں قاصدوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"سنو میرے معزز اور محترم مہمانو! میں تم دونوں اور تمہارے راجہ رائے سنگرام کا شکرگزار ہوں جس نے مجھے یہ اطلاعات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا۔ میری طرف سے اپنے راجہ رائے سنگرام سے کہنا کہ وہ وقت نہیں آئے گا کہ ہندوستان کے راجا متحد ہو کر ہندوستان میں میرے مقبوضہ جات کو برباد کرتے ہوئے غزنی تک پہنچنے میں کامیاب ہوں اور اگر انھوں نے کبھی کوئی ایسا منصوبہ بنانے کی کوشش کی تو نہ صرف یہ کہ میں ان کے اس منصوبے کو خاک میں ملا دوں گا بلکہ ہر وہ لشکر جو ہندوستان میں میرے مفتوحہ علاقوں میں سے ہوتا ہوا غزنی کی طرف بڑھے گا میں اس کے پاؤں کاٹ کر رکھ دوں گا۔

اب تم میرے محافظ کے ساتھ جاؤ۔ چند دن غزنی میں رہ کر آرام کرو۔ اس کے بعد میں تم دونوں کو تمہارے راجہ اور خود تم دونوں کے لیے تحائف دے کر رخصت کر دوں گا۔"

قاصد خاموش رہے۔ سلطان کا محافظ ان دونوں کو لے کر چلا گیا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد سلطان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہے۔ پھر انھوں نے ارسلان، عبداللہ طائی، امیر نصر اور التونتاش کو مخاطب کر کے کہا:

"میرے ساتھیو، میرے رفیقو۔ میرے فرزندو! کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کے یہ دونوں قاصد جو خبریں لے کر آئے ہیں ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس پر ارسلان نے بولنے میں پہل کی اور بولا:

"سلطان محترم! ہمیں غزنی سے کوچ کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ قبل اس کے کہ ہندوستان کے سارے راجہ ایک جگہ متحد ہو کر ایک لشکر جرار تیار کریں اور اس کے بعد کسی سمت میں پیش قدمی شروع کریں، ہمیں خود غزنی سے کوچ کرنا چاہیے۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ہمیں غزنی سے جلال آباد، وہاں سے درہ خیبر، ہنڈ، منگلا، سوہدرہ، کٹھوعہ اور رادھوپور سے گزرتے ہوئے دریائے جمنا کا رخ کرنا چاہیے۔ دریائے جمنا کو عبور کرنے کے بعد ہندوستان کے جتنے بھی راجا، نادر بھیم پال اور ترلوکن پال کے کہنے پر ہمارے خلاف متحد ہوتے

ہیں ان سب کی اینٹ سے اینٹ بجا دینی چاہیے۔

سلطان محترم۔ اگر ہم نے غزنی سے کوچ کرنے میں دیر کی تو یہ ضرور ہمارے خلاف ایک اتحاد قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پھر یہ بھلے غزنی تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکیں لیکن ہم نے جو علاقے اب تک ہندوستان میں فتح کر رکھے ہیں ان کے اندر یہ اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے زور تباہی و بربادی کا باعث بنیں گے۔"

ارسلان خاموش ہوا تو سلطان مسکراتے ہوئے بولے:

"ارسلان میرے بیٹے! میں تمہاری اس تجویز سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ تم چاروں آج بلکہ ابھی سے اپنے لشکروں کے کوچ کی تیاریاں شروع کر دو۔ چند روز تک ہم غزنی سے کوچ کریں گے اور نادر بھیم پال اور ترلوکن پال کے حق میں متحد ہونے والے ہندوستان کے راجاؤں کو بتائیں گے کہ غزنی پہنچنا تو بہت دور کی بات ہے ہم انہیں گنگا اور جمنا کے دوآبے میں گھیر کر ان کے سارے اتحاد کو پاش پاش کر دیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان، عبداللہ طائی، امیر نصر اور التونتاش اس کمرے سے اٹھ کر باہر نکل گئے تاکہ کوچ کی تیاریوں کی تکمیل کر سکیں۔



ہندوستان کے راجاؤں کے ان عناصر ترتیبی کو منتشر کرنے کے لیے سلطان نے چند دن بعد غزنی سے دھول نچاتے بگولوں، اساطیری شخصیت، موت کی نگاہ، تباہ کن سیلاب، زبان برق اور طلوع سحر کی پھیلتی ہوئی تابانی کی طرح کوچ کیا۔

بڑی تیزی سے وہ غزنی سے جلال آباد، درہ خیبر اور ہنڈ سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے۔ ہنڈ سے انھوں نے چند میل مشرق کی طرف سفر کیا تو دیکھا کہ ایک لشکر سامنے پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔

سلطان کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس لیے کہ وہ امید نہیں رکھتے تھے کہ دشمن ہنڈ کے قریب آکر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گا۔

پھر انھوں نے اندازہ لگایا کہ اس لشکر کی تعداد تھوڑی سی تھی اور وہ ہندوستان کے راجاؤں

کا متحدہ لشکر نہ دکھائی دیتا تھا۔

اتنے میں اُس لشکر سے تین سوار نمودار ہوئے۔ ان میں سے دو سواروں نے اپنے ہاتھوں میں سفید پرچم تھام رکھے تھے۔ تیسرا ان کے پیچھے تھا۔

تینوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے سلطان کے لشکر کے قریب آئے تو سلطان کو اطلاع دی گئی کہ سامنے پڑاؤ کیے ہوئے جو لشکر نظر آرہا ہے یہ کسی دشمن کا نہیں بلکہ آپ کے فرمانبردار اور مطیع راجہ رائے سنگرام کا لشکر ہے۔

سلطان اس انکشاف پر بے حد خوش ہوئے۔ اتنے میں وہ تینوں سوار بھی قریب آگئے۔ ان میں سے ایک خود راجہ رائے سنگرام تھا اور دوسرے دو اُس کے محافظ تھے۔

سلطان نے اپنے لشکری بھیج کر فوراً سنگرام اور اس کے دونوں محافظوں کو اپنے پاس بلایا۔

راجہ سنگرام سلطانؒ کے قریب آکر اپنے گھوڑے سے اترا اور بڑی عاجزی اور انکساری اور فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتا ہوا سلطان سے ملا۔

سلطان نے اسے بڑی شفقت اور پیار سے مخاطب کر کے کہا:

"سنو رائے سنگرام! تم کس سلسلہ میں اپنے لشکر کے ساتھ ہنڈ کے نواح میں موجود ہو؟"

اس پہ راجہ سنگرام کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ بولا:

"سلطانِ محترم! آپ جانتے ہیں کہ میں اب آپ کا ایک ماتحت اور فرمانبردار راجہ ہوں اور میں نے عہد کر رکھا ہے کہ جب کبھی بھی آپ کسی مہم پر نکلیں گے تو آپ کا ساتھ دوں گا۔ لہٰذا مجھے جب اطلاع ملی کہ آپ ہندوستان کے راجاؤں سے نمٹنے کے لیے غزنی سے کوچ کر چکے ہیں تو میں بھی اپنے مرکزی شہر سے نکلا اور یہاں آکر خیمہ زن ہو گیا۔

مجھے امید تھی کہ آپ ضرور ہنڈ کے راستے مشرق کی طرف بڑھیں گے لہٰذا میں بھی آپ کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے پہلے سے یہاں پڑاؤ کر چکا ہوں۔"

کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کا یہ جواب سن کر سلطان بے حد خوش ہوئے اور بولے:

"سنو رائے سنگرام! تمہاری اس بات نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ ہم ضرور تمہیں اپنے لشکر میں شامل کریں گے اور مجھے امید ہے کہ تم ہمارے بہترین رفیق ثابت ہو گے ——— پر یہ تو کہو کہ یہ جو ہند

کے راجہ ہمارے خلاف متحد ہو رہے ہیں ان کی طاقت اور قوت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس پر کشمیر کا راجہ رائے سنگرام مسکرا کر کہنے لگا:

"سلطانِ محترم۔ ہندوستان کے یہ راجہ جو امن کے کھیت میں زہر بونے والے اور طوفانوں کے طائرِ سیاہ جیسے ہیں، یہ باتوں میں تو جنگل کے درختوں کی طرح طاقت ور، لائحۂ عمل بنانے میں دلدل کی جھاڑ جیسے خطرناک اور سازشیں مرتب کرنے میں ظلمات کے سفر جیسے خوفناک ہیں لیکن جب عملی طور پر انہیں کچھ کرنا پڑتا ہے تو پھر یہ کچھ نہیں کر پاتے۔

مجھے امید ہے کہ جب ہم ان کے متحدہ لشکر پر ضرب لگائیں گے تو ان کے جسم و روح کے مرکّب کو دھنکی ہوئی اون اور بکھرے پتنگوں کی طرح منتشر کر کے رکھ دیں گے۔ ہم انہیں خاک کا رزق بنا دیں گے انہیں مٹی کے ڈھیر اور داستانِ رزم والم میں تبدیل کر دیں گے۔

سلطانِ محترم! مجھے یقین ہے کہ جب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے تو ان کی بست وکشاد کی ساری قوتوں کو ہم توڑ کر رکھ دیں گے۔ ہم ان کی حالت اُن پرندوں جیسی بنا دیں گے جو اچانک کسی دھماکے کے باعث درختوں سے اڑ کر کسی محفوظ جگہ کا رُخ کرتے ہیں۔"

راجہ سنگرام خاموش ہوا تو سلطان اُسے مخاطب کر کے کہنے لگے:

"رائے سنگرام! میں تمہارے خیال سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں۔ اب تم اپنا پڑاؤ اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ مشرق کی طرف کوچ کرو۔"

سلطان کا یہ حکم سن کر رائے سنگرام فوراً اپنے محافظوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں لشکروں نے متحد ہو کر مشرق کی طرف سفر شروع کیا۔

ہنڈ کے نواح سے نکلتے ہوئے سلطان تیزی سے مشرق کی طرف بڑھے اور منگلا، سوہدرہ، گوہاٹا اور ڈھولپور سے ہوتے ہوئے سلطان اپنے لشکر کے ساتھ ضلع انبالہ کے نواح میں بوڑیا کے مقام پہ دریائے جمنا کے کنارے آن رُکے۔

بوڑیا کے اس مقام پر سلطان محمود نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کا حکم دے دیا۔ اس جگہ سے مختلف ملکوں کو چار راستے نکلتے تھے۔

ایک راستہ برن سے دریائے جمنا کے کنارے کنارے تھانیسر، دہلی اور متھرا سے ہوتا ہوا؛

مادھو پور، گوالیار، گنج باندا اور کالنجر کی طرف چلا گیا تھا۔

دوسری شاہراہ سیدھی مغرب کی طرف بٹھنڈا، فیروز پور کی طرف سے ہوتی ہوئی لاہور کی سمت جاتی تھی۔

تیسری شاہراہ برن سے نکلنے کے بعد تھانیسر سے باہر ہی باہر بیکانیر سے گزر کر صحرائے راجپوتانہ، صحرائے چولستان، عمر کوٹ، رن کچھ، کندھ کوٹ، سومنات اور اس سے بھی آگے دیول واڑھا کی طرف نکل گئی تھی۔

جبکہ چوتھی شاہراہ دریائے جمنا کو پار کرنے کے بعد میرٹھ، دہلی، قنوج سے ہوتی ہوئی کانپور کی طرف جاتی تھی۔

سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ ابھی دریائے جمنا کے کنارے بوڑیا کے مقام پر پڑاؤ کیا ہی تھا کہ انہیں ان کے مخبروں نے یہ اطلاع دی کہ جمنا کے اس پار میرٹھ سے تقریباً ۱۵ میل کے فاصلہ پر ساردا کے مقام پر ہندوؤں کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہے۔

سلطان کو جب یہ اطلاع ملی تو انھوں نے بڑی تیزی سے لکڑی کے تختوں کا پل تیار کرانے کے بعد دریائے جمنا کو اپنے لشکر کے ساتھ عبور کیا اور انتہائی تیزی اور سرعت کے ساتھ ساردا کے میدانوں کی طرف بڑھے۔

منزل پر منزل مارتے ہوئے اور راستے میں رکے بغیر سلطان اپنے لشکر کے ساتھ افق پر چھا جانے والے پارۂ ابر کی طرح میرٹھ شہر کے نواح میں ساردا کے میدانوں میں داخل ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ اُن کی آمد سے پہلے ہی دشمن اپنے پڑاؤ کو مستحکم کر چکا تھا۔

سلطان کے وہاں پہنچتے ہی دشمن کے لشکر نے سلطان کے لشکر کو پڑاؤ کا موقع فراہم کیے بغیر موت کے گہرے پانی، پشتوں کو توڑ کر نکل جانے والے سیلاب، طاقت و جبروت کے سسکتے تڑپتے الفاظ، مضمحل رُت، اداس فضا اور صحرائے آرزو کے سرابوں کی طرح مقامی راجاؤں کے لشکر نے سلطان کے لشکر پر حملہ کر دیا۔

سلطان جانتے تھے کہ دشمن انہیں اپنے لشکر کو منظم کرنے کا موقع نہ دے گا اس لیے ساردا کے میدانوں میں داخل ہوتے ہی انھوں نے فی الفور اپنے لشکر کی ترتیب درست کر لی تھی۔

حسبِ معمول انھوں نے التون تاش کو اپنے ساتھ رکھا تھا۔ ارسلان اور عبداللہ طائی کو دائیں بائیں بازوؤں پر اپنے بہترین سالاروں کی حیثیت سے استعمال کیا اور امیر نصر کو لشکر کے عقبی حصے پر مقرر کیا گیا تھا۔

کشمیر کے راجہ رام سنگرام کو اس کے لشکر سمیت سلطان نے مقدمۃ الجیش کے طور پر استعمال کیا تھا۔ تاکہ مقابل لشکر پر بُرا اثر پڑ سکے۔

مقامی راجاؤں کے لشکر نے سلطان کے وسطی حصے کے لشکر پر سب سے پہلے ضرب لگائی جس کے اندر سلطان محمود خود موجود تھے۔ دشمن کے اس حملے کو سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ وفا کی آنچ، طلب کی لگن اور عقیدتوں کی روشنی کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے روکا۔

اس کے بعد سلطان جوابی حملے پر اترے اور انھوں نے عجیب سے مجاہدانہ جذبے کے ساتھ غمِ زمانہ کی دھول، ضبط کے کرب، غمِ دہر کی تلچھٹ اور وقت کی پہنائیوں کی طرح اپنے سامنے آنے والے دشمن پر چھانا شروع کر دیا۔

جس وقت سلطان دشمن کے ساتھ جنگ میں مصروف ہوئے عین اسی وقت بائیں سمت سے ارسلان بے تاب امنگوں کے جنون اور دھواں دھار اندھیروں کے پسِ پردہ چڑھتی دھوپ کے سحر کی طرح حرکت میں آیا۔ اپنے لشکر کو چھوٹا سا ایک کاوا دیتے ہوئے وہ دشمن کے دائیں پہلو کے وسطی حصے تک آیا اور اس نے دشمن کے اس پہلو پر درد کے آنگن، سوچوں کی لہروں، اندھیری رات کی خاموشی اور مسکراتی نمودار ہوتی ہوئی سحر کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے تقدیر کی لوحوں میں ہلچل برپا کرنا شروع کر دی تھی۔

مقامی راجاؤں کا لشکر جو اپنی پوری قوت اور طاقت سے اپنے سامنے والے حصے میں سلطان پر ضرب لگانے میں مصروف تھا اس کے دائیں پہلو پر جب ارسلان نے ضربیں لگانا شروع کیں تو ان کے فہم و ادراک کی شبنم، دوپہر کی لُو میں اور ان کے خوشیوں بھرے جنگی نعرے محجوب اور زخمی آوازوں میں تبدیل ہونے لگے تھے۔

ارسلان ایک درد آشنا رفیق، ایک نفس کش ہمدم کی طرح کچھ ایسے صدق و ایثار اور وفا کے ساتھ دشمن کے پہلو پر حملہ آور رہا کہ اس نے دشمن کی ساری ہنرمندی اور ذوقِ جمال کو فتنہ گردِ دوراں میں تبدیل کرتے ہوئے دشمن پر خوف و ہراس کا ایک طوفان طاری کرنا شروع کر دیا۔

عین اس وقت سلطان کے دائیں حصے کے کماندار عبداللہ طائی نے بھی حرکت کی۔ وہ گرج میں مہیب طوفانوں کے شور اور موت کے جبڑوں کی طرح آگے بڑھا اور جھلسا دینے والی آگ، برق کی لپکتی زبان کی طرح مقامی راجاؤں کے لشکر کے بائیں پہلو پر حملہ آور ہو گیا۔

اس کا یہ حملہ ایسا زوردار اور تیز تھا کہ کوئی گریز پا دشمن بھی اس کے سامنے سے فرار نہ ہو سکا اور اس نے اپنے سامنے آنے والوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ دائیں طرف سے عبداللہ طائی دشمن کو اپنا ہدف بنائے ہوئے تھا۔ بائیں طرف سے ارسلان لمحہ بہ لمحہ بلند ہوتے ہوئے سورج کی طرح دشمن پر کاری اور خونی ضربیں لگاتا ہوا ان کے حوصلوں اور جذبوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا جبکہ سامنے کی طرف سے راجہ رائے سنگرام اپنے ہراول دستوں اور عقبی دستوں کے ساتھ امیر نصر، سلطان کے ساتھ مل کر حملے کر رہے تھے۔ اس طرح اب دشمن پر سامنے کی طرف سے بھی دباؤ بڑھ گیا تھا۔

سورج اب غروب ہونے کے لیے جھک رہا تھا اور اس کی روشنی ماند پڑ گئی تھی۔ ہر طرف ہر شے سے تاریکی تاک جھانک کرنے لگی تھی۔ میدانِ جنگ میں ہر سمت آگ کے شعلے اور دھول کے مرغولے اٹھتے دکھائی دے رہے تھے۔

یوں لگتا تھا جیسے جنگ کی وجہ سے زمین ہونک رہی ہو۔ آسمان گرج اٹھا ہو۔ اس پھیلتی تاریکی میں جنگ کی شدت اور برہمی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

مقامی راجاؤں کا خیال تھا کہ دریائے جمنا اور گنگا کے اس دوآبے میں وہ مسلمانوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیں گے اور جس طرح وہ دریائے جمنا کو پار کر کے ان کی طرف آئے ہیں اسی سے کئی گنا زیادہ تیزی کے ساتھ وہ دریائے جمنا کو پار کر کے واپس بھاگنے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن ــــ مسلمانوں کی طرف سے جنگ شدت اور لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہوئے حصار آمیز جذبوں کی وجہ سے ہندوؤں کے اس متحدہ لشکر پر مایوسی اور گھبراہٹ پھیلنی شروع ہو گئی تھی۔

عشا کے قریب سلطان کے حکم پر جب مسلمانوں نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی اور شدت پیدا کر لی تو سامنے کی طرف سے خود سلطان، کشمیر کے راجہ رائے سنگرام، التون تاش اور امیر نصر کے ساتھ، بائیں طرف سے ارسلان اور دائیں طرف سے عبداللہ طائی نے طوفانوں اور آندھیوں کی طرح

حملہ آور ہوتے ہوئے دشمن کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

اس متحدہ لشکر کی حالت ساحل سے دھتکار سے ملاح جیسی خستہ و ماندہ، لہو کی لکیروں کی داستان جیسی افسردہ اور اداس ادھوری محبت کی کہانیوں جیسی ویران ہوتی دکھائی دینے لگی تھی۔

مقامی ہندو راجاؤں کے اس متحدہ لشکر پر لمحہ بہ لمحہ اب مایوسی، تھکاوٹ اور درماندگی چھانے لگی تھی جبکہ دوسری طرف سے خود سلطان، ان کے سالاروں اور لشکریوں کی حالت مقدس ترین صحیفوں کی آیات جیسی وارفتہ و تازہ تھی۔ وہ موت تک ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے قول و قرار کرتے ہوئے جذبے شورِ جاں فروشاں کی طرح دشمن کی صفوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

اپنی اگلی صفوں کی بدترین حالت دیکھتے ہوئے پچھلی صفوں کے دشمن کے سپاہی مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے دھڑکتے دل اور کانپتے جسموں کے ساتھ پیچھے ہٹنے کی کوشش کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن کے متحدہ لشکر کے عقبی حصوں پر پہلے کی نسبت زیادہ دباؤ پڑنے لگا۔ اس کے علاوہ جب اگلی صفوں کے بچے کھچے لشکری اپنی جانیں بچا کر پیچھے ہٹنے لگے تو عقبی حصے کے لشکریوں میں بھی وبا کی طرح بزدلی اور خوف و ہراس پھیلنا شروع ہو گیا۔ اور وہ جم کر لڑنے کے بجائے فرار ہونے کے متعلق سوچنے لگے۔

عشا کے بعد سلطان نے اپنے سارے سالاروں کو پیغام بھجوا دیا کہ بلند آوازوں میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے پوری قوت اور شدت کے ساتھ حملہ کیا جائے تا کہ میدانِ جنگ سے دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیے جائیں۔

سلطان کے اس حکم پر ان کے سالاروں نے ایسا ہی کیا اور جب انھوں نے اپنے عجیب سے جذبوں اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کا عزم رکھتے ہوئے دشمن پر پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ حملے کرنا شروع کر دیے تو میرٹھ کے نواح میں سارا کے ان میدانوں میں دشمن کے لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

سلطان نے اپنے سالاروں کے ساتھ رات کی تاریکی میں بھاگتے دشمن کا تعاقب کیا۔ اکثریت کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ بہت کم لوگ بچے جو رات کی تاریکی میں اپنی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو پائے۔

اسی دوران سلطان کو ان کے مخبروں نے اطلاع دی کہ جنگ سے بھاگنے والے دشمن کے لشکری

سارداکے میدانوں کے جنوب میں ساردا نامی کے اس چھوٹے سے شہر کی طرف بھاگ رہے ہیں جہاں ایک مضبوط قلعہ ہے۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ اس قلعہ میں محصور ہو کر اپنی قوت کو بحال کر کے پھر مسلمانوں کے مقابلے پر آ جائیں۔

یہ خبر سنتے ہی سلطان نے امیر نصر کو اپنے عقبی حصے کے لشکر کے ساتھ پیچھے چھوڑا تاکہ دشمن کے پڑاؤ کی ہر شے پر قبضہ کر لے۔ خود سلطان باقی لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے دشمن کے تعاقب میں لگ گئے۔

ساتھ ہی سلطان نے ارسلان اور عبداللہ طائی کو حکم دیا کہ وہ اپنی رفتار پہلے سے تیز کر دیں اور اپنے آگے آگے بھاگتے ہوئے دشمن کے دائیں اور بائیں پہلو کے پاس سے گزرتے ہوئے اس سے آگے نکلنے کی کوشش کریں تاکہ وہ ساردا کے قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ارسلان اور عبداللہ طائی نے ایسا ہی کیا۔

جس وقت سلطان، التون تاش اور رائے سنگرام کے ہمراہ دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی پشت پر ضربیں لگاتے ہوئے اس کا قتلِ عام کر رہے تھے، اُس وقت ارسلان اور عبداللہ طائی اپنے حصے کے لشکروں کے ساتھ دشمن کے بائیں اور دائیں پہلو کے پاس سے گزرتے ہوئے ذرا آگے نکل گئے اور ساردا کے قلعے کے پاس جا کر دشمن نے جب قلعہ کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی تو ارسلان اور عبداللہ طائی نے دائیں بائیں اطراف سے ان پر حملہ آور ہوتے ہوئے انہیں قلعہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قلعہ کے باہر ایک بار پھر خوفناک جنگ ہوئی جس میں دشمن کو بدترین شکست ہوئی اور قلعہ سے باہر دشمن کے سارے سپاہیوں کا مکمل طور پر صفایا کر دیا گیا۔

اس کے بعد سلطان، ساردا کے اس قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ قلعے کی حفاظت کے لیے چھوٹا سا ایک لشکر تھا جس نے تھوڑی دیر مزاحمت کرنے کی کوشش کی لیکن سلطان نے مناسب فاصلہ پر اپنے ماہر تیر اندازوں کو بٹھایا اور قلعہ کی فصیل اور برجوں پر تیر اندازی کروائی جس کے نتیجے میں فصیل پر موجود محافظ برجوں کی دیواروں کے پیچھے چھپ گئے۔

عین اس وقت ارسلان اور عبداللہ طائی حرکت میں آئے۔ رسیوں کی سیڑھیوں کے ذریعے انھوں نے

اپنے حصے کے لشکریوں کی ہمراہی میں قلعہ کی فصیلوں پر چڑھنا شروع کر دیا۔

جونہی قلعہ کے محافظوں نے ان کو روکنے کی کوشش کی، سلطان کے تیر اندازوں کی طرف سے ان پر ایسی تیز تیر اندازی ہوئی کہ وہ دوبارہ بھاگ کر برجوں کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اسی کشمکش اور تگ و دو میں ارسلان اور عبداللہ طائی اپنے لشکروں کے ساتھ فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے اور دو مختلف سمتوں سے قلعہ کے محافظوں پر حملہ آور ہو گئے۔

ساردا کے قلعہ کی فصیلوں پر دشمن کے جس قدر محافظ تھے ان سب کا صفایا کرنے کے بعد ارسلان اور عبداللہ طائی اپنے اپنے لشکر کے ساتھ فصیل سے قلعے کے اندر اتر گئے۔ اندر بھی انھوں نے دشمن کے کچھ لشکریوں کا صفایا لمحوں کے اندر کر دیا۔ پھر انھوں نے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔

سلطان جس سمت اپنے باقی ماندہ لشکر کے ساتھ موجود تھے اس سمت کا قلعے کا دروازہ کھول کر جب ارسلان اپنے لشکریوں کے ساتھ باہر نکلا تو وہ دنگ رہ گیا۔

اس نے دیکھا قلعہ کی فصیل کے ساتھ وہی اجنبی اور ناآشنا لڑکی اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتی ہوئی آ رہی تھی۔ وہ سیاہ رنگ کے ایک توانا گھوڑے پر سوار تھی۔ آج اس نے سرخ رنگ کا بھڑکتا ہوا چمڑے کا لباس پہنا ہوا تھا۔ حسبِ معمول اس نے خود کے نقاب سے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کے بال اس کی پیٹھ پر تھے جبکہ اس کے ایک ہاتھ میں اس کی تلوار اور دوسرے ہاتھ میں چمڑے کی ایک کافی بڑی خرجین تھی۔

اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتی ہوئی وہ حسین اور ناآشنا لڑکی تیزی سے ارسلان کے قریب آئی۔ اپنی مہارت، جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا گھوڑا بھگاتے ہی بھگاتے بائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی خرجین اس نے ارسلان کی گود میں پھینکی اور پھر اپنے گھوڑے کو اسی طرح بھگاتی ہوئی اس سمت چلی گئی جدھر سلطان محمود موجود تھے۔

ارسلان بیچارہ اس لڑکی کی یوں اچانک آمد اور آندھی اور طوفان کی طرح روانگی کو دیکھتے ہوئے دنگ رہ گیا، گو اُس نے اپنی گود میں پھینکی جانے والی اس بڑی خرجین کو سنبھال لیا تھا تاہم ابھی تک وہ بڑی دور ہوتی ہوئی اس لڑکی کو دیکھے جا رہا تھا جس نے ضرورت کے ہر موقع پر اس کے کام آنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

جب وہ لڑکی سلطان کے لشکر میں جا کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تب ارسلان اپنے گھوڑے کو آہستہ آہستہ آگے بڑھاتے ہوئے اس خرجین کا جائزہ لینے لگا۔

اپنی ڈھال پیٹھ پہ باندھنے کے بعد ارسلان نے تلوار نیام میں کر لی۔ خرجین کا منہ کھولا تو اسے اس کے اندر مختلف رنگوں کے ریشمی کپڑوں کی خوبصورت اور دیدہ زیب تھیلیاں دکھائی دیں۔ ان کا منہ کھولنے والے دھاگوں کے ساتھ ریشمی کپڑوں کے مختلف رنگوں کے پھول ٹانکے گئے تھے۔ ان تھیلیوں کو چھوتے ہوئے ارسلان کے ذہن پہ عجیب سی لذت، لطف اور کیف آگیں جذبے چھانے لگے تھے۔

تھوڑی دیر تک وہ بڑے غور سے ریشمی تھیلیوں اور ان کے ساتھ ٹانکے جانے والے خوبصورت پھولوں کو دیکھتا رہا پھر اس نے اندر ہاتھ ڈال کر ان تھیلیوں کو نکالا اور باری باری ان کا منہ کھول کر ان کا جائزہ لینے لگا۔

اس نے دیکھا ایک تھیلی کے اندر پنیر تھا جس سے ابھی تک اس کی تازگی کی خوشبو آ رہی تھی۔ دوسری تھیلی میں مختلف پھل، تیسری میں خشک میوے، چوتھی میں بھنا ہوا خشک گوشت، پانچویں میں تہہ شدہ چپڑی ہوئی روٹیاں اور چھٹی میں چھوٹی سی چمڑے کی پانی کی چھاگل تھی۔

ان سب تھیلیوں کا جائزہ لیتے ہوئے ارسلان پہ عجیب سی سحر انگیز کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ پھر اس نے سب تھیلیوں کا منہ بند کر کے اسی خرجین میں ڈالا اور اسے اپنے گھوڑے کے ساتھ باندھ لیا۔ اس کے بعد وہ سلطان سے جا ملنے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

سلطان کے لشکر میں جا ملنے کے بعد ارسلان نے اپنے گھوڑے کو ادھر ادھر لے جاتے ہوئے اس لڑکی کو تلاش کرنے کی بے حد کوشش کی لیکن اس کی حیرت اور تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب وہ لڑکی اسے کہیں بھی دکھائی نہ دی۔

سلطان کے لشکر میں اب جگہ جگہ خیمے نصب ہونا شروع ہو گئے تھے لہٰذا ارسلان نے بھی اپنے لشکر کو خیمہ زن ہونے کا حکم دے دیا۔ عبداللہ طائی بھی دوسرے پہلو میں آ کر اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہونے لگا تھا۔

پڑاؤ کرنے کے بعد سلطان چند دستوں کے ساتھ قلعے میں داخل ہوئے۔ قلعہ کے لوگوں کو

جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں کے سلطان آ رہے ہیں تو انھوں نے ان کا بہترین استقبال کیا۔ جواب میں سلطان نے ان کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اس پہ بہت سے مقامی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یوں ماردا کے قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

کچھ رات گئے امیر نصر بھی میدانِ جنگ سے دشمن کے پڑاؤ کی ہر شئے سمیٹ کر سلطان کے پاس آن پہنچا۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ سے مسلمانوں کو ۳۰ ہاتھی، دس لاکھ درہم اور دوسرا بے شمار سامان مالِ غنیمت کے طور پہ ہاتھ لگا۔

ماردا کے قلعے سے باہر پڑاؤ کر کے سلطان نے اپنے لشکر کو چند یوم تک ستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔



ماردا کے قلعہ سے باہر قیام کے دوران سلطان کے مخبر دستوں نے اطلاع دی کہ برن کا راجہ ہردت عنقریب سلطان کے خلاف حرکت میں آنے والا ہے اور سلطان سے جنگ کرنے کے لیے اس نے مہابان کے راجہ رائے مل چند کو بھی ساتھ ملا لیا ہے۔

ان طلایہ گرد دستوں نے سلطان کو یہ بھی بتایا کہ دونوں راجاؤں یعنی ہردت اور مل چند کا متحدہ لشکر برن شہر کے باہر پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ اور کسی بھی وقت سلطان سے جنگ کے لیے ماردا کی طرف کوچ کر سکتا ہے۔

سلطان نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ قبل اس کے کہ دشمن ماردا کی طرف کوچ کرے وہ خود ہی دشمن کے سامنے برن شہر سے باہر جا نمودار ہوں۔

اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لیے سلطان نے فوراً اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا اور پھر بڑی برق رفتاری سے ماردا سے قلعہ برن کی طرف بڑھے۔

اپنے لشکر کے ساتھ جب برن شہر کے باہر سلطان اس جگہ پر آئے جہاں برن کے راجہ ہردت اور مہابان کے راجہ رائے مل چند نے پڑاؤ کر رکھا تھا تو دونوں راجاؤں نے سلطان کو پڑاؤ کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ جونہی سلطان اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچے، دونوں راجاؤں نے فوراً ہی اپنے متحدہ لشکر کی صفیں درست کیں۔ پھر وہ درندگی کے مظہر، خونخواری، بدمزاجی، وحشت اور اندھی ظلم کی الم ناکی، جبر کے شب رنگ دھوئیں، زار زقطار روتی رات اور دکھ کے سیاہ بادلوں کی طرح سلطان پر حملہ آور ہو گئے۔

سلطان کو شاید پہلے ہی سے دشمن سے اس حرکت کی توقع تھی لہٰذا اپنے کوچ کے دوران نوں نے اپنے لشکر کی تنظیم درست کر لی تھی۔

جونہی راجہ ہردت اور راجہ مل چند اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے، سلطان شکر نے فوراً اپنی تنظیم اختیار کرنا شروع کر دی۔ وسطی حصے میں سلطان، التون تاش اور امیر نصر شکر نے فی الفور اپنی صفیں درست کر لیں۔ بائیں پہلو پر ارسلان کا لشکر اپنی صف بندی کر چکا تھا اور طرف عبداللہ طائی نے اپنے لشکر کو استوار کر لیا تھا۔

اس کے بعد درندگی کے مظہر کے مقابلے میں سلطان سچائی کی راہ اور دکھ کے مسیحا کی طرح حرکت میں ے اور ارسلان، امیر نصر، عبداللہ طائی اور رائے سنگرام کے ساتھ دشمن پر ایک دم حملہ آور ہو گئے۔ ں نے رات کے سنسناتے صحرا، نزع کی بے صوت حکایات، صحرائے فنا کے شرربار بگولوں، درد کے ے ذرات اور محشرِ ظلمات کے عالم کی طرح دشمن پر ضربیں لگاتے ہوئے اس پر چھانا شروع کر دیا تھا۔ ان ی حملوں سے میدانِ جنگ میں ہستی اور عدم گلے ملنے لگے تھے۔ خون میں نہاتی داستانیں، آہوں کے ہنوں، شورشِ جذبات اور جان کنی کے لمحات سے گلے مل کر چیخنے چلّانے لگی تھیں۔

برن کے راجہ ہردت اور مہابان کے راجہ مل چند نے گو بڑی وحشت و درندگی کا مظاہرہ تے ہوئے جنگ کی ابتدا کی تھی پر سلطان کے جوابی حملوں نے جلد ہی ان پر واضح کر دیا کہ سلطان سے لہ کرنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے لہٰذا جونہی جنگ طول پکڑنے لگی دونوں راجاؤں کے متحدہ لشکر احالت آسیب زدہ، بحرِ فضا میں پھنسے، شب کے سہمے لمحات جیسی ہونے لگی۔

سامنے کی طرف خود سلطان، التون تاش، امیر نصر اور رائے سنگرام موجود تھے۔ انہوں نے ن پر ہولناک ضربیں لگانی شروع کیں۔ بائیں طرف سے ارسلان ان کے لیے موت کا پیغام ثابت ہو رہا ا اور دائیں طرف سے عبداللہ طائی انہیں ادھیڑ رہا تھا۔ اس کے باعث دشمن کا لشکر خاموش اور ویران ؤں میں سہمے ہوئے پرندوں جیسا ہو رہا تھا۔ ان کے کمزور جسموں میں مسلمانوں نے طوفان بھر دیے ر ان کی نیت کے فساد میں، انہوں نے الاؤ کی دہکتی ہوئی آگ کا سامان برپا کر کے رکھ دیا تھا۔ وڑی ہی دیر کی مزید جنگ کے بعد دشمن کے لشکری بزدلی کا شکار ہونے لگے۔ ان کے چہروں پر اداسی ور آنکھوں میں تھکن اترنے لگی۔ ان کی پیشانیاں عرق عرق ہونے لگیں۔ مسلمانوں نے کمالِ مہارت کا

مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں آشفتہ مزاجی اور آبلہ پائی میں مبتلا کر دیا تھا۔

دوسری طرف سلطان کے لشکری ابھی تک کھیتوں کے جوبن کی طرح تازہ دم اور ہری بھری وادیوں جیسے شاداب تھے اور بڑھ چڑھ کر دشمن پر کچھ اس انداز سے ضربیں لگا رہے تھے کہ ہر طرف انہوں نے موت کے مینار اور مرگ کے زنگار کھڑے کرنے شروع کر دیے تھے۔

جنگ جب کچھ دیر مزید جاری رہی تو دونوں راجاؤں کو یقین ہو گیا کہ سلطان کے ہاتھوں شکست ان کا مقدر بن چکی ہے۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے مہابان کا راجہ رائے مل چند اپنے لشکر کے ساتھ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا اور برن کے راجہ ہردت نے سلطان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

برن کے راجہ ہردت کو ایک گمنام مسلمان مجاہد نے زندہ گرفتار کر لیا اور جب اسے رسیوں میں جکڑ کر سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو سلطان نے بڑی گہری نگاہوں سے پہلے تو اس کا جائزہ لیا پھر اس سے پوچھا:

"تو نے اس جنگ کا انجام دیکھا۔ تیرا ساتھی مہابان کا راجہ رائے مل چند تجھے چھوڑ کر بھاگ گیا اب تو ہمارے سامنے نہتا، مجبور اور بے بس کھڑا ہے۔ کہو تم ہم سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟"

اس پر راجہ ہردت جلدی سے بولا:

"مہاراج۔ میں ہرگز آپ کے خلاف حرکت میں نہ آنا چاہتا تھا۔ ان سرزمینوں میں میری عسکری قوت کافی مضبوط خیال کی جاتی تھی۔ مجھے کچھ دوسرے راجاؤں کے علاوہ مہابان کے راجہ نے بھی اکسایا کہ مہاراج آپ کے خلاف حرکت میں آنا چاہیے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے راجہ مل چند بھی اپنے لشکر کے ساتھ میرے پاس پہنچ گیا اور مجھے اس بات پر اکسایا کہ آپ کے ساتھ جنگ کی جائے۔ فتح ہوئی تو مسلمانوں کا بے شمار مالِ غنیمت جواہرات اور ہتھیار ہاتھ لگیں گے۔

میں نے غلطی کی کہ دوسرے راجاؤں کے اکسانے پر آپ کے خلاف حرکت میں آیا۔ اس کے لیے میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر مجھے معاف کر دیا جائے گا تو آنے والے دور میں جب تک میں زندہ رہوں گا آپ کا مطیع اور فرمانبردار بن کر رہوں گا۔"

راجہ ہردت کی چرب زبانی سے سلطان خاصے متاثر ہو گئے لہٰذا انہوں نے اس کے اور اس کے لشکر کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا۔

برن کا راجہ ہردت سلطان کے ہاتھوں اپنی حیران کُن شکست اور پھر سلطان کے حسنِ سلوک، بہادری، دلیری، شرافت اور دیانت سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے دس ہزار لشکریوں کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

راجہ ہردت کے اس فیصلے سے سلطان اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے نہ صرف اس کی حکمرانی پر اسے بحال کر دیا بلکہ جنگ میں راجہ ہردت کا جس قدر نقصان ہوا تھا وہ پورا کرنے کے ساتھ ساتھ مزید مالی امداد بھی کی۔

دوسری طرف مہابان کا راجہ مل چند چونکہ میدانِ جنگ سے بھاگ گیا تھا اور اسی نے راجہ ہردت کو جنگ پر اکسایا تھا لہٰذا سلطان نے فیصلہ کیا کہ راجہ مل چند کو ضرور اس کے غلیظ عزائم اور ارادوں کی سزا دی جائے گی۔

لہٰذا سلطان نے ارسلان کو حکم دیا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ مہابان کے راجہ رائے مل چند کا فوری تعاقب کرے جبکہ خود سلطان نے بھی دیگر لشکر کے ساتھ ارسلان کے پیچھے پیچھے راجہ مل چند کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا۔



اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا ارسلان اپنے لشکر کے پڑاؤ کے اس حصے میں آیا جہاں خیمے نصب کیے جا چکے تھے۔

اس نے اپنے گھوڑے کو ایک خیمے کے آگے روکا اور بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔ سارہ اور امانہ خیمے کے وسط میں جلتے چھوٹے سے الاؤ کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

سردی کا موسم شروع ہو چکا تھا لہٰذا شام ہوتے ہی خنکی بڑھنے لگی تھی۔ جونہی ارسلان خیمے کے اندر داخل ہوا، سارہ اور امانہ دونوں کھڑی ہو گئیں۔ پھر سارہ نے بڑی بے چینی اور بے تابی سے ارسلان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا:

"خیریت تو ہے۔ احمد کہاں ہے؟"

ارسلان نے بڑے پیار اور نرمی سے کہا:

"سب خیریت ہے۔ تمہیں خبر تو ہو گئی ہو گی کہ برن کے راجہ ہردت اور مہابان کے راجہ رائے مل چند کو ہمارے ہاتھوں بدترین شکست ہوئی ہے اور اس کے نتیجے میں جو سب سے اچھی خبر سننے میں آئی وہ یہ ہے کہ برن کے راجہ ہردت نے اپنے دس ہزار لشکریوں کے ساتھ اسلام قبول کر لیا ہے اور ہندوستان کی سرزمین میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑا معرکہ اور انقلاب ہے کہ یک وقت اتنے لوگوں نے ہمارا دین قبول کر لیا ہے۔

اس جنگ پر راجہ ہردت کو اکسانے والا مہابان کا راجہ رائے مل چند ہے جو شکست سے تھوڑی دیر پہلے اپنے لشکر سمیت مہابان کی طرف بھاگ گیا تھا۔ چونکہ جنگ کی اصل جڑ وہی ہے لہٰذا سلطان نے مجھے اس کا تعاقب کرنے کا حکم دیا ہے۔

"میں تم دونوں سے یہ کہنے آیا ہوں کہ میں اپنے لشکر کے ساتھ مہابان کے راجہ رائے مل چند کے تعاقب میں جا رہا ہوں۔ احمد میرے ساتھ نہیں جا رہا۔ تم دونوں کی دیکھ بھال کے لیے میں اُسے یہیں چھوڑے جا رہا ہوں۔"

ارسلان کے خاموش ہونے پہ سارہ بڑی چاہتوں بھری آواز میں پیار سے بولی:

"اگر آپ کہیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟"

اس پر ارسلان مسکراتے ہوئے کہنے لگا:

"میں ضرور تمہیں ساتھ لے جاتا پر ایسا کرنے پہ امانہ خیمہ میں اکیلی رہ جائے گی اور تمہاری غیر موجودگی میں اس کا دل نہیں لگے گا۔

پھر یہ بھاگم بھاگ کا ایک تعاقب ہو گا۔ کہیں بھی آرام کرنے یا سستانے کا موقع نہیں ملے گا۔ لہٰذا میں تمہیں اس دشواری اور صعوبت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ تم دونوں یہیں رہو۔ تھوڑی دیر تک احمد بھی آ جائے گا۔

میرے خیال میں لشکر کو تھوڑی دیر تک سستانے اور کھانا کھانے کا موقع دے کر سلطان بھی کوچ کریں گے اور میرے پیچھے پیچھے راجہ مل چند کے تعاقب میں چل پڑیں گے اس لیے میں اب جاتا ہوں۔ تم

دونوں بیٹھ کر باتیں کرو۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان مڑا اور خیمے سے نکل گیا۔ اپنے لشکر کو اس نے علیحدہ کیا اور فوراً ہی راجہ رائے مل چند کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔



رائے مل چند کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ سلطان نے اپنے جرنیل ارسلان کو اس کے تعاقب میں لگا دیا ہے لہٰذا بڑی ہوشیاری اور فہم و فراست کا ثبوت دیتے ہوئے اس نے دریائے جمنا کو عبور کرنے کے بعد دہلی کا رخ کیا اور دہلی کے حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملاتے ہوئے انہیں یہ خوف دلایا کہ میں جنگ میں شکست اٹھانے کے بعد بھاگ رہا ہوں۔ مسلمانوں کا ایک جرنیل میرے تعاقب میں ہے لہٰذا تم لوگ اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرو تاکہ وہ میرا تعاقب کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس نے انہیں اس بات سے بھی خوف دلایا کہ اگر یہ تعاقب کامیاب رہا تو مسلمان مجھ سے نمٹنے کے بعد ضرور تم لوگوں کا رُخ کریں گے اور میری طرح تمہیں بھی تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گے۔

دہلی کے حکمرانوں کے بعد جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے یہی بات رائے مل چند نے ریواڑی اور الور کے حکمرانوں سے بھی کہی اور خود جنوب میں اپنے مرکزی شہر مہابان کی طرف بھاگا۔

اپنے تیز رفتار قاصدوں کو اس نے مہابان بھجوایا اور وہاں سے مزید کمک طلب کی۔ پھر الور سے جو راستہ مہابان کی طرف جاتا تھا اس راستے پر ایک گھنا جنگل پڑتا تھا۔ اس جنگل کے اندر اس نے شاہراہ کے دونوں جانب اپنے لشکر کو پھیلا دیا۔ اسی دوران اسے مہابان سے بھی مزید کمک مل گئی لہٰذا اس کے لشکر کی تعداد پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی۔

اب اسے یقین ہو گیا کہ اگر مسلمانوں نے اس جنگل تک اس کا تعاقب کیا تو وہ انہیں گھیر کر ان کا مکمل طور پر صفایا کر دے گا۔

اپنے یہ انتظامات مکمل کرنے کے بعد رائے مل چند بڑی بے چینی سے ارسلان کا انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف ارسلان نے بھی بڑی تیزی اور برق رفتاری سے اس کا تعاقب کیا۔ دریائے جمنا کو عبور کرنے کے بعد جب وہ دہلی کے قریب پہنچا تو دہلی کے حکمران اپنے لشکر کے ساتھ اس کی راہ روک کر کھڑے ہو گئے

یہاں ایک گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں ارسلان نے دہلی کے حکمرانوں کو ادھیڑ اور ہلا کے رکھ دیا اس نے انہیں بدترین شکست دی۔

اس کے جواب میں دہلی کے حکمران شہر میں محصور ہو گئے اور ارسلان اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ دشمن کے پڑاؤ پر قبضہ کرنے لگا۔

دوسری طرف سلطان کے طلایہ گردستوں نے سلطان کو یہ خبر دی کہ دہلی کے حکمران ارسلان سے ٹکرا گئے ہیں لہٰذا سلطان نے برق رفتاری سے دہلی کی طرف کوچ کیا۔

دریائے جمنا کو عبور کرنے کے بعد وہ دہلی کے نواح میں ارسلان سے آن ملے۔ اس وقت ارسلان دشمن کو شکست دینے کے بعد اس کے پڑاؤ پر قبضہ کر چکا تھا۔ سلطان کے پہنچ جانے پر متحدہ لشکر نے دہلی پر حملہ کیا اور اسے بغیر کسی مزاحمت کے فتح کر لیا۔

دہلی کی فتح کے بعد سلطان کے متحدہ لشکر نے جنوب کی طرف پیش قدمی کی۔ مہابان کے جنگلوں تک پہنچنے سے پہلے دہلی کے بعد سلطان نے ریواڑی اور اس کے بعد الور کے حکمرانوں کو بھی شکست دے کر دونوں شہروں کو فتح کر لیا۔

اس کے بعد وہ مہابان کے جنگلوں کے باہر آ کر رک گئے اس لیے کہ سلطان کے مخبروں نے انہیں یہ اطلاع کر دی تھی کہ مہابان کا راجہ مل چند اپنے لشکر کے ساتھ انہی جنگلوں میں گھات لگائے بیٹھا ہے۔ انہوں نے سلطان کو یہ بھی بتایا کہ مل چند کو اس کے مرکزی شہر مہابان سے کمک اور رسد بھی مل چکی ہے۔

مل چند پر آخری ضرب لگانے سے پہلے سلطان نے ان جنگلوں سے باہر ایک چوراہے کے قریب اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا تاکہ لشکریوں کو سستانے کا موقع مل سکے اور وہ راجہ مل چند پر حملہ کرنے سے پہلے اپنے سالاروں اور جرنیلوں سے مشورہ بھی کر لیں۔

اس چوراہے سے مختلف سمتوں کو شاہراہیں نکلتی تھیں۔ ایک شاہراہ جنوب مغربی سمت جاتی ہوئی باری شہر سے گزر کر دریائے چنبل کے کنارے کنارے چنبل شہر کو جاتی تھی۔

دوسری شاہراہ مشرق کی طرف دریائے جمنا کو پار کر کے دھولپور اور پھر دریائے گنگا کے اُس پار قنوج کی طرف چلی گئی تھی۔

تیسری شاہراہ سیدھی جنوب میں کنج شہر سے گزر کر کالنجر کی طرف چلی گئی تھی جبکہ چوتھی شاہراہ

دہی تھی جس پر سلطان اپنے لشکر کے ساتھ دہلی، ریواڑی اور الور سے ہوتے ہوئے اِس مقام پر پہنچے تھے۔

اس جگہ سلطان نے دو دن اپنے لشکر کو سستانے کا موقع فراہم کیا۔ اس دوران انھوں نے ارسلان، عبداللہ طائی، التون تاش، امیر نصیر اور رائے سنگرام سے صلاح مشورہ بھی مکمل کر لیا۔ پھر انھوں نے مہابان کے راجہ مل چند پر فیصلہ کن ضرب لگانے کا فیصلہ کر لیا جو قریبی جنگلوں میں اپنے لشکر کے ساتھ گھات میں بیٹھ چکا تھا۔

اسی دوران سلطان نے اپنے طلایہ گردستے جنگل کی طرف روانہ کر دیے تاکہ مہابان کے راجہ مل چند کے متعلق معلومات حاصل کریں۔

یہ طلایہ گردستے جنگل میں ادھر اُدھر پھیل گئے۔ چند ہی دنوں کے بعد انھوں نے سلطان کو یہ خبر دی کہ راجہ کو اس کے مرکزی شہر مہابان سے برابر رسد اور کمک فراہم ہو رہی ہے اور اب اس کے لشکر میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔

ان طلایہ گردستوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ وہ شاہراہ جو اس جنگل میں سے ہو کر مہابان کی طرف جاتی ہے اس شاہراہ پر دونوں جانب راجہ نے اپنے دستوں کو گھات میں بٹھا دیا ہے تاکہ جب سلطان کا لشکر اس شاہراہ سے گزر کر مہابان شہر کا رُخ کرے تو وہ اپنی گھاتوں سے نکل کر دو طرفہ حملہ کر کے مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچائے۔

ان طلایہ گردستوں کی فراہم کردہ اطلاعات کی روشنی میں سلطان نے پھر اپنے جرنیلوں اور سالاروں کا اجلاس طلب کیا۔

جب سب لوگ سلطان کے خیمے میں جمع ہو گئے تو سلطان نے ان کو ان اطلاعات سے باخبر کیا جو طلایہ گردستوں نے فراہم کی تھیں۔ پھر انھوں نے سوال کیا کہ:

'مہابان کے راجہ سے نمٹنے کے لیے ہمیں کیا طریقۂ کار استعمال کرنا چاہیے؟'

اس سوال پر کشمیر کا راجہ رائے سنگرام بولا:

'سلطانِ محترم۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں آج اور ابھی اپنے اس پڑاؤ کو ختم کر کے کوچ کرنا چاہیے اور اس شاہراہ کو چھوڑ کر دریائے جمنا کی طرف جانا چاہیے۔ جمنا کے کنارے کنارے سے جنگل کو عبور کرنے کے بعد

ہمیں راجہ مل چند کے مرکزی شہر مہابان کا رُخ کرنا چاہیے۔

اس طرح راجہ مل چند جنگل کے اندر گھات لگائے بیٹھا رہے گا اور ہم خاموشی سے اس کے مرکزی شہر کو فتح کر لیں گے۔ جب اسے مہابان شہر پر ہمارے قبضے کی خبر ہو گی تو وہ ضرور جنگل سے نکلے گا اور جونہی وہ باہر آئے گا ہم اس پر ایسی کاری ضرب لگائیں گے کہ اس کی کمر ہمیشہ کے لیے توڑ کر رکھ دیں گے۔"

کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کی اس تجویز پر سلطان نے تھوڑی دیر غور کیا۔ پھر انہوں نے ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

"اے میرے فرزند۔ تیرا رائے سنگرام کی اس تجویز کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

سلطان کے استفسار پر ارسلان سنبھلا اور پھر بولا:

"سلطانِ محترم۔ راجہ رائے سنگرام کی تجویز بہت عمدہ ہے۔ لیکن اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے ہمیں جو نقصانات ہو سکتے ہیں ان پر بھی غور کر لینا مناسب ہو گا۔

اس تجویز کے مطابق عمل کرتے ہوئے ہمیں یہ فائدہ ہو گا کہ ہم اپنے لشکر کو بحفاظت نکال کر لے جائیں گے اور راجہ مل چند گھات میں ہی بیٹھا رہ جائے گا لیکن اس کا منفی اور نقصان دہ پہلو یہ ہے کہ جمنا کے کنارے کنارے جنگل کو عبور کرنے کے بعد جب ہم مہابان شہر کا رُخ کریں گے تو اس پر قبضہ کرنے کے لیے ہمیں شہر کا محاصرہ کرنا پڑے گا جس کی وجہ سے ہمارے لیے دشواریاں اور پریشانیاں اٹھ کھڑی ہوں گی۔ اس لیے کہ سامنے کی طرف سے ہمیں شہر مہابان کے محافظ لشکر کا مقابلہ کرنا ہو گا اور پشت کی طرف سے راجہ رائے مل چند جنگل سے نکل کر ہم پر ٹوٹ پڑے گا اس لیے کہ اس نے بھی جنگل اور شہر کے درمیان اپنے جاسوس پھیلا رکھے ہوں گے جو لمحوں کے اندر اُس تک یہ خبر پہنچا دیں گے کہ مسلمان جمنا کے کنارے کنارے ہوتے ہوئے اس کے مرکزی شہر مہابان تک پہنچ گئے ہیں اور پھر اس دو طرفہ حملہ سے ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان بھی ہو سکتا ہے۔

اور اگر فرضِ محال ہم بخیر و عافیت جا کر مہابان شہر کا محاصرہ کر بھی لیں اور راجہ کو اس کی خبر نہ ہو اور وہ جنگل کے اندر ہی گھات میں بیٹھا رہے تب بھی ہمیں یہ کوفت تو ہو گی کہ مہابان کو فتح کر لینے کے بعد بھی راجہ مل چند ویسے کا ویسا جنگل کے اندر گھات میں رہے گا۔ اس سے نمٹنے اور اسے سزا دینے کے لیے

ر بھی ہمیں جنگل کے اندر داخل ہونا ہی پڑے گا۔

لہٰذا کیوں نہ ایسا طریق کار اختیار کیا جائے کہ پہلے راجہ مل چند پر ضرب لگاتے ہوئے اس کی ت اور قوت کا خاتمہ کیا جائے پھر آگے بڑھ کر اس کے مرکزی شہر مہابان پر قبضہ کیا جائے۔"

ارسلان خاموش ہوا تو سلطان نے اسے مخاطب کر کے کہا:

"سنو ارسلان میرے بیٹے! تمہاری یہ تجویز اور مشورہ انتہائی معقول ہے۔ میں تمہارے کہنے کا لب سمجھ گیا ہوں لیکن کیا ان امور سے نمٹنے کے لیے تمہارے پاس کوئی بہتر تجویز ہے؟"

سلطان کے اس استفسار پر ارسلان نے تھوڑی دیر کے لیے گردن جھکا کر کچھ سوچا۔ پھر اس نے اٹھایا اور کہنے لگا:

"سلطانِ محترم۔ میرے ذہن میں ایک تجویز ہے اور میرا خیال ہے اس پر عمل کرتے ہوئے ہم آسانی سے ہ رائے مل چند کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

وہ اس طرح کہ ہم جنگل میں داخل ہوں اور راجہ اور اس کے لشکریوں کو ہانکتے ہوئے دریائے جمنا کی نے لے جائیں اور وہاں ان کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیں۔ اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنے ر کو تین حصوں میں تقسیم کرنا ہو گا۔ دو حصے چھوٹے اور ایک حصہ بڑا۔ چھوٹے حصوں میں سے ایک حصہ جنگل اس طرف متعین کرنا چاہیے جس سمت ہم نے پڑاؤ کر رکھا ہے۔ دوسرا چھوٹا حصہ دریائے جمنا کے بالکل لف سمت میں مقرر کرنا چاہیے اور اس حصے کا کام یہ ہو گا کہ یہ یلغار کرتا ہوا دریائے جمنا کی طرف ے گا۔ تیسرا بڑا حصہ جنگل کے باہر ہی باہر سے لمبا کاوا کاٹتے ہوئے جنگل کے پار اُس سمت جائے گا سمت میں مہابان شہر واقع ہے۔ اور اس شاہراہ پر نگرانی رکھے گا جو مہابان سے جنگل کی طرف آ رہی ہے۔ اس بڑے حصے کے مزید دو حصے کیے جائیں۔ ایک حصہ شہر مہابان کی نگرانی کرے گا تاکہ اس ت سے اگر کوئی کمک یا رسد آئے تو اس کا خاتمہ کر دے۔ دوسرا حصہ عام جنگ میں حصہ لے گا۔

اپنے کام کی ابتدا میں ہم یوں کریں گے کہ جب لشکر کے تینوں حصے اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ جائیں تو سے طلایہ گرد دستے ہر حصے کے درمیان خبریں پہنچانے کا کام سرانجام دیں گے اور انہی کی اطلاعات اور ہرکارہ خبروں کے مطابق ہم ایک ساتھ حملہ کریں گے۔

جس طرح جانوروں کو ہانکا جاتا ہے اسی طرح ہم جنگل میں آگے بڑھتے ہوئے راجہ مل چند کے لشکر کو

ہانکتے ہوئے مشرق کی سمت دریائے جمنا کی طرف لے جائیں گے۔

اب دو صورتیں ہمارے سامنے ہیں:

اوّل یہ کہ جنگل کے اندر راجہ رائے مل چند جب ہمارے ساتھ جنگ کرے تو ایسی صورت میں اس پر تین اطراف سے ہم حملہ آور ہو کر لمحوں کے اندر اسے پیس کر رکھ دیں۔

اگر اسے یہ خبر ہو جاتی ہے کہ ہم تین اطراف سے اس کا گھیراؤ کیے ہوئے اس کا ہنکارہ کر رہے ہیں اور اس نے ایسی صورت میں بھاگنے کی کوشش کی تو ہم نے تین اطراف سے تو اسے پہلے ہی محصور کر رکھا ہو گا، اب اگر وہ چوتھی طرف بھاگتا ہے تو سامنے دریائے جمنا ہو گا اور تین اطراف سے ہم اس کے تعاقب میں ہوں گے۔

ایسی صورت حال میں اس کے لشکریوں کی کچھ تعداد تو ہمارے ہاتھوں ختم ہو جائے گی اور جو بھاگنے کی کوشش کریں گے وہ دریائے جمنا میں ڈوب مریں گے۔

بس! میرے ذہن میں تو یہی ترکیب ہے۔ اس پر عمل کرتے ہوئے ہم راجہ رائے مل چند کو نہ صرف جنگل سے باہر نکال سکتے ہیں بلکہ اس کا خاتمہ بھی کر سکتے ہیں۔"

ارسلان خاموش ہوا تو راجہ رائے سنگرام نے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلطان محمود سے عرض کیا:

"سلطانِ محترم! ارسلان کی تجویز نہ صرف یہ کہ قابلِ عمل ہے بلکہ یہ میری تجویز سے بہتر اور زیادہ مؤثر بھی ہے۔ لہٰذا دریائے جمنا کے کنارے کنارے مہابان کا رُخ کرنے کے بجائے ہمیں جنگل کے اندر رائے مل چند کا ہنکارہ کر کے پہلے اس کا خاتمہ کرنا چاہیے پھر اس کے مرکزی شہر مہابان کا رُخ کرنا چاہیے۔ یہی بہتر راستہ ہے"۔

کشمیر کا راجہ رائے سنگرام خاموش ہوا تو باری باری عبداللہ طائیؒ، التون تاش اور امیر نصر اور دوسرے چھوٹے سالاروں نے بھی ارسلان کی تجویز کی تائید کی۔

سلطان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ خوش کن آواز میں اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے فیصلہ کن انداز میں بولے:

"سنو میرے رفیقو! میرے ساتھیو! ارسلان کی تجویز واقعی بہترین اور قابلِ عمل ہے۔ اس طرح

ہم نہ صرف یہ کہ راجہ رائے مل چند کو اپنے سامنے زیر کر سکتے ہیں بلکہ بڑی آسانی سے اس کے مرکزی شہر مہابان پر بھی قبضہ کر سکتے ہیں لہٰذا آج ہی ہم اس تجویز پر عمل شروع کریں گے۔ لشکر کو تین حصوں میں کچھ اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے کہ لشکر کے ایک حصے کے ساتھ ہم خود اور امیر نصر اسی سمت رہیں گے جس طرف ہم نے پڑاؤ کر رکھا ہے۔ لشکر کی رسد اور خوراک کا ذخیرہ اور لشکر میں شامل جس قدر عورتیں ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ رہیں گی۔

لشکر کا دوسرا حصہ عبداللہ طائیؒ کی سرکردگی میں کام کرے گا اور راجہ رائے سنگرام بھی اس کے ساتھ رہیں گے۔ لشکر کا یہ حصہ دریائے جمنا کی مخالف سمت سے اپنے کام کی ابتدا کرے گا۔

لشکر کا تیسرا اور بڑا حصہ ارسلان کی کمان داری میں رہے گا اور التون تاش اس کے نائب کے طور پر کام کرے گا۔

اپنے لشکر کے ساتھ ارسلان جنگل کے مغربی حصے سے کاوا کاٹتا ہوا اس شاہراہ کی طرف چلا جائے گا جو جنگل سے گزر کر رائے مل چند کے مرکزی شہر مہابان کو جاتی ہے۔ جب اس سارے کام کی تکمیل ہو جائے گی تو ہمارے طلایہ گرد دستے اس تکمیل کی تینوں حصوں کو خبر کر دیں گے۔ اس کے بعد جنگل کے اندر ہم ہانکا کا کام شروع کر دیں گے۔ اور راجہ اور اس کے لشکریوں کو ہانک کر دریائے جمنا کی طرف لے جائیں گے۔

مجھے امید ہے کہ دریائے جمنا کے کنارے ہمارے اور راجہ رائے مل چند کے درمیان گھمسان کا رن پڑے گا۔ ہم نے چونکہ تین اطراف سے پہلے ہی رائے مل چند کو محصور کر رکھا ہو گا لہٰذا یہ جنگ طول نہیں پکڑے گی بلکہ ہم بہت جلد راجہ کے لشکر کا خاتمہ کر کے رکھ دیں گے۔

اے میرے رفیقو! تم سب لوگ اٹھو اور اپنے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کی تیاری کرو تاکہ کام کی ابتدا کی جا سکے"۔

اس کے ساتھ ہی سارے سالار اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باری باری سلطان کے خیمے سے نکل گئے۔

○

سلطان کے خیمے سے نکل کر ارسلان جب اپنے خیمے میں آیا تو وہاں سارہ، امانہ اور احمد اس کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ ارسلان آگے بڑھا اور سارہ کے قریب جا بیٹھا تو سارہ نے بڑے پیار اور محبت سے بھری آواز میں اس سے پوچھا:

"سلطان نے جو مشاورت کی یہ مجلس طلب کی تھی اس میں راجے مل چند پر قابو پانے کے لیے کیا فیصلہ کیا گیا ہے؟"

ارسلان اپنے سامنے آگ کے چھوٹے سے الاؤ پر اپنے ہاتھ پھیلاتا ہوا بولا:

"فیصلہ یہ ہوا ہے کہ آج ہی یہاں سے کوچ کیا جائے گا۔ راجہ راجے مل چند جنگل کے اندر گھات لگا کر بیٹھا ہوا ہے۔ تین اطراف سے اس کا محاصرہ کر کے جنگل کے اندر اسے ہانکتے ہوئے دریائے جمنا کی طرف لے جایا جائے گا۔

جس سمت ہم نے پڑاؤ کر رکھا ہے اس سمت خود سلطان اور امیر نصر رہیں گے۔ دریائے جمنا کی مخالف سمت عبداللہ طائی اور کشمیر کا راجہ رائے سنگرام ہوں گے اور میں التون تاش کے ساتھ جنگل کی مخالف سمت رہوں گا۔

اس طرح بیک وقت جنگل کے اندر دشمن کا ہنکارہ کیا جائے گا اور اسے گھیر کر ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

ارسلان یہیں تک کہہ پایا تھا کہ سارہ نے چونک کر پوچھا:

"لشکر کے اندر شامل عورتیں، خوراک اور ہتھیاروں کا جو ذخیرہ ہے وہ کس سمت اور کس کے ساتھ رکھا جائے گا؟"

ارسلان نے گہری نظروں سے اسے دیکھا اور جواب دیا:

"لشکر میں شامل تمام عورتیں، خوراک اور ہتھیاروں کا ذخیرہ اس سمت رہے گا جس سمت خود سلطان ہوں گے۔"

اس پر سارہ نے پھر پوچھا:

"کیا میں اور سارہ آپ کے لشکر میں شامل نہ ہو سکیں گی؟"

اس پر ارسلان اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا:

"یہ جنگ بڑی دشوار اور کٹھن ہوگی۔ اس لیے کہ ہمیں کہیں پڑاؤ کرنے کا موقع نہ ملے گا بلکہ جنگل کے اندر لگاتار آگے بڑھتے ہوئے راجہ مل چند کے لشکر کو جمنا کی طرف دھکیلنا ہوگا لہٰذا تمہارا اور امانہ کا میرے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ تم دونوں دوسری عورتوں کے ساتھ سلطان کے لشکر کے ساتھ رہو گی۔"

اسی وقت ان چاروں کا کھانا آ گیا اور وہ چاروں خیمہ کے اندر جلتے ہوئے آگ کے اس چھوٹے سے الاؤ کے پاس بیٹھ کر کھانا کھانے لگے:

سورج دن بھر کی مشقت کے بعد اپنی مغربی فناگاہوں میں غروب ہو رہا تھا۔ وقت کی گردش میں اجاڑ اجاڑ رات، شب کے سنسناتے صحراؤں کی طرح اداس شام کے پس منظر میں ہر شے سے تاک جھانک کرنے لگی تھی۔ سنگ سنگ اڑتے بادلوں کی طرح طائرانِ بے آشیاں سرد ٹھٹھری شب کی گھمبیر سیاہیوں اندھیاری راتوں کی پرچھائیوں اور غم کی بے نور گزرگاہوں سے بچنے کے لیے سنسان فضاؤں میں شب و روز کے طلسم کی طرح کسی پناہ گاہ کی تلاش میں ادھر ادھر سرگرداں تھے۔

زرد رُتوں سے ڈھکی کالے کوسوں کی پُرہول خزاں کی شام ہر سمت، ہر طرف چیخنے چلّانے لگی تھی۔ آکاش کے کنارے ہر شے دھواں دھواں گھُر گھُر اور غبار غبار ہونے لگی تھی۔ بوجھ سے دبی آوازوں کی طرح ہر سمت ایک الم ناک گھٹن تھی۔

تیزی سے پھیلتی موت کی تاریکیوں اور خوفناک خاموشیوں کے اندر ہر شے شبابِ صبح کے جلال کی حرارت کا انتظار کرنے لگی تھی۔

ایسے میں سلطان کے لشکر کے اندر حرکت اور ہلچل برپا ہوئی۔ سلطان نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ وہیں قیام کیے رکھا جہاں ان کا پڑاؤ تھا جبکہ ارسلان اور عبداللہ طائی اپنے اپنے لشکروں کو لے کر اپنی اپنی سمت روانہ ہو گئے تھے۔

عبداللہ طائی، کشمیر کے راجہ رائے سنگرام کے ساتھ جنگل کی مغربی سمت دریائے جمنا کی مخالف سمت چلا گیا جبکہ ارسلان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ جنگل کے مغرب کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ چکر کاٹتا ہوا اس شاہراہ پر گھات لگائے بیٹھا تھا جو جنگل سے نکل کر راجہ رائے مل چند کے مرکزی شہر ہابان کی طرف جاتی تھی۔

جب عبداللہ طائی اور ارسلان اپنی اپنی گھات پر پہنچ گئے تو طلایہ گرد دستوں نے اس کی اطلاع سلطان کو کر دی۔ پھر ان طلایہ گرد دستوں کی مدد سے ایک ساتھ جنگل کے اندر ہنکارہ کرتے ہوئے پیش قدمی کی ابتدا کر دی گئی۔

جنگل کے اندر پیش قدمی کرتے ہوئے ارسلان نے التون تاش کو اس کے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنی پشت پر رکھا تھا تاکہ راجہ رائے مل چند کے مرکزی شہر مہابان کی طرف سے اگر کوئی لشکر نکل کر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے تو التون تاش اپنے لشکر کے ساتھ بخوبی اس سے نمٹ سکے۔ یہ ساری احتیاطی تدابیر کرنے کے بعد تینوں طرف سے تیزی اور تندی کے ساتھ راجہ رائے مل چند کے لشکر کا ہنکارہ شروع کر دیا گیا۔



گو راجہ رائے مل چند کے مخبر اسے برابر یہ خبریں دے رہے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر کے اندر سخت ہلچل برپا ہو چکی ہے لیکن وہ یہ نہ سمجھ پائے تھے کہ ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے مسلمان کیا طریقۂ کار اختیار کر رہے ہیں۔ انہیں اصل صورتِ حال کی خبر اس وقت ہوئی جب تین اطراف سے انہیں مکمل طور پر گھیر کر ان کا ہنکارہ شروع کر دیا گیا۔

مل چند کے لیے یہ صورتِ حال انتہائی خطرناک تھی اور اس کا اسے احساس بھی تھا۔ اسی احساس کے تحت اس نے دریائے جمنا کی سمت سے اپنے مخبر مہابان شہر کی طرف روانہ کیے اور وہاں اس کا جو مختصر لشکر تھا اسے اس نے حکم دیا کہ شہر سے نکل کر سلطان کے اس لشکر کی پشت پر حملہ کر دیا جائے جو کہ مہابان کی سمت سے جنگل میں اس کا ہنکارہ کر رہا ہے۔

اس کے ساتھ ہی راجہ رائے مل چند اس حصار سے بچنے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے جمنا کی طرف پسپا ہونے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ جب مہابان میں اس کا محفوظ لشکر شہر سے نکل کر سلطان کے لشکر کی پشت پر حملہ آور ہو گا تو یہ ہنکارہ نہ صرف بند ہو جائے گا بلکہ اس کا سلسلہ ہی ٹوٹ کر رہ جائے گا۔ لیکن

راجہ رائے مل چند کی امیدیں اس وقت دم توڑ گئیں جب اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔ وہ اس طرح کہ ہنگامے کے دوران اس کے حکم پر جب اس کے محفوظ دستوں نے مہابان سے نکل کر ارسلان کی پشت پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی تو التون تاش ایک چٹان کی طرح ان کے سامنے جم گیا اور ان پر جوابی حملہ کرتے ہوئے انہیں ایسی بدترین سزا دی کہ ان حملہ آوروں میں سے بہت کم اپنی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو سکے ورنہ التون تاش نے ان میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طرح مہابان کی طرف سے حملہ آور ہونے والے لشکر سے التون تاش نے ارسلان کی پشت کو محفوظ رکھا۔

اپنے اس لشکر کی تباہی کی خبر جب جنگل میں راجہ رائے مل چند کو ہوئی تو وہ بڑا مایوس ہوا اور آخری حربے کے طور پر اس نے اور زیادہ تیزی کے ساتھ جنگل میں دریائے جمنا کی طرف پسپا ہونا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ تیزی اور سرعت سے جمنا کی طرف پسپا ہوتا ہے تو اس طرح اس کے اور مسلمانوں کے لشکر میں فاصلہ زیادہ ہو جائے گا اور اسی فاصلہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ دریائے جمنا کے کنارے کنارے بھاگ کر اپنے مرکزی شہر مہابان میں داخل ہو کر محصور ہو جائے گا۔

دوسری طرف سلطان کے طلایہ گرد دستے اپنا کام بڑی خوبی اور مہارت سے انجام دے رہے تھے انھوں نے اپنے لشکر کے تینوں حصوں کو راجہ کی اس نیت سے آگاہ کر دیا تھا۔

لہٰذا ــــ سلطان، عبداللہ طائی اور ارسلان نے بھی اپنے تعاقب میں تیزی اور تندی پیدا کر دی تھی۔ اپنے لشکر کے ساتھ راجہ رائے مل چند جب پیچھے ہٹتا ہوا دریائے جمنا کے کنارے پہنچا تو وہاں سے اس نے دریا کے کنارے کنارے اپنے مرکزی شہر مہابان کی طرف بھاگنے کی کوشش کی۔ تب اس نے دیکھا کہ ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ اس کی راہ روکے کھڑا ہے۔

اب راجہ کے سامنے دو ہی راستے تھے۔

ایک یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ ٹوٹ کر جنگ کرے اور اپنے مقدر کو آزمائے۔

دوسرا یہ کہ اپنے لشکر کے ساتھ جمنا میں ڈوب مرے۔

رائے مل چند نے پہلی تجویز سے اتفاق کیا اور دریائے جمنا کے کنارے اس نے مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرنے کا تہیّہ کر لیا۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد راجہ رائے مل چند کے حکم پر دریائے جمنا کے کنارے تانبے کے بڑے بڑے

ل بجائے جانے لگے۔ ہر طرف جنگ کی ابتدا کرنے کا ایک شور اور ولولہ بلند ہونے لگا تھا۔

مہابان کے راجہ نے مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے اپنے زعم اور گھمنڈ کے طابق طوفانوں کی ہیبت ناک رفتار، سوگ کے عصائے تخریب کی قوت اور بیوگی کے نشان کی طرح مسلمانوں ر حملہ کر دیا۔

اپنے اس حملہ کا نشانہ اس نے ارسلان کو بنایا۔

اس کا خیال تھا کہ پوری قوت اور طاقت کے ساتھ وہ بائیں بازو پر حملہ آور ہو کر ارسلان کو دبنے اور پاہونے پر مجبور کر دے گا اور اس کے بعد راستہ بنا کر اپنے مرکزی شہر مہابان کی طرف تیزی سے ار ہونے میں کامیاب ہو جائے گا۔

لیکن ــــ راجہ رائے مل چند کی کوئی تدبیر کارگر اور کامیاب نہ ہوئی۔ اس کے حملے کے جواب میں سلان بھی ساحرانہ کشش، موسموں کی تبدیلی، آندھیوں کے جھکڑوں اور ریت کے بگولوں کی طرح اس پر لہ آور ہوئے۔ ارسلان کے لشکر کی طرف سے یہ حملہ ایسا خوفناک تھا جیسے وہ عکاظی بساط ہو جانے والے یہ اور آسمان کے نیلے سمندر میں طوفان کھڑا کرتے ہوئے موجوداتِ عالم کی تقدیر کا فیصلہ کرنے لگے ہانہ

گو دائیں طرف سے ابھی تک سلطان اور سامنے کی طرف سے عبداللہ طائی اور رائے سنگرام اس پر ہ آور نہ ہوئے تھے تاہم جس وقت رائے مل چند کا لشکر ارسلان کے مٹھی بھر لشکر کے ساتھ ٹکرایا تو لگا جیسے دریائے جمنا کے کنارے زمین کی زرخیزی تخریب و موت کی قوت سے ٹکرا گئی ہو۔ تلواریں ڈھالیں آپس میں ٹکرانے لگی تھیں۔ نیزے پھینکے جا رہے تھے۔ تیر چل رہے تھے۔ گھوڑے بری طرح تے پھڑپھڑانے اور ہنہنانے لگے تھے۔ میدان میں چاروں طرف ایک شور بپا تھا۔

وقت کی آنکھ کچھ ایسا محسوس کرنے لگی تھی جیسے دریائے جمنا کے کنارے زندگی اور موت، بہار و زاں، بارش و خشک سالی، بیماری و تندرستی، افزائش و قحط اور فتح و شکست ایک دوسرے کے خلاف برپیکار ہو گئی ہوں۔

رائے مل چند کا خیال تھا کہ وہ ارسلان کو زیر کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا۔ دائیں طرف سے سلطان ملنے کی طرف سے عبداللہ طائی کے پہنچنے سے پہلے پہلے وہ اپنا راستہ بنا کر اپنے مرکزی شہر مہابان کی طرف

جانے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ اس کے سامنے ایک چٹان بن گیا تھا اور اس نے مل چند کی امید کی چنگاریوں کو راکھ بنا دیا تھا۔

اسی اثنا میں میدانِ جنگ میں ایک تبدیلی' ایک انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ راۓ مل چند کے لشکر کی پشت پر محمود سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ اٹل قسمت کی الم انگیزی' خشمناک فطرت اور جاہ و جلال کے کسی محرم و ہمراز کی طرح حملہ آور ہو کر راۓ مل چند کے لشکریوں کو ادھیڑنا شروع کر دیا۔

ارسلان کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ دشمن کی پشت کی طرف سے سلطان حملہ آور ہو چکے ہیں لہٰذا اس نے بھی اپنے حملوں میں پہلے کی نسبت تیزی پیدا کر دی اور وہ خود بھی حالات کا بدترین نوحہ' شعلہ آواز گنبد کی طرح دشمن پر حملہ آور ہوتے ہوئے ان کے آثار و افکار میں خطرات و خدشات بھرنے لگا تھا۔

عین اس وقت دریائے جمنا کی مخالف سمت سے عبداللہ طائی اپنے لشکر کے ساتھ آندھیوں کے طوفانوں اور ریت کے بگولوں کی طرح نمودار ہوا اور انسانی ذہن کی پستی میں ہلچل برپا کر دینے والے مدت کے رکے تلاطم خیز بگولوں کی طرح حملہ آور ہو گیا۔

اس سہ طرفہ حملے نے راۓ مل چند کے لشکر کو دست برد کا شکار کر کے رکھ دیا تھا۔ میدانِ جنگ میں آہستہ آہستہ اب دشمن کے مقصد و زمانے کے شعلے بجھنے لگے تھے اور اس کے ارادوں اور عزم کے قلعے مسمار ہونا شروع ہو گئے تھے۔

سلطان اور ان کے لشکریوں کے کردار کی پختگی' جسمانی طاقت اور مشقت پسندی کے مقابلے میں دشمن کے حیوانی جذبات اور ہیجانی کیفیت ندامت آشنا ہونے لگی تھی۔ مسلمان مجاہد شمشیر رواں' تیر جھلک اور پیچ و تاب کھاتی آندھیوں کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے ایک طلسماتی انداز میں اسرارِ حیات کی ترجمانی کرنے لگے تھے۔

اس ہولناک جنگ میں سلطان کے لشکری بڑی تیزی سے راۓ مل چند کے سپاہیوں کو موت کی پہنائیوں میں اتارتے ہوئے ان پر قبر کی خاموشی طاری کرنے لگے تھے۔

راجہ راۓ مل چند مسلمانوں کے خوفناک حملوں کے دباؤ کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا۔ وہ صاف طور پر دیکھ رہا تھا کہ اس کے دائیں بائیں اور سامنے کی طرف سے مسلمانوں نے اس کے لشکریوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا اور چوتھی طرف دریائے جمنا کا پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس سمت کا رخ کرنا کلیتاً اپنی موت کو

موت دینے کے مترادف تھا۔

راجہ راۓ مل چند کو جب یقین ہو گیا کہ شکست اور اس کے بعد موت کے سوا اب کوئی چارہ نہیں ہے تو اپنے لشکر کے وسط میں اس نے آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن کیا اور اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ اس الاؤ میں کود کر اس نے خودکشی کر لی۔

اُس کے اس اقدام سے اس کے لشکر کی رہبری اور راہنمائی کرنے والا کوئی نہ رہا جس کے نتیجے میں اس کے لشکر کی اکثریت مسلمانوں کے ہاتھوں تہ تیغ ہو گئی اور جو باقی بچے انہوں نے ہتھیار ڈال کر سلطان سے معافی طلب کر لی۔

سلطان نے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سب لوگوں کو معاف کر دیا اور انہیں اپنے گھروں کو جانے کی اجازت دیدی۔

راجہ راۓ مل چند کے پڑاؤ سے جہاں مسلمانوں کو بے شمار ہتھیار اور مالِ غنیمت ہاتھ لگا وہاں بے شمار طلائی طشتریاں' طلائی مٹکے' نقرئی برتن' سنہرے سکے' خشک پھل' روغن اور سرکے کے ذخائر بھی ہاتھ لگے۔

اس شاندار فتح کے بعد سلطان نے دریائے جمنا کے کنارے اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا اور خیمے نصب ہونا شروع ہو گئے۔

جنگ کے خاتمہ پر جب لشکر وہاں پڑاؤ کر چکا تو ارسلان اور احماد اپنے لشکر کے زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے لگے۔



اچانک ارسلان چونک سا پڑا۔ اس نے دیکھا اس سے تھوڑے فاصلے پر جہاں احماد اور اس کے گھوڑے کھڑے تھے' وہی عجیب اور نا آشنا لڑکی نمودار ہوئی تھی۔

ارسلان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنا گھوڑا بھگاتی ہوئی ارسلان کے گھوڑے کے قریب آئی۔ اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے اس نے ایک پوٹلی ارسلان کے گھوڑے کی خرجین میں ڈالی اور آگے بڑھتی چلی گئی۔

احمد بھی اس منظر کو دیکھ چکا تھا اور اب وہ بھی اس لڑکی کی طرف متوجہ تھا۔ ارسلان اپنے گھوڑے کی طرف بھاگا۔ احمد بھی اس کے پیچھے لپکا۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے اس ردِعمل پر لڑکی نے فوراً اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پھر دریا کے کنارے کنارے اپنے گھوڑے کو کسی ماہر شہسوار کی طرح سرپٹ دوڑاتی ہوئی پڑاؤ کے اندر روپوش ہو گئی۔

ارسلان اپنے گھوڑے کے قریب آیا۔ خرجین میں ہاتھ ڈال کر اس نے وہ پوٹلی نکالی جو اس لڑکی نے خرجین میں ڈالی تھی۔ یہ ایک انتہائی خوبصورت، چمکیلی اور صاف ستھری بڑی سی تھیلی تھی جس کے اندر کچھ سامان تھا۔

ارسلان نے ہاتھ ڈال کر سب چیزیں نکالیں۔ یہ کھانے کی مختلف اشیا تھیں اور ان کے ساتھ ایک تہ کیا ہوا کاغذ بھی تھا۔

بڑی بے چینی اور بے قراری سے ارسلان نے اس کاغذ کو کھولا۔ اسے دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ یہ ترکی رسم الخط میں اس لڑکی کی طرف سے ارسلان کے نام خط تھا۔ ارسلان بڑی بے چینی سے خط کو پڑھنے لگا۔ لکھا تھا:

"اے میرے رفیق! میری زندگی کے ساتھی۔ میرے مستقبل کی امید!
آپ ضرور یہ سوچتے ہوں گے کہ میں کون ہوں۔ کہاں رہتی ہوں۔ کہاں سے آتی ہوں۔ کن سرزمینوں سے میرا تعلق ہے اور یہ کہ کیوں میری روح نے پرستش کے لیے آپ کا انتخاب کیا ہے؟
آپ یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ میں کیوں آپ سے دور دور رہتی ہوں؟ میں آپ سے نہیں ملتی۔ تنہائی کے درد کا عذاب سہتی ہوں۔ دور رہ کر چڑیوں کے ساتھ گاتی اور ندیوں کے ساتھ گنگناتی ہوں۔ کیوں میں اس طرح پردیسیوں کے رفیق شام کے بادلوں، صبح کی پریوں اور سورج کی کرنوں کی طرح اکیلی دھکے کھاتی پھرتی ہوں؟
یقیناً آپ سوچتے ہوں گے کہ کیوں میں موسم سرما کی آندھیوں میں ہیجان خیزی، برف باری کے طوفانوں میں زرد پھولوں سے ڈھکے دامنِ کوہ، دریا کی شاموں میں پنکھ پکھیرو، اندھیری راتوں کے پردوں میں گھرے اوہام کے ساگر اور ہجر کے سنسناتے صحرا میں حیات کی رہبانیت کی سی زندگی بسر کر رہی ہوں؟

آپ کو اس بات کا احساس بھی ہو گا کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں۔ آپ سے محبت کرتی ہوں اور محبت جادو کی وہ کرن ہے جو احساسِ ذات کی گہرائیوں سے پھوٹتی ہے۔
اے میرے امیر! میں سوزش و اضطراب کے ماحول میں الفت و اطمینان کی متلاشی ایک لڑکی ضرور ہوں لیکن میں ساحل کا راستہ بھول جانے والی کوئی موج نہیں۔ میں تو وہ لہر ہوں جو ہمہ وقت ساحل کے ساتھ رہتی ہے۔ میں عناصر کے نالہ و ماتم سے بھی دور ہوں کیونکہ میرا مقصد ہمیشہ میرے سامنے رہتا ہے۔
اے امیر! میں برف سے ڈھکی ہوئی ایک ایسی سرزمین ہوں جس پر آپ کے سوا کسی اور کے قدم نہیں پڑے
یا امیر! آپ سوچتے ہوں گے کہ اگر مجھے آپ سے محبت ہے۔ چاہت و الفت اور طلب و رغبت ہے تو پھر میں کیوں آپ کے پاس نہیں آتی؟ کیوں آپ کے ساتھ نہیں رہتی۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ مجھے آپ سے ایسی محبت ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ مجھے آپ سے ایسی الفت ہے جسے میں بے کنار و لاانتہا کہہ کر پکار سکتی ہوں۔ اس کے باوجود میں اس وقت تک آپ کے پاس نہیں آ سکتی جب تک جنگوں کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا اور امن کے غاروں میں صلح و آشتی اور خوشیوں کا چاند نہیں نکلتا۔ جب وہ دن آئے گا تو آپ دیکھیں گے کہ آپ سے آپ میں آپ کے خیمے، آپ کی حویلی میں داخل ہوں گی اور آپ کے ساتھ پُرسکون،

چاہت آمیز زندگی بسر کرنے کی ابتدا کروں گی۔
پس جب تک میرا اور آپ کا اتصال اور ملاپ نہیں ہوتا تب تک میں
آپ سے دور ہی رہ کر آپ کی حفاظت اور آپ کی مدد کرتی رہوں
گی۔ یہی میری زندگی کا مقصد اور یہی میری زیست کی انتہا ہے۔"

اس اجنبی اور ناآشنا لڑکی کا یہ خط پڑھ کر ارسلان کو یوں لگا جیسے اس خط کے الفاظ نے خدوخال سے اس لڑکی کی صراحی دار گردن، حسین دراز پلکیں، شہد میں ڈوبے گلگوں ہونٹ اور حسن و شباب، اس کے ہاتھوں کا لمس اور آوازوں کا ترنم تانک جھانک کر رہے ہوں۔

یہ خیالات، یہ جذبے ارسلان کی جان کو، بلاخیز روح کو مسرور کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی سماعت کو بھی حلاوت اندوز کر گئے تھے۔

تھوڑی دیر تک وہ انہی خیالات میں ڈوبا کچھ سوچتا رہا۔ اس کا عمزاد احمد اس کے قریب کھڑا اسے ہلکی ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ غور سے دیکھتا رہا۔

پھر ارسلان سنبھلا۔ خط تہ کر کے اس نے ہاتھ میں پکڑا اور دونوں بھائی اپنے گھوڑوں کو تھامے چپ چاپ لشکر کے خیموں کی طرف چل دیے۔



احمد کے ساتھ ارسلان جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو خیمہ میں جلتی ہوئی آگ کے پاس سارہ اور امانہ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ارسلان کچھ چپ چپ اور افسردہ تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر سارہ چونک کر اپنی جگہ سے اٹھی اور آگے بڑھ کر اس نے ارسلان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ پھر انتہائی پریشان لہجے میں پوچھا:

"خیریت تو ہے۔ آپ اداس کیوں ہیں؟"

جواب میں ارسلان نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا اس عجیب اور ناآشنا لڑکی کا خط سارہ کو دیا اور خود خاموش کھڑا رہا۔

ماره نے خط کو غور سے پڑھا۔ اس کے بعد اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ارسلان کا ہاتھ پکڑ کر الاؤ کے پاس لائی۔ اسے اپنے قریب بٹھایا اور چاہتوں اور محبت بھری آواز میں اسے مخاطب کر کے بولی:

"میں جانتی ہوں کہ اس لڑکی کا رویہ آپ کے ساتھ عجیب و غریب نہیں بلکہ محبت آمیز ہے۔ اس خط میں اس نے اپنی اصلیت اور حقیقت پر تھوڑی بہت روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے تاہم مجھے امید ہے کہ وہ دن دور نہیں جب وہ بھی ہمارے ساتھ آن ملے گی اور ہم تینوں مل کر ایک ایسی صورت پُرسکون اور خوشگوار زندگی بسر کریں گے۔"

یہ تسلی آمیز الفاظ سن کر ارسلان کی اداسی اور افسردگی میں کچھ کمی ہوئی۔ اتنی دیر میں ان کا کھانا آ گیا اور وہ چاروں بیٹھ کر پُرسکون ماحول میں کھانا کھانے لگے۔



راجہ رائے مل چند کو شکست دینے کے بعد سلطان نے اس کے مرکزی شہر مہابان پر قبضہ کیا۔ جہاں سے انہیں بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ اس میں ۱۸۵ ہاتھی بھی شامل تھے۔

مہابان پر قبضہ کرنے کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کو چند روز تک آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد انھوں نے اُس دور میں ہندوستان کے مشہور شہر متھرا کا رُخ کیا۔

دریائے جمنا کے کنارے متھرا ایک ایسا شہر تھا جس کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ یہ شہر مشہور اوتار کرشن کی جائے پیدائش ہے۔ ہندوؤں کے عقاید کے مطابق متھرا دیوتاؤں نے تعمیر کیا تھا۔ شہر بے حد مضبوط تھا۔ اس کے دو دروازے تھے جو دریائے جمنا کی سمت کھلتے تھے لہٰذا شہر کے اندر داخل ہونا آسان نہ تھا۔

متھرا شہر میں ایک ہزار پختہ مندر تھے جو لوہے کی سلاخوں سے بندھے ہوئے تھے۔ شہر کے وسط میں ایک بہت بڑا مندر تھا جس کی شان و شوکت شہر سے باہر کافی فاصلے سے دیکھی جا سکتی تھی۔

شہر کے اندر ہزاروں پختہ اور شاندار مکانات تھے۔ مؤرخین کے مطابق شہر کے ہر مندر کی

اُس دور میں تقریباً ایک لاکھ دینار تھی۔

سلطان محمود کے آنے کی خبر پاتے ہی متھرا شہر کا محافظ لشکر شہر سے باہر نکلا تاکہ سلطان محمود کا مقابلہ کرے۔ محافظ لشکر کا خیال تھا کہ سلطان کو اس کے لشکر سمیت متھرا شہر سے دور ہی روک کر فیصلہ کن جنگ کرنی چاہیے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر سلطان نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور محافظ لشکر نے شہر کے اندر محصور رہ کر جنگ کرنا چاہی تو سلطان کسی نہ کسی طرح سے شہر کی فصیل توڑ کر شہر میں داخل ہو جائے گا اور اگر اس نے ایسا کر لیا تو پھر وہ شہر کے ایک ایک مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دے گا۔

سلطان نے لشکر کا پڑاؤ کیے بغیر جنگ کی ابتدا کر دی۔ لشکر کے وسطی حصے میں وہ خود رہے اپنے بائیں پہلو پر انہوں نے ارسلان کو اور دائیں پہلو پر عبداللہ طائی کو رکھا۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور سب سے پہلی ضرب خود سلطان نے متھرا کے لشکر کے وسطی حصے پر لگائی۔

اس کے بعد سلطان کے طریقۂ جنگ کے مطابق ارسلان اور عبداللہ طائی دائیں بائیں طرف سے حملہ آور ہوتے ہوئے دشمن کے لشکر کو سمیٹنے لگے۔

متھرا کا لشکر مسلمانوں کے طریقۂ جنگ سے مکمل طور پر ناآشنا تھا۔ سامنے کی طرف سے جب سلطان نے ان پر دباؤ ڈالا تو بائیں اور دائیں اطراف سے ارسلان اور عبداللہ طائی حملہ آور ہوئے اور انھوں نے دشمن کی صفوں کو ادھیڑ کر رکھ دیا۔

اسی طرح اگلی صفوں کو چھوڑ کر جب ارسلان اور عبداللہ طائی پچھلی صفوں تک یلغار کرنے لگے تو اگلی صفوں کے لوگوں نے اپنے آپ کو محفوظ تصور کرتے ہوئے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت سلطان نے پوری قوت سے حملے کا حکم دیا جس کے نتیجے میں متھرا شہر کے کھلے میدانوں میں متھرا کے محافظ لشکر کو بدترین شکست ہوئی۔

شکست کھانے کے بعد یہ لشکر متھرا کی طرف نہیں بھاگا۔ انہیں خطرہ اور خدشہ تھا کہ اگر وہ متھرا شہر کے اندر محصور ہوئے تو ایک بار پھر انہیں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنی پڑے گی۔ اگر ایسا ہو گیا تو مسلمان مکمل طور پر ان کا قتلِ عام کریں گے لہٰذا شکست کے بعد بچا کھچا لشکر جدھر جس کا منہ اٹھا، جان بچانے کی خاطر بھاگ نکلا۔

متھرا کے محافظ لشکر کی شکست کے بعد سلطان نے متھرا شہر کی طرف پیش قدمی کی۔ شہر کے اندر جو تھوڑا بہت محافظ لشکر تھا وہ زیادہ دیر تک مزاحمت نہ کر سکا اور سلطان اپنے لشکر کے ساتھ رسی کی سیڑھیوں کی مدد سے شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

متھرا شہر کی فتح پر سلطان کے ہاتھ پانچ سونے کے بڑے بت اور دو سونے کے چھوٹے بت مندروں سے لگے۔ سلطان نے تمام بتوں کو توڑ دیا۔ ایک بت کی آنکھ میں یاقوتِ ارزق کے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔ اس کا وزن ۵۴ مثقال تھا۔

سونے اور چاندی کے بتوں کے ٹکڑے ایک سو اونٹوں پر لاد کر متھرا شہر سے لائے گئے۔ اس شہر سے سلطان کو ۹۸ ہزار ۰۰۲ مثقال سونا ملا تھا۔

متھرا شہر میں چند روز قیام کرنے کے بعد سلطان پھر اپنے لشکر کے ساتھ نکلے اور متھرا کے قریبی شہر بندرابند کی طرف پیش قدمی کی۔

بندرابند کے محافظ لشکر کو جب خبر ہوئی کہ سلطان محمود متھرا شہر کو فتح کرنے کے بعد ان کی طرف بڑھ رہے ہیں تو بندرابن کے محافظوں نے سلطان سے جنگ کیے بغیر شہر خالی کر دینے میں ہی اپنی عافیت سمجھی اور بندرابند بغیر جنگ کے سلطان کے ہاتھ لگ گیا۔



متھرا اور بندرابن، دونوں شہروں کو فتح کرنے کے بعد سلطان محمود نے اپنے لشکر کے ساتھ کچھ فاصلے پر دریائے جمنا کے کنارے کنارے پیش قدمی کی۔ پھر اچانک انھوں نے جمنا کو عبور کیا اور دریائے گنگا کے کنارے آباد قنوج شہر کی طرف بڑھے۔

قنوج بہت ہی قدیم شہر تھا۔ جو مشہور ہندو راجہ رامچند والیِ اجودھیا کی حکومت کے بعد قائم ہوا تھا مگر اس سے قبل بھی یہاں آبادی موجود تھی۔

یہ شہر اکثر اجڑتا اور آباد ہوتا رہا تھا۔ اس شہر کو راجہ قنوجی نے آباد کیا تھا۔ اس راجہ کے زمانے میں یہ بہت گنجان آباد تھا۔ آبادی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُس زمانے میں یہاں ایک لاکھ چالیس ہزار پان فروخت کرنے کی دکانیں تھیں۔

قنوج کا شہر دریائے گنگا سے دو کوس کے فاصلے پر تھا۔ برسات کے موسم میں پانی شہر کے قریب پہنچ جاتا تھا۔ قنوج شہر کو آباد کرنے والے راجہ قنوجی کی موت کے بعد اس کا بیٹا راجہ کید حکمران بنا تھا۔ راجہ کید کے دورِ حکومت میں سکندر یونانی ہندوستان کی سرزمین پر حملہ آور ہوا تھا۔ قنوج شہر کے کھنڈرات آج بھی ہندوستان میں دریائے گنگا کے کنارے دیکھے جا سکتے ہیں۔

قنوج شہر کے متعلق ہندوستان کے لوگوں کا خیال تھا کہ کوئی بھی غیر ہندو حکمران اس شہر کو فتح اور مغلوب نہیں کر سکتا۔

سلطان جب اپنے لشکر کے ساتھ قنوج کی طرف بڑھے تو وہاں کا راجہ راجپال بڑا مطمئن اور بڑا بے فکر تھا اس لیے کہ اس کا عقیدہ تھا کہ اس شہر کو کوئی غیر ہندو فتح نہیں کر سکتا۔ سلطان کی پیش قدمی کی خبر سن کر راجپال نے اپنے لشکر کو منظم کیا اور سلطان سے لڑنے کے لیے اس نے فیصلہ کیا کہ قنوج شہر سے دور ہی مسلمانوں کو مار بھگائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا عزم کیا۔ اور کھلے میدان میں اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا۔

دوسری طرف سلطان کے طلایہ گردستے برابر ان کو خبریں پہنچا رہے تھے کہ قنوج کا راجہ جے پال شہر سے باہر کھلے میدانوں میں جنگ کرنے کے لیے پڑاؤ کر چکا ہے لہٰذا سلطان بھی اپنے لشکر کے ساتھ برق رفتاری سے اس کی طرف بڑھے۔

اپنے لشکر کے ساتھ سلطان جب قنوج کے راجہ جے پال کے لشکر کے سامنے نمودار ہوئے تو راجہ جے پال نے حملہ آور ہونے میں جلدی نہ کی اس لیے کہ اس کو یقین تھا کہ کوئی بھی غیر ہندو حکمران قنوج کو فتح نہیں کر سکتا۔

اس نے ارادہ کیا کہ پہلے مسلمان اس کے سامنے پڑاؤ کر لیں پھر وہ ان پر حملہ کر کے ان کو وہاں سے مار بھگائے گا۔ اور ان کے پڑاؤ کی ہر شے پر قبضہ کر لے گا۔

اسی لیے جب سلطان اس کے سامنے پہنچے تو راجہ جے پال بالکل خاموش اور پُرسکون رہا۔ یہ دیکھ کر سلطان نے لشکر کو پڑاؤ کا حکم دیا تاہم لشکر کا ایک حصہ تیار اور مستعد رکھا کہ کہیں قنوج کا راجہ جے پال دھوکہ دہی سے کام نہ لے اور جس وقت ان کا لشکر پڑاؤ کر رہا ہو تو وہ ان پر حملہ آور نہ ہو جائے اس لیے انہوں نے اپنے لشکر کا ایک حصہ تیار رکھا تا کہ وہ ایسی کسی بھی ناگہانی صورتِ حال سے آسانی کے ساتھ

کیے۔ تاہم راجہ جے پال کی طرف سے کوئی حرکت نہ ہوئی اور سلطان کا لشکر ان میدانوں میں پڑاؤ
نے میں کامیاب ہو گیا۔

سلطان جب پڑاؤ کر چکے تو قنوج کا راجہ جے پال جنگ کے لیے اپنی صفیں درست کرنے
جواب میں سلطان بھی اپنے لشکر کو ترتیب دینے لگے۔

اس کے بعد قنوج کے راجہ جے پال نے جنگ کی ابتدا کی۔ اس وقت وہ ایک سنہرے رتھ پر
ار تھا جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ راجپال اپنے لشکر کے ساتھ کائنات کی قدیم داستان
اندھیری ٹھٹھری رات، نینوا اور آشور اور بابل کی بدبختی، پانی کی تہوں میں اٹھتے ہیجان اور اتھل پتھل
ر دینے والے طوفان کی ہیبت ناک آواز کے ساتھ سلطان کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ اس نے ایک ساتھ
طان کے لشکر کے سارے پہلوؤں پر ضرب لگائی تھی۔ وسطی حصے کے ساتھ ساتھ دائیں اور بائیں پہلوؤں
بھی راجپال نے زوردار حملے شروع کیے۔ اسے اپنی کامیابی اور کامرانی کا مکمل طور پر یقین تھا۔ اسی بنا پر
بے فکری کے عالم میں مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا اور ہر پہلو پر ضرب لگاتا ہوا اپنی کامیابی کے دروازے
ولنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

راجہ جے پال کے بدی کے منصوبے جیسے اس حملے کے جواب میں سلطان نے تھوڑی دیر تک اپنے
پ کو صرف دفاع تک محدود رکھا اور وہ اور ان کے سالار بڑی مہارت اور جانفشانی کے ساتھ راجپال
ے حملوں کو روکتے رہے۔ اس کے بعد اچانک لشکر کے وسطی حصے میں جہاں خود سلطان موجود تھے،
ئے وقفے سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اب دفاع سے
کل کر جارحیت پر اتر آنے کا وقت آگیا ہے۔

ان نعروں کے ردِ عمل کے طور پر ایک عجیب سا انقلاب اور ہیجان برپا ہوا۔ وہ اس طرح کہ سلطان،
ملان ، عبداللہ طائی، التونتاش اور امیر نصر کا نسے کی تہذیب کے ساحرانہ رسوم ادا کرنے والوں کی
ح حرکت میں آئے اور اپنے ساحرانہ عمل کی ابتدا کرتے ہوئے انہوں نے عجیب سے فوق الفطرت اور ماورائے
قت انداز سے دفاع سے نکل کر جارحیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ وہ اس طرح حملہ آور ہوئے جس طرح
ئے غیب تخریب کی قوت پر نزول کرتی ہے۔ ان کے دفاع سے نکل کر جارحیت پر اترنے سے یوں لگا
یسے طاقت کا کوئی مظہر امتدادِ زمانہ پر ضرب لگانے لگا ہو یا آندھیوں کے جھکڑ اور ریت کے بگولوں

کی حشر سامانیاں اٹھ کر موجوداتِ عالم کی تقدیر کا فیصلہ کرنے لگی ہوں۔

سلطان اور ان کے سارے سالار راجہ جے پال کے لشکریوں کے لیے کتابِ اموات کھولتے ہوئے ابدیت کے پراسرار جال کی طرح حملہ آور ہوئے۔ ان کے اس حملہ کے باعث میدانِ جنگ میں یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے سیاہی اور سفیدی، نرمی اور سختی، نیکی اور بدی، چھوٹائی اور بڑائی، سزا جزا، اتفاق و اختلاف، ردّ و قبول، محبت و نفرت، جنگ و امن، اقدام و پسپائی، غم و خوشی، طاقت و ناتوانی ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہو کر قنوج کے ان نواحی میدانوں کو خون کا نذرانہ پیش کرنے لگی ہوں۔

قنوج کا راجہ جے پال اور اس کے لشکری جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کوئی بھی غیر ہندو قنوج شہر کو اپنے سامنے مغلوب نہیں کر سکتا، وہ سلطان اور ان کے سالاروں کے اس انقلاب آفریں حملہ کے سامنے بوکھلا اٹھے۔ گنگا اور جمنا کے دوآبے کے وہ باسی جو یہ خیال کر رہے تھے کہ قنوج شہر ہر غیر ہندو کے لیے ناقابلِ تسخیر ہے وہ اب میدانِ جنگ میں اپنے آپ کو ایک عجیب سی آفت اور عفریت کے سامنے محسوس کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر پہلے تک راجہ جے پال کے لشکری اس بات پر مطمئن تھے کہ انہیں شکست ہو ہی نہیں سکتی لیکن سلطان کے سالار اور وہ لشکری جو ماضی میں وسط ایشیا کے بلند کوہستانوں سے لے کر ہند کے تپتے ریگستانوں تک خاموشیوں میں چھپے ہزاروں طوفانوں کی طرح اپنے دشمنوں کے حدیثِ شوق پرستم کی رات بن کر طاری ہوتے رہے تھے، وہ راجپال کے لشکر پر دریاؤں کو سکوت آشنا کر دینے والے قافلۂ سحر کی طرح بڑی تیزی سے چھانے لگے تھے۔

آہستہ آہستہ سلطان کی طرف سے دباؤ بڑھنے لگا جس کے نتیجے میں راجپال دھیرے دھیرے قنوج شہر کی طرف پسپا ہونے لگا لیکن آخر اس کی پسپائی کو روک دیا گیا۔ وہ اس طرح کہ خود سلطان اپنے لشکر کے وسطی حصے کے ساتھ سامنے کی طرف سے دشمن پر ضرب لگا رہے تھے جبکہ ارسلان اور عبداللہ طائی اس کے پہلوؤں کی طرف لپکے اور اگلی صفوں سے پچھلی صفوں تک دشمن کے دونوں طرف بے پناہ قوت کے ساتھ ضربیں لگاتے ہوئے راجپال کے لشکر کی طاقت کو کچلنے لگے۔

یہ صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ جب راجپال کو یقین ہو گیا کہ میدانِ جنگ میں اب اس کی

شکست یقینی ہے اور اس کے لشکر کے اندر افراتفری اور ہلچل سی مچ گئی ہے اور ہر کوئی اگلی صفوں سے وسطی حصے کی طرف بھاگنے لگا ہے جہاں خود راجہ جے پال اپنے جنگی رتھ پر سوار جنگ کے متعلق احکامات جاری کر رہا تھا۔ اس صورت حال میں مزید ابتری اس وقت پیدا ہوئی جب اگلی صفوں کے لوگ مکمل طور پر پسپا ہو کر پیچھے ہٹنے لگے۔

راج پال کو جب یقین ہو گیا کہ اب چند لمحوں تک اس کی شکست یقینی ہے تو اس نے جنگ بند کر دی اور اپنے لشکر میں اس نے سفید جھنڈے بلند کرا دیے۔ جس پر سلطان نے بھی جنگ بند کر دینے کا حکم دے دیا۔

اس جنگ بندی کے بعد قنوج کا راجہ جے پال خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے رویہ کی معافی مانگی اور صلح کی درخواست کرتے ہوئے آیندہ کے لیے سلطان کا مطیع اور فرمانبردار رہنے کا عہد کیا۔

سلطان نے راجہ جے پال کو معاف کر دیا۔

اس کے جواب میں قنوج کے راجہ راج پال نے بھاری تاوانِ جنگ ادا کیا اور شہر پر سلطان کا قبضہ بھی تسلیم کر لیا۔

اس جنگ کے دوران سلطان کے ہاتھ دو حیرت انگیز چیزیں لگیں:

پہلی شے ایک عجیب و غریب مرغ تھا۔ اس کی شکل قمری سے مشابہ تھی۔ اس مرغ کی خصوصیت یہ تھی کہ جس جگہ یہ موجود ہوتا اگر وہاں زہر آلود کھانا لایا جاتا تو اس مرغ پہ اضطراب کی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے تھے۔

دوسری عجیب و غریب چیز جو سلطان کے ہاتھ لگی وہ ایک عجیب و غریب پتھر تھا۔ اگر کسی شخص کے جسم پر کوئی زخم ہو جاتا تو اس پتھر کو گھس کر زخم پہ رکھا جاتا، فوراً ہی وہ زخم مندمل ہو جاتا تھا۔

قنوج پر سلطان کا یہ حملہ واقعی ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اپنے مستقر سے ہزار میل سے زیادہ دور سلطان نے ان جنگلوں میں بڑی جرأت مندی اور دانشمندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ دشمن کے مقابلے میں ان کا بندوبستی نظام بہترین تھا کیونکہ دشمن کے مقابلے میں سلطان کی فوج کو سامانِ حرب اور سامانِ رسد کے علاوہ کمک وغیرہ کی کبھی بھی کمی محسوس نہ ہوئی تھی لیکن ایسے کارناموں کی توقع صرف سلطان محمود ہی سے کی جا سکتی تھی۔ ان کی جگہ کوئی اور حکمران ہوتا تو اس قدر دشواریوں اور

کٹھنائیوں کے سامنے ضرور جی چھوڑ جاتا لیکن سلطان نے بد سے بدترین حالات میں بھی نہ صرف کمال جرأتمندی کا مظاہرہ کیا بلکہ اپنے سالاروں اور لشکریوں کا حوصلہ بڑھانے کا بھی فرض انجام دیا۔



قنوج کو فتح کرنے کے بعد سلطان نے اس شہر کے اطراف میں کاروائیاں کیں اور شہر کے نواح میں لگاتار سات مضبوط فصیل دار قلعوں کو فتح کیا۔ ان قلعوں کے اندر جس قدر بُت خانے تھے انہوں نے سب کو تباہ و برباد کر دیا۔

اس کے بعد سلطان نے مجاون شہر کا رخ کیا۔ یہاں کا محافظ لشکر بھی سلطان کا مقابلہ نہ کر سکا اور سلطان مجاون[1] شہر پر بھی قابض ہوگئے۔

ابھی سلطان مجاون ہی میں مقیم تھے کہ انہیں خبر ملی کہ بوراسنی[2] کا راجہ رائے چنڈل سلطان کے مقابلے کے لیے لشکر جمع کر رہا ہے۔ سلطان آندھی اور طوفان کی طرح رائے چنڈل کی طرف بڑھے اور پہلے ہی حملے میں اُسے شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اس کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے گنگا کو پار کیا اور مینچ[3] شہر پہ حملہ آور ہوئے۔ اس شہر کی حفاظت کے لیے مقامی لشکر کے ساتھ اردگرد کے راجاؤں کے لشکروں نے بھی ساتھ دیا پھر بھی سلطان نے اس متحد لشکر کو بدترین شکست دی اور ایک فاتح کی حیثیت سے سلطان مینچ شہر میں داخل ہوئے۔

مینچ شہر میں چند روز قیام کرنے کے ساتھ سلطان نے اپنے لشکر کو آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ پھر بڑی تیزی سے کوچ کیا اور بنارس کی طرف بڑھے۔

بنارس شہر ہندوؤں کے بت خانوں کی وجہ سے بڑا مشہور تھا۔ سلطان برق کے کوندوں کی طرح

۱۔ موجودہ کانپور

۲۔ موجودہ فتح پور

۳۔ موجودہ جونپور

اس شہر پہ حملہ آور ہوئے۔ اس شہر کے محافظ لشکر نے سلطان کی راہ روکنے کی کوشش کی لیکن سلطان کے سامنے آنے والی ہر قوت کو بدترین شکست ہوئی اور سلطان بنارس شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے بنارس میں جس قدر بت خانے اور بت تھے، سلطان نے سب کو پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد وہ پھر دریائے گنگا کو پار کر کے قنوج واپس آگئے۔

قنوج میں اپنے لشکر کے ساتھ سلطان نے چند روز ہی قیام کیا تھا کہ ان کے طلایہ گرد دستوں نے خبر دی کہ سرداہ کا راجہ چاندرائے' سلطان سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کر چکا ہے۔ اس لشکر میں ہنڈ کا راجہ نادر بھیم پال بھی شامل تھا اس لیے کہ چاندرائے اس کا سسر تھا اور بھیم پال نے اپنے سسر چاندرائے کے ہاں پناہ لے رکھی تھی۔ اردگرد کے اور قریبی راجاؤں نے بھی سرداہ کے راجہ چاندرائے کی مدد کی اور اپنی اپنی بساط کے مطابق سلطان کا مقابلہ کرنے کے لیے چاندرائے کی طرف اپنے لشکر روانہ کیے۔ اس طرح چاندرائے کے پاس لاکھوں جنگجوؤں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر تیار ہو گیا۔ اس لشکر کو لے کر راجہ چاندرائے اپنے مرکزی شہر سرداہ کے کھلے میدانوں میں خیمہ زن ہوا۔

چاندرائے کا خیال تھا کہ اس کے خیمہ زن ہونے کی خبریں جب سلطان کو پہنچیں گی تو وہ ضرور اُن میدانوں کا رخ کریں گے اور چونکہ اس کے پاس سلطان کی نسبت کئی گنا زیادہ لشکر تھا لہٰذا اُسے امید تھی کہ وہ اپنے لشکر کی اس عددی برتری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ضرور سلطان کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس بنا پر وہ بڑے اطمینان اور بے فکری کے ساتھ کھلے میدانوں میں پڑاؤ کر کے سلطان کی آمد کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔

سلطان نے چاندرائے کے سامنے آنے میں کوئی دیر اور تاخیر نہ کی۔ اپنے لشکر کے ساتھ منزل پہ منزل مارتے ہوئے وہ آندھی اور طوفان کی طرح سرداہ شہر کی طرف آئے اور چاندرائے کے سامنے آکر خیمہ زن ہوگئے۔

پہلی ہی رات سلطان کے لشکر میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے سلطان کی فتح اور کامیابی کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

ہوا یہ تھا کہ نادر بھیم پال کے سسر سرداہ کے راجہ چاندرائے کے لشکر میں ایک انتہائی نایاب اور

قیمتی ہاتھی تھا جو رات کے اندھیرے میں خود راجہ چاندرائے کے لشکر سے نکل کر سلطان کے پڑاؤ میں آ گیا۔

اس ہاتھی کو پکڑ کر سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ چونکہ یہ ہاتھی آپ سے آپ چاندرائے کے لشکر سے نکل کر سلطان کے لشکر میں آیا تھا اس لیے اس کی آمد پر سلطان بے حد خوش ہوئے اور اس کا نام "خداداد" رکھا۔

اگلے روز دونوں لشکروں نے جنگ کی ابتدا کرنے کے لیے اپنی اپنی صفیں درست کرنا شروع کیں۔ حملہ کی ابتدا چاندرائے کی طرف سے کی گئی۔ اس نے اپنے لشکر کی عددی برتری سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اس نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے پاس رکھا۔ دوسرا حصہ اپنے داماد نار بھیم پال کی سرکردگی میں اور تیسرا حصہ اپنے ایک سالار کی ماتحتی میں دے کر اس نے تین اطراف سے سلطان پر حملہ کر دیا۔

سامنے کی طرف سے خود چاندرائے ضمیر و ذہن کی سیاہی، شب گزیدہ روایات، تاریخ کی خونی ٹھوکروں اور ریگستان کی ویرانیوں کی طرح حملہ آور ہوا۔ دائیں طرف سے ہنڈ کا راجہ نار بھیم پال اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ رات کے رجالِ غیب، سردی کی طویل راتوں میں تاخت کی داستانوں کی طرح آگے بڑھا۔ اس کے تحت ہندوستان کے قزاق مزاج قبائل کام کر رہے تھے اور یہ قبائل بھیم پال کی سرکردگی میں بھٹ سے نکلنے والے بھیڑیوں کی طرح سلطان کے ایک پہلو پر حملہ آور ہوئے۔ تیسری طرف سے چاندرائے کا سپہ سالار انتشار و اضطراب کے بگولوں کے شور، بدبختی کے سمندر، مخفی جذبوں، کہر سے پھاڑتی آندھیوں کے جھکڑوں اور باغیانہ ہنگاموں کی طرح سلطان کے لشکر پر ٹوٹ پڑا تھا۔

چاندرائے کو قوی امید تھی کہ اس سہ طرفہ زوردار حملوں کے باعث سلطان کے لشکر کے اندر بدنظمی اور بے چینی پھیل کر رہ جائے گی۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ سہ طرفہ حملوں کو سلطان ہرگز نہ روک سکیں گے اور یہ کہ وہ اپنا دفاع بھی نہ کر سکیں گے اور نتیجتاً انہیں اپنی اور اپنے لشکریوں کی جان بچانے کی خاطر میدانِ جنگ سے بھاگنا پڑے گا۔

لیکن ـــــ

اس وقت سرداہ کے راجہ چاندرائے کی امیدوں اور خواہشوں پر پانی پھر گیا جب اس کے خوفناک

یلغارانہ حملوں کو نہ صرف یہ کہ سلطان نے روک دکھایا بلکہ سلطان نے اپنے دفاع سے نکل کر جارحیت بھی اختیار کرنا شروع کر دی۔

چاندرائے کے سامنے کی طرف سے ہونے والے حملے کو خود سلطان نے روکا تھا۔ بائیں پہلو سے ارسلان نے اپنے لشکریوں کو محفوظ کیا تھا اور دائیں جانب عبداللہ طائی دشمن کے مقابلے میں ایک مضبوط چٹان ثابت ہوا تھا۔

دشمن کے پہلے زوردار حملوں کو روکنے کے بعد سلطان نے جوابی حملوں کی ابتدا کی۔ وہ اللہ اکبر کا بلندی نعرۂ حق بلند کرتے ہوئے کسی برگزیدہ و سرکشیدہ مجاہد کی طرح حرکت میں آئے اور محنتوں کی امانت کی طرح چہرے کے لہو میں صداقت سجانے اور فتح کے حوالے دیتے ہوئے زہر کے لیے تریاق کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

سلطان کے اس طرح حرکت میں آنے کے بعد ان کی کمانداری میں لڑنے والے مسلمان مجاہد بھی ان کی طرح حرکت میں آئے تھے۔ وہ اپنی اعلیٰ عسکری قیادت کے تحت کمال یک جہتی و تنظیم، پُرعزمی و مستقل مزاجی اور عجیب سی طبعی ترنگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلطان کے دائیں بائیں، آگے پیچھے دشمن پر بادلوں اور مینہ کی طرح برس پڑے۔

سلطان کی طرف سے پورے زور اور شدت کے ساتھ حملہ آور ہونے کا اشارہ ملتے ہی ارسلان اور عبداللہ طائی نے بھی اپنی حالت، اپنی کیفیت، اپنی حیثیت بدل کر رکھ دی تھی۔ وہ دشمن کے دونوں جانب آندھیوں کے شور سے بھی بڑھ کر اور تلخ ہوا کی سنسناہٹ سے زیادہ گہرائی کے ساتھ حملہ آور ہوا اور جس طرح آتشدان کی حرارت کمرے کی سردی پر غلبہ پاتی ہے اور جیسے صبح کی شعاعیں افقی خطوط کو منور اور روشن کر دیتی ہیں، ایسے ہی ارسلان اور عبداللہ طائی بھی دائیں بائیں سے دشمن پر چھانے لگے تھے۔ طوفان ہی کی طرح وہ دونوں بھی عجیب سے عالم خود فراموشی میں اللہ اکبر کی صورت میں فضاؤں میں اپنے نعرے بکھیرتے ہوئے دشمن کو اس طرح ہانکنے لگے تھے جیسے کوئی منچلا گڈریا اپنے ریوڑ کو ہانکتا ہے۔

جنگ زیادہ طول نہ پکڑ سکی۔ گو سرداہ کے راجہ چاندرائے کا لشکر مسلمانوں کی تعداد سے بہت زیادہ تھا لیکن جنگ ہر سمت سے سمٹتی دکھائی دے رہی تھی اس لیے کہ سامنے کی طرف سے التونتاش اور

امیر نصر کے ساتھ خود سلطان نے، بائیں جانب سے ارسلان اور دائیں جانب سے عبداللہ طائی نے دشمن کے اندر گھس کر اس طرح اس پہ حاوی ہونا شروع کیا جس طرح تاریک رات برف میں کفنائے ہوئے مکانوں پر شبخون مارنا شروع کرتی ہے۔

چاند رائے اور اس کے داماد بھیم پال کی ساری امیدیں، ساری خواہشیں اکارت ہو گئی تھیں انہوں نے تو سلطان کو نیچا دکھانے کے لیے بہت بڑا لشکر تیار کیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی بھی میدان میں ہی سلطان کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں لیکن عددی فوقیت رکھنے کے باوجود انہیں سرداہ شہر سے باہر کھلے میدانوں میں اپنی شکست صاف اور واضح دکھائی دے رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر کی مزید جنگ کے بعد جب چاند رائے کے لشکر کی اگلی صفوں میں مکمل طور پہ ابتری پھیل گئی تو پچھلی صفیں بھی افراتفری کا شکار ہونے لگیں۔ تب بھیم پال اور اس کا باپ ترلوکن پال جو چاند رائے کے ساتھ اس لشکر میں شامل تھے، اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔

چاند رائے نے جب دیکھا کہ تھوڑی ہی دیر میں اسے بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔

دشمن کے لشکر نے جب دیکھا کہ اس کے سرکردہ لوگ انہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں تو انھوں نے بھی جنگ بند کر دی اور جس طرف جس کا منہ اٹھا وہ اپنی جان بچانے کے لیے دوڑ اٹھا۔ اس طرح سرداہ شہر کے باہر سلطان کو چاند رائے کے مقابلے میں فتح نصیب ہوئی۔ تاہم سلطان، ہند کے راجہ ترلوکن پال اور اس کے بیٹے نادر بھیم پال کو گرفتار نہ کر سکے کہ وہ پہلے ہی اپنی جانیں بچانے کے لیے فرار ہو گئے تھے۔

دریائے جمنا کے کنارے ہندوستان کے اس لشکرِ جرار کو بدترین شکست دینے کے بعد سلطان نے جب اپنے لشکر کے ساتھ سرداہ شہر کی طرف کوچ کیا تو سرداہ کا راجہ چاند رائے جو میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا تھا، فکرمند ہوا کہ اگر مسلمانوں نے سرداہ کی طرف کوچ کیا تو وہ چند لمحوں کے اندر شہر سرداہ نیست و نابود کر دیں گے۔

یہ سوچ کر وہ اپنے محافظ دستوں کے ساتھ اس وقت سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت سلطان دریائے جمنا کے کنارے سے سرداہ شہر کی طرف کوچ کرنے والے تھے۔

سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر راجہ چاند رائے نے اپنے سابقہ رویّے کی معافی مانگی اور آئندہ سلطان کا مطیع و فرمانبردار بن کر رہنے کا وعدہ کیا۔ ساتھ ہی تاوان کے طور پہ چاند رائے نے سلطان کو ۳۰ لاکھ درہم اور ۳۵ ہاتھی بھی پیش کیے۔

اب تک کوئی بھی فاتح ہندوستان میں اس قدر دُور تک نہیں گیا تھا جس قدر سلطان محمود ہند کے اندر تک چلے گئے تھے۔ دراصل پنجاب کی حدود کے آگے کے علاقے سے کسی کو واقفیت نہ تھی۔ سلطان محمود پہلے فاتح تھے جنہوں نے دوسروں کے لیے نئے راستے کھول دیے تھے۔

ایک تخمینہ کے مطابق کئی سو من سونا، ہیرے جواہرات کے علاوہ سلطان کے قبضے میں دو کروڑ درہم اور ۳۵۰ ہاتھی دریائے جمنا اور گنگا کے دوآبہ میں لڑی جانے والی جنگوں کے نتیجے میں آئے۔ اس کے علاوہ تقریباً ۵۰ ہزار قیدی بھی ان کو ان جنگوں سے ہاتھ لگے۔ ان سب اشیا کو سمیٹتے ہوئے سلطان اپنے لشکر کے ساتھ غزنی کی طرف کوچ کر گئے۔



جن دنوں سلطان محمود نے دریائے جمنا کے کنارے سرداہ کے راجہ چاند رائے کو بدترین شکست دی، انہیں دنوں کالنجر کے راجہ رائے نندہ نے ایک مجلس طلب کی اور اپنے مشیروں اور وزیروں سے مشورہ کیا کہ کیا وجہ ہے، ہندوستان کی سرزمین میں ساری قوت کو مجتمع کرنے کے باوجود بھی ہم سب غزنی کے سلطان محمود کو شکست نہیں دے سکے؟

راجہ رائے نندہ کے اس سوال کا اس کے مشیروں اور وزیروں نے مختلف جواب دیا۔ تاہم مجلس کے خاتمہ پر سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ کچھ مخبر اور جاسوس سلطان کے لشکر کی طرف بھیجے جائیں۔ سلطان کے لشکر کی پیش قدمی کا جائزہ لیا جائے اور اس کے حملہ آور ہونے کے انداز کا بطور خاص مطالعہ کیا جائے اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ وہ اپنے لشکر کو کس طرح حرکت میں لاتا اور ہدایت دیتا ہے کہ جس کی بنا پر وہ ہر معرکے میں فتح مند ہوتا ہے۔

یہ فیصلہ ہونے کے بعد کالنجر کے راجہ رائے نندہ نے اپنے کچھ جاسوس سلطان کے لشکر کا جائزہ لینے کے لیے روانہ کر دیے۔

دوسری طرف ہند کا راجہ نادر بھیم پال اور اس کا باپ ترلوکن پال دونوں اپنے محافظ دستوں کے ساتھ دریائے جمنا کے کنارے سے کالنجر کے راجہ رائے نندہ کی طرف بھاگ گئے تھے۔ اس طرح نادر بھیم پال اور ترلوکن پال کے اکسانے پر کالنجر کا راجہ رائے نندہ سلطان کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے دن رات جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

جس وقت سلطان دریائے جمنا اور گنگا کے دوآبہ کے شہروں کی فتوحات کے بعد غزنی کی طرف واپس جا رہے تھے، ان دنوں غزنی اور دریائے سندھ کے درمیانی حصے میں آباد افغان لٹیروں نے سلطان کے خلاف اتحاد کر لیا اور یہ طے کیا کہ دریائے گنگا کی طرف سے لوٹتے ہوئے جب سلطان ان کے علاقے میں سے گزریں گے تو اچانک ان کے لشکر کی پشت کی طرف سے ان پر حملہ آور ہوا جائے اور جس قدر سامان وہ ہندوستان کی سرزمین سے لے کر آتے ہیں وہ سب ان سے چھین لیا جائے اور کوہستانی سلسلوں میں اپنے لیے چھپا لیا جائے۔

اس مقصد کے لیے ان افغان لٹیروں نے بہت بڑا لشکر تیار کیا اور غزنی اور دریائے سندھ کے بیچ میں کوہستانی سلسلے کے اندر جو پہاڑی راستہ غزنی کو جاتا تھا، اس کے دونوں جانب انھوں نے اپنے مسلح لشکر کو گھات میں بٹھا دیا۔

جونہی سلطان کا لشکر وہاں سے گزرا، ان افغان لٹیروں نے سلطان کی پشت کی طرف سے ایسا زوردار حملہ کیا کہ سلطان کے اکثر دستوں کو خاصا نقصان پہنچایا۔ تاہم سلطان جلد ہی سنبھل گئے اور فی الفور اپنے لشکر کو وہاں پڑاؤ کا حکم دے دیا۔

ان افغان لٹیروں نے نہ صرف یہ کہ سلطان کے بعض دستوں کا قتلِ عام کیا بلکہ اس سامان کو بھی خاصا تباہ و برباد کیا جو سلطان ہندوستان سے لے کر آ رہے تھے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے سلطان نے ان افغان لٹیروں کا مکمل طور پر صفایا کرنے کا تہیہ کر لیا، تاکہ مستقبل میں سلطان کے لیے کسی قسم کا خدشہ یا خطرہ نہ پیدا کریں۔

اس مقصد کے لیے سلطان نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ ارسلان کے ہمراہ، دوسرا عبداللہ طائی کے پاس، تیسرا التون تاش کے پاس اور چوتھا حصہ امیر نصر کے ساتھ انھوں نے اپنی نگرانی میں لے لیا۔ اس کے بعد سلطان نے اپنے جرنیلوں کو حکم دیا کہ کوہستانی سلسلے کا وہ حصہ جن میں یہ افغان لٹیرے رہتے ہیں، چاروں طرف سے گھیر کر کوہستانی سلسلے کے اندر پیش قدمی کی جائے اور افغان لٹیروں کا قتلِ عام کیا جائے۔

اس مقصد کے تحت ارسلان ایک لمبا کاوا کاٹتے ہوئے شمال کی طرف گیا۔ عبداللہ طائی مختصر سا چکر کاٹنے کے بعد مغرب کی طرف، التون تاش مشرق کی جانب اور خود سلطان امیر نصر کے ساتھ جنوب کی طرف سے حملہ آور ہونے کا ارادہ کر چکے تھے تاکہ ایک ساتھ چاروں طرف سے کوہستانی سلسلوں کے اندر افغان لٹیروں کے خلاف کارروائی کا آغاز کیا جائے۔

جنوب کی طرف سے خود سلطان افغان لٹیروں کے لیے بدبختی کے سمندر، راحت و سلامتی کے عدو، شعاعی حروف اور ہوا کی آہوں کی طرح حملہ آور ہوئے۔

شمال کی طرف سے ارسلان اپنے لشکر کے دستوں کے ساتھ طلسم زاروں، فطرت کی جولان گاہ ہو، اوہام کے بھنوروں اور ایک عجیب اور انوکھی وجدانی کیفیت میں حملہ آور ہوا تھا۔

مشرق کی طرف سے التون تاش طالع ساز گار، جذبات کی طغیانی، رموزِ سربستہ اور آگ کے لپکتے شعلوں کی طرح افغان لٹیروں کے اندر گھسنا شروع ہو گیا تھا۔

مغرب کی طرف سے بربریت کے چھینٹوں، بھیانک سرزمینوں کے شدید موسم، ندیوں کی روانی اور تاریک راہوں کی ٹھوکروں کی طرح عبداللہ طائی ان افغان لٹیروں پر قاتلانہ ضرب میں لگاتا ہوا آگے ہی آگے بڑھنے لگا تھا۔

ان کوہستانی سلسلوں کے اندر سلطان اور ان کے سالار سورج کی سنہری چادر اور تند و تیز بادلوں کی طرح ان لٹیروں کے ٹھکانوں پر چھا رہے تھے۔ ان کو انہیں کے خون میں نہلاتے ہوئے سلطان اور ان کے لشکریوں نے افغان لٹیروں کا پوری طرح صفایا کر دیا۔ پھر سلطان اپنے پڑاؤ میں واپس آئے اور کامیاب و کامران غزنی کی طرف کوچ کر گئے!

کالنجر کا راجہ رائے نندہ ایک روز جب اپنے تخت پر بیٹھا جنگی امور پر اپنے وزیروں اور مشیروں کے ساتھ صلاح مشورے کر رہا تھا کہ اس کے سامنے ان چند جاسوسوں کو پیش کیا گیا جنہیں رائے نندہ نے سلطان محمود کے متعلق خبریں حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا تھا۔

رائے نندہ نے تھوڑی دیر تک، ان جاسوسوں کا بغور جائزہ لیا۔ پھر انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا:

"سنو میرے عزیزو۔ قبل اس کے کہ میں تم سے سلطان کی ذات کے متعلق سوال کروں۔ پہلے تم مجھے اس فوجی نظام کے بارے میں آگاہ کرو جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئے ہو۔"

رائے نندہ کے اس سوال پر ان جاسوسوں میں سے ایک نے جواب دیا:

"اے عظیم راجہ! غزنی کے سلطان کے پاس اس دور کی بہترین فوج ہے۔ سلطان خود اپنی فوج کا سپہ سالار ہے مگر اس کے پاس اعلیٰ درجہ کے قابل ترین جرنیل بھی ہیں جن میں زیادہ مشہور ارسلان، عبداللہ طائی، التونتاش اور امیر نصر ہیں۔ اس کے علاوہ خود سلطان کے دو بھائی نصیر اور یوسف بھی اس کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں جبکہ کبھی کبھار سلطان کے بیٹے بھی جنگ میں حصہ لیتے ہیں ورنہ وہ اکثر سلطان کی غیر موجودگی میں غزنی میں سلطنت کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

اے راجہ! سلطان کے ہر صوبے کا اپنا الگ ایک سپہ سالار ہوتا ہے جس کے تحت صوبے کے تمام فوجی دستے ہوتے ہیں۔ صوبے کا سالار باجگزار یا اطاعت گزار حکمرانوں سے خراج اور جزیہ وصول

تا ہے۔

صوبوں کے فوجی دستوں کے اخراجات میں مقامی مالیہ وغیرہ سے پورے کیے جاتے ہیں۔ ہر صوبے ں فوج میں بند و بستی عملہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری خوراک، مویشی، گھوڑے، مال برداری سامانِ رسد وغیرہ کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔

فوج میں ایک خفیہ محکمہ بھی ہوتا ہے جس کا کام سلطان کو ہر ضروری خبر فی الفور پہنچانا ہوتا ہے۔

طان کے لشکر میں دس افراد کا سالار خیل تاش کہلاتا ہے۔ اس کے ہمراہ قائد کے تحت ایک سو افراد تے ہیں۔ سرہنگ پانچ سو افراد اور حاجب چند ہزار افراد یعنی جیش کا سالار سمجھا جاتا ہے۔

شکر کے ہر فرد کو تنخواہ باقاعدہ ادا کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ لڑائی سے مالِ غنیمت کا حصہ ں لشکریوں کو دیا جاتا ہے۔

ہر حاجب کے جیش کے لیے ہتھیار اور سامانِ حرب الگ سے اپنے زیرِ انتظام رکھا جاتا ہے جو صرف ائی سے قبل تقسیم کیا جاتا ہے۔

فوج کا زیادہ حصہ گھوڑسواروں پر مشتمل ہے۔ فوج کی تعداد بہت کم ہوتی ہے اور صرف مقامی صوبے سے لق رکھتی ہے۔ پیدل فوج بہت ہی کم استعمال کی جاتی ہے۔

جنگی ہاتھیوں کی تعداد لڑائی کے دوران بھی اکثر چند سو ہی ہوتی ہے۔ مال برداری کے لیے ہاتھی اور نٹ استعمال ہوتے ہیں۔ ہر سالار کے پاس دشمن کے جنگی ہاتھیوں کو بھگانے اور ڈرانے کے لیے ولر بارود اور دھماکے کرنے والا دستہ بھی ہوتا ہے۔

سلطان محمود کے کل لشکر کی تعداد ایک لاکھ سواروں اور دو ہزار جنگی ہاتھیوں پر مشتمل ہے جنگ کے دوران فوج میں رضاکاروں کی آمد سے لشکر میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ سلطان کے حفاظتی دستے کی داد چار ہزار سوار ہے۔ اس دستے کے پاس اعلیٰ ہتھیار اور گھوڑے ہوتے ہیں۔

سلطان کے لشکر میں افغان، خراسانی، غوری، ایرانی اور ہندی سب ہی افراد شامل ہیں۔ غزنی فوج کے افراد کو بیوی بچے اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ ہندی پیادہ کے لیے خورد و نوش اور ہنے کا انتظام الگ ہوتا ہے۔ ان میں سے بیشتر اپنے خاندان والوں کے ساتھ غزنی میں ہی قیام پذیر ہوتے ہیں۔

غزنی کے سلطان کے پاس دریاؤں کو عبور کرنے کے لیے بہترین بندوبست ہے۔ دریاؤں اور ندی نالوں کو عبور کرنے کی مکمل اطلاع سلطان کو پہنچائی جاتی ہے۔ کشتیوں کا پُل چند گھنٹوں میں تیار کر لیا جاتا ہے۔ مقامی کشتیوں کے علاوہ لشکر کے ساتھ فوری استعمال کے لیے کشتیاں موجود رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی لڑائی میں بھی دریاؤں اور ندی نالوں کی رکاوٹیں بھی سلطان محمود کی فوج کو ابھی تک نہیں روک سکیں۔

اے راجہ! غزنی کے سلطان کی فوج برق رفتاری سے پیش قدمی کرتی ہے۔ ایک دن میں بیس میل آسانی سے طے کر لیے جاتے ہیں۔ لڑاکا دستے مختلف راستوں سے ایک اہم مقام کی جانب بڑھتے ہیں۔ ان کی برق رفتاری اور حیران کن کارروائی سے دشمن کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سلطان دشمن کو بیک وقت کئی محاذوں پر لڑنے کے لیے مجبور کر دیتا ہے۔ کئی لڑاکا دستے دشمن کے عقب میں ظاہر ہو کر دشمن کے راستوں کی ناکہ بندی کر دیتے ہیں اور اس کے لیے رسد اور کمک کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔

لشکر کے بڑے حصے کی حفاظت کے لیے اس احتیاط کے تحت کہ راستے میں کسی اور لڑائی میں نہ الجھ جائے، بازوؤں پہ دور تک دیکھ بھال کرنے والے دستے پھیلا دیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہراول دستہ کم از کم دو دن کی مسافت کا فاصلہ رکھ کر پیش قدمی کرتا ہے۔

پیش قدمی رات کی تاریکی میں بھی لڑاکا دستوں کے ذریعے کی جاتی ہے۔ کئی راستوں پر بیک وقت پیش قدمی کرنے کے لیے سلطان کی فوج کے پاس تمام راستوں اور دشمن کی نقل و حرکت کے بارے میں مکمل خبریں ہوتی ہیں۔

قلعوں اور محفوظ شہروں کی ناکہ بندی کے بعد سرنگیں کھودی جاتی ہیں اور منجنیقوں کی مدد سے دیواروں کو مسمار کیا جاتا ہے۔ آگ برسانے والے دستے بلند مقامات یا سیڑھیوں پر چڑھ کر قلعے یا شہر کے اندر آگ لگانے والا مادہ پھینکتے ہیں۔

اے راجہ! سب سے بڑی صفت جو اس سلطان میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ خود لڑائی میں حصہ لیتا ہے اور اسے لڑتا دیکھ کر اس کے لشکر کا حوصلہ بلند ہو جاتا ہے۔ وہ اکثر خود دور تک دشمن کی صفوں میں گھس جاتا ہے اور اپنا جنگی کلہاڑا، اپنی تلوار اور گرز وغیرہ کو کمال مہارت سے استعمال کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ملتان کی لڑائی کے دوران تلوار سے سلطان نے اس قدر اپنے دشمنوں کا قتلِ عام کیا کہ خون کی وجہ سے اس کا ہاتھ تلوار کے دستے سے چپک گیا تھا۔

لڑائی کے دوران سلطان اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک حصہ اپنے پاس بھی رکھتا ہے اور خود وسطی حصے میں رہ کر جنگ کرتا ہے۔ اس طرح جنگ کی زیادہ تر ذمے داری خود قبول کرتا ہے جس کی بنا پر اس کے لشکری جب دیکھتے ہیں کہ جنگ کے سب سے زیادہ خطرناک حصے پر خود سلطان ہے تو وہ زیادہ جوش اور جانثاری سے لڑتے ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد راجے نندہ کا جاسوس تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ ذرا دم لیا، پھر دوبارہ راجہ کو مخاطب کر کے بولا:

"اے راجہ۔ اس لشکر کے علاوہ سلطان کے پاس خفیہ دستے بھی ہیں۔ اس محکمہ میں چیدہ چیدہ لوگ ہی بھرتی کیے جاتے ہیں جنہیں مشرف کہا جاتا ہے۔ مشرف کو اچھی تنخواہ اور انعام بھی دیا جاتا ہے۔ امرا، حکام، راجاؤں، سالاروں اور غیر ملکی سربراہوں کے درباروں اور محلوں وغیرہ میں بھی سلطان کے مشرف اور مخبر موجود ہوتے ہیں۔

یہ مشرف اور مخبر ہر قسم کی ضروری اطلاع سلطان کو بھجواتے ہیں۔ اس محکمہ میں عورتیں بھی ملازمت کرتی ہیں۔ سلطان کے کئی سالاروں اور حکام نے ہندو شہزادیوں سے شادیاں کر رکھی ہیں۔ اس وساطت سے بھی سلطان کو بہت سی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔

سلطان کے درباریوں، امرا اور دیگر اہل کاروں پر بھی کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ جب بھی سلطان کا کوئی فوری حکم صادر کیا جاتا ہے تو ایک مشرف خفیہ طور پر بھیجا جاتا ہے کہ معلوم کر سکے کہ آیا سلطان کا حکم ٹھیک بھیجا گیا یا نہیں اور اس پر عمل بھی کیا گیا یا نہیں!

سرکاری ڈاک کا انتظام قابلِ اعتماد ہے۔ دور دراز سے ہرکارے تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ایک منزل سے دوسری منزل تک ڈاک کا تھیلا پہنچاتے ہیں۔ اس طرح سینکڑوں میلوں سے خبر چند دنوں میں سلطان تک پہنچ جاتی ہے۔

مشرف بھیس بدل کر مختلف علاقوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر تاجر، مسافر، عالم، صوفی، حکیم یا دوافروش کا بھیس بدل کر ایک سے دوسری جگہ پیغام پہنچاتے ہیں۔ تحریری پیغام گھوڑے کے

کے اندر یا جوتے کے تلوے میں یا روزمرہ کے استعمال میں آنے والی اشیا کے کسی حصے میں، جو خاص طور پر تیار کیا جاتا ہے، چھپا کر روانہ کیا جاتا ہے"۔

رائے نندہ کا جاسوس خاموش ہوگیا تو راجہ رائے نندہ نے اسے مخاطب کر کے کہا:

"تم نے غزنی کے سلطان محمود کے فوجی اور عسکری نظام کے متعلق بہترین معلومات فراہم کی ہیں۔ اب کچھ تفصیل سلطان کی ذات کے متعلق بھی بیان کرو"۔

اس پر وہی مخبر پھر بولا:

"مہاراج۔ غزنی کا سلطان درمیانے قد اور معمولی شکل کا انسان ہے۔ اس کے چہرے پر چیچک کے داغ ہیں۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ایک روز سلطان محمود نے اپنے سالار اور جرنیل اور اپنے مشیر ارسلان بن جاذب کو مخاطب کر کے کہا تھا:

"لوگ کہتے ہیں کہ بادشاہوں کی صورت دیکھ کر روشنی آتی ہے مگر میری صورت دیکھنے والوں کو ضرور تکلیف ہوتی ہوگی"۔

جواب میں ارسلان بن جاذب نے کہا تھا:

"اے میرے آقا! آپ کی شکل بہت کم لوگوں کو دیکھنا نصیب ہوتی ہے لیکن آپ کی سیرت اور کردار اور آپ کے اخلاق کا دور دور تک چرچا اور دھوم ہے لہٰذا لوگ آپ کی صورت و شکل کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق کی وجہ سے آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ کو اپنا ہر دلعزیز سلطان خیال کرتے ہیں"!

یہاں تک کہہ کر مخبر نے پھر اپنا سلسلۂ کلام سابقہ بیان سے جوڑا اور بولا:

"مہاراج۔ غزنی کے اس سلطان کو گویوں، لونڈیوں اور مسخروں کی صحبت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ اپنے حرم میں بھی بہت کم وقت گزارتا ہے۔ ہاں اس کے دربار میں اعلیٰ پائے کے شعراء، مثلاً عنصری، عسجدی، اسدی، طوسی، عنصری، فرخی، عسجدی، فردوسی، منوچہری موجود ہیں۔ اس کے دربار میں علمائے دین کی بھی ایک جماعت ہے۔ کئی عالم، مورخ، جغرافیہ دان بھی دربار سے وابستہ ہیں جن میں سے ابوریحان البیرونی بہت نمایاں ہیں۔

سلطان اکثر ان لوگوں کو انعام دیا کرتا ہے۔ شعراء اور علماء اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ انعام کی گنتی ایک ہزار

دینار بتاتے ہیں۔

ہم نے غزنی میں قیام کے دوران سنا تھا کہ سلطان محمود چار لاکھ دینار صرف شعرا میں تقسیم کرتا ہے اور شعرا کے اور بلند پایہ علما کے منہ انعام کے طور پر موتیوں سے بھر دیتا ہے"۔

مخبر خاموش ہوگیا۔

رائے نندہ نے ان تمام مخبروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اب تم جاؤ۔ آرام کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم نے غزنی کے سلطان کے متعلق بہترین اطلاعات اور خبریں دی ہیں۔ میں ان ہی اطلاعات کی روشنی میں اپنے لشکر کی تربیت کروں گا اور مجھے امید ہے کہ میں جلد ہی ایسا لشکر تیار کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا جسے کام میں لا کر میں سلطان کی پے در پے فتوحات کو ہار شکستوں میں تبدیل کر دوں گا"۔

راجہ رائے نندہ کا یہ حکم سن کر سارے مخبر باہر نکل گئے اور راجہ پہلے کی طرح درباری امور میں مصروف رہا۔



ہنڈ کا سابق راجہ نادر بھیم پال اور اس کا باپ ترلوکن پال ابھی تک گرفتار نہ ہو سکے تھے۔ دریائے کے کنارے سرداہ کے راجہ چاندرائے کے ساتھ شکست کھانے کے بعد یہ دونوں باپ بیٹا کالنجر کے رائے نندہ کے ہاں چلے گئے تھے۔

رائے نندہ نے چند ماہ تک اپنے لشکر کو ترتیب دیا اور اس کی بہترین تربیت بھی کی۔ اس کے بعد اس نے سلطان کے خلاف حرکت میں آنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے ہندوستان کے سارے بڑے بڑے ہندو راجاؤں کو ساتھ ملا لیا تھا۔

نادر بھیم پال اور ترلوکن پال بھی اپنے دستوں کے ساتھ اس کے لشکر میں شامل ہو گئے اور رائے نندہ مرکزی شہر کالنجر سے نکل کر بڑی برق رفتاری سے قنوج کی طرف بڑھا۔

قنوج کے راجہ راجی پال نے چونکہ سلطان سے شکست کھانے کے بعد سلطان کی اطاعت قبول کر لی اور یہ عہد بھی کیا تھا کہ آئندہ جنگوں میں سلطان کا ساتھ دے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کشمیر کے راجہ

راۓ سنگرام نے سلطان سے اطاعت کا عہد کیا تھا۔

کالنجر کے راجہ راۓ نندہ کو قنوج کے راجہ راجی پال کی یہ اطاعت بالکل پسند نہ تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ راجی پال اپنے لشکر کے ساتھ اس کے لشکر میں شامل ہو کر سلطان کے خلاف جنگ کرے لیکن راجی پال نے جب ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو راۓ نندہ نے قنوج پر حملے کا ارادہ کر لیا۔

وہ اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ بڑی برق رفتاری سے دریاۓ گنگا کی طرف بڑھا۔ قنوج شہر کے باہر قنوج کے راجہ راجی پال اور کالنجر کے راجہ راۓ نندہ کے درمیان ایک ہولناک جنگ ہوئی جس میں راجی پال مارا گیا۔ قنوج کے لشکر کو شکست ہوئی اور راۓ نندہ ایک فاتح کی حیثیت سے قنوج شہر میں داخل ہوا۔

راۓ نندہ نے راجی پال کے بیٹے ترلوچن پال کو قنوج کا راجہ بنا دیا۔ ترلوچن پال نے اس کے ساتھ وعدہ کیا کہ مستقبل میں جب کبھی بھی ہندوستان کے خلاف سلطان محمود جنگ کی ابتدا کرے گا وہ پوری سرگرمی اور جوش و خروش کے ساتھ سلطان کے خلاف ان جنگوں میں حصہ لے گا۔

یہ کام کرنے کے بعد راۓ نندہ نے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے راجاؤں سے مزید فوجی امداد حاصل کی اور ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا تا کہ اس لشکر کی مدد سے وہ آئندہ محمود غزنوی کو ہندوستان کے اندر داخل نہ ہونے دے۔



کالنجر کے راجہ راۓ نندہ کی جنگی تیاریوں اور اس کے ہاتھوں قنوج کے راجہ راجی پال کے قتل کی خبریں سلطان کے طلایہ گرد دستے ان کو پہنچا چکے تھے۔ یہ خبریں سن کر سلطان نے راۓ نندہ کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اس مقصد کے لیے سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ غزنی سے دریاۓ گنگا کی طرف کوچ کیا جہاں کالنجر کا راجہ راۓ نندہ ہندوستان کے راجاؤں کے متحدہ لشکر کے ساتھ قنوج شہر کے باہر پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔

غزنی سے نکل کر سلطان بھیرہ، اجودھن، ابوہر اور لدھیانہ سے ہوتے ہوۓ بوڑیہ کے مقام

دریاۓ جمنا کے کنارے سے جا رکے۔

دوسری طرف راۓ نندہ کو جب خبر ہوئی کہ سلطان محمود اس کی سرکوبی کے لیے ہندوستان میں داخل ہو چکے ہیں تو اس نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے دریاۓ جمنا کے کنارے چھوڑ دیا تا کہ سلطان جب اپنے لشکر کے ساتھ دریا عبور کریں تو انہیں ایک ہولناک جنگ سے دوچار کر دیا جاۓ۔ جس کی بنا پر وہ مزید پیش قدمی نہ کر سکیں۔ دوسرے حصہ لشکر کے ساتھ راۓ نندہ دریاۓ گنگا کے پار چلا گیا تا کہ اس کے پہلے لشکر کو اگر سلطان شکست دے دیں تو پھر اس تک آنے کے لیے سلطان کو دریا پار کرنا پڑے اور اس وقت وہ سلطان پر ایسا ہولناک حملہ کرے کہ سلطان واپس غزنی بھاگ جانے پر مجبور ہو جائیں۔

سلطان کو اپنے طلایہ گرد دستوں سے برابر یہ خبریں مل رہی تھیں۔ ان کو یہ خبر بھی مل گئی تھی کہ راۓ نندہ کے لشکر کے دونوں حصوں میں سے ہر حصے کی تعداد ان کے لشکر سے کئی گنا زیادہ ہے تاہم تعداد کی اس برتری کی پرواہ کیے بغیر سلطان نے دریاۓ جمنا کو عبور کر کے راۓ نندہ کے لشکر کے اس حصے پر کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کر لیا جو دریاۓ جمنا کے اس پار ان سے جنگ کرنے کا بے تابی سے منتظر تھا۔

بڑی تیزی سے اور طوفانی انداز میں پیش قدمی کرتے ہوۓ سلطان جب دریاۓ جمنا کے کنارے بوڑیا کے مقام پر آۓ تو ان کے طلایہ گرد دستوں نے خبر دی کہ جمنا کے اس پار راۓ نندہ کا ایک بڑا لشکر گھات میں بیٹھا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جونہی سلطان اپنے لشکر کے ساتھ دریا پار کر کے کنارے پر اتریں ان پر حملہ آور ہو کر انہیں واپس دریا میں دھکیل دیا جاۓ۔

یہ معلوم ہوتے ہی سلطان نے لشکر کو بوڑیا کے مقام پر پڑاؤ کا حکم دے دیا۔ خیمہ زن ہونے کے بعد دریا کے کنارے پر جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن کر دیے گئے اس لیے کہ سردی کا موسم تھا اور دریا کے کنارے پر ہونے کی وجہ سے اس کی شدت میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔

جب رات ہوئی اور ہر شے پر نیند کا غلبہ ہونے لگا تو سلطان اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آۓ۔ دریا کے کنارے جو الاؤ روشن تھے ان میں مزید لکڑیاں جھونک کر انہیں اور بھڑکا دیا گیا۔ اس کے بعد سلطان نے پڑاؤ ختم کر دیا اور شمال کی طرف کوچ کر گئے۔

آدھی رات تک سلطان اپنے لشکر کے ساتھ دریاۓ جمنا کے کنارے کنارے شمال کی طرف چلتے رہے

یہاں تک کہ ان کے سامنے دریا کا ایک ایسا حصہ آگیا جہاں دریا کسی قدر بل کھاتا ہوا اور اپنے آپ کو سمیٹتا ہوا تنگ ہو گیا تھا۔

اس جگہ سے سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ دریا کو عبور کیا۔ پھر دریائے جمنا کے بائیں کنارے پر وہ بڑی تیزی سے جنوب کی طرف بڑھے۔

جس وقت رات ماند ہوئی اور مشرق کی طرف سے سورج اپنے سرخ چہرے کے ساتھ مسکراتا ہوا نمودار ہوا، سلطان اپنے طلایہ گرد دستوں کی راہنمائی میں دریائے جمنا کے کنارے راجے نندہ کے گھات میں بیٹھے ہوئے لشکر کے عین سامنے نمودار ہوئے اور لشکر کو پڑاؤ کا حکم دے دیا۔

دوسری طرف راجے نندہ کا لشکر اس انتظار میں تھا کہ سلطان جونہی دریا پار کریں گے وہ ان پر حملہ آور ہو کر انہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچائیں گے۔ چونکہ دریا کی دوسری سمت ساری رات آگ کے الاؤ روشن رہے تھے لہٰذا انہیں یقین تھا کہ سلطان ابھی تک اپنے لشکر کے ساتھ وہیں پڑاؤ کیے ہوئے ہیں لیکن جب مشرق سے سورج طلوع ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ سلطان تو اپنے لشکر کے ساتھ ان کے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔

یہ دیکھ کر ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ تعجب اور حیرت کا شکار ہو گئے کہ کیسے اور کب سلطان اپنے لشکر سمیت دریائے جمنا کو عبور کر کے ان کے سامنے آ پہنچے؟ بہر حال وہ سلطان سے فیصلہ کن جنگ کے لیے تیاریاں کرنے لگے۔

جس وقت سلطان دریائے جمنا کے کنارے اپنے دشمن کے خلاف صف آرا ہو رہے تھے اس وقت کالنجر کا راجہ راجے نندہ بھی دریائے گنگا کے اُس پار سے ایک لشکر لے کر جمنا کے کنارے اپنے دوسرے لشکر کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ شاید مخبروں کے ذریعے اسے خبر ہو گئی تھی کہ سلطان محمود جمنا کے کنارے ہندوستان کے متحدہ لشکر سے ٹکرانے والے ہیں جس کی بنا پر اپنے لشکر کی تقویت کے لیے وہ خود بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔

راجے نندہ اور اس کے ساتھ آنے والے لشکر کی وجہ سے جمنا کے کنارے ہندوستان کا وہ لشکر جو سلطان کے خلاف صف آرا تھا، اس کے حوصلے بلند اور اس کے ولولے عروج پر پہنچ گئے کیونکہ اب وہ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ راجے نندہ اور اس کے ساتھ آنے والے لشکر کی وجہ سے ان کی قوت میں بے حد

افہ ہو گیا ہے لہٰذا وہ ضرور بالضرور مسلمانوں کو مار بھگائیں گے۔

دوسری طرف راجے نندہ متحدہ لشکر میں داخل ہوتے ہی ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اس نے دستان کے متحدہ لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی تسلی ان کی حوصلہ افزائی اور ان کی ہمتوں اور اتوں کو تقویت دینے کے لیے اپنی آواز کی پوری تیزی اور بلند آہنگی کے ساتھ کہا:

سنو۔ دیوتاؤں کے چرنوں کی پوجا کرنے والو۔ یہ پردیسی لٹیرے مسلمان شمشان کی آگ اور دھرتی کے اندھے راستے بن کر اس دیس کے باسیوں کی ہلاکت کا باعث بننا چاہتے ہیں۔ ان کے ارادے صرف یہی نہیں کہ پورب پچھم، اتر دکشن کو کھنگال کر رکھ دیں بلکہ یہ گنگا کی پوتر لہروں کو ناپاک اور جمنا کے نیلے دھارے کو برباد کر دینا چاہتے ہیں۔

سنو۔ ہندوستان کے سپوتو۔ انسان کا جسم نہیں آتما امر ہوتی ہے اور اپنی آتما کو امر کرنے کے لیے چھاتی تان کر ان مسلمانوں کے مقابلے میں کھڑے ہو جاؤ۔ اگر تم نے جنگ سے منہ پھیرا تو یاد رکھو یہ مسلمان تم پر حاوی ہو جائیں گے۔ ان کے ظلم و ستم کے سامنے تم جل جاؤ گے۔ بھسم ہو جاؤ گے۔ یہ تمہارے لیے قہر کا سندیس بن کر نمودار ہوں گے۔ تمہاری سندرتا کی جوت بھوسہ ملی مٹی کی طرح خراب اور ویران کر کے رکھ دیں گے۔

سنو ہند و قوم کے دیوتا سورج اور امر کی اگر تم نے حفاظت اور دیکھ بھال نہ کی تو تم خود ہی دیوتاؤں کے شراپ کا شکار ہو جاؤ گے

سنو دیوتاؤں کے مندروں کے محافظو! سنو ہند کے سورماؤ! اگر آج دریائے جمنا کے کنارے تم نے مسلمانوں کے سامنے اپنی شجاعت اور جرأت مندی کا اظہار نہ کیا۔ اگر آج تم نے انہیں مار نہ بھگایا اور اگر آج تم نے ان پر یہ ثابت نہ کیا کہ تم انہیں ہر میدان میں شکست دینے کی ہمت اور جرأت رکھتے ہو تو پھر یاد رکھو کہ رام چندر اور کرشن کی یہ دھرتی، گنگ و جمن کی یہ سرزمین ان بھجنوں، گیتوں، اشلوکوں اور منتروں سے محروم ہو کر رہ جائے گی۔

سنو ہندوستان کے باسیو۔ گرمی دیوتاؤں کا ایندھن اور خزاں دیوتاؤں کی بھینٹ ہے۔

اپنے ان دیوتاؤں کی حفاظت کر کے ان کی خوشی اور رضامندی حاصل کر و اور اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے جسم کے اندر وہ شکتی آئے گی کہ تمہارے بازو بجلی کے بھالے ثابت ہوں گے۔

سنو ہندوستان کی سرزمین میں رہنے والے سارے ہندوؤ! ہم سب ایک ہیں۔ ہمارے دیوتا ہی ہمارا محور اور ہماری منزل ہیں۔ چونکہ انہیں دیوتاؤں کے منہ سے برہمن بنا۔ ان کے بازوؤں سے کھشتری اور ان کی رانوں سے ویش نے جنم لیا۔ یہ چاند دیوتاؤں کا دماغ اور سورج ان کی آنکھ ہے۔ تم دریائے جمنا کے کنارے انہی دیوتاؤں کی شکتی بن کر نمودار ہو جاؤ ــــ اور مسلمانوں کے سارے جذبوں، شجاعت اور دلیری کو تعصب کے جنون اور اندھی تقلید کے کالے نشتروں کا شکار بنا کر رکھ دو۔

سنو دیوتاؤں کے لیے پیار اور عقیدت کی جے جے کار بلند کرنے والو۔ اپنے منجمد ہونٹوں کو حرکت دے کر سورج کے شعلوں کی شعاعوں کی صورت اختیار کر جاؤ۔ صدیوں کا غبار اتار کر الفاظ کے بھڑکتے شعلے بن کر اٹھو۔ بیمار خزاں پوش گڑھے وقت کے لبادے اتار کر تازہ لہو کے وارث بن کر نمودار ہو جاؤ۔

سنو ہند کے سپوتو! اندیشوں کے اندھیروں میں صدیوں کے دھواں دھواں تعصب میں گھور کے سے مایوس ردِعمل میں اپنی دھرتی کی حفاظت کے لیے ایک آندھی اور طوفان بن کر نمودار ہو جاؤ۔

سنو ہند کے باسیو! اپنے نصیب کی راکھ، اپنی تقدیر کے دکھ کے کانٹوں اور بھاگوں کی خاک کو فضا میں اڑاتے ہوئے سانپ کی پیچ خوردگی اور بھیڑیے کی بد خلقی کا روپ دھار لو اور پھر ان مسلمانوں کے سامنے آتے ہوئے انہیں مٹی کی کچی دیواروں کی طرح فنا کر دو۔ ان کی من کی چتا میں موت کے بستر بچھا کے رکھ دو۔

سنو رامچندر کی دھرتی کے رکھوالو۔ کرشن کی سرزمین کے پاسبانو! ان مسلمانوں نے ہماری سرزمین میں جو کرنا تھا یہ کر چکے ہیں اب ہمارے ردِعمل کی باری ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہندوستان کی سرزمین میں اب ان مسلمانوں کے خلاف ہندو قوم اپنی گہری نیند سے

بیدار ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس وقت تم اپنی خوبیوں اور جرأتوں سے لذت اندوز ہو کر اپنی تلواریں اس انداز میں ان کے سروں پر برساؤ کہ ان کی ہستی کے اسرار و رموز کو طویل، گونگی خاموشی، ان کی جرأت اور دلیری کو سرد ویران زمین اور ان کی ساری کامیابیوں کو ناکامیوں میں دفن کر کے رکھ دو۔"

یہاں تک کہنے کے بعد کالنجر کا راجہ راے نندہ خاموش ہو گیا۔

شاید وہ سمجھتا تھا کہ اپنے لشکر میں جوش و جذبہ پیدا کرنے کا جو ارادہ وہ رکھتا تھا اس کی وہ تکمیل کر چکا ہے۔ اس کی تقریر کا ردِعمل بھی خوب ہوا۔ اس کے لشکر میں جہاں تھوڑی دیر پہلے تک اداسی پیدا کرنے والی سکوت اور غم تخلیق کرنے والی خاموشی چھائی ہوئی تھی اب وہاں افکار و جذبات اور میلانات کا جوش، اور طوفان، آندھیوں کے بہاؤ اور آتش فشاں کی ہیبت کی طرح بلند ہونے لگا تھا ــــ اور ہندوستان کے ان کا متحدہ لشکر کچھ ایسے جوش اور ولولے کا اظہار کر رہا تھا کہ ہر لشکری مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بے چینی اور بے تابی کا اظہار کر رہا تھا۔

دوسری طرف جب سلطان محمود کو خبر ہوئی کہ راجہ راے نندہ ایک لشکر کے ساتھ متحدہ لشکر کی مدد کے لیے پہنچ گیا ہے اور یہ کہ اس نے اپنے لشکر میں آگ کے سے جذبے پیدا کر دیے ہیں تو اپنے لشکر کی تسلی، حوصلہ افزائی اور یک جہتی کے لیے وہ بھی ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہوئے اور اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے:

"سنو میرے فرزندو۔ توحید کے پیرو کارو۔ اپنے وجدان کی رفعت میں اپنے ان دشمنوں کو ظلمت کے بیٹے اور شیطان کی اولاد سمجھ کر ان کے سامنے آنا اور ان کے دامن میں بیوہ کی بدنصیبی، یتیم کی بے چارگی، بدبختوں کی آہیں اور غم زدوں کی سسکیاں بھرتے چلے جانا۔ ان کے لالچ کی کدال اور ان کی انانیت کے پھاوڑے کو توڑتے ہوئے ان کے اندر سے تیز اور زہریلے خنجر کی طرح گزرتے چلے جانا۔

سنو میرے عزیزو۔ میرے ساتھیو۔ ان دشمنوں کی طرح ہمارے اندر کوئی معنوی رشتہ، کوئی لسانی واسطہ، کوئی نسلی وحدت یا مادی مصلحتوں کا تعلق نہیں بلکہ ہمارے درمیان مذہب کا رشتہ ہے جو ہمارے اتحاد اور یک جہتی کا باعث ہے۔

سنو میرے ساتھیو! فطرت شناسی اور گرجتی برستی رات کی طرح ان پر جاری ہوتے ہوتے حملہ آور ہونا اور اپنی نظر کی تیزی اور فکر کی باریکی سے ان کے اندر ذوزخ کی چیخ و پکار کھڑی کر کے رکھ دینا۔ موت کے سیاہ نقاب کی طرح ان پر چھانا۔ آندھی کے تھپیڑوں، اضطراب کی برق اور جوش زن وحشتوں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑنا اور شامِ ہجراں کے اندھیروں اور کہر کے دبیز طوفانوں کی طرح ان پر چھاتے ہوئے انہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دینا۔"

سلطان محمود خاموش ہو گئے کیونکہ رائے نندہ نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ سلطان بھی ارسلان، عبداللہ طائی، التون تاش اور امیر نصر کے ساتھ اپنے لشکر کے سامنے آکر لشکر کو ترتیب دینے لگے۔

اس بار کشمیر کا راجہ رائے سنگرام سلطان کے لشکر میں شامل نہیں تھا۔ سلطان نے اسے اپنے علاقے میں رہ کر وہاں کا نظم و ضبط درست کرنے کی ہدایات دی تھیں۔

سلطان نے اپنے لشکر کی ترتیب کو آخری شکل دی۔ لشکر کے بائیں جانب حسبِ معمول ارسلان کو رکھا گیا تھا۔ دائیں حصے پر عبداللہ طائی کو مقرر کیا گیا۔ وسطی حصے میں سلطان محمود خود رہے اور اس بار انہوں نے امیر نصر کو اپنے ساتھ رکھا تھا جبکہ عقبی حصے میں التون تاش کو لشکر پر کماندار مقرر کیا گیا۔

لشکر کے پیچھے پڑاؤ کے خیمے نصب کر دیے گئے جن میں سامانِ رسد اور خوراک کے ذخیرے کے علاوہ لشکر میں شامل عورتیں بھی رکھی گئی تھیں۔

جب دونوں لشکر صفیں درست کر چکے تو کالنجر کے راجہ رائے نندہ کے حکم پر اس کے اگلے دستوں نے سلطان پر حملہ آور ہونے کے لیے پیش قدمی شروع کی۔ اس حصے میں بے شمار ہاتھی تھے جن کے پیچھے نیزہ بردار اور تیر انداز چلے آ رہے تھے۔

سلطان نے ان ہاتھیوں سے نمٹنے کے لیے پہلے ہی ہدایات جاری کر دی تھیں۔ اس لیے جونہی یہ ہاتھی آگے بڑھے، بائیں طرف سے ارسلان اور دائیں طرف سے عبداللہ طائی اپنے اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھے اور ان ہاتھیوں کے سامنے سے سلطان اپنے لشکر کے وسطی حصے کو لے کر پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

سلطان کے اچانک اس طرح پیچھے ہٹنے سے کالنجر کے راجہ رائے نندہ کے حوصلے مزید بڑھ گئے

لہٰذا اپنے لشکر کے وسط میں جنگی رتھ پر سوار وہ زور زور سے اپنے لشکریوں کو پکارتے ہوئے ان کا حوصلہ بڑھانے اور انہیں زیادہ سے زیادہ خونخواری اور تیزی سے حملہ آور ہونے کی ترغیب دینے لگا۔ شاید وہ یہ خیال کر رہا تھا کہ اس نے اپنے لشکر کے سامنے جو ہاتھیوں کی صفیں باندھی ہیں ان سے خوفزدہ ہو کر مسلمان پسپا ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

لیکن — سلطان اپنی سوچی سمجھی تدبیر کے مطابق پسپا ہو رہے تھے اور لمحہ بہ لمحہ میدانِ جنگ در اپنے دائرۂ عمل کو وسیع سے وسیع تر کرتے جا رہے تھے۔

سلطان نے جونہی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا، ان کے لشکر کے دوسرے حصے بھی فوراً ہی حرکت میں آ گئے۔ ان کے بائیں طرف سے ارسلان اور دائیں جانب سے عبداللہ طائی تھوڑا تھوڑا پھیل کر پہلو آگے بڑھے اور اپنے اپنے لشکر کو نیم دائرے کی صورت دیتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے اس عمل سے ان اور سلطان کے لشکر کے درمیان دونوں جانب خلا پیدا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس موقع پر سلطان مزید پیچھے ہٹتے ہوئے بائیں طرف بڑھے اور ارسلان کے لشکر کے قریب ہو گئے۔

عین اس لمحے پشت کی طرف سے التون تاش اپنے لشکر کے عقبی حصے کے ساتھ حرکت میں آیا اور سلطان کے پہلو میں چلا آیا۔ اس طرح التون تاش کا ایک لشکری پہلو سلطان کے ساتھ اور دوسرا پہلو عبداللہ طائی کے لشکر کے ساتھ جا ملا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ راجہ رائے نندہ کے ان گنت لشکر کے سامنے خود سلطان محمود اور التون تاش کا لشکر تھا۔ بائیں جانب ارسلان اور دائیں جانب عبداللہ طائی تھے اور مسلمانوں کا لشکر پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک نیم دائرے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

چونکہ مسلمان آہستہ آہستہ پیچھے ہٹے تھے اور رائے نندہ نے بڑی تیزی سے اپنے لشکریوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا لہٰذا جلد ہی رائے نندہ کے لشکری مسلمانوں کے سروں پر پہنچ گئے تھے اور انہوں نے ابوالہول بہ ہیبت شیطان کی اندھی راحت و اطمینان کے نشے، آندھی کے تھپیڑوں، طوفانِ باد و باراں اور بلا کے الٹے سیدھے میلانات کی طرح مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا۔

اس حملے کی ابتدا اسد ھائے ہوئے خونخوار ہاتھیوں سے کی گئی تھی جو بڑی خونخواری کے ساتھ مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔ ان کے عقب میں دشمن کے نیزہ بردار اور تیر انداز دستے بھی مسلمانوں پر اپنے حملے کی

ابتدا کر چکے تھے۔ جنگ کی ابتدا ہوتے ہی سارا میدان تیز اور خونخوار آوازوں سے بری طرح گونج اٹھا تھا۔

اس حملے کی پہلی ہی ضرب خود سلطان کے لشکر پر لگی تھی مگر سلطان بڑی قناعت پسندی اور ایک خلاق ارادے کی طرح اس حملے کو برداشت کر گئے۔ اس کے بعد وہ ایک فعال قوت کی طرح حرکت میں آئے اور اپنے دفاع سے نکل کر دشمن کے ہاتھیوں اور اس کی اگلی صفوں پر کچھ اس طرح حملہ آور ہوئے جیسے ہنستی تاریکیوں میں موت کے آثار و نقوش اور برف کے ہیولے نمودار ہوتے ہیں۔ موت کے کرب کی طرح سلطان اپنے لشکریوں کے ساتھ دشمن کے ہاتھیوں اور ان کے سورماؤں پر حملہ آور ہوئے ایسا کرتے وقت خود سلطان اور ان کے لشکریوں کے چہروں پر فتح و کامرانی کا تبسم تھا۔

سلطان کے ساتھ ہی التون تاش بھی اپنے عقبی لشکر کے ساتھ نامیاتی مادوں کے عروج و ارتقا کی طرح آگے بڑھا اور فنا و بقا کے کھیل کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ وہ دشمن کے ہاتھیوں اور ان کے پیچھے ان کی صفوں پر اس انداز میں حملہ آور ہوا جیسے بے آب و گیاہ جلتے اور تپتے ہوئے ریگستانوں سے نمودار ہونے والی نیکیوں کے جذبے ابدی کی تہوں تک گھستے چلے جاتے ہیں۔

سلطان اور التون تاش دونوں نے مل کر سامنے کی طرف سے دشمن کے ہاتھیوں سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ ہاتھیوں کے پیچھے دشمن کی صفوں پہ بری طرح تیر اندازی شروع کرا دی تھی۔

عین اس وقت دشمن کے دائیں اور بائیں پہلو پر بھی ایک ہلچل برپا ہو گئی۔ اور وہ یوں کہ ارسلان اور عبداللہ طائی بھی میدانِ جنگ میں ایک انقلاب پیدا کر رہے تھے۔ اپنے لہو کی حرارت کی طرح ارسلان لباس تار تار اور ماتھوں پر لہو کے دھبے لگا جانے والے طوفان، الاؤ کی دہکتی آگ، عذابِ دردناک کی طرح حرکت میں آیا اور دشمن کے دائیں پہلو پر ضرب لگائی۔

ہاتھیوں پر حملہ آور ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے دشمن کی اگلی صفوں کو بھی کچلنا شروع کر دیا تھا۔ شب کے سایوں کی لمبی مسافت کی طرح وہ دشمن کے اندر گھستا چلا گیا اور اس کے اللہ اکبر کے نعرے رجز بن کر میدان میں گونجنے لگے جبکہ وہ خود اپنے لشکر کے ساتھ گرجتے اور حشر برپا کرتے بادلوں کی طرح بڑی تیزی سے دشمن کے ہاتھیوں اور لشکریوں پر چھانے لگا تھا۔

دشمن کے بائیں پہلو پر عبداللہ طائی کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ شمشیر آبدار، دھواں دھواں غبار سیاہ

ادلوں کے غول کی طرح حملہ آور ہوا اور اپنے سامنے آنے والی ہر شے کو لہو رنگ شفق میں ڈبوتے ہوئے ہ کناں کرنا شروع کر دیا۔

میدانِ جنگ میں ایک انقلاب، ایک شور اور ہلچل برپا ہو کر رہ گئی تھی۔ سلطان محمود کے لشکری دشمن ے تینوں اطراف سے اس پر آسمان کا پیغام اور اپنی دعاؤں کا ثمر بن کر حملہ آور ہو رہے تھے۔ اپنی تیغِ ستم ِ وہ بڑی تیزی سے حرکت میں لاتے ہوئے میدانِ جنگ کے ریگزاروں کو خون آلود کرنے لگے تھے۔ ِ جس طرح تاریکی میں روشنی کی لکیریں پھیلتی ہیں اسی طرح وہ بھی دشمن کے لشکر کے اندر گھستے ہوئے ان ے دور دست ترین گوشوں میں پہنچ کر حملہ آور ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

دریائے جمنا کے کنارے میدانِ جنگ میں چاروں طرف موت کی تلملاتی مضطرب پرچھائیاں اور برف ے ہیولے بری طرح ناچ اٹھے تھے۔

راجے نندہ کا خیال تھا کہ اس کے لشکر کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ ہے لہٰذا دریائے جمنا ے کنارے وہ بہت جلد مسلمانوں کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن تھوڑی ہی دیر کی جنگ کے راس نے اندازہ لگا لیا کہ اس کے سارے ارادے، اس کی ساری آرزوئیں اور خواہشیں پسپا ہوتی دکھائی ے رہی ہیں۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ سامنے کی طرف سے سلطان اور التون تاش، دائیں جانب سے ارسلان اور بائیں طرف ے عبداللہ طائی کچھ ایسے انداز میں حملہ آور ہو رہے تھے کہ ان کے سامنے اس کے لشکری اپنی ساری رعیت بھول کر اپنے دفاع تک محدود ہوتے جا رہے تھے اور اس کے وہ جنگی ہاتھی جنہیں وہ لشکر کے لئے لایا تھا اور جن پر اسے بڑا بھروسہ تھا کہ وہ جنگ میں مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچائیں گے، ری بری اور ابتر حالت میں تھے۔

سامنے کی طرف سے سلطان اور التون تاش نے بری طرح ہاتھیوں پر تیر اندازی کرائی تھی اور کچھ لشکریوں نے بڑی جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھ کر ہاتھیوں میں سے کئی کی سونڈیں کاٹ دی یں جس کی وجہ سے بڑی خونخواری کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے ہاتھی ایک جگہ رک گئے تھے اور ان کے ارت بڑی مشکل سے ان کو میدان میں روکے ہوئے تھے اس لیے کہ جو ہاتھی زخمی ہو چکے تھے وہ بری طرح بانپ چنگھاڑ رہے تھے۔

یہ سماں کچھ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ مہاوت ہاتھیوں کو مزید وہاں نہ روک سکے۔ مسلمانوں کی طرف سے بڑی تیزی سے کی جانے والی تیر اندازی، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے باعث ہاتھیوں کی اکثریت زخمی ہو گئی تھی لہٰذا مہاوتوں کے کسی اشارے کی پرواہ کیے بغیر ہاتھی میدان سے بھاگنے لگے۔ تاہم ان کے مہاوتوں نے یہ دانشمندی ضرور کی کہ انہوں نے زخمی ہاتھیوں کو پشت کی طرف اپنے لشکر میں لیجانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح سارے جنگجو ہاتھی ناکارہ اور بے کار ہو کر میدانِ جنگ سے باہر نکل گئے تھے۔

اب جنگ کا دوسرا رخ سامنے آیا۔ اب تک تو ہاتھی مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک دیوار بنے ہوئے تھے مگر ہاتھیوں کے نکل جانے کے باعث اب دونوں لشکر براہِ راست ایکدوسرے کے ساتھ ٹکرا گئے۔

دونوں لشکر ایک دوسرے پر بری طرح ٹوٹ پڑے تھے۔ جنگی ہاتھیوں کے نکل جانے کے باوجود کالنجر کے راجہ رائے نندہ کو اب بھی امید تھی کہ وہ مسلمانوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے لشکر کی تعداد سلطان کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی لیکن اب سلطان کے لشکر میں بھی ایک انقلاب برپا ہو رہا تھا۔

وہ اس طرح کہ جنگی ہاتھیوں کے میدانِ جنگ سے نکل جانے پر اب سامنے کی طرف سے سلطان اور التون تاش نے اپنے حصے کے لشکروں کے ساتھ دشمن کو روک دیا تھا جبکہ ارسلان اور عبداللہ طائی بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے دشمن کے پہلوؤں کے ساتھ ساتھ مزید پیش قدمی کرتے چلے جا رہے تھے اور انہوں نے دشمن کے لشکر میں دور دور تک لڑائی کا دامن پھیلا دیا تھا۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ سامنے کی طرف سے سلطان اور التون تاش دشمن پر ضرب لگا رہے تھے اور دشمن کے دائیں اور بائیں پورے کے پورے پہلوؤں پر ارسلان اور عبداللہ طائی نے پورے جوش، جذبے اور ولولے کے ساتھ جنگ کی بھٹی گرم کر دی تھی۔

اس طرح کچھ دیر تک دریائے جمنا کے کنارے یہ ہولناک اور خونریز جنگ جاری رہی۔ پھر ہندوؤں کے اس متحدہ لشکر کے اندر شکست و ریخت، پسپائی اور ماندگی کے آثار بڑی تیزی کے ساتھ نمودار ہونا شروع ہو گئے۔

اس ہولناک جنگ میں مسلمانوں نے ہندوستان کے اس متحدہ لشکر کی زندگی کی مانگ خالی کرتے ہوئے ان کی خوشی کے سیلندر میں دکھ، جہل و شقاوت میں غم اور راند لیتے بھرتے ہوئے ان کی جہالت کی گندگی اور تعصب کی چکنی کالک کو نابود اور ناپید کرنا شروع کر دیا تھا۔

میدانِ جنگ میں جہاں ہندوستان کے متحدہ لشکریوں پر اب تھکاوٹ اور پسپائی کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے وہاں دیکھنے والے یہ اندازہ بھی لگا رہے تھے کہ مسلمانوں نے دریائے جمنا کے کنارے ہندوستان کے اس متحدہ لشکر کے ظلم کی بھڑکتی ہوئی بھٹی کو بجھا کر رکھ دیا تھا۔

مسلمان لشکری آسمان کی نیلی چادر پہ تاروں کی ضو کی طرح تازہ اور شاداب تھے اور ان کے لہو میں طوفان اور جوش ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

کالنجر کے راجہ رائے نندہ نے بھی اس صورتِ حال کو بھانپ لیا تھا لہٰذا شکست کے اس داغ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بجائے وہ اپنے چند حفاظتی دستوں کے ساتھ حرکت میں آیا اور چپکے سے اپنے لشکر کو چکمہ دے کر میدانِ جنگ سے باہر نکلا اور دریائے گنگا کی جانب بھاگ گیا۔

میدانِ جنگ سے نکلتے ہوئے رائے نندہ نے اپنے لشکر کو یہ چکمہ دینے کی کوشش کی تھی کہ وہ ایک نئے انداز سے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والا ہے لیکن جلد ہی متحدہ لشکر کے سپاہی جان گئے کہ رائے نندہ اب جنگ کا نقشہ بدلتا بھی ہے تب بھی اسے مسلمانوں کے مقابلے میں کوئی کامیابی نہ ہوگی اس لیے کہ سامنے کی طرف سے سلطان اور التون تاش نے ان کی کئی صفوں کو ادھیڑ کر پچھلی صفوں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا بلکہ دائیں اور بائیں طرف سے ارسلان اور عبداللہ طائی نے بھی ان پر ایسی ہی کیفیت طاری کر دی تھی۔ اب ان کی اگلی صفیں مکمل طور پر کچلی اور مسلی جا چکی تھیں جبکہ مسلمان اپنا پورا دباؤ پچھلی صفوں پر ڈال رہے تھے جس کے نتیجے میں دشمن کے لشکر میں افراتفری اور کھلبلی مچ گئی۔

اس کے بعد وہ ایسے ہراساں اور خوفزدہ ہوئے کہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ سلطان کے حکم پر مسلمانوں نے تھوڑی دور تک ان کا تعاقب کیا پھر واپس اپنے پڑاؤ پہ لوٹ آئے۔

دشمن کا شکست خوردہ لشکر راجہ رائے نندہ کے پیچھے پیچھے بھاگتا ہوا دریائے گنگا کے اُس پار چلا گیا جبکہ مسلمان لشکریوں میں سے زخمیوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ سلطان نے اپنے لشکر کو آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔

دشمن کے پڑاؤ سے سلطان کو بے شمار مالِ غنیمت کے ساتھ ساتھ اَن گنت ہتھیار بھی ہاتھ لگے۔ اس کے علاوہ اناج کے ذخیرے ایسے ملے تھے جو سلطان کے لشکر کی کئی ماہ تک خوراک بن سکتے تھے۔ ان سب اشیا کو سمیٹتے ہوئے سلطان نے چند روز تک دریائے جمنا کے کنارے قیام کرکے اپنے لشکر کو ستانے کا موقع دیا۔ ساتھ ہی ان کے اندر مالِ غنیمت بھی تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد وہ بڑی تیزی سے اپنے لشکر کو لے کر دریائے گنگا کی طرف بڑھے۔



سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ دریائے گنگا کو عبور کرنے کے بعد جب ان میدانوں میں داخل ہوئے جہاں دشمن ان کے خلاف پہلے سے صف آرا تھا تو انہیں ایک نئی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔

دریائے گنگا کے بائیں کنارے پر دشمن پہلے ہی سے ان کا منتظر تھا۔ اس دفعہ دشمن نے سلطان سے نمٹنے کے لیے ایک نئی چال چلی تھی۔

گنگا عبور کرنے کے بعد سلطان نے جب پڑاؤ کیا تو انہیں احساس ہوا کہ دشمن نے اس مرتبہ ان میدانوں میں جنگ کے لیے ایک نیا نقشہ ترتیب دیا تھا اور وہ یہ کہ دشمن صرف ان کے سامنے پڑاؤ کرنے کے بجائے تین اطراف میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

سلطان کے سامنے ہندوستان کے متحدہ راجاؤں کا لشکر تھا جن میں وہ بھی لشکری آ کر شامل ہو گئے تھے جنہیں سلطان نے جمنا کے کنارے شکست دی تھی۔ بائیں جانب کالنجر کا راجہ رائے نندہ اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ ہنڈ کا سابق راجہ نادر بھیم پال اور اس کا باپ ترلوکن پال بھی اس کے ہمراہ تھے جبکہ بائیں جانب قنوج کا نیا راجہ ترلوچن پال اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔

یہ صورتِ حال اس بات کی غماز تھی کہ دشمن سامنے اور دائیں بائیں تین اطراف سے یک لخت مسلمانوں پر حملہ کر کے جنگ کا فیصلہ اپنے حق میں کرنا چاہتا ہے۔

دریائے گنگا کے کنارے سلطان ابھی اپنے لشکر کا پڑاؤ ہی کرنے پائے تھے کہ دشمن نے جنگ کی ابتدا کر دی۔

دشمن کے لشکر کے تینوں حصوں میں جنگ کے بڑے بڑے پیتل کے طبل اور دفیں بجنا شروع ہو گئے۔ جواب میں سلطان نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دیں۔ لشکر کی صفیں درست کر کے سلطان نے لشکر کے سامنے والے حصے میں ارسلان، عبداللہ طائی، امیر نصر اور التون تاش کو طلب کیا۔ وہ چاروں آئے تو سلطان نے ان کو مخاطب کر کے کہا:

"سنو میرے عزیزو! تم میدانِ جنگ کا اچھی طرح جائزہ لے چکے ہو گے۔ اس مرتبہ دشمن نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ سامنے، دائیں اور بائیں سے دشمن یک مشت ہو کر ہم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور اس کے اس سہ طرفہ حملے سے نمٹنے کے لیے ہمیں بھی اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرنا ہو گی۔

سنو میرے فرزندو! جنگ میں دشمن سے نمٹنے کے لیے ہماری حکمتِ عملی اب یہ ہو گی کہ جنگ شروع ہونے پر ہمارا لشکر ایک ہی جگہ رہے گا تاکہ دشمن کو یہ خبر نہ ہو کہ ہم جنگ کی ابتدا کیسے اور کس انداز میں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ دشمن تینوں اطراف سے پیش قدمی کرتے ہوئے ہم پر حملہ آور ہو گا۔ سامنے جو دشمن کا لشکر ہے اس سے میں نبٹوں گا اور میرے ساتھ امیر نصر رہے گا۔ دشمن کے دائیں طرف کے لشکر کا مقابلہ التون تاش کرے گا اور بائیں طرف کے لشکر کا عبداللہ طائی۔ جہاں تک ارسلان کا تعلق ہے تو سنو ارسلان میرے فرزند! تم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنے لشکر کی پشت پر چلے جاؤ گے۔ جنگ کے دوران تم اپنے لشکر کے تینوں حصوں کا جائزہ لیتے رہنا اور لشکر کے جس حصے میں تم کمزوری پاؤ اس حصے کی مدد کو پہنچنا اور دشمن پر کاری ضرب لگانا۔ اس طرح تم اپنے لشکر کے تینوں حصے نظر میں رکھ کر ان کی مدد کر سکو گے۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ ہمارے لشکریوں کے حوصلے بلند رہیں گے بلکہ میرے خیال میں یہ طریقہ اختیار کر کے ہم دور دراز کے اس دریائے گنگا کے کنارے دشمن کو بدترین اور ذلت آمیز شکست دینے میں کامیاب رہیں گے"۔

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان خاموش ہو گئے تو ارسلان نے بڑی سعادت مندی سے سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے ادب سے کہا:

"سلطانِ محترم! جنگ کی جو حکمتِ عملی آپ نے تیار کی ہے یہ ایک بہترین اور شاندار تدبیر ہے میں اس سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ یہ طریقہ اختیار کر کے مجھے سو فیصد یقین ہے کہ دشمن ہم بے ضرر بھیڑوں کے گلوں کی طرح ہانک ماریں گے"۔

ارسلان خاموش ہو گیا کیونکہ دشمن کی طرف سے طبل اور دفیں پیٹنے کی آوازیں پہلے کی نسبت زیادہ تیزی اور رزم دارانہ انداز میں سنائی دینے لگی تھیں۔ اس پر سلطان بولے:

"سنو میرے ساتھیو! تم اب اپنے اپنے لشکر کی طرف جاؤ اس لیے کہ میرے خیال میں دشمن جنگ کی ابتدا کرنے والا ہے"۔

سلطان کا یہ حکم پاتے ہی ہر کوئی اپنے حصے کے لشکر کی طرف چلا گیا جبکہ ارسلان بڑی تیزی سے اپنے حصے کے لشکر کو سلطان کے لشکر کی عین پشت کی طرف لے گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جنگ کی ابتدا ہو گئی۔

دشمن کے تینوں لشکر ایک ساتھ حملہ آور ہوئے تھے۔ سامنے کی طرف سے پورے ہندوستان کا متحدہ لشکر بڑھا تھا۔ بائیں جانب سے کالنجر کا راجہ رائے نندہ اور دائیں طرف سے قنوج کا راجہ ترلوچن پال بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

شروع شروع میں سلطان نے اپنے لشکر کو متحد رکھ کر پیش قدمی کی تھی جس کی بنا پر دشمن نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ اس کے مقابلے میں سلطان اپنے لشکر کو اکٹھا رکھ کر ہی جنگ کریں گے لیکن جونہی دشمن کے لشکر کے تینوں حصے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے، سلطان کی طرف سے لگاتار جنگی نعروں کی صورت میں "اللہ اکبر" کی تکبیریں بلند ہونا شروع ہوئیں جن کے جواب میں سلطان کا لشکر فوراً چار حصوں میں تقسیم ہو کر پھیل گیا۔

سلطان خود ہندوستان کے متحدہ لشکر سے ٹکرائے۔ دشمن کے دائیں بازو پر التون تاش حملہ آور ہوا اور بائیں پہلو پر عبداللہ طائی ضربیں لگانے لگا تھا تاہم ارسلان ابھی تک سلطان کی پشت پر حالات کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

کالنجر کا راجہ رائے نندہ، قنوج کا راجہ ترلوچن پال، نادر بھیم پال اور ترلوکن پال بے حد خوش تھے کہ ان کے تین لشکروں کے مقابلے میں سلطان اپنے لشکر کو یک جا کر کے ان کے سامنے آئے ہیں۔

انہیں امید تھی کہ جب وہ تین اطراف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گے تو مسلمانوں کو اپنی پشت پر بہتے دریائے گنگا میں ڈوب مرنے کے سوا کوئی چارہ نہ دکھائی دے گا۔

اسی زعم میں ہندوستان کے اس متحدہ لشکر کے لشکری رنج وغم اور درد والم کے سلسلے کی طرح نیلی پیلی، عنابی اور جلتی بجھتی قندیلوں کی طرح اپنے جے جے کارے بلند کرتے ہوئے ایسی لگن اور ایسے جذبے کے ساتھ حملہ آور ہوئے جیسے جیٹھ کی دھوپ میں جنگل جل اٹھتا ہے۔

گنگا کے کنارے بن پتوں کی ڈالوں والے درخت یہ ہولناک سماں بڑی حیرت اور پریشانی سے دیکھ رہے تھے۔

ہندوستان کا متحدہ لشکر تین اطراف سے اپنی روح کی تڑپ، من کی چبھن اور دکھ کے بھیانک کالے ساگر کی طرح اپنے من کے کواڑوں کی تانیں، الاپ اور ترانے درست کرتا ہوا ظلم کی خون بھری چہار کی طرح آگے بڑھا تھا۔

تین اطراف سے حملہ کرتے وقت وہ برکھا میں بادل اور صحرا میں مطمئن آہو کی طرح خوش تھے۔ یک مشت ہو کر سلطان کے لشکر پر حملہ آور ہوتے ہوئے انھوں نے اپنی طرف سے ٹھنڈی اور گاڑھی کہر کی چادر بربادی اور زبوں حالی کے طوفان، وحشت کے ہیولوں، طاقت وقوت کے خزانے اور ناگ پھنی کے جنگل میں چنگھاڑتی ناچتی موت کی طرح مسلمانوں پر چھا جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہندوستان کے اس متحدہ لشکر کے حملہ آور ہوتے ہی سلطان کے لشکر میں ایک انقلاب بر ہوا تھا۔ ایک دھاکے، ایک جھماکے کے ساتھ سلطان کا لشکر فی الفور کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ سامنے والے حصے پر سلطان خود حملہ آور ہوئے۔ دائیں حصے پر التون تاش نے ضربیں لگانا شروع کیں جبکہ دشمن کے بائیں پہلو پر عبداللہ طائی ٹوٹ پڑا تھا۔

تین حصوں میں بٹ کر مسلمان لشکری بھڑک اٹھنے والی جوالا، دکھ کے بھورے سایوں، دھواں دھار تاریکی کی طرح حملہ آور ہونے، ہوئے دشمن کے سینے کی مبہم بے چینی میں درد والم کی آگ بن کر چھانے لگے تھے۔ اپنے تیز حملوں سے وہ دشمن کی حالت لکھوری اینٹوں، کائی لگی دیواروں اور سوکھی ٹہنیوں جیسی کرنے لگے تھے۔

مسلمانوں کے لشکر کے تینوں حصوں کے اس جوابی حملے سے میدان جنگ میں دشمن یوں محسوس

کرنے لگا تھا جیسے ہر طرف اس کی ارتھی اٹھ رہی ہو اور ہر سمت اس کے لیے چتا سلگ اٹھی ہو۔

تھوڑی دیر تک یہ ہولناک جنگ جاری رہی۔ ارسلان نے اپنے لشکر کے ساتھ ابھی تک اس جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اس نے سلطان کی ہدایت کے مطابق اپنے لشکر کو پشت پر رکھا اور حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کے لشکر کے تینوں حصے کمالِ جرأت اور حوصلے کے ساتھ بھرپور جذبوں سے دشمن کے سامنے اپنا دفاع کرنے کے بعد اب مکمل طور پر جارحیت پر اتر آئے ہیں تو اس نے ایک بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

فی الفور وہ حرکت میں آیا اور جنگ میں مصروف مسلمانوں کے پیچھے ہی پیچھے سے اپنے لشکر کو لے کر اس سمت بڑھا جہاں عبداللہ طائی دشمن کے ساتھ جنگ میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اپنے لشکر کے ساتھ ارسلان عبداللہ طائی سے بھی آگے نکل گیا۔ پھر وہ دشمن کے اس حصے پر حملہ آور ہو گیا جو عبداللہ طائی سے نبرد آزما تھا۔ ارسلان دشمن کے اس پہلو پر وقت کے لامحدود سمندر میں اندھیری رات کے سناٹے، لا متناہی فضاؤں میں ظلم وعداوت کے ریتلے جھکڑ اور زندگی کے پتھریلے خارزاروں میں موت کے شکنجے اور درد آمیز المیے کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

اپنے تیز اور جان لیوا حملوں سے اس نے دشمن کے لشکر کے اس حصے کی حالت انتہائی بری اور تنہائی کے بھیانک مقبروں میں نامرادیوں کے دھندلے سائے اور بربادیوں کے پرانے گنبد میں اضطراب کے بھنور جیسی بنا کر رکھ دی تھی۔ وہ دشمن کے اس پہلو پر حملہ آور ہوتے ہوئے ملامت کے کانٹے کی چبھن کی طرح دور تک ان کے اندر گھستا چلا گیا تھا۔

ارسلان کے یوں دشمن کے اس پہلو پر اچانک حملہ آور ہونے سے میدانِ جنگ میں ایک انقلاب اور تبدیلی رونما ہوئی۔ اس لیے کہ دشمن کے اس حصے پر اچانک ارسلان کے حملے سے، دشمن کے اس حصے کی ساری توجہ عبداللہ طائی کے بجائے ارسلان کی طرف ہو گئی تھی۔ اس طرح عبداللہ طائی جنگ سے فارغ ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ محسوس کرتے ہی عبداللہ طائی نے اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے اس حصے پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا جو سلطان کے ساتھ برسرپیکار تھا۔ نتیجتاً سلطان کے لشکر کا ایک حصہ دشمن کے اس حصے پر ٹوٹ پڑا جو اس وقت تک التون تاش کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا۔

اس طرح ارسلان کے حملہ آور ہوتے سے عبداللہ طائی سے لے کر التون تاش تک دشمن کی صفوں پر

زور اور دباؤ بڑھا دیا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں جنگ لمحہ بہ لمحہ شدت اور اپنے آخری مراحل کو سمٹتی چلی جا رہی تھی۔

ارسلان نے اچانک حملہ آور ہو کر دشمن کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا لہٰذا دشمن کے لشکر کا وہ حصہ اپنی قوت کو بحال کرنے کے لیے پیچھے ہٹنے لگا تھا۔ اس حصے کے کماندار کا ارادہ تھا کہ پیچھے ہٹ کر نہ صرف اپنی صفیں درست کر لے بلکہ لشکر کے وسطی حصے سے اپنے لیے کمک کی صورت میں مزید فوج بھی حاصل کرے لیکن ارسلان نے اسے اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہونے دیا اس لیے کہ دشمن کے لشکر کا وہ حصہ جونہی پیچھے ہٹا، ارسلان نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی پیدا کر دی اور دشمن کو اس کے وسطی حصے تک روندتا چلا گیا۔

اب جبکہ ارسلان نے جنگ کا دائرۂ عمل دشمن کے لشکر کے وسط تک پہنچا دیا تھا تو سامنے کی طرف سے خود سلطان اور عبداللہ طائی اور التون تاش نے بھی اپنے حملوں میں پورا جوش اور جذبہ بھر کر رکھ دیا تھا جس کے باعث دشمن کے لشکر کی صفوں کی صفیں الٹنا شروع ہو گئی تھیں۔ نتیجتاً ہندوستان کے راجاؤں کا یہ متحدہ لشکر میدانِ جنگ سے شکست کھا کر بھاگا۔

سلطان محمود کے ہاتھوں ہندوؤں کی یہ بدترین شکست تھی۔

کالنجر کا راجہ رائے نندہ اپنے لشکر کو لے کر مغرب کی طرف بڑھا۔ دریائے گنگا کو اس نے بدحواسی کے عالم میں عبور کیا۔ اس کے بعد تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے دریائے جمنا کو عبور کر کے وہ اپنے مرکزی شہر کالنجر کی جانب فرار ہو گیا۔

دوسری طرف قنوج کے نئے راجہ ترلوچن پال نے سلطان سے معافی مانگ لی اور آئندہ ایسی جنگوں میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ اور وعدہ کیا جبکہ نادر بھیم پال اور ترلوکن پال، راجہ رائے نندہ کے ساتھ ہی کالنجر کی طرف بھاگ گئے تھے۔

اس شاندار فتح کے بعد سلطان نے کئی روز تک میدانِ جنگ میں پڑاؤ کیے رکھا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کی گئی۔ میدانِ جنگ سے جو بے شمار مالِ غنیمت حاصل ہوا، اسے سمیٹ کر درست کیا گیا۔ اس کے بعد لشکر کو سستانے کا موقع فراہم کیا گیا کیونکہ مسلسل جنگ میں مصروف رہنے کے باعث لشکری کچھ تھکان محسوس کر رہے تھے۔



دوسری طرف کالنجر کا راجہ رائے نندہ اپنے مرکزی شہر پہنچ کر آرام سے نہ بیٹھا بلکہ فی الفور اس نے مزید سپاہی بھرتی کر کے اپنے لشکر کی تعداد بڑھالی۔ ساتھ ہی اس نے پانڈہ کنج اور گوالیار کے راجاؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر ایک ایسا لشکر تیار کر لیا جس میں ۳۶ ہزار سوار، ایک لاکھ پیادے اور ۶۴۰ ہاتھی شامل تھے۔

اپنے اس لشکر کو لے کر راجہ رائے نندہ گوالیار کے نواح میں دریائے چنبل کے کنارے آ کر خیمہ زن ہو گیا۔ اس نے اطراف میں اپنے جاسوس پھیلا دیے تا کہ وہ سلطان محمود کی نقل و حرکت کی اسے اطلاع دیتے رہیں۔

یہ انتظامات کرنے کے بعد رائے نندہ، سلطان محمود کے لشکر کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا تھا۔ اب اسے ایک بار پھر اپنے لشکر کی زیادتی کا گھمنڈ ہو گیا تھا اور وہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ آئندہ جنگ اسی کے حق میں ہو گی۔

سلطان کے طلایہ گردستوں نے بھی سلطان کو خبر کر دی تھی کہ کالنجر کا راجہ رائے نندہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ گوالیار اور دھولپور کے درمیان بہنے والے دریائے چنبل کے کنارے خیمہ زن ہو چکا ہے۔

سلطان کو یہ خبر بھی پہنچا دی گئی تھی کہ اس نے گوالیار، کنج اور پانڈہ کے راجاؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔

یہ خبریں سننے کے بعد سلطان نے رائے نندہ سے نمٹنے کی لیے کوئی تاخیر یا دیر نہ کی بلکہ دریائے گنگا کے کنارے سے فوراً کوچ کیا۔ گنگا کو عبور کرنے کے بعد وہ تیزی سے جمنا کی طرف آئے۔ دہلی کے جنوبی حصے سے انہوں نے جمنا کو عبور کیا۔ پھر متھرا سے ہوتے ہوئے بڑی تیزی سے دریائے چنبل کے کنارے سب سے بڑے شہر باری کی طرف بڑھے۔

شہر کے محافظ لشکر نے باہر نکل کر سلطان کا مقابلہ کیا اور بدترین شکست اٹھا کر واپس شہر کے اندر جا کر محصور ہو گیا۔ سلطان نے باری شہر کا محاصرہ کر لیا۔

چند روز تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر بارش کی ایک رات سلطان اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ شہر کی فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح رات کی تاریکی میں شہر کے دروازے کھول دیے گئے اور مسلمانوں کا لشکر اندر داخل ہو گیا۔

مزاحمت کرنے والوں کا صفایا کر دیا گیا۔ یوں باری شہر سلطان کے ہاتھوں فتح ہوا۔ شہر کے اندر جس قدر بت خانے تھے وہ سارے کے سارے سلطان نے گرا کر تباہ و برباد کر دیے۔ باری شہر سے نکل کر سلطان دریائے چنبل کی طرف بڑھے۔

گوالیار اور دھولپور کے درمیان بہتے ہوئے دریائے چنبل کے کنارے سلطان نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کا حکم دیا۔ پھر دریا کو عبور کرنے کے لیے اس کا جائزہ لیا۔

انہوں نے دیکھا کہ دریا انتہائی دلدلی تھا لہٰذا لشکر اور گھوڑے اس میں سے نہیں گزر سکتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ دریا کا پانی انتہائی تیز رفتار تھا۔ اس کے علاوہ دریا کے اُس پار ساری گزرگاہوں پر دشمن نے قبضہ کر رکھا تھا۔ یہ تیسری مشکل تھی جو مسلمانوں کے دریائے چنبل کو عبور کرنے کے راستے میں حائل تھی۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے سلطان نے ارسلان کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ دریا کے کنارے کنارے دونوں اطراف میں دریا کا جائزہ لے اور یہ اندازہ لگائے کہ کہاں سے دریا کو عبور کر کے دشمن پر ضرب لگائی جا سکتی ہے۔

دریائے چنبل جنوب مغرب کے کوہستانی سلسلوں سے نکل کر میدانی علاقے میں بڑی تیزی سے پھیلتا اور دلدلیں بناتا ہوا جمنا میں جا گرتا تھا۔

ارسلان نے اپنے عم زاد احمد کو ساتھ لیا اور دریا کا جائزہ لینے کے لیے وہ اس کے کنارے کنارے جنوب مغرب کی طرف بڑھا۔ جہاں سلطان نے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا اس سے بالکل قریب بلکہ ملحقہ دریا کے کنارے کنارے گھنا اور طویل جنگل پڑتا تھا جو حدِ نگاہ تک جنوب مغرب میں چلا گیا تھا۔ اس جنگل اور دریا کے بیچوں بیچ ارسلان اور احمد کو دریا عبور کرنے کے لیے جائزہ لیتے ہوئے کافی آگے تک جانا پڑا۔

اپنے اس کام کی تکمیل کے بعد جب ارسلان اور احمد دریائے چنبل کے کنارے کنارے اپنے لشکر

کی جانب جا رہے تھے تو اچانک وہ دونوں چونک پڑے۔

جنگل میں بہت قریب ہی انہیں اسی اجنبی اور ناآشنا لڑکی کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ اپنے عجیب انداز اور انوکھے ترنم کے ساتھ اللہ نور السمٰوٰت والارض کا ورد کر رہی تھی۔ اس کی آواز کچھ اس طرح جنگل میں بلند ہوئی تھی جیسے اندھیری راتوں کے سناٹوں میں چاندنی بہ نکلی ہو یا سوکھی تپتی دھرتی برکھا کے پہلے چھینٹے سے اچانک جاگ کر خوشبو دینے لگی ہو جس کے باعث کھیتوں کھلیانوں میں جیون رس ناچ اٹھا ہو۔

وہ آواز اس طرح اچانک سنائی دی تھی جیسے نرشے بلور کے شفاف پیالے میں زندگی کی تابندگی درامن و مسرت ایکدم رقص کناں ہو گئے ہوں۔

ایسا لگتا تھا اس آواز کو سننے کے لیے بھیگی ہری اوڑھنیاں اوڑھے جوہی، چنبیلی، چمپا اور کامنی کے پودے اور گلابی شگوفوں کے ساتھ ساتھ املتاس کے پیلے پھول خاموشی سے سر ملکائے کھڑے ہوں۔

تھوڑی دیر وہ لڑکی خاموش رہی۔ پھر دوبارہ اس کی آواز اس طرح بلند ہوئی گویا کالی زہریلی فرقتوں میں سچائی کی تمتماہٹ بیدار ہوئی ہو۔ جیسے شام کی گود میں تڑپتے آبشار یا صبح کی آغوش میں چٹکتے غنچے۔۔۔ وہ آواز یوں سنائی دے رہی تھی جیسے اچانک کوئی پھلجھڑی چھوٹی ہو۔

اس آواز میں منہ اندھیرے دور سے آتی اذان کی آواز کی کشش اور شگوفوں میں سما کر گنگناتی اور رات کی آغوش میں گھنگھروؤں کو بجاتی ہوا جیسی دل کشی تھی۔

فضاؤں کی تلخی میں اس آواز نے جنگل میں حلاوتوں کی تمنائیں، ملاحتوں کی مرادیں، کلیوں کی کشش اور پھولوں کی انکساریاں بکھیر دی تھیں۔

اس لڑکی کی آواز سن کر ارسلان کو یوں لگا جیسے وہ ناآشنا لڑکی اپنے نازک جسم، حسین بازوؤں، شگفتہ چہرے، سیاہ گیسوؤں، نشیلی آنکھوں، رسیلی چتونوں، دراز مہین پلکوں، گلابی لبوں، مسکراتے عارضوں، کشادہ جبیں، بلند قامتی، جھلمل نگاہوں، شبنمی اداؤں، دھڑکتے سینے اور مہکتی سانسوں کے ساتھ تمام شوخی و بجلی، تمام مستی و جادو، ہمہ حلاوت و ملاحت اور ہمہ ترنم و تنزاکت بن کر اس کے سامنے آ گئی ہو۔

تھوڑی دیر تک ارسلان اس لڑکی کی آواز کی کشش میں مکمل طور پر کھویا رہا۔ پھر اچانک وہ چونک سا پڑا۔

اپنے گھوڑے کو اس نے ایڑ لگائی اور جنگل کی جس سمت سے وہ آواز آ رہی تھی، اس طرف اس نے اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیا۔ احمد بھی ارسلان کے پیچھے ہی اسی سمت میں اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا چکا تھا۔

ارسلان جنگل میں ادھر ادھر بہت دیر تک اپنا گھوڑا دوڑاتا رہا لیکن وہ لڑکی اُسے کہیں بھی دکھائی نہ دی۔

اپنے گھوڑے کو بھگاتے بھگاتے اچانک ارسلان ایک جوہڑ کے کنارے آیا تو جوہڑ کے دوسری سمت پھر اسے اس لڑکی کی آواز سنائی دی۔ اس نے کمال محویت اور عجیب سی کشش کے عالم میں پھر پڑھا تھا:

اللہ نور السموات والارض

اللہ نور السموات والارض

ارسلان اس آواز پر پاگل اور دیوانہ سا ہوا جا رہا تھا لہذا اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس نے جوہڑ کے دوسرے کنارے کی طرف دوڑا دیا۔

جب وہ جوہڑ کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو وہ لڑکی اسے وہاں بھی کہیں دکھائی نہ دی۔ تاہم اس نے وہاں رکنے کے بجائے گھوڑے کو مسلسل آگے کی جانب بھگانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ دونوں بھائی اس جگہ آن رکے جہاں جنگل ختم ہو جاتا تھا اور وہاں سے تھوڑا ہی آگے ان کے اپنے لشکر کا پڑاؤ تھا۔

انہوں نے دیکھا کہ لشکر کے پڑاؤ اور جنگل کے درمیان جو خالی جگہ تھی وہاں وہ لڑکی اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتی ہوئی لشکر گاہ کی طرف جا رہی تھی۔

یہ دیکھ کر ارسلان کے چہرے پر افسردگیاں اور اداسیاں بکھر کر رہ گئیں۔ اپنی جگہ پہ رکے ہی رکے وہ اس لڑکی کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ لشکر میں داخل ہو کر اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

پھر اس کی گردن اداسی اور افسردگی سے جھک گئی۔

اس نے بڑی بے دلی سے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔

اور ـــــ

اپنے لشکر کی طرف چل دیا۔ احمد بھی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔



ارسلان اور احمد، دونوں جب اپنی لشکر گاہ میں داخل ہوئے تو سورج یقین کا رس سمیٹتا اور امیدوں کا خمار پھیلاتا، اپنے چہرے پر آرزوؤں کی شیریں ملاحتیں ملتا، آفاق میں سُرخیِ انار کی بکھیرتا، وقت کی گرم چٹکیوں اور موجِ لرزاں میں مقید عکس کی طرح غروب ہو رہا تھا۔

سورج کے غروب ہوتے ہی تپتی زمین کی پلک پلک میں اندھیرے اور نس نس میں تاریکیاں موجزن ہونے لگی تھیں جبکہ اداس اداس زیست، گھٹے گھٹے سکوت سے دوچار ہو کر رہ گئی تھی۔

سلطان محمود کے خیمے کے سامنے آنے کے بعد ارسلان اور احمد دونوں نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا۔ احمد گھوڑوں کے پاس ہی کھڑا رہا اور ارسلان اکیلا سلطان کے خیمے کا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔

سلطان اس وقت اپنے خیمے میں اکیلے تھے۔ انہوں نے کمالِ بشاشت اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے قریبی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے کہا:

"آؤ بیٹھو جاذب کے بیٹے! تم جس کام کے لیے گئے تھے اس کے بارے میں کیا خبر لے کر آئے ہو؟"

اس پر ارسلان آگے بڑھا۔ سلطان کے پہلو میں ایک خالی نشست پر بیٹھا اور بولا:

"سلطانِ محترم۔ میں دریائے چنبل کے کنارے کنارے جنوب مغرب کی طرف کافی دور تک گیا

ہوں لیکن میں نے اس دریا کو ہر طرف ایک جیسا ہی پایا ہے۔ اس کے پانی کی رفتار بے حد تیز ہے اور اس کی تہ میں ویسی ہی دلدل ہے جیسی ہمارے پڑاؤ کے سامنے ہے"۔

ارسلان کی بات سن کر سلطان تھوڑی دیر تک سر جھکائے کچھ سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے دوبارہ ارسلان سے پوچھا:

"جاذب کے بیٹے! دریائے چنبل کو عبور کرنا تو ہے۔ اس کے لیے تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"

اس پر ارسلان فوراً کہنے لگا:

"سلطانِ محترم! میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو ہم اس دریا کو باسانی عبور کر سکتے ہیں"۔

یہ سن کر سلطان محمود کی آنکھوں میں زبردست چمک پیدا ہوئی۔ انہوں نے بڑے غور سے ارسلان کو دیکھتے ہوئے شفقت سے کہا:

"کہو جاذب کے بیٹے! تمہارے ذہن میں کونسی تدبیر ہے جس پر عمل کرتے ہوئے دریائے چنبل کو آسانی سے عبور کیا جا سکتا ہے؟"

اس پر ارسلان کمالِ ادب سے بولا:

"سلطانِ محترم! میرا خیال ہے کہ لشکر میں جس قدر جانور روزانہ ذبح کیے جائیں ان کی کھالوں کو محفوظ کر کے ان کے مشکیزے تیار کر لیے جائیں۔ پھر ان میں ہوا بھرنے کے بعد ہمارے لشکر کے چند دستے ان ہوا بھرے مشکیزوں کے سہارے دریائے چنبل کو پار کر جائیں لیکن ایسا کرنے کے لیے ہمیں کچھ رسوں کا انتظام کرنا ہو گا جو دریا کے پاٹ کے برابر لمبائی رکھتے ہوں۔

ان رسوں کا ایک سرا دریا کے اس طرف درختوں سے باندھ دیا جائے جبکہ دوسرا سرا مشکیزوں کے ذریعے دریا کو عبور کرنے والے ہمارے جوان دریا کی دوسری سمت درختوں سے باندھ دیں گے اس طرح ان رسوں کی مدد سے ہمارا لشکر بآسانی اور حفاظت کے ساتھ دریائے چنبل کو عبور کر کے اس کے دوسرے کنارے پر اتر سکتا ہے"۔

ارسلان یہاں تک کہہ چکا تو سلطان نے تیزی سے کہا:

"سنو جاذب کے بیٹے۔ میں تمہاری ساری تدبیر کو سمجھ گیا ہوں اور میرے خیال میں تمہاری یہ تدبیر

انتہائی آسان اور قابلِ عمل ہے۔ سب سے پہلے ہمیں مشکیزوں اور بہت سے رسوں کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس کے بعد اس تجویز پر عمل کرنا ہوگا۔

میرے خیال میں ہمیں لشکر کے ایک حصے کو امیر نصر کی سرکردگی میں اپنے اسی پڑاؤ پر چھوڑنا ہوگا کیونکہ ہم ہاتھیوں اور گھوڑوں کو دریا کے اس پار نہیں لے جا سکتے لہٰذا امیر نصر لشکر کے ایک حصے کے ساتھ ہاتھیوں گھوڑوں اور پڑاؤ کی حفاظت کرے گا جبکہ باقی ماندہ لشکر دریا کو عبور کر کے گوالیار، کالنجر، پانڈہ اور کنج کے راجاؤں کے متحدہ لشکر کے ساتھ برسرِپیکار ہوگا۔

سنو جاذب کے بیٹے۔ چند یوم تک نہ صرف یہ کہ رسوں کا انتظام ہو جائے گا بلکہ خاصی تعداد میں مشکیزے بھی تیار کر لیے جائیں گے۔ اس دوران ہمیں دریا کے کسی ایسے حصے کو تلاش کرنا ہوگا جہاں سے رات کی تاریکی میں ہمارے چند دستے ہوا بھرے مشکیزے لے کر دریا کو عبور کریں اور اپنے ساتھ وہ رسے لیتے جائیں جن کے سرے اس سمت کے درختوں سے بندھے ہوں گے۔ جبکہ دوسرے سرے وہ دریا کے دوسرے کنارے پر درختوں کے ساتھ باندھ دیں گے۔ انہی رسوں کی مدد سے ہم رات کو دریا عبور کریں گے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے ہم دریائے چنبل کے دوسرے کنارے ان علاقوں کے راجاؤں کے متحدہ لشکر کے سامنے جا نمودار ہوں گے۔

ہمارے اس طرح اچانک سامنے آنے سے ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور ان پر ہمارے خوف اور ڈر سے لرزہ پیدا ہو جائے گا اور ان کی یہی کیفیت ان کے مقابلے میں ہماری فتح اور کامرانی کا باعث بن جائے گی۔"

سلطان خاموش ہوئے تو ارسلان مسکراتے ہوئے بولا:

"سلطانِ محترم! میں آپ کی بات سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔"

اس پر سلطان نے کہا:

"اب یہ معاملہ طے ہے کہ چند روز تک رسوں اور مشکیزوں کا انتظام کرنا ہوگا۔ اب تم جاؤ اس لیے کہ سارہ بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔"

سلطان کے ان الفاظ سے ارسلان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن جلد ہی اس کی یہ مسکراہٹ جاتی رہی کیونکہ ابھی تک اس کا دل اس لڑکی کے متعلق سوچوں میں گرفتار تھا جو جنگل میں اس کی

جستجو کا باعث بنی تھی اور جو اس سے تھوڑی دیر پہلے لشکر میں داخل ہو کر کسی ہیولے اور غولِ بیابان کی طرح غائب ہو گئی تھی۔

اس لڑکی کا خیال آتے ہی ارسلان کے چہرے پر دنیا بھر کی اداسیاں اور افسردگیاں چھا گئیں تاہم وہ سلطان کے خیمے سے نکل کر احمد کے قریب آیا جو دونوں گھوڑوں کی باگیں پکڑے کھڑا تھا۔ اس نے احمد سے اپنے گھوڑے کی باگ لی۔ پھر دونوں اپنے خیمے کی جانب چل دیے۔



احمد کے ساتھ ارسلان بکھرا بکھرا اور اداس سا اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ اس کی حالت دیکھ کر سارہ اور امامہ دونوں ہی پریشان ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

پھر سارہ بڑی تیزی سے آگے بڑھی۔ بڑے پیار اور چاہت سے اس نے ارسلان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اسے اپنی نشست کے ساتھ خیمے کے وسط میں بٹھایا۔ پھر اس نے اپنی آواز میں اپنی ذات کی ساری مٹھاس اور شیرینی گھولتے ہوئے پوچھا:

"کیا بات ہے آپ کچھ اداس اور افسردہ سے ہیں؟"

سارہ کے اس سوال کے جواب میں قبل اس کے کہ ارسلان کوئی جواب دیتا، احمد بول پڑا اور دریائے چنبل کے کنارے جنگل میں جو واقعہ پیش آیا تھا، تفصیل کے ساتھ اس نے سارہ اور امامہ کے گوش گزار کر دیا۔

یہ واقعہ سننے کے بعد امامہ بے چاری تو کچھ اداس اور پریشان سی ہو گئی مگر سارہ بڑی دردمندی اور ہمدردی کے جذبات کے تحت ارسلان کو دیکھے جا رہی تھی۔ پھر شاید امامہ نے اپنے بھائی کا دھیان بٹنے کے لیے کہا:

"ارسلان۔ میرے بھائی کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ ہمیں سلطان کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ سنائیں جس نے آپ کو بے حد متاثر کیا ہو؟"

جواب میں ارسلان نے عجیب سے انداز میں اس طرح امامہ کی طرف دیکھا کہ وہ بے چاری کٹ کر رہ گئی تاہم وہ دوبارہ بڑے پیار سے اسے مخاطب کر کے بولی:

"میرے بھائی۔ ایسا کوئی واقعہ ضرور سنائیں جس سے آپ بے حد متاثر ہوتے ہوں۔ اس طرح کھانا آنے تک ہمارا وقت اچھا کٹ جائے گا۔"

ارسلان یہ سن کر کافی دیر تک خاموش رہا۔ پھر گویا ہوا اور کہنے لگا:

"سنو میری بہن۔ میں تمہیں سلطان کے بارے میں ایک ایسا واقعہ سناتا ہوں جس نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔

سلطان محمود اکثر شہر میں بھیس بدل کر گھوما کرتے تھے تاکہ اپنی رعایا کا احوال جان سکیں۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ وہ شہر میں پیدل گھوم رہے تھے۔ ان کے آگے آگے ان کا فراش سونے کا شمعدان لیے ان کو روشنی دکھاتے ہوئے چل رہا تھا۔ راستے میں سلطان کو ایک ایسا طالب علم دکھائی دیا جو مدرسے میں بیٹھا اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔ اس طالب علم کے پاس جلانے کے لیے روغن نہ تھا اس لیے پڑھتے پڑھتے جب کبھی وہ بھول جاتا تو قریب ہی بنیے کی دکان کے چراغ کے پاس جا کر اپنی کتاب کو کھول کر دیکھ لیتا۔ پھر واپس اپنی جگہ پر آ کر سبق یاد کرنے لگ جاتا۔

سلطان کو اس بچے کی یہ ادا بہت بھائی۔ وہ کافی دیر تک اس بچے کو دیکھتے اور خوش ہوتے رہے۔ آخر وہ اس بچے کے پاس آئے اور اسے مخاطب کر کے پوچھا:

"اے فرزندِ ارجمند! تو کون ہے اور کہاں رہتا ہے اور رات کی اس تاریکی میں یہاں بیٹھ کر کیوں سبق یاد کرتا ہے۔ اپنے گھر پر کیوں نہیں بیٹھتا۔"

جواب میں وہ بچہ سلطان کو مخاطب کر کے بولا:

"میں ایک بیوہ کا بیٹا ہوں۔ میرا باپ عرصہ ہوا مر چکا ہے۔ میری بیوہ ماں کی خواہش ہے کہ میں ایک صاحبِ علم اور ذی حیثیت جوان بنوں۔ لوگوں میں میری شہرت ہو۔ لوگوں کے اندر میری نیک نامی، پارسائی، فراست اور علم کے چرچے ہوں۔ بس اپنی ماں کی اس تمنا کو پورا کرنے کے لیے میں مدرسے میں آ کر پڑھتا ہوں۔

گھر میں اس لیے نہیں پڑھتا کہ وہاں غربت کی وجہ سے رات کو چراغ نہیں جلتا لہٰذا اس مدرسے میں چلا آتا ہوں اور ہمسائے میں بنیے کی دکان میں رات گئے تک جلنے والے دیے کی روشنی میں پڑھتا رہتا ہوں۔ جب کبھی بھولتا ہوں تو بنیے کے چراغ کی روشنی میں دیکھ لیتا ہوں۔

یہ بنیا بڑا نیک آدمی ہے اور شاید جانتا ہے کہ میں مدرسے میں آ کر کیوں پڑھتا ہوں اسلیے میری ہی خاطر دیر تک دکان کھول کر بیٹھتا ہے اور اس میں چراغ جلا کر رکھتا ہے۔"

وہ بچہ خاموش ہو گیا۔

سلطان اس کی بات سے بے حد متاثر ہوئے۔ وہ اپنے فراش کے قریب آئے اور اس سے مخاطب ہو کر بولے:

"سونے کا یہ شمعدان اس بچے کے حوالے کر دو۔ اس لیے کہ ہماری نسبت نہ صرف یہ کہ اسے شمعدان کی زیادہ ضرورت ہے بلکہ یہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ آج سے اس بچے کی تعلیم و تربیت محمود کے ذمے ہوگی۔"

اسی رات سلطان محمود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت مبارک نصیب ہوئی۔ آپؐ نے خواب میں اس سے فرمایا:

"سبکتگین کے بیٹے۔ اپنے باپ کے فرزندِ ارجمند۔ خداوند تعالیٰ تجھ کو ویسی ہی عزت دے جیسی تو نے میرے ایک وارث کی کی ہے"۔

سلطان اس واقعہ کو اکثر لوگوں کے سامنے دہراتے ہیں۔ مجھے یہ واقعہ اس لیے بے حد پسند ہے کہ انھوں نے ایک علم کی جستجو رکھنے والے بچے کی اس قدر قدر دانی کی کہ جس کے صلے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو خواب میں دکھائی دیے۔"

ارسلان خاموش ہو گیا۔

امانہ شاید اسے مصروف رکھنے کی خاطر دوبارہ بول پڑی اور کہنے لگی:

"ارسلان۔ میرے بھائی یہ واقعہ تو احمد مجھے پہلے ہی سنا چکے ہیں۔ آپ مہربانی کریں اور ہمیں سلطان کا کوئی ایسا واقعہ سنائیں جو آپ کی نگاہ میں بڑی دلچسپی اور اہمیت کا حامل ہو۔"

اس پر ارسلان گردن جھکا کر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا:

"سنو امانہ۔ میں تمہیں سلطان کے بارے میں ایک اور واقعہ سناتا ہوں جو اپنی جگہ بے حد اہم اور دلچسپ ہے۔

ایک روز سلطان محمود حسبِ معمول بھیس بدل کر غزنی شہر میں رات کے وقت گھوم پھر رہے تھے

کہ انہیں چوروں کا ایک گروہ دکھائی دیا جو پانچ افراد پر مشتمل تھا۔

تاریکی میں انہیں جونہی سلطان آتے دکھائی دیے انہوں نے گھبرا کر پوچھا:

"تم کون ہو؟"

سلطان جان چکے تھے کہ وہ پانچوں چور ہیں لہٰذا انہوں نے بات کا رخ بدلتے ہوئے جواب میں آواز دبا کر کہا:

"دوستو! میں سمجھتا ہوں کہ میں بھی تمہارا ہم پیشہ ہوں"۔

اس پر ایک چور نے سلطان سے کہا:

"ہم سب چور ہیں اور ہم سب میں ایک ایک صفت ہے۔ اگر تمہارے اندر بھی کوئی صفت ہوئی تو ہم تمہیں اپنے گروہ میں شامل کرلیں گے"۔

جواب میں سلطان نے ان پانچوں کو مخاطب کر کے کہا:

"پہلے تم پانچوں اپنی اپنی صفت بیان کرو۔ پھر میں بھی تمہیں اپنی منفرد صفت سے آگاہ کروں گا"۔

اس پر ایک چور بولا:

"مجھ میں یہ صفت ہے کہ جب کتے بھونکتے ہیں تو ان کی آواز کو سن کر میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں"۔

دوسرا بولا:

"میری آنکھ میں یہ خوبی ہے کہ خواہ کوئی کیسا ہی بھیس کیوں نہ بدلے ہوئے ہو۔ میں جب اسے رات کی تاریکی میں دیکھ لیتا ہوں تو دن کے وقت بغیر کسی دقت کے اسے پہچان لیتا ہوں"۔

تیسرے چور نے کہا:

"میرے بازو میں ایسی طاقت ہے کہ میں بغیر کسی ہتھیار اور اوزار کے نقب لگانے کے فن میں ماہر ہوں"۔

چوتھا چور کہنے لگا:

"میری ناک میں یہ خاصیت ہے کہ میں کسی بھی جگہ کی مٹی کو سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ کس جگہ خزانہ دفن ہے اور اس کی مقدار کتنی ہے"۔

پانچویں چور نے اکڑتے ہوئے کہا:

"میرے پنجے میں ایسی طاقت اور قوت ہے کہ کتنی ہی بلند عمارت یا محل کیوں نہ ہو میں لمحوں کے ر کمند کے ذریعے اس پر چڑھ کر اس کے سارے دروازے کھول دیتا ہوں"۔

جب ان پانچوں نے اپنی اپنی صفت بیان کر دی تو ان میں سے ایک بولا:

"اے اجنبی۔ اب تمہاری باری ہے۔ کہو تم میں کیا صفت ہے"۔

جواب میں سلطان محمود نے ان پانچوں کو مخاطب کر کے کہا:

"میرے اندر یہ صفت ہے کہ جب کسی مجرم کو سزا دی جانے والی ہو یا اسے قتل کرنے کے لیے د کے حوالے کیا جا رہا ہو تو اس وقت اگر میں اپنی داڑھی کو ہلا دوں تو وہ شخص سزائے موت سے ٹ جاتا ہے اور اسے رہا کر دیا جاتا ہے"۔

سلطان کے الفاظ سن کر وہ پانچوں چور بے حد خوش ہوئے۔ ان کے سردار نے سلطان سے ب ہو کر کہا:

"یقیناً ہمارے گروہ میں تمہاری ہی کمی تھی۔ ہمیں تم جیسے ہی شخص کی ضرورت تھی جو مجرموں اور ملزموں جرم اور سزا معاف کرا سکتا ہو۔ ہم تمہیں اپنے گروہ میں شامل کرتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ تم جیسے ں کے ہمارے گروہ میں شامل ہونے سے ہمارے گروہ کی تکمیل ہو جائے گی اور تمہاری موجودگی میں ہا جرائم سے معافی ملنے کی ضمانت حاصل ہو جائے گی"۔

ایک دوسرا چور بولا:

"اے اجنبی مہربان۔ تمہارا ہمارے گروہ میں شامل ہونا ہمارے مقاصد کی تکمیل کا باعث ہے لہٰذا ہیں واردات کریں"۔

سلطان نے اس سے پوچھا:

"تم آج کس جگہ واردات کرنا چاہتے ہو؟"

اس پر وہی چور بولا:

"چونکہ اب تم ہمارے ساتھی ہو لہٰذا ہم بے خوف ہو کر قصرِ شاہی میں نقب زنی کا ارادہ رکھتے ہیں"۔

سلطان نے جب چوروں کی اس رائے سے اتفاق کیا تو وہ سب آہستہ آہستہ اور دبے پاؤں

شاہی محل کے قریب آ گئے۔ ان پانچوں کے ساتھ سلطان بھی اپنے محل تک آ گئے۔

محل کے قریب پہنچے تو ایک کتا جو محل سے باہر سو رہا تھا، اٹھا اور ان پر بھونکنے لگا۔ اس پر سلطان نے کتوں کی زبان سمجھنے والے چور کو مخاطب کر کے پوچھا:

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ کتا کیا کہہ رہا ہے؟"

اس پر وہ فوراً بولا:

"اللہ جھوٹ نہ بلوائے۔ یہ کتا کہتا ہے کہ تم چور میں سے ایک بادشاہ ہے۔"

دوسرے چور نے مٹی سونگھ کر کہا:

"میں جان گیا ہوں کہ شاہی محل میں خزانہ کس طرف ہے؟"

تیسرے چور نے محل کی دیوار پر کمند پھینکی اور سب اس کے سہارے دوسری طرف اتر گئے۔

اب نقب زن کی باری تھی۔ اس نے نہایت پھرتی سے نقب لگائی اور سب کو خزانے تک پہنچا دیا۔ سب اپنی اپنی ہمت کے مطابق ہیرے جواہرات اٹھائے اور اپنی جائے پناہ پر واپس آ کر آرام کرنے کے لیے چھپ گئے۔

سلطان محمود موقع پا کر وہاں سے نکلے اور محل میں آ گئے۔ صبح ہی صبح انہوں نے سپاہیوں کو چوروں کا جائے پناہ کا پتہ بتا کر ان کی گرفتاری کا حکم دیا۔ سپاہی گئے اور ان چوروں کو گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔

سلطان کے سامنے جب ان پانچوں کو لایا گیا تو خوف سے ان کے چہرے زرد ہو رہے تھے جسم کانپ رہے تھے۔ جو چور رات کو دیکھے ہوئے آدمی کو دن میں پہچان لیتا تھا اس کی نظر جونہی سلطان پر پڑی، اس نے جلدی سے کہا:

"اے ہمارے رات کے ساتھی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے فن کا مظاہرہ کرو اور اپنی داڑھی کو حرکت دے کر ہم پانچوں کو رہا کرا دو۔ میں نے پہچان لیا ہے تم ہمارے شاہِ ذی شان ہو۔"

سلطان کو ان پر رحم آ گیا۔ انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا:

"ان سب کو رہا کر دیا جائے۔"

سلطان کے حکم پر ان کو اسی وقت رہا کر دیا گیا اور کہنے والے کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد وہ

پانچوں اپنی گناہ آلود زندگی ترک کر کے ایسے نیک اور پارسا ہوئے کہ لوگ نیکی اور خیر میں ان کی مثالیں دینے لگے۔"

ارسلان خاموش ہو گیا۔

امامہ نے اس کا دھیان لگائے رکھنے کے لیے اس سے کچھ کہنا چاہا کہ اسی وقت بہرے دلر کھانا لے آیا اور وہ چاروں خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔



گوالیار اور دھولپور کے درمیان دریائے چنبل کے کنارے چند یوم قیام کرنے کے بعد سلطان نے جانوروں کی کھالوں سے کافی مشکیزے تیار کرا لیے۔ ساتھ ہی انھوں نے ان گنت رسوں کا انتظام بھی کر لیا۔

پھر ایک اندھیری رات کو سلطان اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آئے۔ امیر نصر کو چند دستوں کے ساتھ پڑاؤ پہ جنگی ہاتھیوں، گھوڑوں اور خواتین کی حفاظت کے لیے چھوڑا۔ باقی لشکر کو لے کر سلطان رات کی تاریکی میں دریائے چنبل کے کنارے کنارے اس کے دہانے کی طرف بڑھے۔ دشمن کے لشکر کے کافی نیچے جا کر سلطان نے ایک جگہ، جہاں پر دریا کا پاٹ قدرے کم تھا اپنے لشکر کو رکنے کا حکم دیا پھر لشکر میں سے چند دستے منتخب کیے گئے۔

اس کے بعد ان گنت رسوں کو دریا کے کنارے درختوں سے باندھ دیا گیا۔ پھر رسوں کے دوسرے سرے ان دستوں کے حوالے کر دیے گئے اور وہ دستے ہوا بھرے مشکیزے لے کر ان پہ تیرتے ہوئے دریا کے دوسرے کنارے پر چلے گئے۔

دریا پار جا کر رسوں کے دوسرے سرے انھوں نے دریا کے دوسرے کنارے پر موجود درختوں سے باندھ دیے۔ اس طرح ان رسوں کے ذریعے مسلمانوں کا سارا لشکر دریائے چنبل کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔

سلطان اپنے لشکر کے ساتھ پھر اوپر کو روانہ ہوئے اور اس رفتار سے دشمن کی طرف بڑھے کہ صبح کا

سورج طلوع ہونے سے پہلے وہ اپنے لشکر کے ساتھ عین دشمن کے سامنے پڑاؤ کر چکے تھے۔



صبح سویرے ہی سلطان محمود کو اپنے لشکر سمیت اپنے سامنے خیمہ زن دیکھ کر راجہ رائے نندہ اور اس کے حلیف گوالیار، کنج اور پانڈہ کے راجہ دنگ اور حیران رہ گئے۔

ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ کس طرح مسلمانوں نے دریائے چنبل کو عبور کر کے ان کے سامنے پڑاؤ کر لیا ہے۔ اور اس ساری عظیم کارروائی کی ان کو کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی تھی۔ یہ بات ان سب کے لیے پریشان کن تھی۔

تاہم — سارے راجاؤں نے اپنے اپنے لشکر کو سنبھالا اس لیے کہ سلطان محمود جو لشکر ان کے مقابلے پر لے کر آئے تھے، ہندوؤں کا متحدہ لشکر اس سے کئی گنا بڑا تھا۔

اس کے علاوہ ساز و سامان اور رسد کے لحاظ سے بھی راجاؤں کے لشکر کو پوری طرح مسلمانوں پہ فوقیت اور برتری حاصل تھی۔

سلطان نے جنگ کی ابتدا کرنے میں زیادہ دیر نہ کی۔ اس مرتبہ وہ خود پہلے حملہ آور ہونے کے لیے پر تول رہے تھے۔ شاید وہ اپنے لشکریوں کے اس جوش و جذبے سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے جو اس وقت ان میں موجزن تھا لہٰذا اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کے بعد انھوں نے جنگ کی ابتدا کر دی۔

راجہ رائے نندہ اور اس کے ساتھی راجاؤں کو اب بھی یہ پختہ امید تھی کہ وہ دریائے چنبل کے کنارے سلطان کو مغلوب کر لیں گے۔ وہ اس لیے کہ ان کے لشکر کی تعداد سلطان کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی۔ تاہم تعداد کی برتری کی پرواہ کیے بغیر اس بار سلطان نے خود حملہ آور ہونے میں پہل کی تھی۔

وہ وحیدِ عصر، جوششِ عمل اور فخرِ روزگار وسوزِ یقیں کی طرح آگے بڑھے تھے۔ اپنی نگاہوں میں پیچیدہ اضطراب، اپنے چہرے پر جھلکتا سوزِ عتاب لیے وہ بجھے بجھے دل اور سہمی پرچھائیوں میں دستِ فطرت کی آخری ضرب کی طرح کالنجر کے راجہ رائے نندہ اور اس کے اتحادیوں پر ٹوٹ پڑے۔

سلطان کے اس طرح حملہ آور ہونے سے دشمن کے لشکر کی اگلی صفوں کی حالت کچھ اس طرح ہونے لگی تھی جیسے بھیانک آندھیاں تنظیم کی خامی میں موت کا پیغام بن کر وارد ہوتی ہیں اور ہر طرف حشر انگیز یاں ظلم آرائیاں اور ہنگامۂ آہ و فغاں کھڑا کر دیتی ہیں۔

اپنی صفوں کی یہ حالت دیکھ کر رائے نندہ نے جنگ کا نقشہ بدلنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنے لشکر کے عقبی حصوں کو آگے بڑھایا اور سلطان کے لشکر کے دائیں اور بائیں پہلو پر ضرب لگانے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنے لشکر کے وسطی حصے سے ان گنت دستوں کو حرکت میں لا کر اگلی صفوں کی کمی پوری کر دی۔

رائے نندہ کے حکم کے مطابق اس کے لشکری سلطان کے لشکر کے سامنے، دائیں اور بائیں جانب سے ابِ تیرگی کے ہجوم، یاس کے اژدہام، سیلِ آتش و آہن اور بحرِ خوں کی طغیانی کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

ہر طرف ایک شور ایک غوغا برپا تھا۔ فضا کی نبض برہم ہو گئی تھی۔ جمود و خاموشی کی تہ میں تند طوفان جھوم اٹھے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ میدانِ جنگ میں موجود ہر فرد کی نظروں میں بجلیاں، دل میں تڑپ سانسوں میں ہلچل اور بازوؤں کے کس بل میں طوفان اٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔

میدانِ جنگ کچھ ایسی شکل و صورت اختیار کر گیا تھا جیسے تاریک راہ گذر پر کوہساروں کی کڑک آبشاروں کی گرج کچھ اس طرح نازل ہوئی ہو کہ طوفانوں کا کلیجہ دہل کر رہ گیا ہو۔

تلواروں سے ڈھالیں بری طرح ٹکرانے لگی تھیں۔ زخمی ہونے والے گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور سپاہیوں کی چیخیں ایک دوسرے سے مل کر کچھ ایسی ہولناکی پیدا کرنے لگی تھیں کہ فضا کے بے چین اور بے تاب سینے اور دامانِ حیات کی تنگی میں کاروانِ شبنم بے چین، شگوفوں کے تیور گرم اور گلوں کا مزاج برہم ہونے لگا تھا۔

جس وقت راجہ رائے نندہ کے حکم پر اس کے لشکر کے دو حصوں نے سلطان کے لشکر کے دائیں اور بائیں پہلو پر ضربیں لگانا شروع کی تھیں تب جنگ کا دائرہ عمل اور زیادہ وسیع ہونے کے ساتھ ہی زیادہ سنگدلی اختیار کر گیا تھا۔

عین اسی وقت سلطان کے حکم پر ارسلان اور عبد اللہ طائی بھی حرکت میں آئے اور انھوں نے اپنا

ِخ سامنے کی طرف رکھنے کے بجائے اپنے پہلوؤں کی طرف موڑ لیا — پھر وہ رائے نندہ کے ان دستوں پر حملہ آور ہوئے جو چکر کاٹ کر ان کے پہلو پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس طرح سامنے کے حصے کے ساتھ ساتھ دائیں اور بائیں پہلو پر بھی جنگ کا بازار پوری شدت سے گرم ہو گیا۔

دریائے چنبل کے کنارے راجہ رائے نندہ کی ساری امیدیں اور خواہشیں خاک میں مل گئیں وہ تو یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ دریائے چنبل کے اس میدان کو اپنی زندگی کی آخری رزم گاہ بنا کر مسلمانوں سے جنگ کرے گا اور انہیں شکست دے کر ہندوستان سے نکال باہر کرے گا لیکن وہاں تو حالات بد سے بدتر ہونے لگے تھے کیونکہ اس نے اپنے لشکر کے جن دو حصوں کو سلطان کے لشکر پر حملہ کرنے کو کہا تھا اس سے جنگ کا دامن اور وسیع ہو گیا تھا اور اب اس کے لیے انتہائی مشکل ہو رہا تھا کہ وہ سارے پہلوؤں پر اپنے لشکر کی تنظیم درست رکھ سکے۔

کافی دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ آخر رائے نندہ کے لشکر میں شکست کے آثار پیدا اور واضح طور پر نمایاں ہونا شروع ہو گئے۔

سورج غروب ہونے سے پہلے ہی جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔

رائے نندہ کے لشکر کی اگلی صفیں جب سلطان کے لشکریوں نے مکمل طور پر کچل اور مسل دیں تب رائے نندہ کے لشکریوں میں ایک عجیب سا خوف و ہراس پھیل گیا اور وہ اپنی جانیں بچانے کے متعلق سوچنے لگے۔

اس موقع پر جب سلطان نے اپنے حملوں میں اور زیادہ شدت پیدا کرنے کا حکم دیا تو رائے نندہ اور دوسرے راجہ میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

پھر جب سورج غروب ہو گیا اور فضا میں تاریکیاں پھیل گئیں تو سلطان نے تھوڑی دور تک دشمن کا تعاقب کر کے اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کے بعد مزید تعاقب ترک کر دیا اور دشمن کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ کے نتیجے میں سلطان کے ہاتھ بے شمار مالِ غنیمت لگا۔ ساتھ ہی دشمن کے ٥ جنگی ہاتھی بھی ہاتھ آئے۔

دشمن کے پڑاؤ پر قبضہ کرنے کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کو سستانے کا حکم دیا۔ ان کا ارادہ

یہ تھا کہ ایک دو روز آرام کرنے کے بعد کالنجر کا رخ کریں گے اور وہاں کے راجہ رائے نندہ کو اس کے انجام تک پہنچا کر کالنجر فتح کر لیں گے۔

لیکن۔

ایسا لگتا تھا کہ کالنجر کے راجہ رائے نندہ کی قسمت میں ابھی سلطان کے ہاتھوں بچ جانا ہی لکھا تھا۔

اس لیے کہ اس جنگ کے دوسرے روز کچھ مخبر سلطان کے لشکر میں داخل ہوئے اور سلطان کو یہ اطلاع دی کہ سوات، دیر، کافرستان اور چترال کے لوگوں نے سلطان کے مفادات کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا ہے لہٰذا کالنجر کی مہم کو مؤخر کرتے ہوئے سلطان اپنے نئے دشمنوں کے خلاف حرکت میں آئے اور دوسرے ہی روز انہوں نے دریائے جہلم کے کنارے سے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر دیا پھر وہ سوات، دیر، کافرستان اور چترال کے باغیوں کو سبق سکھانے کے لیے بڑی تیزی سے ان علاقوں کی طرف بڑھنے لگے۔

○

نئی مہم کی ابتدا کرنے سے قبل سلطان نے سوات، دیر، کافرستان اور چترال کی طرف اپنے مخبر روانہ کر دیے تھے۔

ان علاقوں میں کلش قوم کے افراد بستے تھے جو انتہا درجے کے بت پرست تھے۔ اس کے علاوہ اپنے قرب و جوار کے علاقوں میں لوٹ مار اور قتل و غارت کرنا ان لوگوں کا پسندیدہ پیشہ تھا۔

سلطان جب ان علاقوں میں داخل ہوئے تو کوئی عملی قدم اٹھانے سے پہلے انہوں نے ایک کوہستانی سلسلے کے دامن میں پڑاؤ کر لیا۔

اسی دوران سلطان کے دو مخبر پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ ان کو فوراً سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔

جب یہ دونوں مخبر سلطان کے سامنے آئے تو سلطان نے بڑی جستجو سے پوچھا:

"کہو، تم کلش قوم کے متعلق کیا کیا خبریں لے کر آئے ہو؟"

اس پر ان میں سے ایک مخبر بولا اور سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا:

"سلطانِ محترم! ان علاقوں کے باغی لوگوں کو خبر ہو گئی ہے کہ آپ اپنے لشکر کے ساتھ ان کی سرکوبی

کے لیے روانہ ہو چکے ہیں لہٰذا آپ کا مقابلہ کرنے کے لیے انہوں نے بھی اپنی تیاریاں اپنی طرف سے مکمل کر لی ہیں۔

یہ لوگ انتہا درجے کے خونخوار، وحشی اور بربریت پسند ہیں۔ راہ چلتے مسافروں کو لوٹنا، اپنے ہمسایوں پر حملہ آور ہونا، ڈاکہ زنی کرنا، قتل و غارت اور خونریزی ان کی پسندیدہ عادات ہیں۔ ان سارے علاقوں کے لوگوں نے مل کر ایک متحدہ لشکر جمع کیا ہے تاکہ آپ کے لشکر کا مقابلہ پوری طرح کیا جا سکے۔

سلطانِ محترم! دشمن کے اس متحدہ لشکر نے اس وقت دریائے کونار کے کنارے پڑاؤ کر رکھا ہے اور وہ بڑی بے چینی سے آپ کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔

جس جگہ انہوں نے پڑاؤ کر رکھا ہے اس کے سامنے دریائے کونار بہتا ہے اور ان کی پشت پر ایک کوہستانی سلسلہ ہے جس میں ایک درہ ہے۔ اسی درے کو پار کرنے کے بعد اس کلش قوم کے شہر اور بستیاں شروع ہوتی ہیں۔

اب آپ سے جنگ کرنے کے لیے انہوں نے یہ تدبیر کی ہے کہ اس درے کو اپنی پشت پر رکھا ہے تاکہ جنگ کی صورت میں انہیں کمک اور رسد برابر ملتی رہے اور وہ ایک مدت تک دریائے کونار کے کنارے آپ کا مقابلہ کر سکیں۔

دریائے کونار کے کنارے انہوں نے پڑاؤ اس لیے کیا ہے کہ آپ کو دریا عبور کر کے ان پر حملہ آور ہونے کی تکلیف اور زحمت اٹھانی پڑے۔

سلطانِ محترم! جس جگہ دشمن کے لشکر نے آپ سے جنگ کی نیت سے پڑاؤ کر رکھا ہے، کہتے ہیں کہ وہ جگہ ۷۰ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے اور اس کے آس پاس اور دائیں بائیں کی وادیاں مکمل طور پر برف سے ڈھکی ہوئی ہیں۔

دشمن کو امید ہے کہ اول تو اس دور افتادہ علاقے تک سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ ہی نہ سکیں گے اور اگر وہ پہنچ ہی گئے تو ان علاقوں کی سردی کو برداشت نہ کر سکیں گے لہٰذا وہ سلطان کو زیر کر لیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد جب وہ مخبر خاموش ہو گیا تو سلطان بے حد خوش ہوئے۔ انہوں نے دونوں

مخبروں کی کارکردگی کی تعریف کی۔ پھر انعام کے طور پر دونوں کو سنہری سکوں کی ایک ایک تھیلی عنایت کی پھر ان کو مخاطب کر کے کہا:

"اب تم دونوں جا کر آرام کرو"۔

جونہی وہ دونوں سلطان کے خیمے سے نکلے، سلطان نے اپنے ایک محافظ کو طلب کیا اور اُسے کسی قدر بلند آواز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"ابھی اور اسی وقت جا کر ارسلان، عبداللہ طائی، امیر نصر اور التون تاش کو بلا کر لاؤ"۔

یہ حکم سن کر سلطان کا محافظ وہاں سے تقریباً بھاگتا ہوا خیمے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ارسلان، عبداللہ طائی، التون تاش اور امیر نصر سلطان کے خیمے میں داخل ہوئے۔ سلطان نے ہاتھ کے اشارے سے ان چاروں کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر سلطان بولے اور ان کے سامنے وہ ساری اطلاعات دہرا دیں جو تھوڑی دیر پہلے مخبروں نے ان تک پہنچائی تھیں۔

بات ختم کرتے ہوئے سلطان نے ان سے پوچھا:

"کیا تم چاروں اس حق میں ہو کہ اس باغی قوم کو سبق سکھایا جائے بھلے یہ بیس ہزار فٹ بلند برف پوش وادیوں میں ہی کیوں نہ ہمارا انتظار کر رہی ہو"۔

اس پر ارسلان نے کہا:

"سلطانِ محترم! اگر آج ہم نے انہیں معاف کر دیا تو یہ مزید شیر ہو جائیں گے اور انہیں پختہ یقین ہو جائے گا کہ سلطان ان دور دراز علاقوں اور برف سے ڈھکی ہوئی وادیوں میں ان کی سرکوبی نہیں کر سکتے لہٰذا اس موقع کو ہمیں ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔ آج ہم نے اگر ان کی سرکوبی کر دی تو آنے والے دنوں میں یہ لوگ ہمارے لیے اتنے خطرناک ثابت نہیں ہوں گے"۔

ارسلان کی بات سن کر سلطان کے چہرے پر اطمینان بخش مسکراہٹ ابھری۔ تھوڑی دیر تک وہ بڑے غور اور شفیقانہ انداز سے ارسلان کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے:

"سنو جاذب کے بیٹے! تمہاری تجویز بہترین ہے۔ ہمیں واقعی کلش قوم کی سرکوبی کرنی چاہیے۔ چاہے یہ بیس ہزار فٹ کی بلندی پر کیوں نہ رہتی ہو لیکن ہم ان کی برف پوش وادیوں کی پروا کیے بغیر ان کی سرکوبی کریں گے تاکہ مستقبل میں یہ ہمارے لیے باعثِ اذیت اور خطرناک ثابت نہ ہوں لہٰذا کل صبح سویرے دریائے کونار کی طرف کوچ کیا جائے گا اور وہاں پڑاؤ کرنے والے دشمن سے ہم کس طرح نمٹیں گے یہ فیصلہ وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد کیا جائے گا۔ اب تم لوگ جاؤ اور آرام کرو"۔

اس کے ساتھ ہی سلطان کے وہ چاروں نامور جرنیل خیمے سے نکل گئے۔



دوسرے روز سلطان نے اپنے اس پڑاؤ سے کوچ کیا۔ دروں، وادیوں، دریاؤں، ندی نالوں، طویل کوہستانی سلسلوں اور برف پوش چوٹیوں کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے سلطان محمود اپنے لشکر کے ساتھ ایک روز سہ پہر کے قریب کلش قوم کے علاقے میں دریائے کونار کے سامنے آن رُکے تھے۔

حالات کا جائزہ لینے کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کو دریائے کونار کے سامنے خیمہ زن ہونے کا حکم دیا جبکہ دشمن کا لشکر دریا کے دوسرے کنارے پر ان کے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ سلطان نے آدھے لشکر کو پڑاؤ قائم کرنے کا حکم دیا اور آدھے لشکر کو مستعد اور چوکنا کر کے دریا کے کنارے گھات میں بٹھا دیا تاکہ پڑاؤ کرنے کے دوران دوسرے کنارے پر سے دشمن اگر حملہ آور ہو تو اس کی روک تھام کی جا سکے۔

یہ احتیاط اس لیے کی گئی چونکہ سردی کا موسم تھا۔ دریائے کونار میں پانی بہت کم تھا۔ زیادہ سے زیادہ رانوں تک پانی تھا۔ پیدل دستوں کے علاوہ گھوڑ سوار بھی بڑی آسانی سے دریا عبور کر کے حملہ کر سکتے تھے۔

دوسری طرف دشمن نے بھی اپنے لشکر کو مستعد کر دیا تھا۔ انہیں بھی یہ خطرہ تھا کہ مسلمان کہیں فوراً دریا عبور کر کے ان پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔

جب پڑاؤ قائم ہو چکا اور سلطان کا خیمہ بھی نصب ہو گیا تو سلطان نے ارسلان، عبداللہ طائی، ابو نصر اور التون تاش کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔

جب وہ چاروں آ گئے تو سلطان نے انہیں بیٹھنے کو کہا۔ جب وہ چاروں بیٹھ گئے تو سلطان نے بڑی نرمی اور شفیقانہ انداز میں ان سے کہنا شروع کیا:

"سنو میرے عزیزو! میرے رفیقو!! اس کلش قوم سے نمٹنے کے لیے میں نے ایک لائحہ عمل تیار کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم میری اس جنگی تجویز کو ضرور پسند کرو گے۔

جیسا کہ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ کلش قوم نے جس کوہستانی سلسلے کے آگے پڑاؤ کر رکھا ہے اس میں ایک درہ ہے۔ یہ درہ ان کی آبادیوں کی طرف نکلتا ہے۔ میرے مخبروں نے اطلاع دی تھی کہ اس درے کے ذریعے دشمن کو رسد اور کمک پہنچتی رہے گی اور وہ ہمارے ساتھ جنگ کو طول دیتا رہے گا۔

یہاں آنے کے بعد میں نے ایک اور بات کا جائزہ بھی لیا ہے اور وہ یہ کہ دشمن کی پشت پر جو کوہستانی سلسلہ ہے اس کے اوپر بھی میں نے کچھ لوگوں کی آمد و رفت دیکھی ہے۔ میرے خیال میں درے کے اوپر دائیں بائیں کلش قوم نے اپنے مسلح جوان یا تیر انداز بٹھا رکھے ہیں۔ ان کا خیال ہو گا کہ اگر جنگ میں انہیں شکست ہو گئی تو وہ درے کے ذریعے بھاگ کر اپنی بستیوں کی طرف نکل جائیں گے اور جب ان کا تعاقب کرتے ہوئے ہم بھی درے میں داخل ہوں گے تو درے کے دونوں جانب گھات میں بیٹھے ہوئے ان کے دستے ہم پر تیروں اور پتھروں کی بارش کر کے ہمارا خاتمہ کر دیں گے لیکن ہم دشمن کو ایسا نہیں کرنے دیں گے۔

سنو میرے رفیقانِ دیرینہ! دشمنوں سے نمٹنے کے لیے ہم ایسا طریقہ اختیار کریں گے جو ہمارے دشمنوں کو حیرت میں ڈال دے گا۔

وہ طریقہ یوں ہے کہ آج رات جب دوپہر کا وقت گزر جائے گا تو دریا کے کنارے کنارے جہاں تک ہمارا پڑاؤ طویل ہے آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن کر دیے جائیں گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جس جگہ ہم نے پڑاؤ کیا ہے اس کے سامنے بے شمار درخت ہیں جنہیں کاٹ کر ہم روشن کر سکتے ہیں۔ الاؤ روشن کرنے کی یہ ذمے داری التون تاش کی ہو گی۔

دریا کے کنارے اس قدر خشک لکڑی مہیا کی جائے کہ جس سے یہ الاؤ ساری رات جل سکیں۔

الاؤ روشن کرنے کے بعد جب رات گہری ہو جائے گی تو پڑاؤ کے خیمے اسی طرح نصب رہیں گے جیسے اب ہیں لیکن اپنے پورے لشکر کو نکال کر اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ میرے پاس رہے گا جبکہ التون تاش اور امیر نصر بھی میرے ساتھ رہیں گے۔ لشکر کا دوسرا حصہ ارسلان کے پاس اور تیسرا حصہ عبداللہ طائی کی نگرانی میں ہوگا۔

عبداللہ طائی اپنے لشکر کے ساتھ دریائے کونار کے کنارے پانچ میل نیچے جنوب میں چلا جائے گا۔ وہاں سے یہ دریا کو عبور کرے گا اور شمال کی طرف بڑھے گا لیکن دریا کے کنارے سے کافی پرے رہ کر۔

عبداللہ طائی کے ذمے یہ کام ہوگا کہ درے کے بائیں کنارے پر جو دشمن کے لشکری گھات میں بیٹھے ہیں ان کا خاتمہ کرے گا۔

اسی طرح میں اور ارسلان بھی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ شمال کی طرف چلیں گے۔ ہم بھی پانچ میل اوپر جاکر دریائے کونار کو پار کریں گے۔ میں دریا کے کنارے کنارے جنوب کی طرف بڑھ کر دشمن کی طرف آؤں گا جبکہ ارسلان کوہستانی سلسلے کے اندر ہی اندر درے کے اوپر دائیں جانب گھات میں بیٹھے دشمن کا صفایا کرے گا۔

اور سنو میرے فرزندو! اپنے پڑاؤ سے ہمارا یہ کوچ رات کے ایسے حصے میں ہوگا کہ شمال اور جنوب کی طرف پانچ میل جانے اور پھر دوسرے کنارے پر جاکر پانچ میل واپس آنے کا یہ سفر جب ہم ختم کر چکیں گے تو صبح کی روشنی میں دشمن کے سامنے نمودار ہوں۔

لشکر میں جس قدر عورتیں اور لڑکیاں شامل ہیں وہ میرے حصے کے لشکر کے ساتھ رہیں گی۔ اب تم لوگ اٹھ جاؤ اور اپنے اپنے کوچ کی تیاریاں مکمل کرو۔ التون تاش! تم چند دستوں کو ساتھ لے جاؤ اور جنگل سے لکڑیاں کٹواؤ اور دریا کے کنارے کنارے آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن کراؤ۔ یہ الاؤ ساری رات روشن رہیں تاکہ دشمن یہی سمجھتا رہے کہ ہم دریا کے کنارے پڑاؤ کیے ہوئے ہیں اور الاؤ اس لیے روشن ہیں کہ وہ رات کی تاریکی میں ہم پر شب خون نہ مار سکیں۔

سلطان خاموش ہو گئے۔

چاروں جرنیل ان کا حکم سن کر خیمے سے نکل گئے۔



عشاء کی نماز کے بعد دریائے کونار کے کنارے کنارے جگہ جگہ آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن کر دیے گئے۔ آدھی رات تک لشکریوں کو ستانے اور آرام کرنے کا موقع دیا گیا۔ آدھی رات کے بعد لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد دشمن پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔

آدھی رات گزرتے ہی سلطان کا لشکر حرکت میں آیا۔ عبداللہ طائی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ بڑی رازداری سے دریا کے کنارے سے ذرا پیچھے ہٹ کر جنوب کی طرف روانہ ہوا تاکہ دوسرے کنارے پر دشمن اس کی نقل و حرکت کو نہ دیکھ سکے۔ پانچ میل جنوب کی طرف جاکر اس نے دریا کو عبور کیا۔ پھر وہ دوسری طرف کے کوہستانی سلسلوں کے اندر ہی اندر دشمن کے لشکر کے پیچھے درے کے بائیں کنارے کی طرف بڑھا۔

اسی طرح سلطان اور ارسلان نے بھی اپنے اپنے حصے کے لشکروں کے ساتھ دریائے کونار سے پیچھے ہٹتے ہوئے شمال کی طرف پیش قدمی کی۔ پانچ میل اوپر جاکر انہوں نے دریائے کونار کو عبور کیا۔ اس کے بعد سلطان دریا کے کنارے کنارے اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھے جبکہ ارسلان کوہستانی سلسلوں کے اندر گھس کر دشمن کے پیچھے درے کے دائیں کنارے کی طرف برق رفتاری سے بڑھنے لگا۔

جس وقت دوسرے روز کا سورج مشرق سے تاک جھانک کرتے ہوئے مسکرا کر دھرتی کی ہر شے کو دیکھ رہا تھا، اس وقت سلطان دریائے کونار کے کنارے دشمن کے پڑاؤ کے نزدیک نمودار ہوئے۔

دشمن کو اپنے ان جاسوسوں سے شاید خبر ہو گئی تھی جو اطراف میں پھیلے ہوئے تھے کہ مسلمان ان پر حملہ آور ہو رہے ہیں لہٰذا دشمن کا لشکر سلطان سے مقابلے کے لیے مستعد اور تیار تھا۔ ہاں انہیں شاید ابھی تک یہ خبر نہ ہوئی تھی کہ ارسلان اور عبداللہ طائی چکر کاٹتے ہوئے ان کے پیچھے درے کے دائیں اور بائیں کناروں پر بھی حملہ آور ہو رہے ہیں۔

سلطان کو اپنے لشکر کے ساتھ اپنے سامنے دریائے کونار کے کنارے دیکھتے ہی کلش قوم کا لشکر آندھیوں کے زلزلوں کی قہرمانی، زندگی پر حادثوں کی حکمرانی کے طور پر حرکت میں آیا اور شعلے لہرانے اور شرر برسانے کے انداز میں آگے بڑھا اور برق تیز گام کی طرح اس نے سلطان محمود کے لشکر پر حملہ کر دیا۔

اپنی طرف سے ان کا یہ حملہ انتہائی زوردار تھا اور اپنے پہلے ہی حملے میں انہوں نے کڑی تیز دھوپ، آتشِ عناد کی طرح مسلمانوں کی اگلی صفوں پر جاتے ہی چھا جانے کی کوشش کی۔ ان کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ جیسے مسلمانوں کو دیکھتے ہی ان کے ضبط کی شہرِ پناہ گر گئی ہو اور وہ منحوس و کہن غم کا سیلاب، موسموں کا فسوں اور تند رات کی برکھا بن کر مسلمانوں پر چھاتے ہوئے انہیں زیر اور مغلوب کر دینا چاہتے ہوں۔

کلش قوم کے ان وحشی لشکریوں نے اپنے سرداروں کی کمانداری میں اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کی تھی کہ سلطان کے لشکر کی اگلی صفوں کو الٹ پلٹ کر وسطی حصے تک آگے بڑھتے چلے جائیں اور دریائے کونار کے کنارے مسلمانوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیں لیکن اپنے پہلے ہی حملے میں انہیں اپنی خواہشوں اور امیدوں کے انجام کی خبر ہو گئی۔ اس لیے کہ جب انہوں نے پوری شدت اور پورے زور کے ساتھ حملہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ سلطان محمود خود اگلی صفوں میں موجود تھے اور وہ خطۂ لاہوت کے مسافر اور صحرا کی پیاس کی طرح بڑی جوانمردی کے ساتھ کلش قوم کے اس حملے کو برداشت کر گئے تھے بلکہ اس حملے کی شدت کے سامنے انہوں نے اپنے لشکر کی اگلی صفوں کی تنظیم تک درہم برہم نہ ہونے دی تھی۔

ان کی اگلی صفیں کمالِ ضبط و نظم کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے چٹانوں اور آہنی دیواروں کی طرح کلش قوم کے خونخوار اور بربریت پسند لشکریوں کے سامنے جم گئی تھیں۔

جب کلش قوم کے باغیوں نے دیکھا کہ ان کے اتنے شدید حملے کا مسلمانوں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ ان کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے ہیں تو وہ وحشیانہ انداز میں شور اور نعرے بلند کرتے ہوئے اور زیادہ تیزی کے ساتھ حملہ آور ہونے لگے تھے لیکن عین اسی موقع پر سلطان نے بھی اپنے دفاع سے نکل کر جارحیت کی ابتدا کر دی۔

اپنے لشکر کے ساتھ وہ دن کی اذیت کی شدت، اجاڑ رات کی قیامت، تنہائی اور غمِ فراق کے قصے اور گہری رات کے دامن کشا جادو کی طرح کلش قوم کے اس خونخوار لشکر پر حملہ آور ہوئے اپنے پہلے ہی ہلے میں انہوں نے دشمن کے اگلے حصے کی حالت نارسا دکھوں کی صلیب اور سوچوں کے انتقام جیسی بنا کر رکھ دی۔

مسلمانوں کے سامنے کلش قوم کے افراد سوچوں کے اعتکاف اور گریزپا ساعتوں کی طرح ادھر ادھر چھٹنے لگے تھے جبکہ سلطان کمالِ جلال و جمال کی روشنی کی طرح ان کی اگلی صفوں کو سمیٹتے ہوئے اب پچھلی صفوں پر بھی حملہ آور ہو رہے تھے۔

اس طرح انہوں نے دشمن کی خواہشوں کے عقربت اور حسرتوں کے تلاطم میں وقت کی بدترین اور شدید سراسیمگی بھر دی تھی۔

جس وقت سلطان محمود، دریائے کونار کے کنارے کنارے دشمن کے ساتھ جنگ میں بری طرح مصروف تھے اس وقت درے کے دائیں کنارے پر ارسلان نے حملہ کر دیا۔ وہ درے کے دائیں طرف گھات میں بیٹھے ہوئے دشمن کے تیراندازوں پر کڑے بارود کی طرح، زرد رتوں اور زخم گہر کی مانند حملہ آور ہوا اور ملحون کے اندر اس نے ان پر اس طرح چھانا شروع کر دیا جس طرح شب کی سیاہی بن اجالوں کے بیابان اور جلتے صحراؤں میں تنہا اداس لمحے رات کی تنہائی اور ظلمت سے بغل گیر ہو جاتے ہیں، مل جاتے ہیں۔

ارسلان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ سلگتی ریت کے صحرا کی طرح دشمن کے اندر گھستا چلا جا رہا تھا۔ بالکل یوں جیسے اندھیری راتوں میں مینارِ نور دور دور تک اپنی روشنی کی چمکتی ہوئی لکیریں پھیلا دیتا ہے۔ اسی طرح دشمن کے اندر ارسلان نے بھی تصوراتِ دقت کی رنگت کو الفاظ کے سانچوں میں ڈھالنا شروع کر دیا تھا۔

اب دریائے کونار کے ساتھ ساتھ درے کے دائیں کنارے سے بھی جنگ کا شور اٹھ کھڑا ہوا تھا اور کنارے پر چیختی صبح، بھیگے بھیگے دھندلکوں، سہمے سہمے سکوت، بے ترتیب سی موسیقیوں اور سنسان سناٹوں کے اندر جنگ کے ابھرتے ڈوبتے شور اور طوفان کو حیرت اور تعجب کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

جس وقت ارسلان نے درے کے دائیں کنارے پر گھات میں بیٹھے ہوئے دشمن پر حملہ آور ہو کر ان کی سوچوں کو درہم برہم اور ان کے سارے ارادوں کو ناکام بنانا شروع کیا تھا، اس کے تھوڑی ہی دیر بعد عبداللہ طائی بھی بائیں کنارے کی طرف نمودار ہوا۔

اس وقت بائیں کنارے گھات میں بیٹھے ہوئے دشمن کے لشکری اپنے دائیں طرف کے ساتھیوں کی طرف بڑے تعجب اور فکرمندی سے دیکھ رہے تھے اس لیے کہ ان کے اندر جنگ کا شور برپا ہو گیا تھا۔

عین اس وقت ان کی پشت کی طرف سے عبداللہ طائیؒ بھی وقت کے کالے سمندر، ازل تا ابد بے زنجیر لمحوں پر محیط و بسیط ساعتوں اور حوادث کے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہوا۔ قانونِ فطرت کے کسی خادم کی طرح وہ دشمن کے اندر گھستا ہوا ان کی حالت جبرِ منبت کی چکی میں پستے ذروں اور اپنی سرشت اور جبلت کے زندان میں ڈوبے لمحوں کی طرح کرنے لگا تھا۔

جلد ہی عبداللہ طائیؒ نے سلطان محمود اور ارسلان کی طرح اپنے سامنے آنے والے دشمن کے ارادوں کو مقید اور ان کی سوچوں کو سلاسل زدہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر تک دریائے کونار کے کنارے اور درے کے دائیں بائیں اطراف میں ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ پھر دشمن کے اندر شکست کے واضح آثار نمودار ہونے لگے۔

یہاں تک کہ دریائے کونار کے کنارے سلطان کے ساتھ لڑنے والے کلشن قوم کے لشکر کو بدترین شکست ہوئی اور وہ اپنے درے کی طرف بھاگے۔

انہیں ابھی تک اس حادثے کی خبر نہ ہوئی تھی کہ سلطان کے جرنیلوں نے درے کے دائیں بائیں گھات میں بیٹھے ہوئے لشکریوں کا صفایا کر دیا ہے۔ پس جب یہ بچے کھچے لشکری سلطان کے سامنے سے بھاگ کر درے میں داخل ہوئے تو اس وقت تک ارسلان اور عبداللہ طائیؒ نے گھات میں بیٹھے ہوئے ان کے سارے لشکریوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔

پس جب یہ شکست خوردہ لشکر درے میں داخل ہوا تو دائیں کنارے کی طرف سے ارسلان اور بائیں طرف سے عبداللہ طائیؒ نے نیچے اتر کر ان کے دونوں پہلوؤں پر حملہ کر دیا جبکہ دشمن کی پشت کی طرف سے سلطان اس کا تعاقب کرتے چلے آ رہے تھے۔

اس طرح کلشن قوم کے یہ باغی زرد ہواؤں کے اندھے جھونکوں، بیکراں فاصلوں کی سنگین مجبوریوں اور ذات کی اندھی مسافت کی طرح درے کے اندر ہی اندر بھاگتے ہوئے اپنی جانیں بچانے کی کوشش کرنے لگے جبکہ سلطان، ارسلان اور عبداللہ طائیؒ عزمِ راسخ اور جہدِ پیہم کی طرح ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کی ساری عداوتوں اور نفرتوں پر ضربِ کاری لگاتے چلے جا رہے تھے اور مسلمان لشکری انجانی مسرتوں کے شفق رنگ اجالے کی طرح اس تعاقب کے دوران دشمن کے لشکریوں کا صفایا کرتے چلے جا رہے تھے۔

اس جنگ میں کلشن قوم کے لشکر کا مکمل طور پر صفایا کر دیا گیا۔ اس میں سے بہت کم لوگوں کو اپنی جانیں بچا کر بھاگنے کا موقع ملا ورنہ اکثریت کو درے کے اندر ہی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

درے سے نکل کر سلطان اپنے لشکر کے ساتھ واپس دریائے کونار کے دوسرے کنارے پر اپنے پڑاؤ میں آ گئے۔

دوپہر کے قریب کلشن قوم کے سرکردہ امرا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنے رویئے کی انہوں نے سلطان سے معافی مانگی اور آئندہ مکمل طور پر مطیع و فرمانبردار رہنے کا عہد کیا۔

سلطان نے ان لوگوں کو معاف کر دیا۔ چند روز وہاں پڑاؤ کرنے کے بعد وہ وہاں سے غزنی کی طرف کوچ کر گئے!

○

سلطان نے غزنی میں چند ہی روز قیام کیا تھا کہ انہیں مخبروں نے اطلاع دی کہ ہند کا سابق راجہ نادر بھیم پال اور اس کا باپ ترلوکن پال سلطان کے ساتھ دریائے جمنا کے کنارے ہونے والی جنگ میں زخمی ہو گئے تھے لہٰذا دونوں باپ بیٹا زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسے ہیں۔

سلطان کے لیے یہ خبر انتہائی حوصلہ افزا تھی۔ اب ان کے سامنے فی الفور جو مہم تھی وہ یہ تھی کہ گوالیار اور کالنجر کے راجاؤں کی سرکوبی کی جائے۔ اس لیے کہ ان کے ساتھ جنگ کو ادھورا چھوڑ کر سلطان کافرستان کی کلشن قوم کی بیخ کنی کے لیے چلے گئے تھے۔ اب کلشن قوم نے مکمل طور پر سلطان کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اس کے علاوہ غزنی میں چند روز قیام کر کے سلطان نے اپنے لشکر کو ذرا سستانے اور آرام کرنے کا موقع بھی فراہم کر دیا تھا لہٰذا سلطان نے اپنے لشکر کو گوالیار اور کالنجر کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔

غزنی سے نکل کر سلطان بنوں آئے۔ بنوں سے آپ لکی مروت ہوتے ہوئے آگے بڑھے۔ دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد بڑی تیزی سے وہ پیش قدمی کرتے ہوئے دریائے جہلم کے کنارے پر آئے۔

جہلم کو انہوں نے اپنے لشکر سمیت کشتیوں کے ذریعے پار کیا اور بھیرہ کے مقام پر پہلا پڑاؤ کیا۔ یہاں انہوں نے اپنے لشکر کے لیے رسد اور خوراک کا سامان فراہم کرنے کے بعد لشکریوں کو آرام کرنے کا بھی موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد پھر پیش قدمی شروع کی۔

دریائے چناب اور دریائے راوی کو عبور کرنے کے بعد انھوں نے پاک پتن کے مقام پر دوسرا پڑاؤ کیا۔ یہاں انھوں نے اپنے لشکر کے لیے مزید ساز و سامان حاصل کیا اور یہاں چند روز رک کر لشکر کو آرام کرنے کا موقع بھی فراہم کیا۔

پاک پتن سے کوچ کرنے کے بعد سلطان نے دریائے ستلج کو عبور کیا اور اپنے لشکر کے ساتھ ابوہر، حصار وغیرہ سے ہوتے ہوئے ہانسی کے مقام پر آ کر رکے۔ یہاں سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ چند روز قیام کیا اور ساتھ ہی اپنے مخبروں کو گوالیار کی طرف روانہ کر دیا تاکہ دشمن کی ساری نقل و حرکت سے سلطان کو آگاہ کرتے رہیں۔

ہانسی سے کوچ کرنے کے بعد سلطان نے اپنا رخ بدلا۔ پہلے وہ جنوب مشرق کے رخ پر سفر کر رہے تھے اب ان کا رخ سیدھا جنوب کی طرف تھا۔

ہانسی سے سلطان اپنے لشکر کے ساتھ ریواڑی، مہادہ سے ہوتے ہوئے بھرت پور پہنچ گئے۔ بھرت پور سے انہوں نے پھر اپنا رخ تبدیل کیا اس لیے کہ سامنے اب دریائے چنبل آ گیا تھا اور یہاں سے دریا کو عبور کرنا مشکل تھا کیونکہ یہاں دریا کی سطح کافی بلند تھی۔ اس کے علاوہ یہ دریا ایسا تھا کہ جس کی تہ میں دلدل ہی دلدل تھی جسے عبور کرنا آسان نہ تھا۔

بھرت پور سے دریائے چنبل کے کنارے کنارے سلطان مغرب کی طرف بڑھے۔ باری کے مقام پر دریائے چنبل کا پاٹ چونکہ کافی چوڑا تھا اور دور دور تک دریا پھیلا ہوا تھا لہٰذا پانی کی سطح بہت کم تھی۔ اس کے علاوہ یہاں دریا کی تہ میں دلدل بھی اتنی خطرناک نہ تھی اس لیے یہاں سے سلطان نے دریائے چنبل کو عبور کیا۔

سلطان جب اپنے لشکر کے ساتھ دریائے چنبل کے دوسرے کنارے پر آئے تو یہاں پھر ان کے مخبران کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطلاع دی کہ:

"صرف دس میل آگے گوالیار کے راجہ ارجن کا لشکر سلطان کے ساتھ جنگ کے لیے تیار کھڑا ہے"۔

یہ اطلاع پا کر سلطان نے اپنے لشکر کو اس طرح منظم کیا کہ اگر دشمن فی الفور ان پر حملہ کر دے تو اس سے نمٹا جا سکے۔

اس کے بعد سلطان نے اس شاہراہ پر سفر شروع کیا جو دریائے چنبل کے کنارے سے گوالیار کی طرف

جاتی تھی۔

سلطان نے اس شاہراہ پر کوئی دس میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ انہوں نے اپنے لشکر کو رک جانے کا حکم دیا۔ ان کے مخبروں کی اطلاع درست ثابت ہوئی تھی۔ ان کے سامنے گوالیار کا راجہ ارجن لشکر کی صفیں باندھے کھڑا تھا۔

راجہ ارجن بہ نفس نفیس اس لشکر میں شامل تھا۔ وہ اپنے لشکر کے وسط میں ایک قلعہ نما جنگی رتھ پر سوار تھا اور اپنے لشکریوں اور جرنیلوں کو حکم دیتا چلا جا رہا تھا۔

سلطان جونہی اس کے لشکر کے سامنے آئے راجہ ارجن نے خیال کیا کہ سلطان چونکہ ایک طویل سفر کر کے آرہے ہیں اور ان کی جنگی ترتیب بھی ابھی منظم نہ ہوگی لہٰذا اس وقت اگر وہ سلطان پر حملہ آور ہو تو ضرور انہیں شکست دے دے گا۔

چنانچہ جونہی سلطان اپنے لشکر کے ساتھ اس کے سامنے آئے راجہ ارجن نے اپنے لشکر کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

راجہ ارجن کے لشکر کی تعداد ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ تھی جس میں اَن گنت ہاتھی بھی شامل تھے۔ یہ لشکر سلطان پر ٹوٹ پڑا۔ سلطان کے لشکر کی تعداد ارجن کے لشکر سے بہت کم تھی۔ اپنے جنگی رتھ پر سوار راجہ ارجن چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے انہیں حملہ آور ہونے کی ترغیب دے رہا تھا۔

اس کے لشکری شب کی سلوٹوں میں ناچتی قہرمانیت، جہل و ظلمات کے جبر، پابہ زنجیر شب کے حبس اور گمراہی کے اندھیروں کی طرح سلطان کے لشکر پر پل پڑے تھے۔ انہوں نے سلطان کی اگلی صفوں پر حملہ آور ہوتے ہوئے عجیب سے نعرے بلند کرتے ہوئے اپنے باطل کی بستی کا مظاہرہ کیا اور سلطان کے لشکر میں خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش کی۔

سلطان ایسے راجاؤں اور ان کے اچانک حملوں سے بارہا نمٹ چکے تھے اور پھر اس قسم کی جنگوں کو روکنے اور جوابی حملے کرنے کا وسیع تجربہ بھی رکھتے تھے۔ راجہ ارجن کا خیال تھا کہ اس طرح کے اچانک حملے سے شاید سلطان اور ان کے لشکریوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے لیکن اس کی یہ بھول اور غلط فہمی اسے بڑی مہنگی پڑی۔

جس وقت راجہ ارجن نے اچانک سلطان پر حملہ کیا، سلطان اور ان کے لشکریوں نے قدیم داستانوں کے جمال اور خوبصورت روشنیوں کے سفیروں کی طرح اس حملے کو روک دیا۔ راجہ ارجن کے مقابلے میں اپنا دفاع کرتے ہوئے سلطان اور ان کے لشکریوں کے چہروں پر عظمتِ ابنِ آدم کے پس منظر میں منزل کی بشارت، صداقت کی قندیلوں کی لو، مسرت کی تنویریں، آدمیت کی تقدیریں اور عکسِ جمالِ شمع موجیں مار رہا تھا۔ پھر سلطان اپنے لشکر کے ساتھ نقارۂ نقیب اور انقلابِ نو کی علامت کی طرح حرکت میں آئے۔ خود انہوں نے وسطی حصے سے اَن گنت صدیوں کی مار، آگ کے دریا اور لہو کی یورش کی طرح حملہ آور ہو کر دشمن کو خون آلود کرنا شروع کر دیا۔

لشکر کے بائیں طرف سے ارسلان سلگتی ریت کے صحرا اور کرنوں کے ہجوم کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا تھا اور دائیں طرف سے عبداللہ طائی درد کی تحریروں اور ساحلوں کے پاسبانوں کی طرح راجہ ارجن کی اگلی صفوں میں گھستا چلا گیا تھا۔

دریائے چنبل سے دس میل کے فاصلے پر جنگ کے میدان میں ہر شے کی آرزو، جستجو اور ذوقِ حیرت کے دوراہے پر آ کھڑے ہوتے تھے۔ چاروں طرف زہرِ ظلمتِ شب کا طلسم، عمیق کرب کے بیکراں سلسلے اور مہکتے تلاطمِ غم کے ہیولے ناچ اٹھے تھے۔

دونوں طرف کے لشکری ایک دوسرے کو زیر اور مغلوب کرنے کے لیے بکھری صدیوں کے نقاب، منظر منظر وجدان، الفاظ کی صورت گری اور طغیانی لفظ و بیان کی طرح پھر پھر کر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ہر طرف تلواریں ڈھالوں سے ٹکرانے، زخمی ہونے والوں کی چیخوں اور گھوڑوں کے ہنہنانے کا ایک کہرام بپا ہو گیا تھا۔

گوالیار کے راجہ ارجن کے کماندار اور جرنیل اپنی فتح کو یقینی بنانے کے لیے جنگل کی دھاڑتی ہواؤں، صحراؤں سے اٹھتی قضاؤں، آندھی کے مہیب جھکڑوں اور موت کے اَن گنت ارادوں کی سی شدت اور انتہا کی طرح مسلمانوں کی اگلی صفوں پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جنگ زیادہ طول نہ پکڑے۔ اس لیے کہ انہیں خدشہ تھا کہ اگر جنگ نے طول پکڑا تو مسلمانوں کے صبر و عظمت کے سامنے انہیں پسپائی اور شکست کا سامنا کرنا پڑے گا لہٰذا وہ بہت جلد جنگ کا فیصلہ اپنے حق میں کرانا چاہتے تھے۔

راجہ ارجن اور اس کے جرنیلوں کے لیے یہ بات فکرمندی اور پریشانی کا باعث تھی کہ ان کے اس قدر تیز اور رجان یوا حملوں کے باوجود سلطان اور ان کے لشکریوں کے دلوں میں افکار کے ساحلوں کی سی سنجیدگی، آوازِ حق آبرومندی حرمت و تقدیس کی درخشندگی اور اہرام کی طرح رازِ ہستی قائم تھی، جسے وہ کسی بھی طرح توڑنے میں کامیاب نہ ہو پائے تھے۔

بہرحال یہ جنگ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی اور راجہ ارجن کی امیدوں کے مطابق اس کا فیصلہ اس کے حق میں نہ ہوا بلکہ اس کے خلاف ہوا تھا اس لیے کہ سلطان اور ان کے جرنیلوں نے وسطی، دائیں اور بائیں اطراف سے سحر بھری جنبش کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے گوالیار کے راجہ اور اس کے لشکریوں کی حالت اس طرح کر دی تھی جیسے ویران اندھیری راتوں میں کسی پہ بزمِ فنا کا نزول ہوتا ہے۔

بہت جلد یہ جنگ اپنے اختتام کو پہنچ گئی اس لیے کہ گوالیار کا راجہ جنگ کے ایک ایک لمحے کو بڑے غور اور انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جب یہ جان لیا کہ اس کے لشکر میں اب پسپائی اور شکست کے آثار نمودار ہوا ہی چاہتے ہیں تو وہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا ــــ اور اپنے لشکر کے ساتھ گوالیار کے قلعے میں جا کر محصور ہو گیا۔

سلطان نے اس کا تعاقب کیا اور آگے بڑھتے ہوئے انہوں نے گوالیار کے قلعے کا فوری طور پر محاصرہ کر لیا۔



گوالیار کا یہ قلعہ جس میں راجہ ارجن محصور ہو گیا تھا، دو بڑی خصوصیات رکھتا تھا:

اول یہ کہ اس کی فصیل انتہائی مضبوط تھی جو بڑے بڑے پتھروں سے بنائی گئی تھی اور اسے ناقابلِ تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔

دوئم یہ کہ یہ قلعہ کافی بلندی پر تھا اور اس کی چڑھائی کافی دشوار گزار تھی۔

اس لحاظ سے اس قلعے کو فتح کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ راجہ ارجن قلعے میں محصور ہو کر شہر کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے تھا اس لیے کہ قلعہ گوالیار کا ایک حصہ شہر گوالیار سے ملتا تھا جہاں سے

راجہ کو برابر رسد اور کمک کا سامان میسر ہو رہا تھا۔

سلطان نے بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ قلعے کا محاصرہ کیا۔ راجہ کا خیال تھا کہ سلطان چند دِم ...ک قلعے کا محاصرہ جاری رکھیں گے پھر تنگ آ کر چل دیں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔

اس لیے کہ سلطان نے بڑے صبر اور عزم کے ساتھ محاصرہ کیا تھا۔ پھر ہر روز فصیل کو توڑنے ...ر اس پر چڑھنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ بار بار رات کی تاریکی میں فصیل پر شب خون مارا جاتا اور ...وں کی سیڑھیوں کے ذریعے فصیل پر چڑھنے کی کوششیں جاری رہیں۔

راجہ ارجن کے بے شمار لشکری اس دوران کام آ گئے۔ اب راجہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر محاصرہ اسی طرح جاری رہا اور مسلمان فصیل کو توڑنے یا اس پر چڑھنے کی جدوجہد میں مصروف رہے تو ...ستہ آہستہ قلعے میں محصور اس کے سارے لشکریوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور وہ مسلمانوں کے سامنے نہتا ...کر رہ جائے گا۔

ان خیالات کے تحت راجہ نے سلطان سے صلح کرنے کی کوشش کی۔

ایک روز صبح ہی صبح گوالیار کے راجہ ارجن نے اپنا ایک ایلچی شہر کا دروازہ کھول کر باہر ...الا اور سلطان کی طرف روانہ کیا۔

یہ ایلچی ایک ڈولی میں سوار تھا جسے چار آدمی اٹھائے ہوئے تھے۔ اس ایلچی کی ڈولی کو سلطان کے ...کر میں لایا گیا اور سلطان کے پاس لا کر رکھ دیا گیا۔

جب وہ ایلچی ڈولی سے نکلا تو سلطان کے لشکری اسے بڑے تعجب سے دیکھنے لگے کیونکہ یہ ...ں دلہنوں کی طرح ڈولی میں سوار ہو کر آیا تھا۔

جب اسے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو سلطان نے بڑی نرمی سے اسے مخاطب کرتے ...ئے بڑے وقار سے پوچھا:

"کہو تم کون ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

اس پر ایلچی نے جواب دیا:

"مہاراج۔ میں گوالیار کے راجہ ارجن کا ایلچی ہوں اور آپ سے گزارش کرنے آیا ہوں کہ اس ...ار گوالیار شہر کا محاصرہ کر کے آپ آخر کیا چاہتے ہیں؟"

سلطان نے فی الفور جواب دیتے ہوئے کہا:

"ہم مسلمان ہیں اور کفار کو مذہبِ اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور بتوں کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم ہمارا دین قبول کر لو تو تمہاری اس میں بہتری اور عافیت ہے۔ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو تاوان اور جزیہ ادا کرو۔"

ایلچی کہنے لگا:

"اگر ہم مذہب تبدیل کرنے کے بجائے آپ کو تاوان اور خراج ادا کر دیں تو پھر۔۔۔؟"

سلطان نے کہا:

"یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔"

اس پر وہ ایلچی واپس چلا گیا۔ اس کے بعد گوالیار کا راجہ خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگی۔ گزشتہ جنگوں کا تاوان ادا کیا۔ اس کے علاوہ ۲۵ ہاتھی اور بے شمار تحائف بھی سلطان کی خدمت میں پیش کیے اور آئندہ کے لیے سلطان کا مطیع اور فرمانبردار رہنے کا عہد کیا۔

گوالیار کے راجہ ارجن کے اس عہد پر سلطان نے اسے معاف کر دیا اور اس کی عملداری اسے واپس کرتے ہوئے اسے گوالیار کی حکمرانی پر بحال رکھا۔

○

گوالیار کی فتح کے بعد سلطان نے کالنجر کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ موسمِ برسات شروع ہو چکا تھا اور گوالیار سے کالنجر تک راستے میں تین دریا پڑتے تھے۔

پہلا۔ دریائے سند

دوسرا۔ دریائے بٹوا

تیسرا۔ دریائے کین

یہ تینوں ہی دریا طغیانی پر تھے لیکن سلطان نے ان بارشوں اور دریا کی طغیانی کی پرواہ کیے بغیر گوالیار سے کالنجر کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔

دریائے سند کے کنارے پہنچ کر سلطان نے اپنے لشکر کو رکنے کا حکم دیا۔ یہاں سلطان نے پنے لشکر کے بہترین تیراک سپاہیوں کو طلب کیا۔ بڑے بڑے رسے انہیں مہیا کیے گئے۔ اُن وں کا ایک سرا دریا کے اس کنارے پر درختوں سے باندھ دیا گیا اور رسوں کے دوسرے سرے ہ تیراک لے کر دریا پار کر گئے اور دریا کے دوسرے کنارے پر رسوں کو درختوں سے باندھ دیا۔ طرح ان رسوں کی مدد سے سلطان کے لشکر نے دریائے سند کو عبور کیا۔

دریائے سند کے بعد دریائے بٹوا آتا تھا اور اس کے بعد دریائے کین۔ ان دونوں دریاؤں و بھی سلطان نے اسی طرح رسوں کی مدد سے عبور کیا۔ اس کے بعد وہ بڑی تیزی سے کالنجر شہر کی ن بڑھے۔

کالنجر شہر سے باہر ایک دوراہا پڑتا تھا جہاں سے ایک شاہراہ بنارس کو اور دوسری دریائے کو جاتی تھی۔ سلطان نے یہیں اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔

کالنجر اس دور کا مشہور و معروف اور بڑا شہر شمار کیا جاتا تھا۔ اس میں چھ سو بُت تھے۔ شہر کا بھی ایسا مضبوط تھا کہ اس میں ایک لاکھ کے قریب لشکری کئی ماہ تک محصور رہ کر دشمن کا مقابلہ کر تے تھے۔

کالنجر کے راجہ رائے نندہ کے پاس اس قلعے میں ۵۰۰ ہاتھی بھی تھے۔ قلعے کے اندر رسد کا مار سامان موجود تھا۔ اس کے علاوہ قلعے کے ارد گرد گہری خندق تھی جس میں بوقتِ ضرورت پانی بھی ا جا سکتا تھا۔

کالنجر کے راجہ رائے نندہ کو جب خبر ہوئی کہ سلطان گوالیار کو فتح کرتے ہوئے کالنجر پہنچ ہیں تو اس نے قلعے کے اندر محصور رہ کر سلطان کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

کالنجر سے باہر ایک دو روز سلطان نے اپنے لشکر کو ستانے کا موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد ں سے آگے بڑھے اور قلعہ کالنجر کا محاصرہ کر لیا۔

راجہ رائے نندہ چونکہ ماضی میں کئی بار سلطان سے منہ کی کھا چکا تھا لہٰذا اس نے قلعے سے کر سلطان کا مقابلہ کرنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ اگر اس نے ماضی کی طرح اسے پھر بدترین شکست ہوگی اور اس کا انجام انتہائی عبرت انگیز ہوگا لہٰذا کسی

اور طریقے سے سلطان کے اس محاصرے سے بچنا چاہتا تھا۔

آخر راجہ رائے نندہ کو ایک انتہائی خطرناک تدبیر سوجھی۔ اس نے تین سو انتہائی توانا اور خونخوار قسم کے ہاتھیوں کا انتخاب کیا اور ان ہاتھیوں کو شام سے تھوڑی دیر پہلے انتہائی پُر اثر شراب پلانا شروع کی گئی۔ جب رائے نندہ نے محسوس کیا کہ شراب کا اثر ان ہاتھیوں پر ہونے لگا ہے تو قلعے کا دروازہ کھول کر ان تین سو ہاتھیوں کو بغیر مہاوتوں کے مسلمانوں کے لشکر پر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ شراب کے نشے میں بدمست ہاتھی اسلامی لشکر کو درہم برہم کر دیں۔

سلطان اور ان کے لشکریوں نے بھی ہاتھیوں کو قلعے سے باہر آتے دیکھ لیا تھا اس لیے کہ انھوں نے اپنے لشکر میں جگہ جگہ آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن کر رکھے تھے۔ لہٰذا سلطان نے فی الفور حرکت میں آتے ہوئے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ ایک حصہ دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب رکھا گیا۔

ایک حصے کو انھوں نے اپنی کمانداری میں رکھا جبکہ دوسرا حصہ ارسلان کے ماتحت کر دیا۔ ان دونوں حصوں کے بیچوں بیچ سے انھوں نے ہاتھیوں کو گزرنے دیا۔

جونہی ہاتھی دونوں لشکروں کے درمیان سے گزرا تو مسلمان لشکری ان نشے میں ڈوبے ہوئے ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے کسی کی سونڈ، کسی کی ٹانگیں اور کسی کے پاؤں کاٹ ڈالے گئے اس طرح ان بدمست ہاتھیوں کا فی الفور خاتمہ کر دیا گیا۔

اگلے روز جب سورج طلوع ہوا تو راجہ رائے نندہ اپنے قلعے کی فصیل پر آیا تاکہ دیکھ سکے کہ ان نشے میں غرق ہاتھیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا کیا انجام ہوا ہے؟

اس نے دیکھا کہ گزشتہ دن کی طرح مسلمانوں کا لشکر بڑے پُرسکون انداز میں شہر سے باہر پڑاؤ کیے ہوئے ہے اور جو ۳۰۰ ہاتھی اس نے شراب پلا کر ان کی طرف دھکیلے تھے ان کی لاشوں کے ڈھیر قلعے سے باہر لگے ہوئے تھے۔ اور ان پر چیلیں اور گدھ منڈلا رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر راجہ رائے نندہ ایسا خوفزدہ ہوا کہ اس نے سلطان کے خلاف جنگ کرنے کے بجائے ارادہ کر لیا کہ وہ سلطان سے معافی مانگے گا اور اپنے گزشتہ رویے پر نادم ہو کر آئندہ کے لیے مطیع اور فرمانبردار ہونے کا عہد کرے گا۔

اس مقصد کے لیے کالنجر کا راجہ رائے نندہ اسی روز اپنے محافظ دستے کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بھی گوالیار کے راجہ کی طرح اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگی اور آئندہ کے لیے مکمل طور پر سلطان کا فرمانبردار رہنے کا عہد کیا۔

اس موقع پر کالنجر کے راجہ رائے نندہ کے ایک درباری شاعر نے سلطان کی تعریف میں ہندی میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ سلطانی شعرا نے، جن میں سے کچھ ہندی سمجھتے تھے، انھوں نے اس قصیدے کو پڑھا اور اس کی تعریف کی۔

اپنے شعرا سے اس قصیدے کی تعریف سن کر سلطان نے کالنجر کے راجہ رائے نندہ کو مخاطب کر کے کہا:

"دیکھ رائے نندہ! تعریفیں تو ساری میرے اس اللہ کے لیے ہیں جو اس سارے جہاں کا مالک اور اس ساری کائنات کا خالق ہے۔ بہرحال تو نے چونکہ فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہوئے آئندہ کے لیے سرکشی اور بغاوت نہ کرنے کا عہد کیا ہے لہٰذا میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ تیری سلطنت بھی تیرے حوالے کرتا ہوں اور تو پہلے کی طرح اس پر حکومت کرے گا۔"

سلطان کے یہ الفاظ سن کر رائے نندہ کا حوصلہ بڑھا اور اس نے بڑے ادب سے سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"سلطانِ محترم! اگر آپ برا نہ مانیں تو مجھے ایک شاہی فرمان لکھ دیں جس کے تحت مجھے کالنجر پر حکومت کرنے کی آپ کی طرف سے اجازت دی جائے۔

آپ جانتے ہیں کہ میں ماضی میں دوسرے راجاؤں کے کہنے پر بار بار آپ کے خلاف حرکت میں آتا رہا ہوں۔ آئندہ میں ایسا کبھی نہ کروں گا۔ جب آپ کا شاہی فرمان میرے پاس ہوگا تو آپ کے بعد جو بھی مسلمان حکمران ہوگا میں اس کے سامنے اس شاہی فرمان کو پیش کر کے کالنجر شہر کو جنگوں سے محفوظ کر لوں گا۔"

راجہ رائے نندہ کی بات سے سلطان خوش ہوئے اور انھوں نے اس کے نام شاہی فرمان لکھ دیا۔ ساتھ ہی کچھ قیمتی تحائف بھی راجہ کو دیے۔

جواب میں رائے نندہ نے سلطان کی خدمت میں ۳۰۰ ہاتھی اور بے شمار دولت تاوان کی صورت

ادا کی۔

لیکن اس ساری صورت حال کے باوجود سلطان نے کالنجر کے راجہ رائے نندہ سے عہد لیا کہ وہ کالنجر شہر اور اس کے گردونواح میں بت توڑنے کی راہ میں حائل نہ ہوگا۔

رائے نندہ نے سلطان کی اس شرط کو قبول کر لیا جس پر سلطان نے کالنجر اور اس کے گردونواح کے مندروں اور بتوں کو برباد کر دیا۔

کالنجر شہر سے باہر قیام کے دوران ہی چند ہندو پنڈتوں اور پروہتوں سے سلطان کو یہ خبر ہوئی کہ ہندوستان میں سب سے بڑا مندر سومنات میں ہے جہاں بے شمار بتوں کے سامنے ہندوستان کے سارے راجہ پرستش کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اسی مندر میں ان کا سب سے بڑا بت ہے۔

سلطان حقیقی معنوں میں بت شکن تھے لہٰذا انہوں نے سومنات کا احوال جاننے کے لیے اپنے چند مخبروں کو روانہ کیا۔ اس کے بعد وہ مزید چند روز تک وہاں مقیم رہے۔ اپنے لشکریوں کو آرام کرنے اور سستانے کا موقع فراہم کیا پھر غزنی کی طرف کوچ کر گئے۔

کالنجر سے واپس آتے ہوئے ارسلان کو صرف ایک ہی ہفتہ ہوا تھا کہ ایک روز جبکہ وہ اپنی حویلی کے صحن میں احمد، امانہ اور سارہ کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا، حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی۔

ارسلان نے خود اٹھ کر حویلی کا دروازہ کھولا۔ دروازے پر اس کا ایک مخبر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ارسلان کے چہرے پر خوشی کی لہریں بکھر گئیں۔ شاید وہ اس سے کوئی اچھی خبر سننے کا متمنی تھا۔

ارسلان اس سے کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ وہ مخبر بول پڑا اور اس نے ارسلان کو مخاطب کر کے کہا:

"میں نے آپ کے دو اور دشمنوں کو تلاش کر لیا ہے۔ ان کے نام وحشی اور سرطوش ہیں۔ یہ دونوں آپ کے انتقام سے ڈرتے اور چھپتے پھر رہے ہیں اور ان دونوں نے ہرات اور سبزواری کے درمیان ایک گمنام سرائے میں قیام کر رکھا ہے۔

ان کا خیال ہے کہ اس گمنام سرائے میں وہ آپ کے انتقام سے بچ سکتے ہیں۔ آپ نے ان کے جو سات آدمیوں کو قتل کیا ہے اس سے ان پر ایک لرزہ اور خوف طاری ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ آج نہیں تو کل ان کی باری آنے والی ہے لہٰذا یہ دونوں ہرات اور سبزواری کے درمیان کا سرائے میں چھپے بیٹھے ہیں۔"

وہ مخبر جب خاموش ہوا تو ارسلان کہنے لگا:

"تم لوگوں نے ابھی تک تو زون کو تلاش نہیں کیا۔ تم جانتے ہو کہ میرے دشمنوں میں وہی سب سے بڑا اور سرکردہ ہے جس کی ہلاکت کے بعد ہی میرے انتقام کی آگ سرد ہو سکتی ہے"۔

اس پر وہ مخبر بولا:

"آپ بے فکر رہیں۔ ایک نہ ایک روز ہم اس تو زون کو بھی تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

ارسلان بڑی نرمی سے اپنے مخبر سے کہنے لگا:

"آؤ۔ تم دیوان خانے میں بیٹھو۔ کھانا کھا کر جانا"۔

اس پر مخبر نے کہا:

"جی نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ میں راستے میں آرام کر چکا ہوں اور کھانا بھی کھا چکا ہوں۔ آپ یہ بتائیں کہ کب تک اپنے دشمنوں کی طرف کوچ کرنا پسند کریں گے اس لیے کہ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا تاکہ ان دونوں کی نشاندہی کر سکوں"۔

ارسلان نے جواب میں کہا:

"اگر تم تھکاوٹ محسوس نہیں کر رہے تو میں آج ہی ان دونوں سے نمٹنے کے لیے ہرات کی طرف کوچ کروں گا"۔

اس پر اس مخبر نے ارسلان سے کہا:

"پھر دیوان خانے میں میرے بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ میں یہیں رک کر آپ کا انتظار کرتا ہوں۔ آپ تیار ہو کر آ جائیں"۔

ارسلان نے جواب میں کچھ نہ کہا بلکہ وہ تیزی سے مڑا اور حویلی کے اندر چلا گیا۔ جب وہ احمد، امانہ اور سارہ کے قریب پہنچا تو سارہ نے اس سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن ارسلان نے بولنے میں پہل کی اور احمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"احمد۔ جلدی کرو۔ دروازے پر دستک دینے والا ہمارا ایک مخبر ہے۔ وہ ہمارے دو اور دشمنوں کی اطلاع لے کر آیا ہے جن کے نام وحشی اور سرطوش ہیں۔ ان دونوں نے ہرات اور سبزواری

کے درمیان ایک سرائے میں قیام کر رکھا ہے۔ فوراً تیاری کرو کہ ہم ابھی اپنے اس مخبر کے ساتھ کوچ کریں گے تاکہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے سکیں"۔

پھر ارسلان نے سارہ کی جانب دیکھا اور کہا:

"سارہ! تم اور امانہ دونوں، ہم لوگوں کی غیر موجودگی میں فکر مند نہ ہونا۔ میں اور احمد اپنی مہم سے بہت جلد فارغ ہو کر لوٹیں گے"۔

سارہ نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ وہ اور امانہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پھر وہ دونوں احمد اور ارسلان کی تیاری میں ان کی مدد کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اپنے مخبر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گئے۔



ایک روز صبح ہی صبح ارسلان، احمد اور ان کا مخبر ہرات اور سبزواری کے درمیان اس غیر معروف سرائے میں داخل ہوئے جس کا ذکر مخبر نے کیا تھا۔

سرائے کے صحن میں آ کر مخبر نے ان دونوں سے کہا:

"آپ اپنے گھوڑوں کو اصطبل میں باندھیں۔ میں سرائے کے مالک سے کمرے کی بات کر کے ابھی واپس لوٹتا ہوں"۔

ارسلان نے اس کی تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر وہ دونوں اپنے گھوڑوں کے ساتھ ساتھ مخبر کا گھوڑا بھی لے کر اصطبل کی طرف چل پڑے جبکہ مخبر، سرائے کے مالک کی طرف روانہ ہو گیا۔

ارسلان نے احمد کے ساتھ مل کر گھوڑوں کو اصطبل میں باندھنے کے بعد زینیں اتار کر ان کے سامنے چارہ ڈال دیا۔ پھر وہ زینوں سے بندھی ہوئی خرجینیں لے کر اصطبل سے نکلے ہی تھے کہ ان کا مخبر بھاگتا ہوا آیا اور ارسلان کو مخاطب کر کے بولا:

"میں سرائے میں کمرہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اہم اور انتہائی اچھی خبر بھی لایا ہوں اور وہ یہ کہ میں نے سرائے کے مالک سے باتوں باتوں میں پوچھ لیا ہے کہ وہ دونوں مزید کب تک اس سرائے میں قیام کریں گے۔ سرائے کے مالک کا کہنا ہے کہ وہ شاید ایک لمبا عرصہ اس سرائے میں قیام کریں

اس نے مجھ پر یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ وحشی اور مرطوش دونوں شام کے وقت اپنے گھوڑوں کو دوڑانے کے لیے سامنے کے کھلے میدانوں کی طرف نکل جاتے ہیں۔

میری تجویز یہ ہے کہ ہم اپنے کمرے میں قیام کریں۔ شام تک آرام کریں اور سستائیں پھر شام کو جب وہ دونوں اپنے گھوڑوں کو لے کر انہیں دوڑانے کے لیے مشرقی میدانوں کی طرف نکلیں گے تو ہم بھی ان کے پیچھے جائیں گے اور ان میدانوں میں ان سے نمٹ کر واپس غزنی لوٹ جائیں گے۔ اس طرح ہمیں یہاں زیادہ عرصہ قیام نہیں کرنا پڑے گا۔"

مخبر کی بات سن کر ارسلان بہت خوش ہوا۔ آگے بڑھ کر اس نے اسے ساتھ لپٹاتے ہوئے جوشیلے انداز میں کہا:

"تم نے میرا رستہ بہت آسان کر دیا ہے۔ آؤ اب اپنے کمرے میں چلیں۔ تم چونکہ ان دونوں کو صورت سے پہچانتے ہو للٰہذا ان پر نگاہ رکھنا اور جب وہ اپنے گھوڑوں کو لے کر مشرقی میدانوں کی طرف جانے کی تیاری کریں تو ہمیں خبر کر دینا۔ ہم بھی ان کے پیچھے ہی نکلیں گے۔ پھر ان سے ان گمنام میدانوں میں نمٹ کر غزنی کی طرف کوچ کر جائیں گے۔"

اس کے بعد وہ تینوں حرکت میں آئے اور سرائے کے اس کمرے میں چلے گئے جو مخبر نے ان کے لیے حاصل کیا تھا۔



ارسلان، احمد اور مخبر نے صبح سے لے کر دوپہر تک کمرے میں آرام کیا۔ دوپہر کا کھانا انھوں نے سرائے کے مطبخ سے کھایا اور پھر دوبارہ کمرے میں آ گئے۔

شام سے تھوڑی دیر پہلے مخبر اصطبل کے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا تاکہ وحشی اور مرطوش پر نگاہ رکھ سکے۔

شام ہونے کو تھی جب مخبر بھاگتا ہوا کمرے میں آیا اور ارسلان کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے جلدی جلدی کہا:

"وحشی اور مرطوش دونوں اصطبل میں داخل ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں اب وہ اپنے گھوڑوں کو

دوڑانے مشرقی میدانوں کی طرف لے کر جائیں گے۔"

یہ سن کر ارسلان اور احمد چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے جلدی جلدی جنگی لباس پہنے پھر ارسلان نے مخبر سے کہا:

"تم کمرے ہی میں ٹھہرو۔ میں اور احمد اصطبل کی طرف جاتے ہیں اس لیے کہ وہ دونوں ہمیں چہروں سے نہیں پہچان سکیں گے۔ احمد کو شاید وہ پہچان لیں مگر مجھے تو انھوں نے دیکھا ہی نہیں ہے اس لیے اصطبل کی طرف جاتے ہوئے احمد اپنے آہنی خود کا نقاب اپنے چہرے پر ڈال لے گا۔"

مخبر نے ارسلان کی تجویز سے اتفاق کیا۔ اس کے ساتھ ہی احمد نے اپنے آہنی خود کا نقاب اپنے چہرے پر گرا لیا۔ پھر وہ دونوں کمرے سے نکل گئے۔

جس وقت وہ اصطبل میں داخل ہوئے انھوں نے دیکھا وہاں دو جوان پہلے ہی سے اپنے گھوڑوں کی زینیں کس رہے تھے۔ یہ وحشی اور مرطوش تھے۔

ارسلان اور احمد نے بھی جلدی جلدی اپنے اور مخبر کے گھوڑوں پر زینیں ڈال لیں۔ اس دوران وحشی اور مرطوش اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈال کر ان پر سوار ہوئے اور سرائے سے نکل گئے۔

عین اس وقت مخبر کمرے سے نکل کر اصطبل کی طرف بھاگا۔ اتنی دیر تک ارسلان اور احمد گھوڑوں کو تیار کر چکے تھے۔ وہ تینوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سرائے سے باہر آ گئے۔ انھوں نے دیکھا سرائے کے سامنے کھلے میدانوں میں وحشی اور مرطوش اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے لحظہ بہ لحظہ سرائے سے دور ہوتے جا رہے تھے۔

یہ دیکھتے ہی ارسلان کے چہرے پر خوشی اور اطمینان بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔ پھر اس نے احمد اور مخبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"لگتا ہے سبزواری اور ہرات کے اس درمیانی حصے میں قدرت پوری طرح ہماری مدد کر رہی ہے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاؤ اور آؤ کہ ان دونوں تاکوں کا تعاقب کریں تاکہ سرائے سے دور ان کھلے میدانوں میں ان سے انتقام لے کر واپس غزنی لوٹ چلیں۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر سرپٹ دوڑا دیا جبکہ احمد اور مخبر نے بھی اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور ارسلان کے ساتھ ہو لیے۔

ان مشرقی میدانوں میں وحشی اور سرطوش اپنے گھوڑوں کو دور تک بھگاتے چلے گئے تھے جبکہ ارسلان، احمد اور مخبر تیزی سے ان کے تعاقب میں آ رہے تھے۔

تقریباً دو میل تک اپنے گھوڑوں کو بھگانے کے بعد وحشی اور سرطوش نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا اور مڑ کر وہ پھر اپنے گھوڑوں کو واپس سرائے کی طرف دوڑانا چاہتے تھے کہ ارسلان، احمد اور مخبر ان کے سر پر پہنچ گئے۔

انہوں نے ان کی واپسی کی راہ روک کر اپنے گھوڑوں کو ان کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس پر ان دونوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو روک لیا۔ پھر ان میں سے ایک کڑکتی ہوئی آواز میں بولا:

"تم کون ہو اور کیوں ہماری راہ روکی ہے؟"

جواب میں ارسلان ایک ہیولے کی صورت میں حرکت میں آیا اور کہنے لگا:

"بدبختو! میری طرف غور سے دیکھو۔ میرا نام ارسلان ہے اور یہ میرے ساتھ میرا عم زاد احمد ہے یقیناً ہم دونوں کے نام تمہارے لیے شناسا اور جانے پہچانے ہوں گے۔" ان کھلے میدانوں میں ارسلان کی آواز یوں طویل بازگشت کے ساتھ بلند ہوئی جیسے ویران خوابوں میں حقیقت، فسوں بار امنگ کے ساتھ نمودار ہوتی ہے۔ یا جیسے موجوں میں بھنور، جوش اور زور مارتے ہوئے اپنی موجودگی کا پتہ دیتا ہے۔

ارسلان کے اس انکشاف پر ان میں سے ایک بولا:

"اگر تم ارسلان اور احمد ہو تو پھر غور سے سنو۔ میرا نام وحشی ہے۔ یہ مت سوچنا کہ تم دونوں کے نام سن کر ہم ان میدانوں سے بھاگ جائیں گے بلکہ ہم تمہارا سامنا کریں گے۔ تم نے ہمارے کئی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ آج ان کھلے میدانوں میں ہم تم دونوں پر اندھیروں کے تلاطم میں بلاؤں کے نزول، چاندرات میں اترتے غبار، موجِ ظلمت میں بجلیوں کی کڑک اور طوفانوں کے زور کی طرح وارد ہوں گے اور تم سے اپنے مرنے والے بھائیوں کا انتقام لیں گے۔"

وحشی جب خاموش ہوا تو ارسلان اسے انتہائی خونخواری سے مخاطب کر کے کہنے لگا:

"سن دشمنِ ناموس، سن عصمت کے خائن! تو ہم سے انتقام لینے کی بات کرتا ہے۔ میں تو جلوہ در جلوہ، سنگ در سنگ اور ذرہ در ذرہ ان گمنام میدانوں میں تمہارے گناہوں کی بے انتہا

تاریکی میں بے کنار روشنی بن کر کوند جاؤں گا۔"

ارسلان مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اچانک خاموش ہو گیا ۔۔۔ اس لیے کہ ان میدانوں میں اسے وہی جانی پہچانی آواز سنائی دے رہی تھی:

اللہ نور السموٰت والارض

ارسلان نے چونک کر دیکھا۔ ان کی پشت کی طرف سے وہی اجنبی اور ناآشنا لڑکی نمودار ہوئی تھی۔ وہ سیاہ گھوڑے پر سوار تھی۔ اس کا گھوڑا سائیں سائیں کی آوازیں نکالتا ہوا بڑی تیزی کے ساتھ ارسلان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

اس لڑکی کے قرآن مقدس کی تلاوت کرنے کا انداز کچھ ایسا دل نشیں تھا جیسے ویرانوں میں چاندنی کی بارش اور کرنوں کی پھوار شروع ہو گئی ہو یا پیچ در پیچ دھوئیں کے اندر موت کے شعلوں کا لباس پہن کر لاوے، شعلے اور شرارے بری طرح ناچ اٹھے ہوں۔

میدانوں میں بلند ہوتی ہوئی اس لڑکی کی آواز میں ایسا طلسم تھا جیسے شفق شفق بادلوں میں عروسِ شب کے کنگنوں کی صدا اور سحر کی چوڑیاں بجنے کی آوازیں بلند ہو رہی ہوں ۔۔۔ یا کھلے میدانوں میں بربط اور دف اور طاؤس و رباب کی لے پر ہزار آہنگ و صوت بری طرح ناچ اٹھے ہوں۔

گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتی ہوئی اور قرآنِ مقدس کی آیت کا ورد کرتی ہوئی وہ لڑکی یوں بڑھتی چلی آ رہی تھی گویا وہ ظلمتوں کے وسیع طوفان، شبستانِ رنگ و بو میں خوابوں کی ساحرہ کی طرح موت کا سا طلسم اور آنچل پھیلا دینے کا عزم رکھتی ہو۔

وہ شعلہ انداز اور برق اندام لڑکی چڑھتے دریا کی مست موجوں کی طرح بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ قریب آ کر وہ لڑکی ہمہ عقوبت و قیامت کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ شعلہ فشاں اور برق ریزہ انداز میں اس نے اپنی تلوار بے نیام کی اور وحشی پر حملہ آور ہوئی۔

اپنے پہلے ہی وار میں اس نے وحشی کا پورا شانہ کاٹ کر رکھ دیا۔ اس لڑکی کی ضرب کھانے کے بعد وحشی اس طرح چلایا جیسے کوئی ویرانہ، کوئی شرر زار، کوئی صحرا، جگر شکن چیخ کے ساتھ بول اٹھا ہو۔ گونج اٹھا ہو۔ اس لڑکی کی ضرب کھانے کے بعد وحشی گھوڑے سے زمین پر گرا اور فوراً ہی دم توڑ گیا۔

اور — وہ لڑکی اسی طرح اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتی ہوئی آگے نکل گئی تھی۔

جس وقت وہ لڑکی وحشی پر حملہ آور ہوئی تھی اور اس نے اس کا شانہ کاٹا تھا۔ اسی وقت ارسلان بھی حرکت میں آیا تھا اور اس نے سرطوش پر حملہ آور ہو کر اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔ پھر جب اس نے مڑتے ہوئے اس لڑکی کی طرف دیکھا تو وہ اسی طرح اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتی ہوئی سرائے کی سمت دور نکل گئی تھی۔

ارسلان اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے دم بخود رہ گیا تھا۔ اس کی حالت سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے ان میدانوں کے اندر اڑتی ہوئی گرد میں ابھی تک اس لڑکی کی آتشیں نغمات جیسی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی ہو۔

کچھ دیر تک ارسلان وہیں کھڑا رہ کر اس لڑکی کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے بڑی اداسی سے اپنے پہلو میں کھڑے احمد کی طرف دیکھ کر کہا:

"احمد۔ میرے بھائی! اب ہمیں بھی سرائے کی طرف چلنا چاہیے"۔

احمد نے اس کے اس فیصلے کی تائید کی۔ لہٰذا وہ تینوں اپنے گھوڑوں کو میانہ روی سے سرائے کی طرف ہانکنے لگے۔

شام اب نیم دھندلکوں میں نہانے لگی تھی۔ شفق زاروں میں سونا پگھلنے لگا تھا۔ دن کے انجام کی سسکتی تنہائیاں تاریکی کے آنچل میں زہریلی فضاؤں سے بغل گیر ہونے لگی تھیں۔ فضاؤں میں تازگی کی نمود اور چمن میں حیات کے آثار اپنا اپنا دامن سمیٹ کر کوچ کرنے لگے تھے۔

میدانوں سے نکل کر ارسلان، احمد اور ان کا مخبر سرائے میں داخل ہوئے۔ ایک رات انھوں نے اس سرائے میں قیام کیا اور دوسرے روز وہ اس سرائے سے غزنی کی طرف کوچ کر گئے۔



غزنی کے شاہی محل میں ایک روز سلطان محمود، ارسلان، عبداللہ طائی، امیر نصر، التون تاش اور دیگر سالاروں، جرنیلوں، مشیروں اور وزراء کے ساتھ ہندوستان میں اپنی اگلی مہم کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ سلطان کا ایک محافظ اندر آیا اور سلطان کی خدمت میں بڑی انکساری کے ساتھ عرض کرنے لگا:

"سلطانِ محترم! کالنجر شہر سے جو دو مخبر آپ نے ہندوستان کے مشہور مندر سومنات کی طرف روانہ کیے تھے وہ دونوں لوٹ آئے ہیں اور سومنات سے متعلق آپ کی خدمت میں تفصیلات بیان کرنے کے خواہش مند ہیں"۔

محافظ کے اس انکشاف پر سلطان کے چہرے پر ایک گہری اور پُرسکون مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر انھوں نے وقت ضائع کیے بغیر فی الفور محافظ سے کہا:

"ان مخبروں کو باہر مت روکو۔ انہیں فی الفور اندر آنے دو تاکہ میں جان سکوں کہ وہ کیا اطلاعات حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں"۔

اس پر وہ محافظ فوراً باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں دو مخبر داخل ہوئے۔ نزدیک آ کر سلطان سے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ سلطان نے ان دونوں کو مخاطب کرنے میں پہل کی اور کہا:

"تم دونوں جنوبی ہند کے سومنات مندر سے متعلق کیا اطلاعات جمع کرنے میں کامیاب ہوئے ہو تفصیل سے بیان کرو"۔

اس پر ان دونوں نے سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک بولا اور کہنے لگا:

"سلطانِ محترم! سومنات ہندوؤں کا ایک انتہائی متبرک اور باعزت مقام اور مندر رہا ہے۔ مقامی ہندو سومنات کے لفظی معنی "چاند کا حاکم" کے لیتے ہیں۔ ان کے عقیدے اور قدیم روایات کے مطابق یہ مندر تقریباً تین ہزار سال پرانا ہے۔

سلطانِ محترم! یہ مندر اس قدر وسیع اور بڑا ہے کہ اس کے چھپن ستون ہیں جو سارے کے سارے ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اور ان کے اندر سکہ بھرا ہوا ہے۔ مندر کی مجموعی بلندی تیرہ منزل ہے جبکہ مندر کی شکل مصری میناروں کی طرح مخروطی ہے۔

سب سے اوپر سونے کے چودہ لٹو یا موٹھ لگے ہوئے ہیں جو کئی میل دور سے سورج کی روشنی میں نظر آتے ہیں۔ مندر کا فرش ساگوان کے تختوں کا ہے جنہیں سیسے سے جوڑ دیا گیا ہے۔

مندر کے اندر ایک بہت بڑا بت ہے جو تین گز زمین سے باہر اور دو گز زمین کے اندر ہے یہ بت سیاہ رنگ کے پتھر سے تراشا گیا ہے۔ اس میں بے شمار ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں یہی ہندوؤں کا چاند دیوتا ہے۔

سلطانِ محترم! یہ بت انسانی شکل کا نہیں بلکہ ہندو دیوتا مہادیو کے نسل پیدا کرنے والے اعضاء کی شکل پر مشتمل ہے۔ بت پر مختلف طاقتور حیوانوں کی شکلیں بنی ہوئی ہیں۔ بت کے سر پر ہیرے اور جواہرات سے مرصع سونے کا ایک تاج بھی ہے۔

یہ بت پورے ہندوستان میں بہت طاقتور مانا جاتا ہے۔ ہندوستان کے دور و نزدیک سے اولاد سے محروم عورتیں اس مندر میں جاتی ہیں اور در پردہ اس مندر کے پنڈت اور پجاری ان عورتوں کو اپنی گندی اور غلیظ خواہشات کا نشانہ بناتے ہیں۔

ہندوستان کے تمام بت اس بت کے ماتحت مانے جاتے ہیں۔ ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام انسانی روحیں جسم سے جدا ہونے کے بعد سومنات میں آ کر جمع ہوتی ہیں اور چاند گرہن کے دوران سومنات کا دیوتا جس بدن میں چاہتا ہے روح ڈال دیتا ہے۔

مندر کے دروازوں پر زربفت کے پردے لٹک رہے ہیں جن کی جھالروں پر ہیرے اور موتی جڑے ہوتے ہیں۔ ہر پردے کی قیمت مقامی لوگ بیس ہزار روپے بتاتے ہیں۔

ہر روز ہزاروں عقیدت مند بت کو سلام کرنے آتے ہیں اور چاند گرہن کے دوران لاکھوں زائرین ہندوستان کے دور و نزدیک سے اس بت کی دید کے لیے جمع ہوتے ہیں۔

اس بت کو ہر روز گنگا کے تازہ پانی سے نہلایا جاتا ہے حالانکہ دریائے گنگا وہاں سے سات سو میل کے فاصلے پر ہے۔ پانی لانے کے لیے تیز رفتار سوار مسلسل مامور رہتے ہیں جو ہر وقت پانی لانے کے کام میں مصروف رکھے جاتے ہیں۔

اس بت کے گلے میں ڈالنے کے لیے کشمیر کے علاقے سے پھول منگوائے جاتے ہیں۔ حالانکہ کشمیر کا وسطی حصہ وہاں سے تقریباً ایک ہزار پانچ سو پچاس میل شمار کیا جاتا ہے۔ اس مندر کے اخراجات چلانے کے لیے دس ہزار گاؤں کی آمدن وقف کی گئی ہے۔

اس بت کے علاوہ وہاں بے شمار سونے اور چاندی کے بت بھی ہیں۔ اس بت کے قریب دو سو من وزنی سونے کی زنجیر اور گھنٹیاں لٹک رہی ہیں۔ مندر کی پوجا پاٹ ہر روز ایک ہزار برہمن کرتے ہیں گیت اور بھجن گانے کے لیے مندر میں تین سو پچاس گویے بھی رکھے گئے ہیں۔

ہندوستان کے راجاؤں اور امیروں کی حسین اور خوبصورت لڑکیاں یہاں دیوداسیوں کی حیثیت سے کام کرتی ہیں۔ اس بت کی خدمت کے علاوہ یہ دیوداسیاں گانا گانے اور خاص خاص پنڈتوں کی خدمت کرنے پر مامور ہوتی ہیں۔

ان کے علاوہ غریبوں کی خوبصورت لڑکیاں بھی مندر کی صفائی ستھرائی اور کھانے پکانے پر مامور ہیں اور کم مرتبہ پنڈتوں کی ہوس کا نشانہ بنتی ہیں۔

سلطانِ محترم! مندر کے ملازمین اور زائرین کے لیے مندر کے نواح میں تین سو حجام ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ زائرین کی دیکھ بھال اور خوراک کے لیے تین سو نوکر ہر وقت چوکس اور چوبند رکھے جاتے ہیں۔ سب کو عہدے کے مطابق تنخواہ ملتی ہے۔

سومنات شہر قلعے کے اندر ہے جبکہ قلعہ بہت بڑا ہے اور اس کے گرد گہری خندق کا حصار ہے۔ قلعے کی فصیل بلند اور مضبوط ہے۔ اسی قلعے کے اندر سومنات کا مندر ہے۔

قلعے کے اندر حفاظتی دستے بھی موجود ہیں۔ مندر کے ایک طرف سمندر کی لہریں دیواروں سے

ٹکرا کر سر پٹختی رہتی ہیں۔

بیرونی حملے کی صورت میں اس مندر کے اندر انتہائی تیز رفتار قاصد بھی تیار رکھے جاتے ہیں جن کے ذریعے سے ہندوستان کے مختلف راجاؤں کو خطرے سے آگاہ کر دیا جاتا ہے اور اس کے بعد ہندوستان کے سارے کے سارے راجہ اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ سومنات کی حفاظت کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔

سلطانِ محترم! یہ ہیں وہ اطلاعات جو آپ کے حکم پر ہم اور میرا ساتھی سومنات سے جمع کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔"

یہاں تک کہہ کر جب وہ مخبر خاموش ہوا تو سلطان نے کمال شفقت اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مسکرا کر کہا:

"کیا تم دونوں یہ جائزہ لینے میں بھی کامیاب ہوئے ہو کہ غزنی سے سومنات کی طرف جانے کے لیے کون کون سے راستے اختیار کیے جا سکتے ہیں؟"

اس بار دوسرا مخبر ادب سے بولا:

"سلطانِ محترم! ہم نے راستوں کا بھی خوب جائزہ لیا ہے۔ غزنی سے سومنات کی طرف جانے کے لیے تین راستوں پر سفر کیا جا سکتا ہے اور تینوں ہی راستے سفر کی دوری کی وجہ سے دشوار گزار بھی ہیں پہلا راستہ ہے غزنی سے بنوں، بھیرہ، پنج ند، منصورہ، عمرکوٹ، رن کچھ اور کنتھ کوٹ سے ہوتا ہوا سومنات تک پہنچتا ہے۔

دوسرا راستہ غزنی سے بنوں، بھیرہ، پھر ملتان، اوچ، برمیر، آبو، پالن پور، بٹن اور موڈھیرا سے ہو کر سومنات پہنچتا ہے۔

جبکہ تیسرا راستہ غزنی سے نکل کر پشاور، وہاں سے سوہدرہ، لاہور، فیروزپور، بھٹنڈہ، بیکانیر، اجمیر، اودے پور، رتلام اور بوناہ سے ہوتا ہوا سومنات تک پہنچتا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر خاموش ہو گیا تو سلطان نے توصیف آمیز لہجے میں ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا:

"سومنات سے متعلق تفصیل اور خبریں حاصل کرنے کی جو توقع میں نے تم دونوں سے کی تھی یقیناً

دونوں اس سے کہیں زیادہ خبریں اور اطلاعات فراہم کرنے میں کامیاب ہوئے ہو۔ تم نے سومنات سے متعلق انتہائی مکمل معلومات حاصل کی ہیں۔ اب ہندوستان کی کوئی بھی طاقت سومنات کو ہمارے ...وں سے برباد ہونے سے نہیں بچا سکتی۔ ایسی اطلاعات فراہم کرنے پر تم دونوں واقعی قابلِ قدر ...ام کے حقدار ہو۔"

اس کے ساتھ ہی سلطان نے اپنے پہلو میں رکھی ہوئی نقدی کی تھیلیوں میں سے دو بڑی ...لیاں اٹھائیں۔ پھر وہ اپنی نشست سے اٹھے۔ آہستہ آہستہ اور مسکراتے ہوئے وہ چل کر ان دونوں ...ں کے پاس آئے۔ پہلے انہیں گلے لگا کر ان کی کارگزاری پر انہیں شاباش دی پھر دونوں کو باری باری ...ی کی ایک ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا:

"اب تم دونوں جا کر آرام کرو۔ شاید چند دنوں تک تمہیں پھر لشکر میں شامل ہو کر اپنے فرائض کی انجام ...کے لیے غزنی سے کوچ کرنا پڑے۔"

سلطان کا یہ حکم پا کر دونوں مخبر وہاں سے رخصت ہو گئے۔ سلطان اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گئے ...ہ دربار میں جمع اپنے جرنیلوں، سالاروں، وزیروں اور مشیروں کو مخاطب کرتے ہوئے بولے:

"سنو میرے ساتھیو! اپنے ان مخبروں سے اطلاعات موصول ہونے کے بعد میں نے ارادہ کر لیا ...ہ ہم بہت جلد سومنات پر حملہ آور ہوں گے۔ اس حملے کے لیے کوچ کرنے سے قبل اپنے سارے ...کر میں دو حصوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ایک حصہ میری نگرانی میں ہو گا جبکہ دوسرا حصہ ...ن کی کمانداری میں رہے گا۔

اپنے لشکر کے ساتھ میں غزنی سے بنوں، بھیرہ، ملتان، اوچ، برمیر، آبو اور پالن پور سے ہوتا ہوا ...طرف جاؤں گا جبکہ ارسلان غزنی سے پشاور، سوہدرہ، لاہور، فیروزپور، بھٹنڈا، بیکانیر، اجمیر ...پور پہنچے گا۔ یہاں سے یہ اپنا رخ تبدیل کرے گا اور پالن پور سے ہوتا ہوا بٹن پہنچنے کی ...ش کرے گا۔

بٹن کے مقام پر دونوں لشکر آپس میں یک جان ہو جائیں گے اور پھر سومنات کی طرف کوچ کیا جائے گا۔

کوچ کے وقت لشکر کو دو حصوں میں اس لیے تقسیم کیا گیا ہے کہ غزنی سے سومنات کے لیے

ہمارے کوچ کی خبر سن کر پورے ہندوستان میں ایک کھلبلی اور افراتفری برپا ہو جائے گی۔ ہندوستان کے سارے ہی راجہ اپنے لشکروں کو جمع کر کے ہمارے مقابلے میں آن کھڑے ہوں گے۔

لشکر کو دونوں حصوں میں تقسیم کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہندوؤں کی طاقت بھی ہم دونوں کے لشکروں کے مقابلے میں تقسیم ہو کر رہ جائے۔ اس طرح ہم آسانی سے راستے کے ٹکراؤ میں کامیاب ہونے کے بعد پٹن پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پٹن کے بعد پھر ہم اپنے سامنے آنے والے ہر لشکر کو روندتے ہوئے سومنات جا پہنچیں گے۔

کوچ کے لیے میں تمہیں چند یوم دیتا ہوں، تم اپنی تیاری کر لو۔ اس کے بعد سومنات کی طرف کوچ ہوگا۔ تم اب جا سکتے ہو۔"

اس کے ساتھ ہی سلطان کے جس قدر جرنیل، سالار، مشیر اور وزیر وہاں جمع تھے، وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور دربار سے نکل گئے۔



سلطان نے اس جنگ کے لیے ۳۰ ہزار باقاعدہ سواروں کی تیاری کی۔ دس ہزار سوار رضاکاروں کے طور پر سلطان کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ اس طرح سلطان کے لشکر کی کل تعداد ۴۰ ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔

ان میں سے ۲۰ ہزار سوار سلطان نے اپنے پاس رکھے اور ۲۰ ہزار ارسلان کی سرکردگی میں دینے کے۔ شعبان کو دونوں لشکروں نے غزنی سے کوچ کیا۔

دونوں لشکروں کی خوراک کے لیے سلطان نے ۳۰ ہزار اونٹ بھی تیار کیے تھے جن پر اس لشکر کے لیے خوراک لدی ہوئی تھی۔

ان ۳۰ ہزار اونٹوں میں سے سلطان نے ۱۵ ہزار اونٹوں کو اپنے حصے کے لشکر کے لیے اپنے پاس رکھا جبکہ باقی ۱۵ ہزار اونٹ ارسلان کی تحویل میں دے دیے گئے۔ اس طرح دونوں لشکروں نے اپنے اپنے راستوں پر غزنی سے سومنات کی طرف کوچ کیا۔



بڑی تیزی سے اپنے راستے پر سفر کرتے ہوئے سلطان ۱۵ رمضان کو ملتان پہنچ گئے۔ یہاں سلطان کو مزید کمک بھی مل گئی۔ اس طرح ان کے لشکر کی تعداد پہلے سے بڑھ گئی۔

ملتان میں انہوں نے چند روز قیام کیا۔ پھر وہاں سے بہاولپور، صحرائے چولستان اور صحرائے راجپوتانہ کا کٹھن راستہ اختیار کرتے ہوئے سلطان سومنات کے لیے روانہ ہوگئے۔

ملتان سے نکل کر سلطان اوچ اور پھر جیسلمیر سے دس میل شمال مغرب میں لودروا کے نام کے ایک قصبے سے گزرتے ہوئے، بارمیر یعنی عمرکوٹ سے ۵۰ میل مشرق کی طرف سے ہوتے ہوئے پالن پور اور وہاں سے بعیزر کے پٹن پہنچ گئے۔ یہاں وہ اپنے لشکر کے ساتھ رک کر ارسلان کا انتظار کرنے لگے۔

دوسری طرف ارسلان بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اجمیر اور سانبھر سے ہوتا ہوا اودھ پور پہنچا اور وہاں سے اس نے اپنا رخ بدلتے ہوئے پالن پور سے ہو کر پٹن کا رخ کیا۔ راستے میں چند ہندو راجاؤں نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن ارسلان ان راجاؤں کو پوری طرح شکست دیتا ہوا لشکر کو بحفاظت لے کر سلطان کے پاس پٹن کے مقام پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔



پٹن میں دونوں لشکروں کے یک جا ہونے کے بعد سلطان نے مزید چند روز تک یہاں قیام کیا تاکہ ارسلان کے لشکری بھی آرام کر سکیں۔

اس کے بعد سومنات کی طرف کوچ کرنے سے پہلے سلطان نے آس پاس کے شہروں کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تاکہ سومنات کی طرف بڑھنے سے پہلے ہندوستان کے راجاؤں کی متحدہ قوت کا اندازہ لگانے میں کامیاب ہو جائیں۔

اس مقصد کے لیے سلطان نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ پٹن سے کوچ کیا اور لودردا شہر کی طرف بڑھے۔ لودردا کے راجہ کو جب یہ خبر ہوئی کہ مسلمان سومنات کی طرف بڑھنے کے بجائے اس کی طرف آ رہے ہیں تو وہ قلعہ خالی کر کے بھاگ نکلا۔ یوں لودردا شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

لودردا سے سلطان انہل واڑہ کی طرف بڑھے۔ انہل واڑہ کے راجہ بھیم دیو کو جب خبر ہوئی کہ سلطان اس کے مرکزی شہر انہل واڑہ کی طرف بڑھ رہے ہیں تو اس پر ایسا خوف اور وحشت طاری ہوئی کہ اس نے اپنے لشکر کی کمان اپنے ایک سپہ سالار کے حوالے کی اور خود رات کی تاریکی میں انہل واڑہ سے نکل کر کنتھ کوٹ کے مقام پہ جا کر روپوش ہو گیا۔

سلطان جب انہل واڑہ پہنچے تو راجہ بھیم دیو کے سپہ سالار نے شہر کے دروازے بند کر دیے آدھا لشکر اس نے فصیل پہ کھڑا کر دیا اور آدھے لشکر کو شہر کے اندر حفاظت کے لیے رکھا۔ پھر مسلمانوں کے ساتھ جنگ پر تیار ہو گیا۔

انہل واڑہ پہنچ کر سلطان نے پہلے صورت حال کا جائزہ لیا۔ پھر لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اپنے پاس رکھا۔ دوسرا ارسلان اور تیسرا عبداللہ طائی کی سرکردگی میں دے دیا۔ جو حصہ سلطان اور ارسلان کے ساتھ تھا اسے حملہ آور ہونے اور فصیل پر چڑھنے کے احکامات جاری ہوئے۔ جو حصہ عبداللہ کے ماتحت تھا اسے یہ فرائض سونپے گئے کہ جونہی سلطان اور ارسلان کا لشکر فصیل پہ رسّوں کی سیڑھیوں کے ذریعے چڑھنے کی کوشش کرے تو وہ پشت پر رہ کر فصیل کے محافظوں پر ایسی تیر اندازی کریں کہ فصیل کے محافظوں کو سلطان اور ارسلان کے لشکریوں پر حملہ آور ہونے یا تیر اور پتھر برسانے کا موقع نہ مل سکے۔

سلطان اور ارسلان نے اپنے اپنے لشکر کے ساتھ دائیں بائیں رہتے ہوئے فصیل کی طرف پیش قدمی

شروع کی۔

اس موقع پر شہر کی فصیل کے اوپر انہل واڑہ کے راجہ بھیم دیو کا حفاظتی لشکر چوکنا اور مستعد ہو گیا تھا۔ اور قبل اس کے کہ وہ مزید آگے بڑھتے اور مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کرتے، عبداللہ طائی ایک دم حرکت میں آیا۔ اس نے کچھ ایسی تندی اور تیزی کے ساتھ شہر کی فصیل پر تیر اندازی کرائی کہ شہر کے محافظ اپنی جانیں بچانے کے لیے بُرجوں کے اندر گھس گئے۔

اس موقعے سے سلطان اور ارسلان نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے آگے بڑھنے کی رفتار تیز کر دی اور پھر "آناً فاناً" شہر کی فصیل کے اوپر رسّوں کی سیڑھیاں پھینک دیں جن کی مدد سے مسلمان بڑی تیزی سے فصیل پر چڑھنے لگے۔

فصیل کے اوپر پہنچ کر سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ فصیل کے دائیں حصے کی طرف آگے کو بڑھنا شروع کیا جبکہ ارسلان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ فصیل کے بائیں طرف لپکا۔

سلطان خرقِ عادت انداز میں صاعقہ بدوش تقادیمِ کہنہ کی طرح آگے بڑھے۔ ان کے ساتھ ہر لحہ پیچھے سے آ کر ملنے والے لشکریوں کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوتا گیا۔ فصیل کے محافظوں کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روک لیں گے لیکن سلطان ان کے خلاف نامہربان آغوش، فتح نصیب تلوار، کہربائی کشش کی طرح حرکت میں آئے۔ ان کی فکری و ارادی قوتیں انہوں نے مکمل طور پہ مفلوج کر کے رکھ دیں۔ پھر وہ اپنے رب کی توصیف و تحمید کی تکبیریں بلند کرتے ہوئے بڑی تیزی سے آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔

دوسری طرف ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ کچھ اس طرح حملہ آور ہوا تھا جیسے رات کے ریشمی لمحوں اور شب کی زمیوں میں برق کے نادیدہ ہیکے حلقہ در حلقہ رقص کرتے ہیولے دشمن کی پیاس بھری آنکھوں میں کھنڈر کی طرح بھربھری مایوسیاں اور اداسیاں پھیلا کر رکھ دیتے ہیں۔

سلطان کے حملوں کی طرح ارسلان کے حملوں میں بھی نابلس کے زیتون کے باغوں کی سی تازگی اور نجد کے گلِ داؤدی کی سی شادابی تھی۔

انہل واڑہ کی فصیل پر سلطان اور ارسلان بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے زندگی کے افسانے کی اس کی آخری قسط، بانجھ زمین کو اجنبی خوشبو، بادلوں کے محل کو حمد کی خمار انگیز سرشاری اور کائنات

کے نہاں خانوں کو گم گشتہ ریزہ ریزہ روایات عطا کرنے چلے گئے۔

شہر کے محافظوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ سلطان اور ارسلان کو روک کر ایک بار پھر ان سے فصیل کو محفوظ کر لیں لیکن انہیں مکمل طور پر اس میں ناکامی ہوئی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ فصیل کے تین چوتھائی حصے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور صرف ایک چوتھائی حصہ ان کے قبضے میں رہ گیا ہے تو فصیل کا محافظ لشکر اپنی جانیں بچانے کے لیے شہر کے اندرونی حصے کی طرف بھاگ نکلا۔

سلطان اور ارسلان نے اپنے اپنے لشکر کو ان کے تعاقب میں ڈال دیا۔ شہر کے اندر پہلے سے موجود محافظ لشکر نے جب دیکھا کہ ان کے فصیل کے محافظ شکست کھا کر شہر میں لوٹ آئے ہیں تو ان کے بھی حوصلے پست ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ سلطان کے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔

لہٰذا — شہر کے کھلے میدان میں شہر کے محافظ لشکر نے سلطان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ یوں سلطان انہل واڑہ پر قابض ہو گئے۔

شہر کے دروازے کھول دیے گئے اور جواب میں عبداللہ طائی کا لشکر سرفرازی کا رقص کرتا ہوا انہل واڑہ شہر میں داخل ہو گیا۔



کہتے ہیں، سلطان انہل واڑہ کے باشندوں کے حسن و جمال، زرخیزیِ زمین، خوش گوار آب و ہوا لوگوں کی آسودگی سے بہت متاثر ہوئے۔ شہر کا گشت کرتے ہوئے سلطان ایک ایسے مندر میں داخل ہوئے جہاں ایک ایسا بت تھا جو مندر کے اندر بغیر کسی سہارے کے ہوا میں معلق تھا۔

سلطان ہوا میں معلق اس بت کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے اس لیے کہ وہ بت کسی سہارے کے بغیر بڑے خوبصورت انداز میں ہوا میں کھڑا تھا۔ اس کے نیچے دائیں بائیں سے گزر کر سلطان نے اندازہ لگایا کہ کوئی بھی چیز اسے فضا میں روکنے کے لیے کھڑی نہ کی گئی تھی۔

اس پر سلطان نے مندر کے نگرانوں کو طلب کیا اور ان سے بت کے فضا میں کھڑے رہنے کی وجہ دریافت کی۔

پہلے تو مندر کے نگرانوں نے سکوت اختیار کیا پھر جھوٹ بولتے ہوئے کہا:

"یہ اس بت کی کرامت ہے کہ وہ آپ سے آپ فضا میں معلق ہے۔"

سلطان نے نگرانوں کی یہ بات ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے اپنے فیصلے کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

"یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی بت یوں ہوا میں معلق رہ سکے۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے۔"

سلطان نے جب مندر کے نگرانوں پر سختی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ حقیقتِ حال بتانے پر آمادہ ہو گئے۔

انہوں نے سلطان کو بتایا کہ اس مندر کی دیواریں مقناطیسی پتھر سے بنی ہیں جبکہ بت لوہے کا ہے۔ ہر جانب سے مساوی مقناطیسی کشش کے باعث یہ بت بغیر کسی سہارے کے کھڑا ہے اور کسی سمت جھکنے نہیں پاتا۔

ان کا جواب سن کر سلطان مطمئن ہو گئے لہٰذا انہوں نے حکم دیا کہ مندر کی ایک دیوار گرا دی جائے۔ سلطان کا حکم پاتے ہی ان کے کچھ لشکری حرکت میں آئے اور انہوں نے مندر کی ایک سمت کی دیوار گرا دی۔ دیوار کا گرنا تھا کہ جو مقناطیسی کشش یا قوت ان دیواروں میں تھی، غیر متوازن ہو گئی اور بت زمین پر آ گرا۔

یوں عام لوگوں کو مرعوب کرنے والا پنڈتوں کا طلسم اور شعبدہ ایک ہی پل میں چکنا چور ہو کر ہو گیا۔



سلطان اپنے لشکر کے ساتھ ابھی انہل واڑہ ہی میں قیام پذیر تھے کہ ان کے طلایہ گردستوں نے اطلاع دی کہ مودھیرا کے مقام پر ہندوؤں کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو رہا ہے تاکہ مسلمانوں کا مقابلہ کیا جا سکے اور انہیں سومنات کی طرف بڑھنے نہ دیا جائے۔

سلطان وقت ضائع کیے بغیر حرکت میں آئے۔ لشکر کو فی الفور حسبِ سابق تین حصوں میں تقسیم کیا۔ تینوں حصوں کے ساتھ طلایہ گردستوں کو رہنمائی کے لیے آگے آگے رکھا اور پھر تین مختلف اطراف سے

موڈھیرا کی طرف بڑھے۔

سامنے کی طرف سے سلطان نے خود حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا۔ پشت کی طرف ارسلان کو مامور کیا گیا اور دائیں جانب سے حملہ آور ہونے کے لیے عبداللہ طائی کو ذمہ داری سونپی گئی۔

تینوں لشکر اپنے اپنے راستے سے بڑی برق رفتاری سے موڈھیرا کی طرف بڑھے۔ مقامی لشکر ابھی جنگی تیاریوں ہی میں مصروف تھا کہ سلطان نے سامنے کی طرف سے، پشت سے ارسلان نے اور دائیں جانب سے عبداللہ طائی نے انہیں جا لیا۔

موڈھیرا کے مقام پر مقامی ہندوؤں کے لشکر اور مسلمانوں کے درمیان ایک ہولناک جنگ ہوئی جس میں سلطان نے متحدہ لشکر کو بدترین شکست دی۔ دشمن کے اکثر لشکری مارے گئے۔ جو بچے وہ شکست کا داغ لیے سومنات کی طرف بھاگ گئے۔

موڈھیرا میں دشمن کو بدترین شکست دینے کے بعد سلطان نے دشمن کے کمک کے راستوں کی ناکہ بندی دور تک جنوب میں جاری رکھی۔ لشکر کے لڑاکا اور نگران دستے آبو، رتلام اور کھنڈوا تک روانہ کیے گئے۔ چونکہ ان دستوں کی تعداد محدود تھی اس لیے نہایت ضروری تھا کہ دشمن سے لگاؤ رکھ کر اس کی پیش قدمی کو موثر طریقے سے روکا جائے۔

مورخین نے کھنڈوا کی فتح کا بھی ذکر کیا ہے۔ بعض مورخین نے اسے سومنات سے دو سو میل دور بتایا ہے۔ بہرحال سلطان جیسے جنگی چالوں کے ماہر جرنیل نے ہندوؤں کی کمک کو سومنات سے دور رکھنے کے لیے ضرور کھنڈوا تک اپنے لڑاکا دستے بھیجے ہوں گے۔ سلطان کا جاسوسی نظام ہر طرف پھیل گیا تھا اور انہیں پیش قدمی کے دوران ہر قسم کی خبریں مل رہی تھیں۔ یوں سلطان کی برق رفتاری نے دشمن کی تمام قوت کو یکجا نہ ہونے دیا۔

راستے میں چونکہ برابر رضا کار سلطان کے لشکر میں شامل ہوتے رہے تھے لہذا سلطان کے لشکر کی تعداد کافی بڑھ گئی تھی۔ اب سلطان کے پاس اونٹ اور گھوڑے سے ملا کر تقریباً ایک لاکھ کے قریب بنتے تھے۔ کچھ گھوڑے فالتو بھی رکھے گئے تھے تاکہ جنگ میں کام آسکیں۔

اگر صرف ۲۰ ہزار پانی، خوراک اور اسلحہ اٹھانے والے اونٹ اپنے درمیان میں دس گز فی اونٹ فاصلہ رکھ کر ایک دوسرے کے پیچھے قطار باندھ کر پیش قدمی کریں تو اس قطار کی لمبائی تقریباً ۱۷ میل

بن جانا ہے۔

اس کے علاوہ لشکر کے ہر دستے میں بندوبستی نظام کے لیے مزید اونٹ شامل تھے۔ ایک محتاط تخمینے کے مطابق اردگرد کے چھوٹے بڑے شہروں اور قصبوں کو فتح کرنے کے بعد جب سلطان نے سومنات کی طرف پیش قدمی کی تو ۱۷۰ میل دور تک ان کا لشکر پھیلتے ہوئے سومنات کی طرف بڑھا تھا۔ سلطان نے تیز رفتاری کے ساتھ ساتھ بڑی حرارت سے ریگستانوں کو عبور کرنے میں حیران کن کامیابی حاصل کی تھی۔

سلطان ارادے کے بہت پختہ تھے۔ اسلام کی سربلندی کی خاطر اور بتوں کو برباد کرنے کے جذبے نے ان کے راستے کی ہر رکاوٹ کو ختم کر دیا تھا۔ ان کی مقناطیسی قیادت نے فوج میں اتحاد، تنظیم اور یقینِ محکم کے جذبے ابھار رکھے تھے۔

اپنے لشکر کے ساتھ سلطان دہل وارہ پہنچے تو یہاں کے راجہ نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس لیے کہ وہاں کے ہندوؤں کو یقین تھا کہ سومنات میں مسلمانوں کو فنا کر دیا جائے گا اس لیے لڑائی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق سمندر کی لہریں تک احترام میں سومنات کے مندر کو چومتی تھیں۔ ان کے مطابق سمندر میں جوار بھاٹا اس لیے آتا تھا کہ سمندر کی موجیں سومنات کے مندر کو بوسہ دے سکیں۔

سلطان راستے کی تمام رکاوٹوں اور چھوٹے بڑے لشکروں کو پامال کرتے ہوئے ایک جمعرات کے روز سومنات پہنچ گئے۔

ہندوؤں میں یہ بات مشہور رہی تھی کہ سلطان ہندوستان کے بیشتر مندروں اور بتوں کو برباد کرنے میں اس لیے کامیاب ہوئے کہ سومنات جی ہندوؤں سے ناراض تھے۔ اب وہ سلطان کے سومنات پہنچنے پر خوش ہو رہے تھے کہ سومنات جی، جلد ہی سلطان اور ان کی فوج کو تباہ و برباد کر کے ان کا خاتمہ کر دیں گے۔

سومنات پہنچ کر سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر پڑاؤ کیا۔ ایک پورا دن وہ سومنات اور اس کے گرد و نواح کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر دوسرے روز انھوں نے ارسلان، عبداللہ طائی، امیر نصر اور التون تاش کو طلب کیا۔

جب یہ چاروں جرنیل ان کے خیمے میں آ پہنچے تو سلطان نے ان کو اپنے سامنے بٹھایا۔ پھر ان سے کہنا شروع کیا:

"سنو میرے رفیقو! میں نے گزشتہ پورا دن جو تمہارے ساتھ سومنات شہر اور قلعے کے علاوہ اس کے گرد و نواح کا جائزہ لیتے ہوئے گزارا تو اس کے مطابق یہ بات سامنے آتی ہے کہ قلعہ اور شہر کے مغربی جانب سمندر ہے جبکہ تین اطراف کھلی ہیں۔

ان تین اطراف میں سے مشرق کی طرف ہندوستان کے سارے راجاؤں کا متحدہ لشکر ذرا فاصلے پر پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ میرے مخبر مجھے یہ اطلاع بھی دے چکے ہیں کہ اس متحدہ لشکر کا بڑا حصہ سومنات شہر اور قلعے کے اندر مقیم ہے تاکہ اگر مسلمان کسی طرح شہر کی فصیل کو عبور کر کے شہر یا قلعے میں داخل ہوں تو ان کے ساتھ نبٹا جا سکے۔

ساری صورتحال کے جائزے کے بعد سومنات کے فتح کرنے کے لیے جو تجویز میرے ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ لشکر کو پہلے کی طرح تین حصوں میں تقسیم کیا جائے جس میں سے دو حصے بڑے ہوں گے اور تیسرا حصہ چھوٹا ہو گا۔

بڑے حصوں میں سے ایک حصہ میرے ساتھ رہے گا اور میں شہر پر حملے کی ابتدا کروں گا اور فصیل پر رسوں کی سیڑھیوں کے ذریعے سومنات شہر میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ اس کام میں عبداللہ طائی میری مدد و معاونت کرے گا۔

دوسرے بڑے حصے کی کمانداری ارسلان کرے گا جبکہ التون تاش اس کے معاون اور ماتحت کے طور پر کام کرے گا۔

تیسرا اور چھوٹا حصہ امیر نصر کی کمان میں رہے گا۔ یہ حصہ سمندر میں رہ کر مغرب کی طرف نگہداری کرے گا تاکہ سمندر کے راستے سے سومنات کو کوئی کمک یا رسد نہ ملنے پائے۔

میں جب سومنات کے شہر اور قلعے پر حملہ آور ہونے کی کوشش کروں گا تو ظاہر ہے کہ قلعے اور

شہر سے باہر ہندوستان کے راجاؤں کا جو متحدہ لشکر ہے، وہ میری پشت کی طرف سے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ارسلان کا کام یہ ہو گا کہ دشمن کے اس لشکر کو اپنے ساتھ جنگ میں مصروف رکھے۔ اگر یہ دشمن کے اس متحدہ لشکر کو شکست نہ بھی دے سکا تو مجھے یہ امید ہے کہ اسے روکے ضرور رکھے گا۔ اس طرح مجھے فصیل عبور کر کے شہر میں داخل ہونے کا وقت مل جائے گا اور ایک بار میں سومنات شہر اور قلعے کے اندر داخل ہو گیا تو پھر تم دیکھنا کہ میں کیسے ان دونوں کی اینٹ سے اینٹ بجاتا ہوں۔

اب رہا یہ سوال کہ تیسرا حصہ اپنی کارکردگی کیسے ادا کرے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شہر اور اس کے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے تم نے دیکھا ہو گا کہ شہر کے مغرب میں ایک مضبوط بحری بیڑہ ہے اور میرا اندازہ ہے کہ اسی بحری بیڑے کے ذریعے، دشمن سمندر کی جانب سے سومنات شہر اور قلعے کو کمک اور رسد کا سامان فراہم کرے گا۔ آج رات کے کسی بھی حصے میں ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ ساحل پر لنگر انداز اس بحری بیڑے پر شب خون مارے گا۔ دشمن کے اس بحری بیڑے میں جس قدر لشکری ہیں ان کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور جتنے بھی جہاز اور کشتیاں ہماری تحویل میں آئیں گی ان پر لشکر کے تیسرے حصے کو مقرر کر دیا جائے گا جو امیر نصر کی کمان میں رہے گا۔ امیر نصر ان جہازوں اور کشتیوں کو لے کر سومنات کے قلعے کے نزدیک ہی سمندر کے اندر موجود رہے گا تاکہ اگر سمندر کی طرف سے دشمن کے لیے کوئی رسد یا کمک آئے تو اسے روکا جا سکے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان تھوڑی دیر کے لیے رکے۔ پھر وہ دوبارہ بولے:

"میرے ساتھیو! یہ ہے وہ لائحہ عمل جو میں اس سومنات کے خلاف حرکت میں لانا چاہتا ہوں اگر تم میں سے کوئی اس سے بہتر تجویز پیش کر سکتا ہے تو وہ کہے۔"

سلطان کے اس استفسار پر ارسلان، عبداللہ طائی، التون تاش اور امیر نصر کچھ دیر تک خاموش رہے پھر ان کا بغور جائزہ لیتے ہوئے ارسلان بولا:

"سلطانِ محترم! ہم چاروں آپ کی اس تجویز سے مکمل طور پر اتفاق کرتے ہیں۔ آپ کی ہدایت کے مطابق میں آج ہی رات دشمن کے بحری بیڑے پر شب خون ماروں گا اور اس کے سارے ملاحوں اور بیت یافتہ لوگوں کا خاتمہ کر کے بحری بیڑے کو امیر نصر کی تحویل میں دے دوں گا اور کل۔ انشاءاللہ ہم

دشمن پر اپنی آخری ضرب لگانے کے لیے حملے کی ابتدا کر دیں گے۔

ارسلان کا یہ جواب سن کر سلطان مطمئن اور خوش ہو گئے۔ پھر ان کے کہنے پر وہ چاروں اٹھے اور رخصت ہو گئے!



اسی رات سلطان کے حکم کے مطابق ارسلان نے سومنات کے مغربی سمت میں کھڑے ہندوؤں کے متحدہ بحری بیڑے پر شب خون مارا۔

بیڑے کے اراکین کو خبر تک نہ تھی کہ آدھی رات کے وقت ان پر موت و مرگ کا نزول شروع ہو جائے گا۔ ارسلان موروثی و تمدنی اوہام کی دوا اور تعصب کے مرض کا علاج کی شفا بن کر ایک دوڑتے شورِ قیامت کی گونج کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا تھا۔

آسمان کی وسیع چھتری تلے اس وقت پوری کائنات تاریکی میں بند تھی۔ اس تاریکی اور گہری خاموشی میں ارسلان کا حملہ ایسا ہی تھا جیسے قدیم خلوتوں میں تخلیق کا راز افشا ہونے لگا ہو یا مادی گہرے تاریکی جیسے بے انت نہ خانوں میں صبحِ فطرت کی مسکراہٹ اور رات کے عناصر کی غنودگی میں ایک دوریت کی سنسناہٹ پیدا کرنے لگے ہوں۔

اپنے پہلے ہی حملے میں ارسلان نے اپنے سامنے والی کشتیوں اور جہازوں کے ملاحوں کی حالت ساحل کی گیلی ریت پر الٹی کشتیوں اور پاؤں تلے مسلے لکڑی کے برادے کی طرح کر دی تھی۔

رات کی گہری تاریکی میں وہ کونپل کونپل مسکراہٹ اور تتلی تتلی رقص کی سی جارحیت کے ساتھ سمتوں کی لامشابہت میں سرشاری کا غوطہ لگاتا ہوا اور جذبی و خلوقی استغراق میں پھڑ پھڑاتے زیر و بم کے ساتھ اس بحری بیڑے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تیز رفتار چمکدار کوندوں کی طرح لپک کر پھیل گیا تھا۔

بحری بیڑے کے سپاہیوں نے ارسلان سے بچنے کی بڑی کوشش کی۔ وہ ایک کشتی سے دوسری کشتی، ایک جہاز سے دوسرے جہاز میں جمع ہو کر ارسلان اور اس کے لشکریوں کے سامنے ایک بند اور دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن ارسلان خاک کے ناچتے ذروں، الوہی جوہر اور زمین کا سینہ چیرتے ہاتھوں کی طرح ان پر پھیلتا اور اپنی گرفت مضبوط کرتا چلا گیا۔

رات کی گہری تاریکی میں اس کے حملوں میں ایسی ہی تازگی اور بے باکی و جرأت مندی تھی جیسے کنواری فصلوں کی خوشبو میں بربط کا نشیلا بہاؤ گھستا ہے یا جیسے گہری رات کی رگوں میں خشک لہروں جیسی پیاس دور تک حلقوم کو خشک کرتی ہوئی اپنی موجودگی اور اذیت کا پتہ دیتی چلی جاتی ہے ہی حالت ارسلان نے اس بحری بیڑے کی کر دی تھی۔

ایک طرف سے شروع ہو کر جب اس نے بحری بیڑے کے اراکین کا قتلِ عام شروع کیا تو دوسری سمت تک وہ سمندر کی ساحلی گیلی ریت پر ان کی لاشوں کے انبار لگاتا چلا گیا اور ریت سرخ خون کی ان گنت داستانیں اگلنے لگی تھی۔

صبح طلوع ہونے سے پہلے ہی اس نے بحری بیڑے کے محافظوں کا مکمل طور پر صفایا کر دیا۔ سورج نکلنے سے پہلے ہی وہ اپنے لشکر میں لوٹ آیا۔

اسی وقت سلطان کے حکم پر امیر نصر اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا۔ ساحلِ سمندر پر پھیلی دشمنوں کی لاشوں کو اس نے سمندر میں پھینک کر ساحل کو اچھی طرح دھو دیا تاکہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ ساحل پر کوئی جنگ ہوئی ہے۔

کشتیوں اور جہازوں کے اندر جو انسانی خون تھا وہ بھی دھو کر صاف کر دیا گیا۔ اس کے بعد امیر نصر اپنے لشکر کے ساتھ بحری بیڑے پر قابض ہو گیا۔

بحری بیڑے کو اس نے سمندر میں اتارا اور سومنات شہر سے تقریباً ایک میل دور سمندر کے اندر اپنے بحری بیڑے کو لنگر انداز کر کے ایک طرح سے وہ سومنات کی مغربی سمت کو محفوظ کر کے کھڑا ہو گیا۔

دوسرے روز صبح ہی صبح جنگ کی ابتدا ہو گئی۔

سب سے پہلے عبداللہ طائی حرکت میں آیا۔ تیر انداز دستوں کے ساتھ اس نے شہر کی فصیل پر اس طرح تیر اندازی کی کہ فصیل کے ایک ایک خلا میں کئی کئی تیر گھستے چلے گئے۔ جواب میں فصیلوں پر ایک شور، کہرام، واویلا اور افراتفری کا عالم برپا ہو گیا۔

عین تیروں کی اس بارش میں سلطان آندھی اور طوفان کی طرح حرکت میں آئے۔ اپنے لشکر کے ساتھ وہ فضا کے نیلگوں کے فاصلوں میں گم لمحوں پر سرمست رقصاں لہروں کے حملوں کی طرح شہر کی فصیل کی طرف بڑھے۔ آناً فاناً سومنات کی فصیلوں پر رسوں کی سیڑھیاں پھینک دی گئیں۔ پھر لشکری اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔

عین اس لمحے عبداللہ طائی نے تیر اندازی بند کر دی۔ اسی وقفے میں سلطان اپنے لشکر کے ساتھ فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔

فصیل پر پہنچنے کے بعد سلطان تکبیروں کے تند طمانچے دشمن پر برساتے ہوئے فصیل کے محافظوں پر کچھ اس طرح ضربیں لگانے لگے کہ فصیل کے ہر خلا سے لہو ٹپک پڑا۔ اور خشک ہواؤں میں انسانی چیخوں کا ایک کہرام برپا ہو گیا۔

جس طرح خزاں کی شام شاخوں کی عریانی اور پتوں کی زردی سے بغلگیر ہوتی ہے ایسے ہی سلطان بھی فصیل کے محافظوں پر چھاتے چلے گئے۔ اور جس طرح ننگی ٹہنیوں سے پتے گرتے ہیں اسی طرح سلطان سے مقابلہ کرنے والے دشمن کے سپاہی فصیل سے نیچے گر گر کر دم توڑنے لگے۔

جنگ پورے زور و شور سے شروع ہو گئی تھی۔ نیلی کانچ کا سا آسمان چپ تھا۔ سیاہ دوشیزہ کی طرح بل کھاتا ہوا سمندر کا خاموش ساحل اس طرح ویران تھا جیسے ابدیت کے جزیرے میں صبح کے پیغامبر ستارے یا سینہ میں محفوظ راز درد کی چبھن بن کر باطل کے جغرافیے میں گھسنے والے عناصر کو مسکرا مسکرا کر دیکھتے ہیں۔

فصیل پر لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتے ہوئے سلطان وحی کی خوشبو، وجدان کے زمزمے، الہام کی نکہت کی طرح یہ ثابت کر رہے تھے کہ وہ اور ان کے ساتھی خلوت میں شبنم اور جلوت میں آگ کا سماں رکھتے ہیں۔

اپنے تیز حملوں سے سلطان نے سمتیں بے سمت اور وقت کو معطل کرنا شروع کر دیا تھا اور جس طرح شبنم بھری رات میں عذاب ناک لمحے خشک رتوں کی سردی اور عذاب الیم کی اذیت کی طرح کائنات کی ہر شئے پر چھا جاتے ہیں اس طرح وہ بھی لمحوں کے اندر پوری فصیل پر چھاتے ہوئے دشمن کے محافظوں کا مکمل طور پر صفایا کرتے ہوئے فصیل پر قابض ہو گئے۔

اس کے بعد انھوں نے شہر میں اتر کر اپنی کامیابی و کامرانی کو یقینی بناتے ہوئے شہر کے سارے دروازے کھول دیے۔ جس کے جواب میں عبداللہ طائی بھی اپنے دستوں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا تھا۔

سلطان کے سومنات کے اندر داخل ہو جانے پر وہاں ایک کہرام اور افراتفری کا عالم برپا ہو گیا۔ چاروں طرف جنگ کے شعلے دھوئیں کی طرح پھیلنے اور بکھرنے لگے۔

جس وقت سلطان سومنات کی فصیل پر حملہ آور ہوئے تھے اسی وقت شہر سے ذرا فاصلے پر پڑاؤ کیے ہوئے ہندوستان کے راجاؤں کے متحدہ لشکر نے بھی حرکت کی۔ شاید وہ اسی انتظار میں تھے کہ سلطان شہر پر حملہ آور ہوں اور وہ پشت سے ان پر حملہ کر کے ان کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیں لیکن انہیں خبر نہ تھی کہ سلطان نے فصیل پر حملہ آور ہونے سے پہلے ان کے لیے بھی شکست اور بد بختی کا دستر خوان چن دیا تھا۔

جونہی ہندوستان کا یہ متحدہ لشکر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا، ان کے حملہ کرنے سے پہلے ہی ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور فضا کی بیکرانی، وقت کے تیز بہاؤ پر انحطاط طاری کرنے والے غضب، کہر کے وار برساتی موت، زوال کی لہریں طاری کرتی فطرت، استغراق کی مقناطیسی لہروں کی طرح دشمن پر حملہ آور ہو گیا۔

متحدہ لشکر کا یہ خیال اور گمان تھا کہ ان کے مقابلے پر آنے والے ارسلان کے لشکر کی تعداد ان سے بہت کم ہے لہٰذا بہت جلد وہ اس پر قابو پانے کے بعد فصیل پر چڑھنے والے مسلمانوں کا بھی قلع قمع کر دیں گے لیکن حالات اور وقت فطرت اور قدرت، ان کے خلاف فیصلہ دے چکے تھے۔

اس لیے کہ ارسلان پہلے ہی حملے میں کچھ اس طرح ان پر وارد ہوا تھا جس طرح مکڑی جالا بُن کر اپنے شکار کو بے بس کر دیتی ہے، جیسے کوہستانوں کا جگر چاک کر کے کوئی چشمہ نکلتا ہے اور رازِ گویاں اور ماورا کا ادراک دیتا ہے، اسی طرح ارسلان بھی گورکھ دھندوں کا پھیلاؤ بن کر دشمن کی خواہشوں کی ہوا اور لذتوں کی حرص پر موت کے کارکنوں کی طرح نزول کرنے لگا تھا۔

ارسلان کے اس حملے سے ہندوستان کے متحدہ لشکر میں کچھ اس طرح چیخ و پکار بلند ہوئی جیسے قدیم و بے برگ و گیاہ لمحوں میں رونے والے مردم خوروں کا ایک نہ تھمنے والا شور و غوغا بلند ہو گیا ہو۔

ارسلان کے لشکر کی تعداد گو ہندوستان کے متحدہ لشکر کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھی پھر بھی وہ کمالِ مہارت کے ساتھ ان کے خلاف حرکت میں آیا اور جس طرح راتوں کی خاموشی میں زمین کے اتھاہ سے نکل کر درخشاں حروف بڑی گہری جسارت کے ساتھ روح بدن کے سکوت میں وقت کی لا انتہا اذیت اور تقدیر کی گرفت بن کر داخل ہوتے ہیں ایسے ہی ارسلان بھی دشمن کے لشکر میں خنجر کی نوک بن کر دور تک گھستا چلا گیا تھا۔

اپنے سامنے آنے والی ہر صف کو اس نے الٹ پلٹ کر اور تہس نہس کر کے ان کی تنظیم اور نظم و ضبط کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔

جس وقت سلطان فصیل پر دشمن کے ساتھ برسرِپیکار تھے عین اس وقت ارسلان بھی دشمن کے اندر گھس کر ان کے ساتھ زندگی اور موت کا کھیل کھیل رہا تھا اور جب سلطان نے دشمن کو فصیل پر شکست دے کر شہر میں اترنا شروع کیا تو اس طرف ارسلان بھی دشمن کو بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔

ارسلان سے شکست کھانے کے بعد ہندوستان کا متحدہ لشکر اپنے پڑاؤ کی ہر چیز چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ارسلان نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور مار کاٹ کر اس کی تعداد کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور باقی کو اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ پلٹ کر پھر سومنات کی طرف رخ کر سکیں۔

اس کے بعد ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ سومنات شہر کی طرف پلٹا۔ اپنے چند دستوں کو اس نے دشمن کے پڑاؤ پر مقرر کیا کہ وہ پڑاؤ کی ہر شئے کی حفاظت کریں۔ دوم یہ کہ وہاں رہ کر وہ چاروں طرف نگاہ رکھیں کہ کہیں ان کے ہاتھوں شکست کھا کر بھاگنے والے پھر پلٹ نہ آئیں اور مسلمانوں کی

پشت کی طرف سے حملہ آور ہونے کی کوشش نہ کریں۔

یہ ہدایات جاری کرنے کے بعد ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ اسی دروازے کے ذریعے سلطان سے جا ملا جس دروازے سے عبداللہ طائی اپنے دستوں سمیت شہر میں گھسا تھا۔

اب ارسلان، سلطان، عبداللہ طائی اور التون تاش پورے لشکر کے ساتھ شہر میں زندگی اور موت کا کھیل برپا کرنے والی جنگ جاری رکھے ہوئے تھے۔

شہر کی فصیل پر حملہ آور ہوتے وقت سلطان کو یقین تھا کہ اگر قلعہ اور مندر فتح ہو گیا تو قلعے سے باہر کی ہندو فوج بددل ہو جائے گی۔

حملے کی ابتدا کے وقت ہندو فوجی اور شہری قلعے سے باہر دیواروں اور چھتوں پر چڑھ کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے اور خوش ہوتے تھے کہ جلد ہی سومنات دیوتا ان کو تباہ کر دے گا۔ پجاری پوجا کر رہے تھے۔ گویّے بھجن گا رہے تھے اور دیوداسیاں ناچ رہی تھیں البتہ مندر کے حیاسوز واقعات سے باخبر اور بت کی بے بسی سے واقف پنڈتوں کو یقین تھا کہ ان کا بھانڈہ بس اب پھوٹنے ہی والا ہے۔ ایسے حالات میں بھی وہ عیش پرست پنڈت پوجا پاٹ کے بہانے معصوم لڑکیوں کو اپنی حیوانی خواہشات کا نشانہ بنا رہے تھے۔

پنڈت اور پجاری ظاہری طور پر لوگوں کو مسلمانوں کی بربادی کا یقین دلا رہے تھے لیکن ان میں سے بیشتر بھاگنے کے منصوبے بھی بنا رہے تھے۔ حالانکہ انہیں پتہ تھا کہ سلطان پنڈتوں اور پجاریوں کو قتل نہیں کرتے۔ وہ تو صرف بتوں کو توڑنے آئے تھے تاہم جہاں ان پنڈتوں اور پجاریوں کو اپنی جان بخشی کے آثار دکھائی دے رہے تھے وہیں انہیں اس عظیم ترین مندر اور بے شمار دولت کی بربادی بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ انہیں ان حسین لڑکیوں اور دیوداسیوں کا بھی غم تھا جنہیں سلطان محمود معمول کے مطابق آزاد کر دیا کرتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ سلطان مقامی حکمرانوں، راجاؤں اور امرا کو پنڈتوں کی ان حیاسوز شرمناک حرکتوں اور عیاشیوں سے بھی آگاہ کر دیا کرتے تھے تاہم ہندو معاشرے پر پنڈت کا بھوت کچھ اس طرح سوار اور قابض تھا کہ ان کے سامنے بڑے سے بڑے راجہ بھی بے بس تھے۔

ادھر پنڈتوں کے جوش دلانے پر ہندو لڑ رہے تھے جے کارے لگا رہے تھے۔ سومنات سے مدد مانگ رہے تھے اور پنڈت بت کے سامنے گڑگڑا رہے تھے۔

سلطان یلغار کر کے شہر کے اندر داخل ہو چکے تھے اس کے باوجود پنڈتوں کے اکسانے پر ہندو مرمٹنے پر تلے ہوئے تھے۔



وہ جمعے کا دن تھا۔

شہر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ قدم قدم پر جنگ جاری تھی۔ پورا دن اور پھر پوری رات سلطان شہر میں دشمن کے خلاف برسرپیکار رہے۔ پھر رات کی تاریکی میں سلطان نے دشمن کو اپنے سامنے زیر کر لیا اور سومنات پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

ہفتے کے روز صبح ہی صبح سلطان خود سومنات کے مندر پر آئے۔ جب وہ سومنات کے بڑے بت کے سامنے آئے اور اپنا جنگی کلہاڑا اٹھایا تاکہ ایک بھرپور ضرب سومنات کے بت پر لگائیں تو پجاریوں نے رو رو کر التجائیں کیں اور کہا:

"آپ اس بت کو نہ توڑیں۔ اس کے بدلے بے پناہ دولت قبول کر لیں۔"

جواب میں سلطان نے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن میرا خدا مجھے یہ کہہ کر پکارے کہ کدھر ہے محمود جس نے اپنے دور میں اس وقت کا سب سے بڑا بت توڑا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا خدا مجھے یہ کہہ کر پکارے کہ کدھر ہے محمود جس نے دولت کے بدلے بت فروخت کر دیا۔ میں بت شکن ہوں، بت فروش نہیں۔"

اس کے ساتھ ہی سلطان نے ایک ہی وار میں بت پاش پاش کر دیا۔

بت ٹھوس تھا۔ اس کے اندر بے شمار دولت تھی جو پجاریوں نے اس کے اندر جمع کر رکھی تھی۔ اس کے علاوہ بھی پنڈتوں نے مندر میں بے شمار دولت چھپا رکھی تھی مگر سلطان کے جاسوسی نظام نے ہر کونے کی تلاشی لے کر بے شمار دولت پنڈتوں سے نکلوا لی تھی۔ درجنوں چاندی اور سونے کے بت ہاتھ لگے۔

سومنات کا بت جس کمرے میں تھا وہاں کوئی روشنی نہ کی جاتی تھی البتہ کمرے میں ہیرے اور جو

اس قدر تھے کہ ان کی جگمگاہٹ سے فرش پہ تنکا تک نظر آ رہا تھا۔

کئی مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ بت کے اندر واقعی ہیرے اور جواہرات موجود تھے حالانکہ بت ٹھوس تھا جس کے ٹکڑے سلطان نے مکہ معظمہ اور بغداد بھیجا تھے تاکہ نمازی ان کو اپنے پاؤں تلے روند کر نماز کو جائیں۔ کچھ ٹکڑے سلطان نے غزنی کی جامع مسجد کے دروازے کے سامنے پھیلانے کے لیے بھی بھجوائے۔

اس کے بعد سلطان نے مندر کو آگ لگادی جو پھیل کر قلعے کو بھی راکھ کر گئی۔ اس قلعے کی فتح کے بعد ہندوؤں کو یقین ہو گیا کہ سلطان محمود ناقابلِ تسخیر قوت کے مالک ہیں۔



سومنات کی فتح کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ چند یوم تک وہاں قیام کیا۔ اس دوران انہوں نے اپنے طلایہ گردستوں کو اطراف میں پھیلا دیا تاکہ ہندو راجاؤں میں اس مندر کی فتح کے باعث جو ردعمل ہو اس کی سلطان کو مکمل خبر کریں۔

کچھ دنوں بعد انہیں یہ خبر ملی کہ ہندو سومنات کی بربادی کا بدلہ لینے کے لیے بھاری تعداد میں آبو کے راجہ پرم دیو کی قیادت میں جمع ہو رہے ہیں۔

ہندو فوجوں کے دستے سلطان کی واپسی کے راستوں کی ناکہ بندی کر رہے تھے یعنی خلیج کچھ اور موڈھیرا کے درمیانی علاقے میں ہندوؤں نے ایک بہت بڑا لشکر جگہ جگہ گھات میں بٹھا دیا اور اب وہ اس انتظار میں تھے کہ جونہی سومنات سے نکل کر سلطان غزنی جانے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے گزریں، اچانک ان پر حملہ آور ہو کر انہیں اور ان کے لشکر کا صفایا کر کے سومنات کی بربادی کا انتقام لے لیا جائے۔

سلطان نے دشمن کی اس گھات کی پرواہ کیے بغیر سومنات سے غزنی کی طرف کوچ کیا تاہم اب انہوں نے راستہ بدلنے کا فیصلہ کیا۔۔۔ اور شمال میں کنتھ کوٹ کی جانب روانہ ہوئے۔

دائیں بازو کی حفاظت کے لیے انہوں نے ارسلان کو مقرر کیا۔ کنڈلا کے جنوب میں سمندر کا وہ حصہ جو خشکی میں دور تک آگے بڑھا ہوا تھا وہ بالکل تنگ اور صرف ڈیڑھ میل چوڑا تھا۔ سلطان نے

اسی حصے کو عبور کرنے کا ارادہ کیا۔

اس موقع پر آبو کے راجہ پرم دیو کی سرکردگی میں جو لشکر گھات لگائے بیٹھا تھا، اس نے آگے بڑھ کر سلطان پر حملہ کر دیا لیکن سلطان نے اس لشکر کو بھی بدترین شکست دی۔

اس سے فارغ ہونے کے بعد وہ آگے بڑھے۔ چونکہ مدوجزر کی وجہ سے سمندر کی گہرائی بہت کم تھی لہٰذا سلطان اس کے اندر بڑھتے ہوئے ڈیڑھ میل چوڑے حصے کو آسانی سے عبور کر گئے۔

اس وقت سلطان کے لشکر میں بے شمار اونٹ اور گھوڑے اس سامان سے لدے ہوئے تھے جو انہیں سومنات سے حاصل ہوا تھا۔

یہ راستہ چونکہ نیا اور اجنبی تھا اور سلطان پہلے سے اس راستے کو نہیں جانتے تھے اس لیے انہوں نے اس راستے پر سفر کرنے کے لیے دو ہندو راہبر حاصل کیے۔ ان دونوں نے حامی بھرلی کہ وہ اس راہ سے سلطان اور ان کے لشکر کو کامیابی سے نکال کر لے جائیں گے۔

ان دونوں نے یہ انکشاف بھی کیا کہ انہیں یہ بھی علم ہے کہ اس راستے میں کہاں کہاں پانی ملتا ہے مگر جب تین روز تک کوئی چشمہ یا کنواں نظر نہ آیا اور لوگ پیاس سے بے حال ہونے لگے تو سلطان کے حکم پر ان دونوں راہبروں کو ان کے سامنے پیش کیا گیا۔

سلطان کو شک ہو گیا تھا کہ وہ دونوں راہبر مسلمانوں سے دھوکا اور فریب کر رہے ہیں سلطان نے جب سختی سے دریافت کیا تو وہ دونوں ہندو پھٹ پڑے۔ پھر ان میں سے ایک نے سلطان کو مخاطب کر کے کہا:

"اے مسلمانوں کے سلطان! ہم نے تمام زندگی سومنات کی خدمت میں گزار دی اور اب اس کی بربادی کو ہم برداشت نہ کر سکے اس لیے دھوکے سے ہم نے مسلمانوں کی فوج کو تباہ کرنے کا ارادہ کیا اور آپ کو اس صحرا میں لے آئے۔"

سلطان نے ان دونوں ہندوؤں کو قتل کرا دیا اور لشکر کو اسی مقام پر پڑاؤ ڈالنے کا فی الفور حکم دے دیا۔

رات کی تاریکی میں وہ خداوند قدوس کے آگے سربسجود ہوئے اور گڑگڑا کر لمبی رات دعا مانگی کہ

"خداوندِ قدوس! مجھے اور میرے لشکریوں کو اس صحرا میں ہدایت، روشنی اور راہبری نصیب فرما دے۔"

اچانک صبح کے وقت سلطان کو فضا میں کچھ پرندے اڑتے دکھائی دیے۔ سلطان نے حکم دیا کہ ان پرندوں کے رخ آگے بڑھا جائے۔ جب ایسا کیا گیا تو تھوڑا ہی آگے جانے پر سلطان کو پینے کا وافر پانی مل گیا۔

یہاں سلطان نے پڑاؤ کیا۔ لشکر کو ستانے کا موقع فراہم کیا گیا۔ جانوروں کو پانی پلایا گیا اور مشکیزے پانی سے بھرنے کے بعد پھر آگے پیش قدمی شروع کی گئی۔

بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے سلطان کنڈلا پہنچ گئے۔ یہاں سے وہ ڈیپلو، نگرکوٹ اور عمرکوٹ سے ہوتے ہوئے منصورہ کی طرف بڑھے۔

منصورہ، حیدرآباد سے تقریباً ۴۵ میل دور، موجودہ نواب شاہ کے قریب واقع تھا۔ سلطان، حاکمِ منصورہ کو بھی سزا دینا چاہتے تھے کیونکہ اس نے حاکمِ ملتان کی مدد کی تھی۔ منصورہ کا یہ حاکم بھی قرامطی تھا۔ اسے جب سلطان کی آمد کی خبر ہوئی تو دریائے سندھ کو عبور کر کے وہ کھجوروں کے جنگل میں جا چھپا۔

سلطان نے اسے معاف نہیں کیا۔ اپنے لشکر کے ساتھ انہوں نے برق رفتاری سے پیش قدمی کی اور کھجوروں کے جنگل کا محاصرہ کر لیا۔

حاکمِ منصورہ اور اس کے محافظ دستوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اب سلطان نے دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ بھکر کی طرف پیش قدمی شروع کی۔

اس راستے میں وحشی اور خونخوار جاٹوں نے سلطان کے لشکر کے عقبی حصے پر اس خونخواری سے حملہ کیا کہ بند و بست عملے کے علاوہ انہوں نے سلطان کے کئی لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سلطان کے لشکر پر گاہے بگاہے حملہ آور ہونے کے بعد یہ جنگجو جاٹ دریا کے کنارے جنگلوں اور ذخیروں میں روپوش ہو جاتے تھے۔ ان جاٹوں کی لوٹ مار اور حملوں سے سلطان کی فوج کے سینکڑوں افراد مارے گئے اور کئی ہزار مویشی بھی یہ جاٹ، لشکر کے عقبی حصے سے چھین کر لے گئے۔

اس وقت سلطان کے لشکری چونکہ لگاتار جنگوں میں حصہ لینے کے باعث تھکے ہوئے تھے۔ اس کے

علاوہ ان کے پاس جس قدر جانور تھے وہ اس سامان سے لدے ہوئے تھے، جو سلطان کو سومنات سے حاصل ہوا تھا لہٰذا فی الفور جاٹوں کے خلاف حرکت میں آنے کے بجائے سلطان نے غزنی کی طرف سفر جاری رکھا۔ تاہم انہوں نے عہد کیا کہ وہ جلد لوٹ کر آئیں گے اور ان جاٹوں کو ان کے کیے کی سزا دیں گے۔

بہرحال اپنے لشکر کے ساتھ سلطان ۲۔ اپریل ۱۰۲۶ء کو کامیاب اور کامران غزنی میں پہنچ گئے۔

سومنات کے خلاف بے شک سلطان کی یہ فتح اسلامی تاریخ کی ایک عظیم ترین فتح تھی۔ دنیا کی بہترین فتوحات میں یہ ایک شاندار اضافہ تھا۔ اس فتح پر فخر کرنا ہر مسلمان کا حق ہے۔

سلطان محمود کے شاندار کارناموں کی خبر آگ کی طرح تمام عالمِ اسلام میں پھیل گئی۔ ہر گھر میں خوشی منائی گئی۔ سلطنت کے طول و عرض میں جشن منائے گئے۔

عباسی خلیفہ کو جب سلطان کی کامیابیوں کی خبر ہوئی تو اس نے سلطان کو بے شمار خطابات عطا کیے۔

غزنی میں سلطان نے کچھ عرصہ اپنے لشکر کو سستانے کا موقع فراہم کیا۔ ہندوستان سے جو بے شمار مالِ غنیمت ان کے ہاتھ لگا تھا، اس کی تقسیم کا کام سرانجام دیا۔ اس کے بعد وہ پھر ہندوستان کی طرف کوچ کی تیاریاں کرنے لگے۔

اس بار ان کا ارادہ ان خونخوار جاٹوں کی طرف بڑھنے کا تھا جنہوں نے سومنات کے واپسی پر ان کے لشکر کے عقبی حصے پر حملہ آور ہو کر سخت نقصان پہنچایا تھا۔ اس وقت چونکہ سلطان کے لشکر کے تمام اونٹ اور گھوڑے مال و اسباب سے لدے ہوئے تھے اس کے باعث سلطان پنج ند کے ان جاٹوں کے خلاف جنگ کی ابتدا نہ کر سکے تھے تاہم اب خاصے آرام کے بعد سلطان نے پنج ند کی طرف کوچ کیا تھا۔

اپنے لشکر کے آگے آگے سلطان نے اپنے طلایہ گردستوں کو روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ پنج ند کے آس پاس بسنے والے ہندو جاٹوں سے متعلق پوری تفصیل سے انہیں آگاہ کریں۔

اپنے لشکر کے ساتھ جب سلطان پنجند کے قریب پہنچے تو ان کے طلایہ گردستوں کے کچھ افراد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے انکشاف کیا کہ ہندو جاٹ پنجند کے آس پاس دریا کے جزیروں میں رہتے ہیں۔ یہ ہندو جاٹ دیوتا لنگا کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ ان ہندو جاٹوں کے پاس چار ہزار کشتیاں ہیں اور یہ کہ یہ ہندو جاٹ مانے ہوئے اور بہترین ملاح بھی ہیں۔

ان مخبروں نے سلطان کو یہ اطلاع بھی دی کہ ان جاٹوں کو سلطان کی غزنی سے روانگی کی اطلاع

اور علم ہو چکا ہے لہٰذا مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ان لاکھوں جاٹوں نے خوب تیاری کر رکھی ہے۔ انہوں نے اپنے لڑاکا اور جنگجو جوانوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

ایک بڑا حصہ انہوں نے کشتیوں پر سوار کر کے پانی کے اندر رکھا ہے جبکہ باقی دو حصوں میں سے ایک پنجند کے بائیں کنارے پر اور دوسرے کو دائیں کنارے پر متعین کر دیا ہے۔

ان جاٹوں کا لائحہ عمل یہ تھا کہ چار ہزار جنگی کشتیوں میں ان کا لشکر سلطان کے ساتھ جنگ کی ابتدا کرے گا۔ جب سلطان پوری طرح ان کے ساتھ جنگ میں الجھ جائیں گے تو دائیں کنارے پر پوشیدہ ان کے لشکر پانی میں برسرپیکار مسلمانوں پر ایسی تیراندازی کریں گے کہ مسلمانوں کو پانی میں چھید کر ان کی شکست کا باعث بن جائیں گے۔

سلطان کے ان مخبروں نے یہ بھی اطلاع دی کہ ان جاٹوں کے پاس چار ہزار کشتیاں ہیں جن کی مدد سے وہ لڑائی کی ابتدا کریں گے۔

یہ ساری خبریں حاصل کرنے کے بعد سلطان دریا کے کنارے آئے اور ایک گھنے جنگل کی کھلی وادی میں انہوں نے دریا کے کنارے پڑاؤ کر لیا۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر انہوں نے دریا کے کنارے کشتیوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔

جلد ہی سلطان نے اپنے لشکر کے لیے ۱۴۰۰ کشتیاں تیار کرا لیں۔ ہر کشتی میں بیس تیرانداز اور آگ پھینکنے والے ہتھیار رکھے جا سکتے تھے۔ ہر کشتی کے سامنے، دائیں اور بائیں لوہے کی سلاخیں لگا دی گئیں جو خوب باہر کو نکلی ہوئی تھیں تاکہ دشمن کی کشتی کو ٹکر مار کر اس میں چھید کر دیے جائیں۔

اس کے علاوہ ان کشتیوں میں ہلکی پھلکی منجنیقیں بھی نصب کر دی گئیں اور ان کے پاس پتھروں کے ڈھیر لگا دیے گئے۔

یہ سارے انتظامات کرنے کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اپنے پاس رکھا۔ دوسرا ارسلان کو اور تیسرا عبداللہ طائی کو دیا۔

پہلے ارسلان اور اس کے حصے کے لشکر کو چودہ سو کشتیوں میں سوار کرا کے دریا کے دوسرے کنارے پر اتار دیا گیا۔ اس کے بعد سلطان اپنے لشکر کے ساتھ کشتیوں میں سوار ہو گئے اور دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ پنجند کی طرف بڑھنے لگے۔

اب صورت حال یہ تھی کہ دریا کے بائیں کنارے پر ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ دائیں کنارے پر عبداللہ طائی اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا جبکہ دریا کے اندر خود سلطان اپنے لشکر کے ساتھ چودہ سو کشتیوں میں سوار ہو کر خونخوار جاٹوں کی طرف بڑھنا شروع ہو گئے تھے۔

ہندو جاٹوں کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کے پاس صرف . . ہم کشتیاں ہیں اور وہ دریا کے بہاؤ پر آگے بڑھتے ہوئے ان پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔

اپنی . . . ہم کشتیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی صرف . . ہم کشتیوں کا سن کر ان خونخوار جاٹوں نے مسلمانوں کے مقابلے پر آنے میں دیر نہ کی۔ وہ اپنی . . . ہم کشتیوں کو حرکت میں لائے اور پجند کے قریب وہ سلطان کی . . ہم کشتیوں کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔

اپنی . . . ہم کشتیوں کے ساتھ ہندو جاٹ جونہی پجند کے قریب سلطان کے سامنے آئے۔ سلطان اپنی . . ہم کشتیوں کے ساتھ ان پر اس طرح حملہ آور ہوئے جیسے خاموشی کے طلسم میں کھنکتے گھنگھروؤں کے آبشار اچانک فضاؤں کے اندر طوفان اور افراتفری کا عالم برپا کر گئے ہوں۔

اپنے پہلے ہی حملے میں سلطان نے ان جاٹوں کی کشتیاں الٹ دیں اور ان کی ذات کے شہر کے رقصوں اور ان کی دیومالائی کہانیوں میں خونی لہروں کی دھند اور رگوں میں خوف بھر کر رکھ دیا۔

ہندو جاٹوں کا خیال تھا کہ ان کی کشتیاں تعداد میں سلطان کی کشتیوں سے تین گنا زیادہ ہیں اس لیے وہ ضرور سلطان کو اپنے سامنے بے بس کر لیں گے لیکن تھوڑی کشتیاں رکھنے کے باوجود سلطان جاٹوں پر اس انداز سے حملہ آور ہوئے جس طرح سطحِ آب پر لکھی تحریر اور ریت پر لکھے نوشتے کو اپنے آپ قدرت کے عناصر مٹا کر رکھ دیتے ہیں۔

سلطان ان پر بحتِ رسوائی، لاتعلق جھونکوں اور سرکش دریا کی طرح حملہ آور ہوئے۔ وہ ان کے اندر اس طرح گھستے چلے گئے جیسے تنگ نوکیلی گھاٹیاں پانی میں دور تک چلی جاتی ہیں۔

سلطان کے ان حملوں کے سامنے بے بس ہو کر جاٹ اس طرح پیچھے ہٹنے لگے تھے جیسے سمندر کی چڑھی ہوئی لہریں واپس بھاگنے لگتی ہیں۔

جس وقت دریا کے اندر سلطان اور ہندو جاٹ دونوں کے درمیان جنگ جاری تھی، اچانک

دریا کے بائیں کنارے پر ہندو جاٹوں کا ایک اور لشکر نمودار ہوا۔ وہ سلطان کے لشکر پر تیر اندازی کرنا ہی چاہتے تھے کہ اچانک ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور دھوپ چھاؤں کے کھیل، لمبی کالی رات، واہمہ بن کر گونجتی صداؤں کی طرح ان پر حملہ آور ہو گیا۔ پھر جیسے ہلکی سرخ پہاڑیوں پر طوفانی بارش چھا جاتی ہے کچھ اسی طرح ہندو جاٹوں کی گدھ کی سی ناقابلِ تسکین ازلی بھوک کو خوف دہراس میں بدلتا ہوا ارسلان ان کے لیے اذیت ناک ساعت، سفاک لمحوں اور کڑے وقت کا روپ دھار کر رہ گیا۔

ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ بہت جلد ان ہندو جاٹوں پر چھانے لگا۔ وہ ان کے تن کے سندر بن میں اعصاب شکن اور شوریدہ سر وقت کا جبر بن کر گونج اٹھا۔

اس کے اس حملے سے چاروں طرف موت، خوف کی بوڑھی کاہنہ کی طرح صحرا گرداور ریگِ رواں بن کر عیاں ہونے لگی۔

عین اس موقع پر دریا کے دائیں کنارے پر بھی ہندو جاٹوں کا ایک ویسا ہی لشکر نمودار ہوا جس کا پالا اس سے پہلے ارسلان سے پڑ چکا تھا۔ جونہی یہ لشکر دائیں کنارے پر نمودار ہوا، عبداللہ طائی چوکس ہو گیا جو پہلے ہی سے اپنے لشکر کے ساتھ ان کی گھات میں بیٹھا تھا۔

جب ہندو جاٹوں کا یہ لشکر کنارے پر آیا اور چاہتا تھا کہ دریا کے اندر برسرِ پیکار مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کریں کہ اچانک عبداللہ طائی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں نمودار ہوا اور روح کو جلا ڈالنے والی آگ، فتح کا گیت گاتے مجاہد، تباہی کے قاصد، بخارات کے التہاب اور پورے طغیانِ جبر کے ساتھ وہ کچھ اس طرح حملہ آور ہوا کہ وہ ہندو جاٹوں کے ظنون و شکوک میں ذلت و نکبت بھرنے لگا تھا۔

جس طرح فضائے شب میں اوہام، کشمکش اور دندناتے بھوتوں کے ہجوم میں مرگ کا سکوت داخل ہوتا ہے، ایسے ہی عبداللہ طائی دشمن کے اندر گھس کر ان کا قتلِ عام شروع کر چکا تھا۔ ہندو جاٹوں پر حملہ آور ہوتے ہوئے عبداللہ طائی کی ہر ادا میں قہرمانیت اور ہر رنگ میں قیامت کے سمے برپا ہو رہے تھے۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد کناروں پر ارسلان اور عبداللہ طائی نے ہندو جاٹوں کے

دونوں لشکروں کو بدترین شکست دیدی۔

پھر ان دونوں نے دریا کے کناروں کے ساتھ ساتھ مقابلے سے بھاگنے والے ہندو جاٹوں کا تعاقب کر کے ان کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

جاٹوں کا جو بحری بیڑہ چار ہزار کشتیوں میں سوار تھا اور سلطان کے ساتھ برسرِ پیکار تھا، جب اسے خبر ہوئی کہ دریا کے دونوں کناروں پر مسلمانوں کے دو لشکروں نے ہندو جاٹوں کے گھات میں بیٹھے ہوئے لشکروں کو بدترین شکست دی ہے تو جو جاٹ سلطان کے خلاف برسرِ پیکار تھے، جی چھوڑ بیٹھے اور حوصلہ ہار گئے۔

وہ اپنی کشتیوں کو اور پیچھے ہٹانے لگے تاکہ محفوظ پسپائی اختیار کر سکیں اور مزید جانی نقصان سے بچ سکیں۔

دوسری طرف سلطان کو بھی ارسلان اور عبداللہ طائی کی کامیابیوں کی خبر پہنچ چکی تھی اور وہ جان چکے تھے کہ دشمن اب ان کے سامنے سے بھی ہٹ کر فرار ہونا چاہتا ہے لہٰذا انہوں نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی پیدا کر دی۔

اب بڑی تیزی سے ہندو جاٹوں کی کشتیاں الٹنے لگیں۔ ایسا ہونے پر ہندو جاٹوں میں ایک افراتفری کا عالم برپا ہونے لگا اور وہ اعلانیہ طور پر جنگ سے منہ موڑ کر بھاگنے لگے۔

اس موقع پر سلطان نے بڑی تیزی سے ان بھاگتے ہوئے جاٹوں کا تعاقب کیا۔ بے شمار کشتیوں کو انہوں نے ڈبو دیا اور باقی کشتیوں میں سے اکثر کے ملاحوں اور جنگجوؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

دریا کے اندر اور دونوں کناروں پر ہندو جاٹوں کے خلاف سلطان کی یہ نہایت شاندار اور بہت بڑی فتح تھی۔

اس کے بعد دریا کے اندر پڑنے والے جزیروں اور دریا کے دونوں کناروں کی خوب باریک بینی سے تلاشی لی گئی۔ ہندو جاٹوں کے خفیہ ٹھکانوں کو تلاش اور دریافت کر لیا گیا جہاں سے سلطان کے ہاتھ بے شمار دولت لگی۔

سلطان جاٹوں کے ٹھکانوں سے یہ ساری دولت سمیٹتے ہوئے اپنے لشکر کے ساتھ غزنی کی

طرف کوچ کر گئے۔

پنجند کے ہندو جاٹوں کے خلاف یہ جنگ سلطان کی ہندوستان میں آخری جنگ تھی۔ اس کے بعد پھر کبھی سلطان محمود ہندوستان پر حملہ آور نہ ہوئے!



پنجند میں ہندو جاٹوں کا خاتمہ کرنے کے بعد سلطان جب غزنی واپس لوٹے تو انہیں ایک اور مہم درپیش تھی۔

یہ مہم سلجوقیوں کے خلاف تھی۔

سلجوقی ابتدا میں بخارا کے علاقے میں آباد تھے۔ شروع شروع میں تو انھوں نے سلطان کے خلاف ایلک خان کی مدد بھی کی تھی اور ایلک خان کے ساتھ سلطان نے انہیں بدترین سزا بھی دی تھی۔ بعد میں جب ان لوگوں نے معافی مانگ لی تو سلطان نے انہیں خراسان کے علاقے میں بسنے کی اجازت دے دی تھی۔

سلطان کی نرمی سے ان سلجوقیوں نے فائدہ اٹھایا۔ ہندوستان میں ہندو جاٹوں کی سرکوبی کے بعد سلطان لوٹے تو کچھ علیل ہو گئے۔ سلجوقیوں کو جب خبر ہوئی کہ سلطان بیمار ہیں تو ان کی علالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے اپنے اطراف میں لوٹ مار، قتل و غارت اور ڈاکہ زنی کا بازار گرم کر دیا۔ انھوں نے طوس کو اپنا مرکز بنایا۔ وہاں سے نکل کر یہ چاروں طرف خونخواری و موت و مرگ کا کھیل کھیلنے لگے تھے۔

سلطان کو جب یہ خبریں ملیں تو وہ فوراً اپنے لشکر کے ساتھ غزنی سے نکلے اور بڑی تیزی سے طوس شہر کی طرف بڑھے۔

سلجوقیوں کو بھی خبر ہو گئی کہ اپنی علالت کے باوجود سلطان ان کی سرکوبی کے لیے غزنی سے

روانہ ہو چکے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے طوس سے باہر رباط کے مقام پر ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا تاکہ سلطان محمود سے مقابلہ کیا جائے۔

سلجوقی ترک حالانکہ انتہائی جنگجو، دلیر اور بہادر تھے، اس کے باوجود سلطان کی آمد پر ان پر خوف طاری تھا۔

جونہی سلطان اپنے لشکر کے ساتھ ان کے سامنے نمودار ہوئے، جنگ میں فوائد حاصل کرنے کے لیے سلجوقیوں نے فی الفور ان پر حملہ کر دیا۔ لیکن سلطان نے کمالِ جرأت کا مظاہرہ کیا۔ اپنے لشکر کے وسطی حصے کے ساتھ انھوں نے سلجوقیوں کے حملہ کو روکا جبکہ دائیں بائیں طرف سے انھوں نے ارسلان اور عبداللہ طائی کو سلجوقیوں پر ضرب لگانے کا حکم دیا۔

سلجوقیوں نے تھوڑی دیر پہلے جو بڑی خونخواری اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلطان پر بری طرح حملہ کیا تھا اب سلطان کے جوابی حملے کے باعث ان کے سارے ارادے اور ولولے ماند پڑ گئے تھے۔ جب ارسلان اور عبداللہ طائی نے پیش قدمی کرتے ہوئے ان کے پہلوؤں پر خون آلود ضربیں لگانا شروع کیں تو سلجوقی اس سہ طرفہ یلغار سے بلبلا اٹھے۔

وہ چاہتے تھے کہ پیچھے ہٹ کر واضح شکست سے بچ جائیں لیکن اب ان کے لیے پیچھے ہٹنا بھی مشکل ہو رہا تھا کیونکہ سامنے کی طرف سے سلطان محمود ان پر ٹوٹ پڑے تھے جبکہ دونوں پہلوؤں پر ارسلان اور عبداللہ طائی ان پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑے تھے۔

ایسی صورت میں سلجوقیوں نے اندھا دھند جدھر جس کا منہ اٹھا، میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

پیچھے ہٹنے کے بعد وہ مرو اور نیشاپور کی طرف بھاگ نکلے۔ سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ نیشاپور تک ان سلجوقیوں کا تعاقب کیا اور ان کا قتلِ عام کرتے ہوئے ان کی تعداد کو بہت کم کر دیا۔ سلجوقی نیشاپور سے دہستان کی طرف بھاگے۔ سلطان پھر بھی ان کے تعاقب میں رہے۔ دہستان سے نکل کر شکست خوردہ سلجوقیوں نے جرجان کا رخ کیا۔

سلطان نے جرجان تک ان کا قتلِ عام کرتے ہوئے ان کی طاقت اور قوت کو یکسر سمیٹ کر رکھ دیا۔ اس طرح جرجان سے بہت کم سلجوقی اپنی جانیں بچا کر ادھر ادھر بکھرنے اور فرار ہونے میں کامیاب

ہو سکے۔ یوں سلطان نے بڑی مہارت اور کامیابی کے ساتھ جنگجو سلجوقیوں کی بغاوت اور سرکشی کا خاتمہ کر دیا تھا۔



سلجوقیوں کی اس مہم کو کامیابی سے سر کرنے کے بعد سلطان غزنی لوٹے اور ابھی اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ایک روز جب وہ اپنے دار العدل میں ارسلان اور عبداللہ طائی کے ساتھ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے، ان کا پہریدار اندر آیا اور عرض کی:

"سلطانِ محترم! ایک بوڑھا رے شہر سے آیا ہے۔ وہ کبھی غم زدہ اور مظلوم لگتا ہے اور کبھی بہت دکھی۔ وہ آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس بوڑھے فریادی کو آپ کے پاس اندر بھیجوں!"

پہریدار کی بات سن کر سلطان کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔ انہوں نے بڑی ہمدردی اور نرمی سے پہریدار سے کہا:

"اگر وہ بوڑھا غم زدہ اور بدحال ہے اور رے سے کسی کے خلاف شکایت لے کر ہمارے پاس آیا ہے تو اسے فی الفور ہمارے پاس لاؤ"!

سلطان کا جواب سن کر پہریدار خوش ہو گیا۔ وہ بڑی تیزی سے پلٹا اور دار العدل سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پہریدار ایک بوڑھے کے ساتھ لوٹا۔

سلطان نے بغور اس بوڑھے آدمی کا جائزہ لیا۔ اس کا مختصر پیچوں والا عمامہ جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ چہرہ اور داڑھی گرد آلود تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی اور دکھ کے جھکڑ اور غم کی آندھیاں صاف دیکھی جا سکتی تھیں۔ اس کی پیشانی پر لکھے ہوئے بے شمار غموں کی داستانیں واضح طور پہ پڑھی جا سکتی تھیں۔ تھوڑی دیر تک بغور اس بوڑھے کا جائزہ لینے کے بعد سلطان نے اسے مخاطب کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا:

"میرے بزرگ! تمہارا نام کیا ہے اور تم کس کے خلاف ہمارے پاس فریاد لے کر آئے ہو؟ اگر تم پر کسی نے ظلم کیا ہے۔ کسی نے تمہارا حق مارا ہے۔ تمہیں ناحق تنگ کیا ہے تو ہم ایسے ظالم اور

ہر ستم ظریف سے تمہارا انتقام لیں گے خواہ وہ ظالم اور ستم ظریف کیسا ہی دراز دست اور طاقت و قوت رکھنے والا کیوں نہ ہو۔

سلطان محمود خاموش ہوئے تو وہ بوڑھا حرکت میں آیا۔ اپنا گرد آلود چہرہ اور داڑھی اس نے اپنے پھٹے ہوئے عمامے سے صاف کیے۔ پھر غم زدہ اور کسی قدر بلند آواز میں بولا:

"سلطانِ محترم! میرا نام رکن الدین ہے۔ میں ترک ہوں اور رے شہر کا رہنے والا ہوں۔ میں آپ کی خدمت میں رے کے قرامطی حکمران مجد الدولہ کے خلاف شکایت اور نالش لے کر آیا ہوں۔

سلطانِ محترم: رے کا یہ حکمران نہایت عیاش ہے۔ اس کے حرم میں ہر وقت حسین عورتوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ اس کے شب و روز حرم ہی میں گزرتے ہیں۔

جب یہ شخص عورتوں کی صحبت سے اکتا جاتا ہے تو قصے کہانیاں سنتا اور پڑھتا ہے۔ خود ہر وقت شراب اور نشے میں غرق رہتا ہے جبکہ اس کی ایک محبوب لونڈی رے پر حکومت کرتی ہے۔

سلطانِ محترم! میری ایک ہی بیٹی تھی جو میری زندگی کا آخری سہارا اور میرے خاندان کی نشانی تھی۔ میری بیوی مر چکی ہے۔ میری بیٹی کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ خوبصورت اور حسین، نوجوان اور توانا تھی۔ بدقسمتی سے بازار میں کہیں مجد الدولہ کی نگاہ میری بیٹی پر پڑی اور اس نے اپنے اوباشوں کے ذریعے اسے اٹھوا کر اپنے محل میں ڈال لیا۔

سلطانِ محترم! اس ظالم، ستم گر، جابر اور نامہربان وحشی و عیاش مجد الدولہ نے میری بیٹی کو بے آبرو کر دیا۔

سلطانِ محترم! میری بیٹی ایسی حمیت اور غیرت والی تھی کہ مجد الدولہ کے ہاتھوں بے آبرو ہونے کے بعد وہ گھر نہیں لوٹی۔ جب اسے مجد الدولہ کے محل سے نکالا گیا تو وہ سیدھی رے شہر سے باہر نکلی اور ایک اندھے کنوئیں میں کود کر مر گئی۔

سلطانِ محترم! میں اسی ظالم و گنہ گار اور بدکردار مجد الدولہ کے خلاف آپ کے پاس شکایت لے کر آیا ہوں۔

سلطانِ محترم! میری نہیں یہ کئی اور لوگوں کی بیٹیوں کو بھی بے آبرو کر چکا ہے۔ خدا اور رسولؐ کے نام پر میری آپ سے التجا ہے کہ مجد الدولہ کی سرکوبی کیجیے۔ رے شہر کے حکمران کی حیثیت سے وہ

اپنے آپ کو دراز دست خیال کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کی سرکوبی نہیں کر سکتی۔"

سلطانِ محترم! یہ قرامطی ہے جن کے ہاں عزت و آبرو اور ناموس کی کوئی قیمت اور قدر نہیں ہے اپنی طرح یہ دوسروں کو بھی بے آبرو اور بے ناموس کرنا چاہتا ہے۔ قبل اس کے کہ یہ اپنے اطراف میں خونی بھیڑیوں کی طرح پھرتا پھرے اسے سزا دیجیے۔

سلطانِ محترم! ایسے بدکردار، عیاش اور ظالم کے خلاف میں اللہ کے نام پر فریاد کرتا ہوں اور آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میرا انصاف کیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پھر لکھ رکھیے کہ قیامت کے روز میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا دامن۔"

یہاں تک کہنے کے بعد بوڑھا رکن الدین خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی گردن جھکی رہی۔ پھر اس نے اپنی گردن سیدھی کی اور نم آلود آنکھوں سے سلطان کی طرف دیکھا۔ پھر کچلی، مسلی اور بکھری ہوئی آواز میں بولا:

"سلطانِ محترم! جو کچھ میں نے کہنا تھا کہہ چکا۔ اب میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔"

رکن الدین کی ساری بات سن کر سلطان کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے حیات کی معراج اور زیست کے کمال میں جلال و جمال کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہو۔

سلطان کے چہرے پر فاتح مہتاب و انجم کی طرح طلوعِ مہر کے نصیب جذبے اور کتابِ انقلاب کے اوراق بکھرنے لگے تھے۔ پھر وہ انتہائی متاثر کن، پُرسوز اور لرزتی کانپتی آواز میں بولے:

"سنو رکن الدین! اگر رے کا حکمران مجد الدولہ عمل کی عظمت اور کردار کے وقار کو فراموش کر گیا ہے تو پھر لکھ رکھو کہ میں اس کے فعل و عمل ہی کو اس کا امتحان بنا کر رکھ دوں گا۔ قسم ہے مجھے اپنے خداوندِ قدوس کی جو باپ کو وفا دیتا ہے۔ جو ماں کو ممتا عطا کرتا ہے تم جیسے لوگوں کے پسینے کی مہک میرے لیے مشک و عنبر ہوتی ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان اپنے آپ کو قابو نہ رکھ سکے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ تھوڑی دیر تک وہ اپنے آپ کو ضبط کرنے کے لیے خاموش رہے۔ اس لمحے ان کی آنکھیں دنیا کے آلام کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہنے لگے:

"رے کا حکمران مجد الدولہ اگر انسان گزیدہ ہو گیا ہے تو میں اس کے مقدر میں کوئی شام نہ رہنے دوں گا۔ اس کے لیے میں نہ ختم ہونے والا چاند گرہن ثابت ہوں گا اور اس کی حالت سورج کی آوارہ کرن اور اس بگولے کی سی کر دوں گا جو اپنے ویرانوں سے دور جا پڑا ہو۔

سنو رکن الدین! ہر بیٹی کسی باپ کا دل اور کسی ماں کا نور ہوتی ہے۔ اگر مجد الدولہ حرص کا بندہ اور زر کا بندہ بن کر قوم و ملت کی بیٹیوں کی آبرو کی حفاظت نہیں کر سکتا تو پھر تم اطمینان رکھو میں مجد الدولہ کے لیے گھپ اندھیرے میں گم اجالے کی طرح حرکت میں آؤں گا اور اس کی حالت ایسی بدترین کر دوں گا کہ جس سے ستم گروں کے اعمال اور اجل کا دل تک تھرتھرا جائے۔

سنو رکن الدین! رے کے حکمران مجد الدولہ نے اگر ماضی میں زیادتیاں کی ہیں تو ان زیادتیوں کی تلافی کی جائے گی۔ اسے مزید بے نتھے بیل اور بے مہار اونٹ کی طرح آوارہ گردی نہ کرنے دی جائے گی۔ وہ کیسا ہی ستم گر، زور آور اور قوت والا کیوں نہ ہو، میں اپنے لشکر کے ساتھ اس کی طرف کوچ کروں گا اور اس کی عملداری میں دلہنوں کو ان کا معصوم سہاگ، عظیم لوگوں کو ان کی مسکراہٹ اور حسین بچوں کو ان کی گنگناہٹ ضرور لوٹاؤں گا۔

سنو رکن الدین! رے کے لوگوں نے اگر اب تک ہزاروں گزند جھیلے ہیں تو انشاء اللہ بہت جلد ان کے امن و سکون اور محبت کے نئے افق کی سحر بھی نمودار ہو گی۔"

سلطان خاموش ہو گئے تو سامنے کھڑے رکن الدین کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ کہنے لگا:

"سلطانِ محترم! قسم خداوندِ قدوس کی! قسم اس مالک و خالق کی جو دلوں کے راز اور سینوں کے بھید جانتا ہے مجھے آپ سے ایسے ہی جواب کی، ایسے ہی ردِ عمل کی توقع تھی۔ اب میں مطمئن ہوں۔ میرا دل کہتا ہے کہ رے کے حاکم مجد الدولہ کے دن اب گنے جا چکے ہیں۔ اس قرامطی حکمران نے بڑے ستم اور ظلم ڈھائے ہیں۔ اب اس کے تیغِ ستم اور ظلم کی تلوار ٹوٹنے کا وقت آ گیا ہے۔

سلطانِ محترم! جن الفاظ میں آپ نے اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا ہے اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ میری فریاد کی آپ نے جو پذیرائی کی ہے اس کا صلہ میں بوڑھا اور غریب آپ کو کچھ

نہیں دے سکتا۔ میرا اللہ جو غنی اور غفور ہے وہ آپ کو حشر کے روز اس کا بدلہ اور جزا ضرور دے گا۔"

اس پر سلطان نے جواب میں کہا:

"منو رکن الدین! آج کی رات تمہارا قیام شاہی مہمان خانے میں ہوگا۔ تمہاری حیثیت غزنی شہر میں حکومت کے ایک معزز اور محترم مہمان کی سی ہوگی۔ کل ہم اپنے لشکر کے ساتھ رے کی طرف کوچ کریں گے اور تم ہمارے ساتھ ہوگے۔ میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ ستم گردوں اور ظالموں کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی سلطان نے اپنے پہرے دار کو مخاطب کر کے حکم دیا:

"رکن الدین کو شاہی مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کی ایسی ہی خاطر تواضع کرو جیسے کہ سفیروں اور ایلچیوں کی، کی جاتی ہے۔"

سلطان کا حکم سن کر رکن الدین مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر وہ پہرے دار اسے ساتھ لے کر دارالعدل سے نکل گیا۔

دوسرے روز سلطان اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آئے اور اس شاہراہ پر کوچ کیا جو غزنی سے نکل کر سبزوار، ہرات اور نیشاپور سے ہوتی ہوئی رے شہر کی طرف جاتی تھی۔



جس وقت سلطان کا لشکر سبزوار پہنچا تو اچانک احمد اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا ارسلان کے قریب آیا اور بدحواسی سے بولا:

"ارسلان! میرے بھائی!! امانہ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ غزنی سے کوچ کرتے وقت بھی وہ کہہ رہی تھی کہ میری طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

اس پر ارسلان نے فکرمندی سے کہا:

"اگر غزنی ہی میں اس کی طبیعت خراب تھی تو اس نے لشکر کے ساتھ کوچ کیوں کیا۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے گھوڑے کو موڑا اور لشکر کے پچھلے حصے کی طرف، جو عورتوں کے لیے مخصوص تھا، اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا چل پڑا۔ احمد بھی اس کے پیچھے پیچھے گھوڑے کو

دوڑا رہا تھا۔

دونوں بھائی اس اونٹ کے پاس آئے جس پر امانہ اور سارہ سوار تھیں۔ ارسلان کے اشارے پر احمد فوراً اپنے گھوڑے سے اترا اور اونٹ کی نکیل اتار کر اس کے گھٹنے پر مارتے ہوئے اسے نیچے بٹھایا۔ اتنی دیر میں ارسلان بھی اپنے گھوڑے سے اتر چکا تھا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر امانہ کا بازو تھام لیا اور کہنے لگا:

"اسے تو بخار ہے۔ اس کی حالت اس قابل نہیں کہ یہ لشکر کے ساتھ سفر کر سکے۔ اگر ابھی ہم نے کوئی زیادہ سفر طے نہیں کیا۔ تم اسے لے کر یہیں سے غزنی لوٹ جاؤ احمد! وہاں کسی اچھے معالج سے اس کا علاج کراؤ۔ یہ مہم ویسے بھی چھوٹی ہے۔ میں اور سارہ بہت جلد تم دونوں سے آن ملیں گے۔ میں سارہ کو کسی اور اونٹ پر بٹھا دیتا ہوں۔ تم اسی اونٹ پر امانہ کو واپس لے جاؤ۔"

اس پر امانہ نے فوراً کہا:

"نہیں میرے بھائی۔ میں احمد کے پیچھے اس کے گھوڑے پر سوار ہو سکتی ہوں۔ تم سارہ کو اسی اونٹ کے کجاوے میں رہنے دو۔"

ارسلان جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سارہ بول پڑی اور اس نے کہا:

"نہیں۔ گھوڑے پر سفر کرتے ہوئے تمہیں تکلیف ہوگی۔ تم اسی اونٹ پر واپس جاؤ۔ یہ سفر میں تمہیں آرام دے گا۔"

اس کے ساتھ ہی سارہ اونٹ سے اتر گئی۔

سارہ کو ارسلان نے عورتوں کے ایک دوسرے اونٹ پر بٹھا دیا۔ احمد اور امانہ کو اس نے خدا حافظ کہا اور پھر لشکر کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

احمد نے اونٹ کو نکیل پکڑ کر اٹھایا۔ نکیل اپنے اونٹ کی زین سے باندھی۔ پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور غزنی کو جانے والی شاہراہ پر واپس چل پڑا۔



احمد اور امانہ دونوں میاں بیوی بڑی تیزی سے سفر کرتے ہوئے جب غور اور غزنی کے درمیانی حصے میں آئے تو دوپہر کے قریب اچانک ان کے پیچھے سے دو سوار نمودار ہوئے۔ وہ دونوں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

وہ دونوں احمد اور امانہ کی راہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ دونوں جنگی لباس میں تھے اور اپنے چہرے انہوں نے آہنی خودوں کے نقابوں سے ڈھانپ رکھے تھے۔

جب انہوں نے راہ روکی تو احمد نے کڑکتی اور گرجتی آواز میں انہیں مخاطب کر کے پوچھا:

"تم لوگ کون ہو اور کیوں تم نے ہماری راہ روکی ہے؟"

اس کے ساتھ ہی احمد نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر اس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی

احمد کے استفسار پر ان میں سے ایک نے کہا:

"یوں سمجھو۔ میں تمہارا ازلی اور ابدی دشمن ہوں اور غزنی اور غور کے اس درمیانی علاقے میں تم اور تمہاری بیوی امانہ دونوں ابھی موت کے گھاٹ اتر جاؤ گے۔

اگر تم سننا ہی چاہتے ہو تو سنو۔ میرا نام توزون ہے۔ وہی توزون جس کے نو بھائیوں کو تم اور ارسلان دونوں نے مل کر موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ان دونوں نے اپنے چہروں سے نقاب ہٹا دیے۔

اونٹ کے کجاوے میں بیٹھی ہوئی امانہ ان دونوں کو دیکھ کر غمگین اور پریشان ہو گئی تھی۔ شاید

اس نے ان دونوں کو پہچان لیا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ احمد سے کچھ کہتی، توزون پھر بول پڑا اور احمد سے کہنے لگا:

"سن ارسلان کے عمزاد! میرا نام توزون ہے اور میرے ساتھ میرا یہ مخلص ساتھی ہے۔ میں تو اسی انتظار میں تھا کہ تم اور ارسلان مجھے کہیں اکیلے اکیلے ملو۔ میں زرتشت کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے یہ موقع فراہم کیا اور میں غزنی اور غور کے درمیان تمہاری راہ روکنے میں کامیاب ہوا ہوں۔

سنو احمد! تمہیں موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد ایسا ہی سماں میں تمہارے عمزاد ارسلان پر بھی برپا کروں گا۔"

اس پر احمد نے کہا:

"تو بکواس کرتا ہے۔ تو نے کبھی ارسلان کا سامنا نہیں کیا۔ وہ جب اپنے دشمنوں پر گرجتی ھاڑتی آندھیوں میں شعلہ فام برق اور سیلِ خون کی طرح حملہ آور ہوتا ہے تو دھواں دھواں، تر بتر ضاؤں میں وہ اپنے دشمنوں کو خون آلود اور اپنی مخالف قوتوں کو زیر اور مغلوب کر کے رکھ دیتا ہے۔

سن توزون! اگر تو ان ویرانوں میں میری راہ روک کر کھڑا ہو ہی گیا ہے تو لکھ رکھ کہ میں تیرے امنے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔ تیرے ساتھ مقابلہ کروں گا۔

اگر میں تم دونوں کے مقابلے میں فتح مند رہا تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی اور اگر میں تمہارے وں مارا گیا تو لکھ رکھو کہ میرا عمزاد ارسلان تم دونوں سے ایسا بھیانک اور ہولناک انتقام ے گا کہ تمہاری آنے والی نسلیں عرصہ دراز تک اسے یاد رکھیں گی۔"

احمد کی یہ بات سن کر توزون نے ایک لمبا اور طویل قہقہہ لگایا اور کہنے لگا:

"میں کسی ارسلان کی دھمکی کو قبول کرنے والا نہیں ہوں۔ دیکھو میں توزون ہوں۔ میں دعا ں گا کہ جس طرح تو مجھے ویرانوں میں اکیلا ملا ہے اسی طرح کہیں اس کا اور میرا بھی اکیلے اکیلے سامنا ۔ پھر میں اس کو بتاؤں کہ انتقام کی آگ کیا چیز ہوتی ہے۔

دیکھ۔ میں تیرے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ اگر کبھی ارسلان کا اکیلے میں میرے ساتھ ٹکراؤ ہوا تو میں ے مار کر ایسا خون آلود کر دوں گا کہ وہ ماضی کی ساری چوکڑیاں اور مستقبل کے سارے ب بھول جائے گا۔

دیکھ میرے دشمن! میں نے جس سے انتقام لینا ہوتا ہے اس کے لیے میں اجل کے صبح و شام ستم کی آگ، خون کی بارش، قضا کا حصار اور موت کی گھات بن جایا کرتا ہوں۔

دیکھ۔ توزون کسی ایک فرد کا نام نہیں بلکہ ایک جلال و احتشام کا نام ہے۔ توزون ایک جبر یا ئے راز اور دم بدم ابھرتی ہوئی موت کی گونج کا دوسرا نام ہے۔

میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جب کبھی بھی ارسلان کا اور میرا آمنا سامنا ہوا تو موت اس کی ذات کے دروازے پر ضرور دستک دے گی۔"

توزون تھوڑی دیر تک رکا۔ کچھ سوچا۔ پھر دوبارہ احمد کو مخاطب کر کے بولا:

"دیکھ میرے دشمن۔ تجھ پر وار کرنے اور تیرے ساتھ مقابلے کی ابتدا کرنے سے پہلے میں تم پر یہ واضح کر دوں کہ جب میں اپنی خونی پیاس بجھانے کے لیے اپنے دشمنوں پر حملہ آور ہوتا ہوں تو میرے ظلمت بکف اور تیرہ فضا حملوں میں کسی ساحرہ کا فسوں اور کسی شنگولی کے جادو جیسا سماں برپا ہو جاتا ہے۔

دیکھو میرے دشمن! خود کو سنبھال۔ میں اور میرا ساتھی دونوں مل کر تم پر حملہ آور نہیں ہوں گے، بلکہ میں اکیلا ہی تم سے مقابلہ کروں گا۔ اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال لے۔ میں تجھ پر حملہ آور ہوتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں کہ تو کیسے میرے وار کو روکتا ہے اور کیسے میرے ہاتھوں موت کے شکنجے سے اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوتا ہے"۔

اس کے ساتھ ہی توزون اپنی تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا اور ظلمتِ اہرمن اور موجدانِ قہر کی طرح احمد پر حملہ آور ہو گیا۔

دونوں کافی دیر تک جم کر لڑتے رہے یہاں تک کہ احمد کے اندر تھکاوٹ کے آثار پیدا ہونے لگے جبکہ دوسری طرف توزون اندھیروں میں بھڑکتی مشعلوں، اجل کی ظلمتوں کے سناٹے کی طرح ابھی تک بڑی تر و تازگی اور شادابی کے ساتھ تیز و تند حملے کر رہا تھا۔ اس کے حملوں کے سامنے احمد آندھیوں میں بجھتے چراغ بارش کی آرسی ترچھی بوندوں کی سی صورت اختیار کر گیا تھا۔

احمد کی یہ حالت دیکھ کر امانہ کو یوں لگا جیسے گیت گاتی فضاؤں اور دف بجاتی ہواؤں کے اندر وقت رک گیا ہو۔ فضاؤں کے قہقہے تھم گئے ہوں۔ دھڑکن دھڑکن رقصِ حسرت خیز اور ہم آہنگ آہنگ

غموں کی دھول اڑنے لگی ہو۔

توزون کے مقابلے میں اب احمد کی تلوار کو حرکت میں لانے کی رفتار کافی مدھم اور ماند پڑتی جا رہی تھی۔

پھر اچانک توزون کسی درندے کی طرح حرکت میں آیا۔ ایسی تیزی، ایسی شدت سے اس نے اپنی تلوار احمد پر گرائی کہ اس نے احمد کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔

اس موقع پر اونٹ پر بیٹھی ہوئی امانہ چیخ مار کر اونٹ سے نیچے اتر آئی۔ احمد کی گردن کاٹنے کے بعد توزون نے اپنی تلوار فضا میں لہرائی۔ پھر وہ زمین پر گری ہوئی امانہ کی طرف آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا:

"سن امانہ! میں تیرے ارادوں اور سازشوں سے باخبر ہو چکا ہوں۔ میرے ساتھی مجھے بتا چکے ہیں کہ تو میرے دو بھائیوں کے قتل کی ذمے دار بنی اور یہ کہ تو نے ہمارے ساتھ رہنے کے بجائے ارسلان کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی اور یہ کہ تو نے احمد کے ساتھ شادی کر لی۔

تمہاری یہ ساری حرکتیں ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہیں اس بنا پر اب تمہیں بھی زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔"

اس کے ساتھ ہی توزون نے ایک بار پھر اپنی تلوار کو حرکت دی اور زمین پر گری ہوئی امانہ کی بھی گردن کاٹ ڈالی۔

احمد اور امانہ دونوں کا خاتمہ کرنے کے بعد توزون اپنے ساتھی کے پاس آیا اور مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا:

"کیسا رہا میرا یہ کھیل؟"

اس کا ساتھی بھی مسکراتے ہوئے بولا:

"یقیناً تم نے جس بات کا ارادہ کیا اسے پورا کر دکھایا۔"

توزون اس کا شانہ تھپک کر کہنے لگا:

"تم نے یقیناً بروقت مجھے احمد اور امانہ کے متعلق اطلاع دی تھی اور میں تمہاری وجہ سے ہی ان دونوں کو یہاں غور اور غزنی کے درمیان روکنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ ان دونوں کو موت کے گھاٹ

اتارنے کے بعد میری منزل، میرا ہدف اور میرا نشانہ ارسلان ہو گا۔ جب تک میں اُسے کتے کی موت نہیں ماروں گا اس وقت تک سکون اور اطمینان کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

آؤ اب یہاں سے کوچ کریں۔ ان کی لاشوں کو چیلوں اور کتوں کی خوراک بننے کے لیے یہیں رہنے دو۔ ان دونوں کے اونٹ اور گھوڑے کو ساتھ لے لو یہ ہمارے کام آئیں گے۔"

نوزدن کا ساتھی آگے بڑھا۔ احمد کے گھوڑے کی باگ اس نے اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دی۔ اونٹ کی نکیل حسبِ سابق احمد کے گھوڑے کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ پھر وہ دونوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور شمال کی طرف کوچ کر گئے۔



رے کے حاکم مجدالدولہ کو جب یہ خبر ہوئی کہ سلطان محمود اس کی سرکوبی کے لیے غزنی سے کوچ کر چکے ہیں تو اس نے آس پاس کے سارے قراملی حکمرانوں سے رابطہ قائم کیا۔ ان کے ساتھ مل کر مجدالدولہ نے بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ اس لشکر کو لے کر وہ رے سے کافی فاصلے پر کھلے میدانوں میں پڑاؤ کر کے سلطان کا انتظار کرنے لگا تاکہ رے کے ان میدانوں میں سلطان کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کی جا سکے۔

سلطان منزل پر منزل مارتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ان کے طلایہ گرد دستے، مخبر اور جاسوس انہیں رے کے حکمران مجدالدولہ اور دوسرے قراملی حکمرانوں کی ساری نقل و حرکت سے آگاہ کرتے چلے جا رہے تھے لہٰذا آندھی اور طوفان کی طرح یلغار کرتے ہوئے سلطان نے رے سے باہر کھلے میدانوں میں مجدالدولہ کے سامنے آ پڑاؤ کیا۔

سلطان کے پڑاؤ کرتے ہی مجدالدولہ نے اپنے لشکر میں طبل اور دف بجوانا شروع کر دیے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لڑائی کی ابتدا کرنے جا رہا ہے۔

دراصل ایسا کر کے وہ سلطان اور اس کے لشکریوں کو دم نہیں لینے دینا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سلطان کا لشکر تھکا ہوا ہے۔ اس موقع پر اگر وہ حملہ آور ہو جائے تو اپنے لیے بے شمار فوائد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا لہٰذا وہ بھی سوچ کر اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگا۔ دوسری طرف سلطان

ارسلان، عبداللہ طائی، التون تاش اور امیر نصر بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے۔

سلطان نے دیکھا کہ ان کے لشکر کے مقابلے میں مجدالدولہ کے پاس جو لشکر تھا وہ تعداد میں سلطان کے لشکر سے زیادہ تھا۔

مجدالدولہ نے اپنے اس متحدہ لشکر کو کچھ اس طرح منظم کیا کہ اس نے لشکر کے چار برابر حصے کیے۔ تین حصوں پر اس نے سالار مقرر کیے اور چوتھا حصہ اپنے پاس رکھا۔ تین حصوں کو اس نے سلطان کے خلاف جنگ میں استعمال کیا اور چوتھے حصے کو پشت پر رکھا تاکہ پیچھے رہ کر پورے لشکر کو احکامات جاری کرتا رہے۔

سلطان نے بھی اپنے لشکر کو چاروں حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ انھوں نے اپنے پاس رکھا۔ دوسرا ارسلان، تیسرا عبداللہ طائی اور چوتھا التون تاش کو دیا جبکہ امیر نصر کو سلطان نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔

اپنے، عبداللہ طائی اور التون تاش کے لشکروں کو سلطان نے براہِ راست جنگ میں حصہ لینے کی غرض سے آگے رکھا جبکہ ارسلان کو اس کے لشکر کے ساتھ پشت پر مقرر کیا۔ اس کے ذمے سلطان نے یہ کام لگایا کہ جنگ جب اپنے عروج پر ہو تو وہ باہر ہی باہر سے چکر کاٹ کر دشمن کی پشت پر جا پہنچے اور اس حصے پر حملہ آور ہو جس حصے میں مجدالدولہ اپنے لشکر میں محفوظ رہ کر جنگ کے احکامات جاری کرنا چاہتا تھا۔

یہ سب انتظام کرنے کے بعد سلطان، مجدالدولہ کی طرف سے جنگ کی ابتدا ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

جنگ کی ابتدا مجدالدولہ نے کی اور اس کے لشکری بھوکے بھیڑیوں اور گدھوں کی طرح سلطان کے لشکر کی طرف بڑھے۔

سلطان اپنے لشکر کے ساتھ مجدالدولہ کے وسطی حصے پر افسانہ در افسانہ، بزم فسوں، نیلم در نیلم، فضا میں قہرمانیت، انجم در انجم شبستانِ خیال میں اک عذاب، ساعت ساعت گونجتی جلترنگ میں ڈف و ہراس، سایہ سایہ نگاہوں کے سکون میں برہمی، روشنی روشنی سرنگوں سایوں میں وحشت اور الہالہ فسوں کی داستانوں میں ایک کہرام کی طرح حملہ آور ہو گئے۔

سلطان کے دائیں جانب سے التون تاش دشمن کو اک نشید نیم خوابی سمجھتا ہوا روپ اجالوں کے نور، رشکِ مہر و نجوم کی طرح ان کے اندر گھستا چلا گیا۔

دشمن کے دوسرے حصے پر التون تاش بجتے رباط کی گت اور بہتے دریا کی روانی کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے ان کے سارے نشیب و فراز کو درہم برہم کرنے لگا تھا۔

بائیں پہلو کی طرف سے عبداللہ طائی کے حملہ آور ہونے کا انداز بھی بڑا انوکھا اور نرالا تھا۔ وہ شجاعت کی روحِ رواں، تکبیر کے تقدس، بہاروں کی تفسیر، ستاروں کی تقدیر کی طرح حرکت میں آتے ہوئے دشمن پر حملہ آور ہوا تھا اور اس نے مجد الدولہ کے لشکر پر بھرپور ضربیں لگانا شروع کر دی تھیں۔ اس نے دشمنوں میں کچھ ایسا شور اور واویلا برپا کر دیا تھا جیسے طوفان بدوش موجیں دریا میں مانجھیوں کے شور سے مل کر ایک نہ تھمنے والا طوفان آمیز شور کھڑا کر دیتی ہیں۔

عبداللہ طائی رازِ ممات و حیات، غازیوں کے ثبات، شہیدوں کی جانثاری، تندرسیل اور دریا کی لہروں کی للکار کی طرح اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر بے دھڑک اور بے خوف ہو کر دشمن کی اگلی صفوں کو درہم برہم کرنے کے بعد ان کے وسطی حصے کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہا تھا۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرتے ہوئے اپنی انتہا اور اپنے عروج کو چھونے لگے تب ارسلان حرکت میں آیا۔ دور ہی دور رہ کر اس نے ایک کاوا کاٹا اور دشمن کے لشکر کی پشت پر پہنچ گیا۔

اس نے مجد الدولہ کے لشکر پر پشت کی طرف سے حملہ کیا تو ایسا لگا جیسے ستاروں کا فسوں، طلسمِ ماہ تاباں، ہواؤں کے جنوں پر بہاروں کا سحر طاری کرنے لگا ہو۔

ارسلان ایک عجیب سے جذبے، ایک انوکھی جرأت مندی کا اظہار کرتے ہوئے جبر کی رازدانی ظلم کی بہتات، آگ کے بادل، خون کی برسات بن کر دشمن پر وارد ہوا تھا۔ اس کے حملوں سے یوں لگتا تھا جیسے طواف کرتے ہوئے کارکنانِ قضا و قدر مدعائے مشیت کی تکریم و وقار اور شرارۂ افروزِ گردشِ دمن کے نکھار میں گھس گئے ہوں۔

ارسلان کے حملے، اس کی تکبیروں کے جواب میں نیلے دریا سبز میدان، جھلملاتے آبشار اور گونجتے کوہسار اپنی بازگشت سے گونج اٹھے تھے۔

جس وقت مجد الدولہ کے لشکر کے تین حصے اس کے سامنے جنگ میں مصروف تھے اور وہ عقب میں رہ کر اپنے لشکر کو ہدایات جاری کر رہا تھا تو وہ خوش اور مطمئن تھا لیکن پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر ارسلان نے اس کی ساری خوشی کو مایوسی اور اطمینان کو نامرادی میں تبدیل کر دیا تھا۔

اب جنگ کی صورتِ حال یہ تھی کہ سامنے کی طرف سے سلطان اور عبداللہ طائی، التون تاش ابرِ نصر اولوں کی طرح مجد الدولہ کے لشکر پر برس رہے تھے اور پشت کی طرف سے بجلی کے کوندوں کی طرح ارسلان ایک سرے سے دوسرے سرے تک کہرام اور شور مچائے ہوئے تھا۔

ان حالات میں مایوس اور پریشان مجد الدولہ کو صاف دکھائی دینے لگا کہ اگر جنگ تھوڑی دیر اور جاری رہی تو اس کے مقدر میں شکست اور ذلت کے سوا کچھ نہ رہے گا۔ لہٰذا اس نے اپنے لشکر کو ایک سمت سے بچا کر نکل بھاگنا چاہا لیکن عبداللہ طائی اور التون تاش نے اس کے پہلوؤں پر پھیل کر اس کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔

اس کے بعد چاروں طرف سے مجد الدولہ کے لشکر کا قتلِ عام شروع کر دیا گیا۔ اسی دوران ارسلان تیز بگولوں اور طوفانی جھونکوں کی طرح آگے بڑھا اور میدانِ جنگ سے بھاگتے ہوئے مجد الدولہ کو کمند پھینک کر گرفتار کر لیا۔



مجد الدولہ کی گرفتاری کی خبر جب اس کے لشکر میں پھیلی تو وہ سپاہی جو ابھی تک جنگ میں مصروف تھے، ہمت چھوڑ بیٹھے اور تلواریں پھینک کر مسلمانوں سے امان طلب کرنے لگے۔

یہ دیکھ کر سلطان نے مجد الدولہ کے ان لشکریوں کو عام معافی دے دی جو تلواریں پھینک رہے تھے۔

اس کے بعد مجد الدولہ کو رسیوں میں جکڑ کر سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ جب سلطان کے سامنے آیا تو سلطان تھوڑی دیر تک اسے بغور دیکھتے رہے۔ ان کے چہرے پر طیش اور غضب نمایاں تھا۔ پھر وہ اسے مخاطب کر کے بولے:

"سن مجد الدولہ! رے کی عملداری میں تم ماؤں کی حرمت، بہنوں کی عظمت کے محافظ نہ بن سکے۔ بیٹیوں کی

عصمت بچیوں کی طیلسان کی آبرو کے تم امین ثابت نہیں ہوئے۔ تم نے رے اور اس کے نواح میں حکومت کرتے ہوئے سرفروشوں کے وجدان اور مسلمانوں کے سے وقار کا نمونہ پیش نہ کیا۔

سن کم بخت اور کمینے مجد الدولہ! تو نے ایک حکمران کی حیثیت سے لوگوں کی خدمت کرنے کے بجائے لوگوں کو آسائش، امن اور رواداری فراہم کرنے کے بجائے، مہکتے کھیتوں میں دہکتے رنت پیدا کیے۔ زندگی کے خوبصورت راستوں میں عداوتوں کی آگ بھڑکائی۔ موتیوں جیسی خواہشوں پر تو نے جمودِ جلس اور اشکوں کے گوہروں پر مجبوریوں کے سنگریزوں کو اہمیت دی۔

تو نے ہر آرزو کی حیات کو اپنی قسمت کی سحر جانا۔ دل کی روشنیوں میں تو نے شکستوں کا غبار سناٹوں کے صحرا میں بے بساطی اور بے قراری بھر دی۔

اب جبکہ تو گرفتار ہو کر میرے سامنے کھڑا ہے تو میں دیکھتا ہوں کہ تیری ویران آنکھوں میں خیالوں کے خوفناک عفریت دوڑ رہے ہیں۔ تیرے دہکتے سانسوں میں اجل صفت امیدیں مایوسی کا شکار ہیں تیری قوتِ ارادی کی انتہا، عروج سے پستیوں کی طرف آ رہی ہے۔

سن مجد الدولہ! تو نے آپ اپنی عظمت کا آئینہ توڑا۔ تو نے خود اپنی مسافر زندگی کو فضائے لاثبات کے سپرد کر دیا۔"

سلطان تھوڑی دیر کے لیے رکے، پھر انھوں نے اپنے قریب کھڑے ہوئے امیر نصر کو مخاطب کر کے کہا:

"سنو نصر! اس بوڑھے رکن الدین کو بلاؤ جو رے سے شکایت لے کر غزنی گیا تھا"۔

امیر نصر بھاگتا ہوا گیا اور بوڑھے رکن الدین کو بلا لایا۔ سلطان نے رکن الدین کو عین مجد الدولہ کے سامنے بٹھایا۔ پھر مجد الدولہ کو مخاطب کرتے ہوئے سلطان پہلے کی نسبت بلند اور کڑکتی ہوئی آواز میں بولے:

"سن رے کے حکمران مجد الدولہ! اس بوڑھے کی طرف غور سے دیکھ، جب یہ میرے سامنے تیری شکایت لے کر گیا تھا تو اس کا عمامہ پھٹا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ اور داڑھی گرد آلود تھے اور اس کا لباس بتاتا تھا کہ جیسے یہ بے شمار کٹھنائیوں سے گزرا ہو۔ میں نے اس کے جوتوں پر جمی گرد کو بھی دیکھا تھا جو بجا بجا پھٹ چکے تھے۔ اُس موقع پر اس بوڑھے کی حالت دیکھ کر میں نے اپنے ضمیر کو

بڑی ملامت کی تھی۔

میں نے اس خواہش کا اظہار اپنے دل میں کیا تھا کہ کاش! جو کپڑے میں پہنے ہوئے ہوں وہ میں اس بوڑھے کو پہنا دوں اور اس بوڑھے کا لباس اتار کر خود پہن لوں — پھر میں نے تجھ سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا۔ اے مجد الدولہ! تو اس بوڑھے کو جانتا اور پہچانتا ہے؟"

سلطان کے اس سوال پر مجد الدولہ منہ سے کچھ نہ بولا۔ تاہم شرمندگی اور ندامت سے اس کی گردن جھک گئی تھی۔

سلطان پھر بولے اور کہنے لگے:

"مجد الدولہ! یہ جو بوڑھا تیرے سامنے بیٹھا ہے اس کا نام رکن الدین ہے۔ تو نے بھرے بازار سے اس کی بیٹی کو اٹھایا اور حرم میں لے جا کر بے آبرو کیا۔ وہ غیرت مند بیٹی اپنی آبرو کے چھن جانے پر کسی اندھے کنوئیں میں ڈوب مری۔ اس لڑکی کا ڈوب مرنا تیرے لیے باعثِ شرم، باعثِ پستی و ذلت ہے مجد الدولہ!

تیرے جیسے آدمی کو زمین پر چلنے اور زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ میرا اور تیری قسمت کا اٹل فیصلہ ہے"۔

سلطان رکے، پھر انھوں نے رکن الدین کو مخاطب کر کے انتہائی جوشیلی آواز میں پوچھا:

"اے رکن الدین! کیا یہ وہی مجد الدولہ ہے جس نے تیری بیٹی کو بے آبرو کیا؟"

جواب میں رکن الدین کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ اپنے عمامے کے پلو سے اس نے آنکھیں صاف کیں۔ کسی قدر اپنے آپ کو سنبھالا۔ پھر سسکتی ہوئی آواز میں بولا:

"جی ہاں سلطانِ محترم! یہی وہ بدبخت ہے جس نے میری بیٹی کو بے آبرو کر کے اسے ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا کر دیا"۔

رکن الدین کا جواب سن کر سلطان تھوڑی دیر خاموش رہے۔ اس دوران ان کے چہرے پر طوفان جوش مار رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں آندھیاں رقص کر رہی تھیں۔ وہ عجیب سی بے قراری اور بے چینی کی کیفیت میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے۔ پھر وہ آگے بڑھے۔ اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے انھوں نے رکن الدین کو تھمائی اور بولے:

"دیکھ رکن الدین! وہ مجرم اور کم بخت گنہ گار جس نے تیری بیٹی کو بے آبرو کیا اور پھر تجھ سے جدا کر دیا اس وقت تیرے سامنے کھڑا ہے۔ میں نے اپنی تلوار تیرے ہاتھ میں دے دی ہے۔ اس کے گناہوں کی سزا یہی ہے کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ پس تو آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر کے اپنے انتقام کی آگ بجھا۔"

رکن الدین نے فوراً سلطان کی تلوار پر گرفت مضبوط کی، لگتا تھا سلطان کی تلوار سامنے اور مجد الدولہ کو اپنے سامنے دیکھنے کے بعد اس کے بوڑھے جسم میں جوانی کا جوش بھر گیا ہو۔

پھر وہ طوفانی انداز میں آگے بڑھا اور ایک ایسا وار کیا کہ ایک ہی ہاتھ میں اس نے مجد الدولہ کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔

مجد الدولہ کو رے سے باہر کھلے میدانوں میں بدترین شکست دینے کے بعد اور پھر مجد الدولہ کو رکن الدین کے ہاتھوں قتل کرانے کے بعد سلطان نے مجد الدولہ کی ہر شے پر قبضہ کر لیا۔ پھر وہ اپنے لشکر کے ساتھ رے شہر کی طرف بڑھے۔

رے شہر میں اس وقت کوئی لشکر نہ تھا جو سلطان کا مقابلہ کرتا لہٰذا بغیر کسی قتل وغارت کے سلطان نے رے شہر پر قبضہ کر لیا۔

سلطان کو مجد الدولہ کے محل سے دس لاکھ دینار نقد، پانچ لاکھ دینار کے ہیرے جواہرات چھ ہزار قیمتی پارچات، سونے چاندی کے ظروف اور زیورات وغیرہ حاصل ہوئے۔

رے پر قبضہ کرنے کے بعد سلطان نے قرامطی فرقہ کے دوسرے شہروں پر حملے شروع کیے۔ بے شمار قرامطی علما اور ان کے چیدہ چیدہ لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس فرقہ کی اکثر کتابیں جلا کر راکھ کر دی گئیں۔ باقی علوم و فنون کی کتابیں سو اونٹوں پر بار کر کے سلطان اپنے ساتھ غزنی لے گئے۔

باوجود بیماری اور گرتی ہوئی صحت کے سلطان نے قرامطیوں کا خاتمہ کرنے کے بعد جرجان اور طبرستان کی طرف گئے اور وہاں کے امرا کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ وہاں سے سلطان واپس غزنی کوچ کر گئے۔



غزنی جانے کے لیے سلطان نیشاپور سے ہرات جانے والی شاہراہ پر سفر کر رہے تھے۔ ہرات سے باہر ایک جگہ انھوں نے پڑاؤ کیا۔

اس پڑاؤ کے دوران ارسلان کا ایک مخبر پڑاؤ میں داخل ہوا۔ جب وہ ارسلان کے خیمے پر آیا اس وقت ارسلان اور سارہ کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے۔

مخبر کے آنے کی اطلاع پا کر ارسلان خیمے سے باہر آیا۔ اس نے دیکھا کہ مخبر کا چہرہ اترا ہوا تھا وہ بڑا پریشان اور غمزدہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ اس سے کچھ کہتا، ارسلان خود ہی بول پڑا اور اس سے پوچھا:

"تمہاری حالت بتاتی ہے کہ تم کوئی بری خبر لے کر آئے ہو۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

اس پر اس مخبر نے کہا:

"اے امیر ارسلان! آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں واقعی آپ کے لیے بدترین خبر لے کر آیا ہوں۔"

یہ کہہ کر مخبر پھر خاموش ہو گیا۔

ارسلان پھر اس سے مخاطب ہو کر بولا:

"کہو۔ میں ہر بری خبر سننے کے لیے تیار ہوں۔"

مخبر پھر حوصلہ پا کر بولا:

"امیر ارسلان! جس وقت احمد اور آپ کی بہن واپس غزنی جا رہے تھے تو راستے میں توزون ان کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے احمد کو تیغ زنی کی دعوت دی لیکن احمد تیغ زنی میں اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور توزون نے آپ کے عم زاد بھائی احمد اور آپ کی بہن امانہ دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اتفاقاً سے اُن دنوں میں اور میرا ساتھی توزون کی تلاش میں ادھر ہی گھوم پھر رہے تھے کہ لوگوں کے جمگھٹے کی وجہ سے احمد اور امانہ کی لاشوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہم نے دونوں لاشوں کو لے جا کر غزنی کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ اس کے بعد میں اور میرا ساتھی توزون کی تلاش میں نکلے۔

جس جگہ احمد اور امانہ قتل کیے گئے تھے وہاں پر دو گھوڑوں کے سُموں کے نشانات تھے۔

پس انہی نشانات کا کھوج لگاتے ہوئے ہم مرغب شہر کی طرف گئے۔ ہم نے دیکھا کہ گھوڑوں کے وہ نشانات مرغب شہر کے باہر ایک سرائے تک جاتے تھے۔

جب میں اور میرا ساتھی مرغب شہر کے باہر اس سرائے میں داخل ہوئے تو وہاں ہم نے توزون اور اس کے ایک ساتھی کو قیام کیے ہوئے دیکھا جس سے ہم نے یہ اندازہ لگایا کہ احمد اور آپ کی بہن امانہ کو توزون ہی نے قتل کیا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد جب مخبر خاموش ہوا تو ارسلان نے ایک آہ بھر کر کہا:

"دیکھ میرے رفیق! تو نے ایک ایسی بری خبر سنائی ہے جس نے میرا دل چھلنی اور جگر ریزہ ریزہ کر ڈالا ہے تاہم میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو توزون کا پیچھا کرنے اور اس کا پتہ لگانے میں کامیاب رہا ہے"

خیمے کے اندر پردے کے پیچھے سارہ بھی ارسلان اور مخبر کی گفتگو بڑے غور اور انہماک سے سن رہی تھی۔

ارسلان تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر وہ دوبارہ بولا:

"کاش! یہ خبر سننے سے پہلے میرا دم نکل گیا ہوتا یا میں زمین ہی میں دھنس گیا ہوتا۔ کاش احمد اور امانہ کو غزنی کی طرف روانہ کرتے وقت میں نے ان کی حفاظت کا بھی انتظام کیا ہوتا۔

دیکھ تو ابھی لشکر کے مہمان خانے میں رک۔ میں ابھی اپنی بیوی اور پھر سلطان سے بات کرنے کے بعد تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ تو مرغب شہر کی اس سرائے تک میری راہنمائی کر جس میں توزون نے قیام کر رکھا ہے۔ پھر دیکھ میں اس بدبخت اور شیطان صفت آدمی سے کیسا ہولناک انتقام لیتا ہوں۔"

ارسلان خاموش ہوا تو مخبر کہنے لگا:

"سنو امیر ارسلان! توزون کے ساتھ اس کا کوئی ساتھی بھی ہے اور دونوں نے ہی مرغب شہر کی سرائے میں قیام کر رکھا ہے۔ میں نے باتوں باتوں میں سرائے کے مالک سے پتہ کر لیا تھا کہ توزون اور اس کا ساتھی چند دن وہاں قیام کریں گے پھر وہ کسی اور سمت نکل جائیں گے لہذا ہمیں وقت ضائع کیے بغیر مرغب کی طرف کوچ کرنا چاہیے تاکہ جونہی توزون اپنے ساتھی کے ساتھ اس سرائے سے نکلے ہم اس کے پیچھے ہو لیں اور ویرانوں میں لے جا کر اس سے وہ انتقام لیں جس کا اس نے خود اپنے آپ کو حقدار بنا لیا ہے"۔

ارسلان نے اپنے مخبر کی رائے اور تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر اس سے کہنے لگا:

"دیکھ۔ تو لشکر کے مہمان خانے کی طرف جا۔ وہاں کھانا کھا اتنی دیر میں میں کوچ کی تیاری کرتا ہوں۔ پر تیرا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟"

اس پر مخبر نے جواب دیا:

"وہ اس وقت لشکر کے مہمان خانے ہی میں ہے۔ میں بھی وہیں جاتا ہوں اور وہیں آپ کا انتظار کرتا ہوں"۔

اس کے ساتھ ہی مخبر مڑا اور وہاں سے چلا گیا۔

ارسلان جب پلٹ کر اپنے خیمے میں داخل ہوا تو سارہ بے چاری پردے کے پیچھے کھڑی ہچکیوں اور سسکیوں میں رو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو رواں تھے جو تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے خود ارسلان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہ نکلے۔

تھوڑی دیر تک دونوں میاں بیوی خیمے میں کھڑے ہو کر آنسو بہاتے رہے۔ پھر ارسلان نے اپنے آپ کو سنبھالا اور سارہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"دیکھ سارہ۔ اگر تو نے میری اور مخبر کی گفتگو سن لی ہے تو اسے برداشت کر۔ اس لیے کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اس سلسلے میں میں سلطان سے بات کرنے کے بعد جلد لوٹتا ہوں۔ پھر اپنے ان دونوں مخبروں کے ساتھ میں مرغب شہر کی اس سرائے کی طرف کوچ کر جاؤں گا جہاں توزون اور اس کے ساتھی نے قیام کر رکھا ہے۔ تو لشکر کے ساتھ غزنی چلی جانا۔ میری طرف سے فکر مند اور پریشان نہ ہونا۔ میں توزون سے انتقام لے کر جلد تمہارے پاس غزنی پہنچوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی ارسلان خیمے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ارسلان واپس آیا۔ اس نے اپنا جنگی لباس پہنا۔ ایک کمبل لپیٹ کر اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھا۔ پھر سارہ کو خداحافظ کہا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کے مہمان خانے کی طرف چل پڑا۔

وہاں سے اس نے اپنے دونوں مخبروں کو ساتھ لیا۔ پھر اپنے لشکر کے پڑاؤ سے نکل گیا۔ ارسلان

ان کے ساتھ پہلے ہرات آیا۔ وہاں سے سبزواری گیا۔ اب اس نے وہ شاہراہ چھوڑ دی جو سیدھی آگے غور سے ہوتی ہوئی غزنی کی طرف جاتی تھی بلکہ وہ بائیں طرف جانے والی شاہراہ پر مڑ گیا جو مرغب شہر کی طرف جاتی تھی۔



مجدالدولہ کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد سلطان غزنی جا کر زیادہ دن جی نہ سکے اور موت نے انہیں آن دبوچا۔

تیس سال مسلسل سفر کی صعوبتوں، مختلف آب و ہوا کے علاقوں میں قیام اور بے شمار لڑائیوں میں سرگرم حصہ لینے کے باعث سلطان کی صحت گرتی جا رہی تھی۔ جاٹوں کے خلاف لڑائی ہی میں انہیں ملیریا کی شکایت ہو گئی تھی۔ اس عارضہ میں وہ کچھ عرصہ مبتلا رہے مگر لوگوں سے انہوں نے اپنی یہ بیماری چھپائے رکھی۔ سلطنت کا کاروبار معمول کے مطابق چلاتے رہے۔ علاقوں کا سالانہ معائنہ بھی وہ باقاعدگی سے کرتے رہے حالانکہ طبیبوں نے سفر سے منع کر رکھا تھا۔

اس کے بعد انہوں نے سلجوقیوں کی مہم کے علاوہ رے کے حکمران مجدالدولہ کے خلاف کامیاب جنگ کی تھی۔ اس طرح رے سے واپسی کے بعد سلطان کو اس بیماری نے پوری شدت سے آن پکڑا اور موت سے بغل گیر کر دیا۔ اس بیماری کے دوران بھی سلطان نے بیماروں کی طرح بستر پر دراز ہونے سے انکار کر دیا۔ وہ حکومت کے کاروبار میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے، موت سے وہ ڈرتے ہی نہیں تھے۔

تیس سال میں نہ جانے کتنی بار انہوں نے موت کو قریب سے دیکھا تھا۔ ان کے جسم پر ۷۲ زخموں کے نشان تھے لیکن انہوں نے کبھی ہمت نہ ہاری۔ وہ ایک عزم کے ساتھ ہر مشکل اور سختی کو برداشت کرنے کے عادی تھے۔

موت سے کچھ دیر پہلے انہوں نے اپنے خزانے کے بے شمار ہیرے جواہرات، قیمتی ظروف اور نادر اشیا کو ایک کمرے میں سجانے کے بعد ان پر ایک الوداعی نگاہ دوڑائی۔ پھر ان کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور انہوں نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"سنو لوگو! یہ دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ دائمی زندگی آخرت ہی کی ہے۔ لگاتار کئی برس تک جنگوں میں مصروف رہنے کے بعد جو کچھ میں نے جمع کیا وہ تم دیکھتے ہو سب کچھ یہیں چھوڑ کر میں خالی ہاتھ یہاں سے کوچ کر رہا ہوں لہٰذا اگر کوئی چاہتا ہے کہ وہ اخروی مال و دولت سے نوازا جائے تو اسے اپنے اعمال کی پونجی کو خوب سنوار کر رکھنا چاہیے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان تھوڑی دیر کے لیے رکے۔ پھر دوبارہ کہنے لگے:

"سنو میرے ساتھیو! میں نے بے شمار خونی لڑائیاں لڑیں۔ لاشوں کے ڈھیر دیکھے ہیں۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سنی ہے۔ قیدیوں کی لامتناہی قطاریں دیکھی ہیں۔ فتوحات میں بے شمار سختیاں بھی میں نے برداشت کی ہیں اور تم جانتے ہو کہ زندگی میں کسی دشمن کے سامنے مجھے شکست نہ ہوئی لیکن موت ایک ایسا دشمن ہے جس کے خلاف کسی کو بھی کامیابی نہیں ہوتی اور آج تم دیکھتے ہو کہ میں یعنی محمود بھی اس موت کے سامنے بے بس ہوں اور یہ مجھ پر غلبہ پاتی چلی جا رہی ہے۔"

سلطان خاموش ہو گئے۔

اسی روز ۶۱ سال کی عمر میں سلطان محمود اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ رات کے وقت ان کو غزنی کے گلستانِ فیروزی میں دفن کر دیا گیا۔

کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ سلطان سل کے مریض تھے۔ کچھ اور مؤرخین کہتے ہیں کہ انہیں دق کا عارضہ تھا۔ بہر حال وہ تاریخ کے اوراق میں اپنی شاندار اور بے مثل فتوحات کی طویل فہرست رقم کرنے کے بعد اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔



ایک روز ارسلان اپنے دونوں مخبروں کے ساتھ مرغب شہر کی بیرونی سرائے میں داخل ہوا۔ اپنے اور اپنے مخبروں کے لیے اس نے سرائے میں کمرے حاصل کیے۔ دونوں مخبروں کو اس نے توزون پر کڑی نگاہ

رکھنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں قیام کیا۔

اس سرائے میں کوئی پندرہ روز تک ارسلان اپنے مخبروں کے ساتھ مقیم رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز ارسلان کا ایک مخبر بھاگا بھاگا آیا اور ارسلان سے کہنے لگا:

"میر ارسلان! آپ کے دونوں دشمن آج سرائے سے کوچ کرنے والے ہیں۔ میں نے انہیں خود اصطبل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا ہے لہٰذا ہمیں فی الفور ان کا پیچھا کرنا چاہیے۔"

اپنے مخبر سے یہ اطلاع پا کر ارسلان تڑپ کر اپنی مسہری سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ اپنا جنگی لباس پہن کر کمرے سے باہر نکلا۔

اس نے دیکھا کہ توزون اور اس کا ساتھی دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار آہستہ آہستہ انہیں ہانکتے ہوئے سرائے سے باہر جا رہے تھے۔

ارسلان بھاگتا ہوا سرائے میں داخل ہو گیا۔ جب توزون اور اس کا ساتھی سرائے سے نکل گئے تو ارسلان کے دونوں مخبر بھی تیزی سے اصطبل میں داخل ہوئے۔ تینوں نے گھوڑوں پر زینیں ڈالیں پھر وہ ان پر سوار ہو کر توزون کے تعاقب میں چل پڑے۔

توزون اور اس کا ساتھی شمال کی طرف جانے والی شاہراہ پر چڑھ گئے تھے۔ کوئی دو میل تک ارسلان نے اپنے مخبروں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا پھر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہ تینوں توزون اور اس کے ساتھی کے سامنے آئے اور ان دونوں کی راہ روک کر کھڑے ہو گئے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر توزون اور اس کے ساتھی دونوں نے اپنی تلواریں اور ڈھالیں سنبھال لیں پھر کڑکتی اور گرجتی ہوئی آواز میں توزون نے ارسلان سے پوچھا:

"تم کون ہو اور کیوں تم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہماری راہ روکی ہے؟"

توزون کے اس استفسار پر ارسلان نے کہا:

"ہم تینوں نے تمہاری راہ نہیں روکی بلکہ یوں کہو کہ میں اکیلے نے تمہاری راہ روکی ہے۔ میرے یہ دونوں ساتھی تمہارے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ میں اکیلا ہی تم دونوں کو بیک وقت مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔"

اس پر توزون نے غصے اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"قبل اس کے کہ میں تمہاری زندگی کا فیصلہ کر دوں، تم یہ تو کہو کہ تم کون ہو اور تمہارے اور

میرے درمیان کیا دشمنی ہے ؟"

اس پر ارسلان بولا :

"مجھے تم اپنا ایسا دشمن خیال کر سکتے ہو جو آج ان ویرانوں میں تمہاری فسوں طرازات جیسی زندگی تمہاری شعبدہ گر جیسی زیست، تمہاری روح پر طاری سرور اور تاریکیاں محیط کر کے تمہارا خاتمہ کر کے رکھ دے گا۔"

ارسلان کی بات سن کر توزون نے مکروہ اور بلند قہقہہ لگایا اور بولا :

"تم کیسی بے یقینی اور انہونی گفتگو کرتے ہو۔ میں تو ایسا جوان ہوں جو دشتِ خزاں میں بھی صورت گری پھیلانے کا فن جانتا ہوں۔

سن میری راہ روکنے والے! میں تو وہ بدبلا ہوں جو سچائیوں کی علامت صحیفوں کی تحریر نوا جلے تاروں کی داستانوں میں جھوٹ کا آسیب بلند کر دیا کرتا ہوں اور آوازوں کو عکسِ زنجیر بنا دیا کرتا ہوں۔ میں جب اپنے دشمن پر حملہ آور ہوتا ہوں تو اس کے شعورِ شجاعت کو بہرہ کر دیتا ہوں۔ میرے حملوں سے پتھروں کا سینہ تک دھڑکنے لگتا ہے۔"

توزون کی اس گفتگو کے جواب میں ارسلان نے پھر کہا :

"دیکھ توزون! میرا نام ارسلان ہے۔ میں وہی ہوں جس نے اس سے پہلے تمہارے نوبھائیوں کو موت کے گھاٹ اتار رکھا ہے۔ آج ان ویرانوں میں میں تم سے اپنے بھائی احمد اور اپنی بہن امانہ کے قتل کا انتقام لوں گا۔ اپنے ذہن کے صفحے پر لکھ رکھ توزون! کہ میں تیرے ساتھ ٹکراتے ہوئے تیری حالت بے چراغ قبر، بے رنگ مٹی، پیاسے شجر، اندھی روح، شکستہ در و بام، طاقوں کی ویرانی اور محرابوں کے سناٹے جیسی بنا کے رکھ دوں گا۔"

ارسلان کا نام سن کر توزون چونک اٹھا۔ پھر وہ کسی قدر اطمینان اور خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا :

"میں خوش قسمت ہوں کہ احمد کے بعد اب تو بھی میرے سامنے آ گیا ہے۔ دیکھ ان ویرانوں میں تو میرے ہاتھوں بچ کر نہ جا سکے گا۔ اب میں تیرے ساتھ گفتگو کر کے وقت ضائع نہیں کروں گا بلکہ تجھ پر حملہ کی ابتدا کرتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی توزون نے اپنی تلوار اور ڈھال پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے غور سے ارسلان کی

طرف دیکھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور نادیدہ پرچھائیوں کے غبار، پیاس کے صحرا اور شہرِ خزاں کی طرح ارسلان پر حملہ آور ہو گیا۔

ارسلان نے توزون کے اس حملے کو روک کر دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ جارحانہ حملے بھی شروع کر دیے۔ دونوں کے ٹکرانے سے یوں محسوس ہونے لگا جیسے خاموشیوں کی جھنکار میں اندھی مٹی اور تازہ سورج ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے ہوں یا بے دھوپ زمین پر اچانک غم کے لمحے اور برزخ کی سنگینی نزول کرنے لگی ہو۔

دونوں چٹانوں کی طرح جم کر ایک دوسرے پر حملے اور وار کر رہے تھے۔ ایک موقع پر توزون نے ارسلان کا وار اپنی ڈھال پر لیا۔ پھر وہ غضب ناک انداز میں بولا :

"دیکھ جاذب کے بیٹے! میں تیرے ساتھ اس مقابلے کو طول دیتا چلا جاؤں گا یہاں تک کہ تھکاوٹ کی وجہ سے تیرے بدن کی ہر چنگاری بجھ کر سرد راکھ ہو جائے گی۔ تیرے چہرے پر خرابوں کی اڑتی سیاہی دکھائی دے گی اور تو میرے ہاتھوں موت کو سامنے دیکھتے ہوئے اک حرفِ گویائی، اپنے باطن کی گہرائی اور سماعت کی خواہش تک کو ترس کر رہ جائے گا۔"

جواب میں ارسلان پُرعزم آواز میں توزون کو مخاطب کر کے کہنے لگا :

"دیکھ توزون! یہ سب تیرا فریب، تیرا دھوکا اور تیری خوش فہمی ہے۔ تُو جتنا چاہے اس مقابلے کو طول دے لے۔ تُو دیکھے گا کہ میں گمان کے اندھیرے، آندھیوں کے غبار اور سیاہ صحرا اور عداوت کی دھوپ بن کر تجھ پر ہولناک ضربیں لگاتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میرے بجائے خود تجھ پر تھکاوٹ کے ایسے آثار نمودار ہوں گے کہ تو خود اپنے شکستہ چہرے کا عکس دیکھتے ہوئے مایوس اور نامراد ہوتا چلا جائے گا۔

سن توزون! کسی دھوکے کسی فریب، کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔ اگر تو صبح سے لے کر شام تک اور پھر شام سے اگلی صبح تک بھی ان ویرانوں میں میرے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے وقت گزار دے تو مجھے تھکاوٹ اور پژمردگی کا شکار نہ پائے گا۔ بلکہ تو خود بے چہرگی کے وار کا شکار ہو جائے گا اور لہو رنگ زخموں کی طرح تو آوارہ، تھکن میں بے بس اور مجبور ہو کر رہ جائے گا۔

تو دیکھے گا کہ جب تک تیرے اندر دم ہے میں تجھ پر بے سحر اور بے کراں صحرا کی طرح وار کرتے ہوئے چھاتا رہوں گا۔"

اچانک ارسلان خاموش ہوگیا۔ اس لیے کہ اس شاہراہ پر جو سبزواری کی طرف سے مرغب شہر کی طرف آتی تھی، وہی اجنبی اور ناآشنا لڑکی نمودار ہوئی تھی۔

وہ حسب معمول چہرے سے کاشوخ رنگ کا سرخ لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس کے نیچے سیاہ رنگ کا توانا گھوڑا تھا جسے وہ سرپٹ دوڑاتی ہوئی ارسلان کی طرف آرہی تھی۔

قریب آکر اس نے بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا:

اللہ نور السمٰوٰت والارض

پھر اس لڑکی نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالی اور آواز کے بگولوں کے طوفان اور جذبوں کی وحشی آندھی کی طرح کچھ اس طرح توزون کے ساتھی پر حملہ آور ہوئی کہ پہلے ہی وار میں اس نے اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔

چونکہ اس کا گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا آیا تھا لہٰذا اپنے زور اور جوش میں گھوڑا ذرا آگے نکل گیا تھا۔ تاہم جلد ہی اس نے اپنے گھوڑے کو موڑا۔ پھر وہ واپس لوٹی اور اس طرف آئی جہاں ارسلان اور توزون ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔

اس اجنبی اور ناآشنا لڑکی کو دیکھ کر ارسلان کے چہرے پر ہلکی ہلکی خوش کن مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ پہلے سے بھی زیادہ پرجوش انداز میں توزون پر ٹوٹ پڑا۔

اچانک ارسلان نے زوردار انداز میں تکبیر بلند کی پھر توزون کو مخاطب کر کے بولا:

"دیکھ توزون! اپنا آپ سنبھال لے۔ میں تیرا خاتمہ کرنے لگا ہوں اگر تو میرے خوفناک حملے سے بچ سکتا ہے تو بچ کے دکھا۔"

اس کے بعد ارسلان نے اپنے حملوں میں ایسی غضب ناکی پیدا کی کہ توزون بوکھلا کر رہ گیا۔ اس کے تیز حملوں کے سامنے توزون کی حالت اب ایسے ہو گئی تھی جیسے اندھیرے کے آنگن میں آندھیوں کے سفر اور بیمار ذہن میں دکھ گھس آیا ہو۔

ارسلان دائیں بائیں سے سرابوں کا سمندر بن کر بڑی تیزی سے توزون پر چھانے لگا تھا۔ اچانک اس نے تکبیریں بلند کرنا شروع کر دیں۔ پھر اس نے بائیں طرف کا چکمہ دیتے ہوئے توزون پر دائیں طرف سے ایسی تیزی اور برق رفتاری سے تلوار گرائی کہ اس کی چوڑے پھل کی وزنی اور بھاری تلوار توزون کو شانے سے لے کر پیٹ کے نچلے حصے تک کاٹتی چلی گئی۔

چٹانوں کے مخروطی سایوں اور اداس شام کی رنگت میں توزون کی ایک ہولناک چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر کر دم توڑ گیا۔

اتنی دیر میں وہ اجنبی لڑکی بھی اپنے گھوڑے کو دوڑا کر ارسلان کے قریب آئی۔ ارسلان بڑی دیر تک اسے غور سے خوش کن انداز میں دیکھتا رہا۔ پھر اسے مخاطب کر کے بولا:

"کیا ایسا ممکن نہیں کہ آج تم اپنے آپ کو مجھ پر ظاہر کر دو۔ تم دیکھ رہی ہو کہ میں اپنے سارے دشمنوں کا خاتمہ کر چکا ہوں۔ سلطان بھی ہندوستان میں اپنی مہموں کو انجام دے چکے ہیں۔"

ارسلان یہاں تک ہی کہنے پایا تھا کہ اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے اس لڑکی نے کچھ سوچا۔ پھر وہ کود کر گھوڑے سے نیچے اتری۔ اس کا ایک ہاتھ حرکت میں آیا اور اس نے اپنے چہرے سے خود کا نقاب ہٹا دیا۔

اسے دیکھتے ہی ارسلان دنگ رہ گیا۔

وہ اس کی بیوی سارہ تھی!

پھر سارہ بھاگی اور چاہتوں کے سمندر کی طرح ارسلان سے لپٹ گئی۔ پھر جب وہ اس سے علیحدہ ہوئی تو ارسلان نے کمال چاہت اور گہری محبت سے سارہ کو مخاطب کر کے کہا:

"میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا سارہ کہ یہ تم ہو گی لیکن تم کس طرح ہر جگہ میری مدد کے لیے پہنچتی رہیں اور قرآن مقدس کے پڑھنے کا یہ عربی انداز تم نے کہاں سے سیکھا؟"

اس پر سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا:

"میں پوری تفصیل آپ کے گوش گزار کرتی ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ جس وقت آپ مجھے تھانیسر مندر سے نکال کر لائے تھے اسی وقت سے میں آپ کو پسند کرتی ہوں۔ آپ کی زندگی کے سارے حالات احمد بھائی نے مجھے سنا ڈالے تھے۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ قدم قدم پر آپ کی حفاظت کروں گی لہٰذا میں ہر جگہ پہنچتی رہی۔

میرے اس طرح ہر جگہ پہنچنے میں سلطان کے علاوہ احمد کا بھی تعاون شامل تھا۔ احمد ہی نے مجھے سلطان کے سامنے پیش کیا۔ میں نے ان کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں ارسلان کو پسند کرتی ہوں اور ان کی حفاظت کا سامان کرنا چاہتی ہوں۔ لہٰذا جہاں ایک طرف احمد بھائی میرے راز دان تھے وہیں دوسری طرف سلطان بھی میرے اس راز سے آگاہ تھے۔

جب کہیں بھی آپ نے جانا ہوتا تھا اور اپنے دشمنوں سے ٹکرانا ہوتا تھا تو بلی آپ کا پیچھا کرتی تھی سلطان کی طرف سے چند محافظ میرے ہمراہ کر دیے جاتے تھے۔ وہ گھات اور آڑ میں رہ کر میری حفاظت کا انتظام کر دیا کرتے تھے اور یہ جو لباس میں پہن کر آتی رہی ہوں، سلطان ہی کی طرف سے مجھے مہیا کیے جاتے رہے ہیں۔

اس کے علاوہ میں جو گھوڑے بدل بدل کر آتی رہی ہوں یہ بھی سلطان ہی کی طرف سے مہیا ہوتے رہے ہیں۔ مرعب شہر کی طرف بھی آتے ہوئے سلطان نے میرے ساتھ پانچ محافظ کر دیے تھے جو صرف ایک فرلانگ پیچھے چھپے بیٹھے ہیں۔"

سارہ کی یہ باتیں سن کر ارسلان بے حد خوش ہوا۔ پھر وہ کہنے لگا:

"تمہاری گفتگو سے میری سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے کہ تم کیسے اور کس طرح میرے پیچھے مدد کے لیے پہنچتی رہی ہو لیکن یہ تو کہو کہ تم نے قرآنِ مقدس پڑھنے کا یہ عربی انداز کیسے اور کہاں سے سیکھا؟"

اس پر سارہ نے جواب میں کہا:

"آپ جانتے ہیں کہ میرے پتا لاہور کے راجہ تھے۔ ہند کے راجہ انند پال نے ان پر حملہ آور ہو کر ان کی راجدھانی ان سے چھین لی تو میری ماں مجھے لے کر چھپتی چھپاتی کالنجر کی طرف روانہ ہوئی تو راستے میں میری ماں سے مجھے چند پنڈتوں اور پروہتوں نے چھین لیا۔ وہ مجھے مقدس دیوداسی بنانا چاہتے تھے اسی مقصد کے لیے وہ مجھے مالابار کی طرف لے گئے جہاں راج مندر میں میری تربیت کا کام شروع کر دیا گیا تھا۔

شاید آپ نے سن رکھا ہو کہ مالابار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی عربوں کا تجارت کے لیے آنا جانا تھا۔ جس وقت مجھے مالابار کے راج مندر میں رکھا گیا تو وہاں کے پنڈتوں اور پروہتوں نے تیغ زنی اور دوسرے جنگی امور کی مجھے تربیت دینے کے لیے ایک عرب کی خدمات حاصل کی تھیں۔ یہ عرب انتہائی دانشمند، عالی رتبہ اور بوڑھے انسان تھے۔ وہ مجھے تیغ زنی اور دوسرے جنگی امور کی تربیت دینے کے علاوہ اسلام کی تربیت بھی دیتے رہے۔ میں نے اسلام آپ کے پاس آ کر قبول نہیں کیا تھا بلکہ میں اسے اس وقت ہی قبول کر چکی تھی جب میں مالابار کے مندر میں تھی۔ یہ سب کچھ میرے ان عرب استاد کی وجہ سے ہوا۔ انہوں نے مجھے پورا قرآن پاک بھی پڑھایا اور عربی انداز میں قرآن پاک کی قرأت بھی سکھائی۔

شروع میں اپنے ان عرب استاد کے کہنے پر میں اسلام کی طرف مائل نہ ہوئی تھی بلکہ ان سے جنگی علوم سیکھنے کی خاطر ان کی شاگردی اختیار کی تھی لیکن ایک روز میرا شاہی محل میں جانا ہوا۔ وہاں میں نے قدیم دور کا ایک روزنامچہ دیکھا جسے پڑھ کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ اس روزنامچے میں ایک ایسا واقعہ لکھا تھا جس نے مجھے پورے طور پر اسلام کی طرف مائل کر دیا۔

یہ واقعہ کچھ یوں تھا کہ:

مالابار میں ایک راجہ تھا جس کا نام زمورن تھا اور وہ خاندان بلویا سے تعلق رکھتا تھا۔ اس راجہ زمورن نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ شق القمر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس عجیب واقعے کے متعلق اس نے تحقیق اور تفتیش شروع کی۔ اس واقعہ کو بطور یادداشت اس نے روزنامچے میں درج بھی کر دیا تھا۔

اسی تفتیش اور تحقیق کے دوران بالآخر اسے حجاز جانے آنے والے غیر مسلم عربوں سے معلوم ہوا کہ ملک عرب میں آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے ہیں اور شق القمر کا یہ معجزہ انہی نے دکھایا ہے۔ یہ سن کر راجہ زمورن نے اسلام قبول کر لیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد راجہ زمورن نے حکومت اپنے بیٹے کے سپرد کی اور خود سمندر کے راستے ملک عرب کی طرف روانہ ہوا لیکن بدقسمتی سے راستے ہی میں وہ فوت ہو گیا۔ اسے ساحلِ یمن پر دفن کر دیا گیا۔

راجہ کا یہ سفر چونکہ عام اطلاع کے بغیر پوشیدہ طور پر عمل میں آیا تھا لہٰذا لوگوں نے راجہ کے اس طرح غائب ہو جانے کی حقیقت کو نہ سمجھا۔

انہی ایام میں چند مسلمان تاجر سراندیپ آئے اور اسلام کا پیغام ساتھ لائے جن عربوں نے اس جزیرہ میں تجارتی ضرورتوں کے سبب بود و باش اختیار کی ان کے باعث بہت جلد جزیرے میں اسلام پھیلنے لگا۔ حتیٰ کہ سراندیپ کا راجہ بھی مسلمان ہو گیا۔

اسی راجہ کی وجہ سے مالابار کی طرف بھی اسلام پھیلنے لگا اور وہاں بھی بیشتر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

مختصر یہ کہ راجہ زمورن عرب پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تو نہ ہو سکا کیونکہ وہ راستے ہی میں فوت ہو گیا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو دین کی دولت سے مالا مال کر لیا تھا۔

راجہ زمورن کے اس روز نامچے میں یہ واقعہ پڑھ کر میں بے حد متاثر ہوئی۔ بعد میں میں نے پورے خلوص اور رغبت سے اسلام قبول کر لیا۔

اب میں نے اپنے ان عرب استاد کی طرف پوری طرح دھیان دیا۔ ان سے قرآن پڑھا اور دوسرے دینی امور کے بارے میں ان سے تربیت حاصل کی۔

پھر میری بد قسمتی یہ ہوئی کہ مجھے یہ پنڈت اور پروہت مالا بار کے راج مندر سے تھانیسر لے گئے۔ اس کے بعد کے واقعات آپ جانتے ہیں۔"

سارہ کے یہ حالات سن کر ارسلان مطمئن اور خوش ہو گیا تھا۔ پھر اس نے بڑی پیار بھری اور چاہت آمیز آواز میں اسے مخاطب کر کے کہا:

"آؤ۔ اب یہاں سے کوچ کریں۔"

پھر—

سب لوگ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس مرغب شہر کی طرف چل پڑے۔ راستے میں درختوں کے ایک جھنڈ کے اندر سے نکل کر سارہ کے وہ پانچ محافظ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے جو حفاظت کے لیے وہاں موجود تھے۔

پہلے وہ مرغب شہر آئے۔ وہاں سے وہ بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے سبزواری شہر کے مغربی حصے میں بڑی شاہراہ پر چڑھ گئے۔

پھر—

وہ سب اس شاہراہ پر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑانے لگے جو سبزواری اور غور سے ہوتی ہوئی غزنی کی طرف جاتی تھی۔